رسائل ۲۹۱

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۵۹

زیر سرپرستی امیر الامراء اسکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

سنہ ۱۳۶۶ھ

(مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔

(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔

(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔

(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔

(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔

(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت

(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات وہدایات۔

(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات

(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا

(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ ونقلیہ

(۱۱) فلسفہ قدیمہ وجدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام وازالہ شبہات

(۱۲) اکتشافات جدیدہ وحقایق اسلام

(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔

۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔

۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴/ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔

۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔

۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط وکتابت طے ہوسکتی ہے۔

۶۔ علمی معاملات کے متعلق خط وکتابت وارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔

۷۔ شرح قیمت رؤسا و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ، غربا و طلبا سے بشرط تصدیق عا

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔

(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر وتبدل کا اختیار ہوگا

(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔

(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔

(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔

(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

جلد ۲۸ | بابت ماہ جنوری ۱۹۴۷ء مطابق ماہ صفر ۱۳۶۶ھ | نمبر ۱

۱۸ جنوری ۱۹۴۶ء

باسمہ سبحانہ — جلد ۵ نمبر ۲۷

۱۸ جنوری ۱۹۴۶ء — ۱۵ صفر ۱۳۶۵ھ

الواعظ

مجذوب کی بڑ کا جواب

صرف یہ بتاؤ کہ مندرجہ ذیل حوالے تمھاری کتابوں میں ہین یا نہین

فاتح خیبر کے عنوان سے جو مضمون مسلسل نذر قرطاس کیا جارہا ہے اوس کا اثر اتنا تو ہوا کہ محمود احمد نامہ نگار الفقیہ امرتسر نے ۲۸ نومبر کی اشاعت مین حدیث خیبر کو صحیح سمجھا اور جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو فاتح خیبر مان لیا مگر ابھی تک جاہل مریدین کو دھوکا دینے کے لئے وہ غلط طور پر یہی کہے جاتا ہے کہ الواعظ کا اڈیٹر حضرت علی کو خدا اور رسول مانتا ہے اور جواب کے بجائے گالیان دیتا اور تبرا کرتا ہے ہمنے اسکے ایمان کی توحید کا جائزہ لیکر اونکے پیرون کے خطابات اور جو حوالے دیئے تھے اون کو شربت کے گھونٹ کیطرح پی گیا اور ایک حرف بھی جواب مین نہ لکھا اور پھر گالیان بکنے کا الزام ہے اس حرکت مذبوحی کا ہمارے پاس صرف یہ علاج ہے کہ ان ہفتوں کا بجائے لفظ بلفظ جواب دینے کے صرف یہ پوچھین کہ الواعظ کی جن پیش کردہ حدیثون کا وہ غلط نتیجہ نکالکر حضرت امیرالمومنین کو خدا یا رسول سمجھتا ہے وہ تمھارے یہان ہین یا نہین اگر وہ مرد کے بچے ہو تو بس اتنا کہو کہ یہ حوالے غلط ہین تاکہ تمہارا فریب دنیا پر واضح ہو جائے

مورخ طبری جو تمہارا امام ہے لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے حضرت علی کی شان مین فرمایا انہ منی وانا منہ (صفحہ ۱۷ جلد ۳ تاریخ طبری مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر) علی مجھ سے ہین اور مین اون سے ہون" یہ پیغمبر خدا کا ارشاد ہے اس کتاب کا نام نہ بھولنا اگر خود نہین پڑھ سکتے تو امرتسر یا دیوبند یا پاتالہ کے کسی ذمہ دار عربی دان سے ترجمہ کراؤ۔

ریاض النضرہ تمھاری ہی کتاب ہے تمہارے شیخ فقیہہ و حدیث ابوجعفر احمد عرف محب طبری جو لکھتے ہین اوسکو آنکھین کھولکر پڑھو پیغمبر صلعم کا فرمان ہے کنت انا وعلی نورا بین یدی اللہ تعالٰی قبل ان یخلق آدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق اللہ آدم قسم ذلک النور جزءین فجزء انا وجزء علی (ریاض النضرہ جلد دوم مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ صفحہ ۱۶۴) کیا اس حدیث کا یہ مفہوم نہین ہے کہ نبی وعلی ایک نور سے ہین اور ایک جزء رسول ہین اور دوسرا جزء وصی رسول اگر مراد یہی ہے تو اب جو غلط نتیجہ تم الواعظ کی تحریر کا نکالتے ہو کیا وہی طبری اور محب طبری کا بھی ہے شرمانا صاف کہو اخبار کے کالم سیاہ کر کے ناظرین کا وقت ضائع نکرو پتھر کی عینک ہماری آنکھ پر ہے یا تمہاری بے بصرت آنکھ پر اور انتقام کی آگ ہمارے سینہ مین ہے یا تمہارے دل و دماغ مین اگر تم نے یہان بیانہ کے سوا کچھ اور کہا تو آیندہ تمہارے جواب مین ہم کہین گے من کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی واضل سبیلا

معذرت :۔ ہمنے چاہا تھا کہ اس نمبر مین واقعہ کربلا کے سوا کسی اور موضوع پر قلم نہ اٹھائین مگر الواعظ کے خلاف الفقیہ امرتسر کی افترا پردازی کا جواب دینا بھی ضروری تھا اسلئے مختصر مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا اور سلسلہ مقالات مین جو فاضلانہ مضمون سب سے پہلے ہے وہ ملاحظہ کرو دوسرے اخبار اہلحدیث کی تازہ خفیہ نیشہ دوانی کی روسے جو محرم نمبر کے مقالہ افتتاحیہ کو دیکھکر جریدہ مذکور نے سپرد قلم کیا ہے (اڈیٹر)

الواعظ محرّم نمبر اور اہلحدیث امرتسر

از جناب مولانا سید کاظم رضا صاحب متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

اہلحدیث ۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء میں ایک مضمون بعنوان "کیا حضرت ابراہیم شیعہ تھے" میری نظر سے گذرا جسے پڑھکر کچھ تو ہنسی آئی اور کچھ مضمون نگار کے حال پر افسوس سا ہوا نام بڑا درشن تھوڑے کہنے کو تو اہلحدیث ہے مگر اخبار و احادیث سے حس و مس تک نہین تعصب کے بہاؤ مین بہہ کر جا بیجا اعتراضات کرڈالے ہم جواب کے لئے ہرگز قلم نہ اٹھاتے کیونکہ ہمیشہ اس رسالہ مین اسی قسم کے رکیک مضامین بھرے رہتے ہین اسی مذکورہ پرچہ مین ایک دوسری جگہ آیت تطہیر کی خوب خوب دھجیان اڑائی گئی ہین لیکن چونکہ خاص ہمارے جرائد کو خصوصًا الواعظ کو نشانہ اعتراض بنایا گیا ہے اسلئے ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہون اگرچہ راقم نے جیسا کہ تحریر کیا ہے آپنے بچون کے بہلانے کے واسطے جھوٹ سچ لکھ مارا ہے صحیح ہے کہ اس قسم کی طفل تسلیان اہلحدیث کے یہاں ہمیشہ زیر مشق رہین یہ واقعہ ہے کہ مولوی صاحب مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے حدیث مین لفظ تسابّا آگیا شاگرد نے دست ادب جوڑکر پوچھا اوستاد معظم یہ توفرمایئے کیا توبہ توبہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام بھی آپس مین گالیان بکتے تھے بڑی صفائی سے فورًا جواب دیا اس مین بات ہی کیا ہے صحابہ مین اکثر مذاق ہی مذاق گالم گلوج یونہی ہو ہی جایا کرتی تھی آگے بڑھو۔ فاضل مضمون نگار کو یہ بات بہت گران گذری کہ جناب ابراہیم شیعون مین کیونکر شمار ہوگئے اور اپنے شیعہ علی مین شمار ہونے کی نسبت معراج کیوں درخواست کی اسی لئے تمہید لفظ شیعہ سے اٹھائی۔ لغوی تحقیق اس طور پر فرمائی کہ ایک وغیرہ مین سارا مطلب کہا گئے "شیعہ کے معنی مین جماعت اور گروہ وغیرہ" دوست اور رفیق و متبع کے معنی کو اڑا گئے۔ قاموس اٹھا کر دیکھئے لفظ شیعہ کے ذیل مین تحریر ہے "شیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ و انصارہ و الفرقۃ علی حدۃ ویقع علی الواحد والاثنین والجمع والمذکر والمونث وقد غلب ہذا الاسم علی کل من تیولّی علیًا واہلبیتہ حتی صار اسالہم خاصًا" شیعہ بالکسر اتباع و انصار اور فرقہ کو کہتے ہین اسکا استعمال واحد وتثنیہ جمع مذکر و مونث سب پر ہوتا ہے لیکن غلبہ اس اسم کا اطلاق اب ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو علی اور اہلبیت کو دوست رکھے یہان تک کہ یہ لفظ اسم خاص بن گیا ہے اب جبکہ غالب استعمال لفظ شیعہ کا محب علی و اہلبیت پر ہوا لہذا بغیر قرینہ قائم کئے ہوئے کسی غیر لغوی معنی مین استعمال درست نہین ہوسکتا۔

لفظ شیعہ ماخوذ ہے شیاع سے شیاع اُن چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو کہتے ہیں جن کی مدد سے بڑی لکڑیاں جلائی جاتی ہیں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ شیعوں سے جلنے والے بہت ہیں اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں " اس لفظ کا جیسا مضاف الیہ ہو ویسا ہی اس کا مفہوم ہوتا ہے نیک ہو تو نیک بد ہو تو بد" بالکل درست یہ لفظ شیعہ ہی میں کیا خاص خصوصیت ہے ہر لفظ مضاف الیہ کے ادون و اعلیٰ ہونیکے اعتبار سے نیک بد مفہوم اختیار کرتا ہے مثال کے طور پر لفظ سنت ہی کو لے لیجئے اگر اس لفظ کو رسول کی طرف مضاف کر دیجئے تو معنے نیک حاصل ہوں گے اور اگر اس کو شیطان کی طرف نسبت دیجئے تو مفہوم بد پیدا ہو گا۔

شیعوں کی ابتدا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ،، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں رافضی وخارجی دو گروہ پیدا ہو گئے تو رافضی گروہ نے اپنا نام شیعہ علی رکھا یعنی علی کا گروہ " یہ چیز اپنی جگہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شیعوں کی ابتدا کب سے ہے اور رافضی کون کون لوگ ہیں اور اس کے کیا معنی ہیں۔ تسلیم کہ رافضیوں نے اپنا نام شیعہ علی رکھا لیکن خارجیوں نے اپنا نام کیا رکھا شاید فاضل مضمون نگار نے ہمارا تعارف کرا کے برنبائے رسم وتہذیب دنیا اپنے تعارف کے بار کو ہم پر چھوڑ دیا اچھا تو ہم اس فرض سے بہت جلد سبکدوش ہو جائیں خارجیوں نے عہد معاویہ میں اپنے نام کی کچھڑی پکا تیار کی سنت تو شیخین سے حاصل ہی کر چکے تھے جماعت کا شرف امیر معاویہ سے حاصل کیا دونوں کو ترکیب دیکر نام رکھا اہلسنت والجماعت۔

یہاں تک تو تمہیدی مناقشات کا تعلق تھا جو ذکر کیا اب میں لا علمی کے خیال سے بلیاد اعتراض کی مختصر الفاظ میں تقریر کر دوں تاکہ اعتراضات وجوابات کے سمجھنے میں کوئی دقت ناظرین کو نہ محسوس ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ شب معراج جناب ابراہیم نے علی کی شاندار گذرنے کے موقع پر نبی اکرم سے پوچھا یہ کوئی نبی ہے یا خدا کا کوئی مقرب فرشتہ رسول نے ارشاد فرمایا نہ یہ کوئی نبی ہے اور نہ فرشتہ یہ میرے بھائی علی ابن ابیطالب ہیں اور گرد وپیش جو لوگ ستاروں کی طرح جمع ہیں یہ سب دوستداران علی ہیں اس وقت خلیل اللہ نے درگاہ خدا میں ہاتھ بلند کئے فرمایا اللّٰھم اجعلنی من شیعۃ پروردگار امجھے شیعہ علی میں سے قرار دے جناب ابراہیم کی دعا مقبول ہوتی اور آیت ان من شیعتہ لابراھیم نازل ہوئی۔ اب اعتراض سنئے پہلا اعتراض (الف)،، الحدیث۔ اس اقتباس میں جو دعوے کئے گئے ہیں ان کا ثبوت قرآن شریف میں تو نہیں ہے۔"

میں اس کے جواب میں صرف یہ عرض کروں گا جتنے واقعات معراج کے سلسلہ تفاسیر اہلسنت میں

نقل ہین کوئی واقعہ آپ قرآن مین دکہلا دیجئے تفسیر در منشور مین سیکڑون واقعات بیان ہین کیا سب قرآن مین موجود ہیں اگر سب قرآن ہی مین تو پہر تفسیر کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن تو محض واقعات کی طرف اشارے کرتا ہے۔

(ب) ور کیا کسی صحیح حدیث مسلمہ مین ہے" بیشک آپکے صحاح ستہ مین یہ چیز نہ ملے گی جس مین عبداللہ ابن سلام یہودی سے روایتین کی گئی ہین اور اہلبیت کو پس پشت ڈالدیا گیا اور کنارہ کیا گیا پہر یہ کہ آپ ہی کے علماء حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ فضائل کے باب مین احادیث صحیحہ ہی کی پابندی ضروری نہین حسن وموثق وضعیف سے بہی تمسک جایز ہے جیسا کہ جناب حکیم نظیر حسن صاحب سخا دہلوی نے اپنے قصیدہ عروۃ الوثقیٰ کے اول دیباچہ مین تحریر فرمایا ہے" اصول حدیث مین یہ بات داخل ہے کہ فضائل مین ضعیف احادیث تک لیجاتی اور بنظر قبول دیکھی جاتی ہین ۔" اگر صحاح مین یہ حدیث نہ ہو تو کوئی جائے تعجب نہین جبکہ ائمۂ حدیث نے فضائل امیر المومنین واہلبیت علیہم السلام کے چھپانے مین اپنی کوشش اٹھا نہین رکہی جس کا نوحہ علامہ ابوجعفر اسکافی معتزلی نے اپنی کتاب مین پڑھا ہے تحریر فرماتے ہین "ما کان من تاکید بنی امیہ لمن الله وما ولده المحدثون من الاحادیث طلبا لما فی ایدیھم فکانوا لا یالون جھدا فی طول ما ملکوا ان یخملوا ذکر علی واولادہ ولیطفئوا نورھم ویکتموا فضائلھم ومناقبھم وسوابقھم ویحملوا الناس علی شتمھم وسبھم ولعنھم علی المنابر فلم یزل یقطر من وما یھم مع قلۃ عددھم وکثرۃ عدوھم فکانوا بین قتیل واسیر الخ بنی امیہ کی تاکید اس بارہ مین رہی کہ علماء احادیث وضع کرین علماء بنی امیہ نے مال وزر کی لالچ مین اگر کوئی کسر ذکر علی کے مٹانے مین اٹھا نہ رکھی انھون نے ان ذوات مقدسہ کے نور کو بجہایا فضائل کو چھپایا مناقب پر پردے ڈالے یہی علماء لوگوں کو سر منبر سب وشتم پر آمادہ کرتے تھے ہمیشہ یونہی بنی امیہ کی تلواریں بنی فاطمہ کا خون بہاتی رہیں گنتی کی فردین دشمنوں کی یلغار مین گھری رہیں ہر ایک ان مین کا یا تو بنی امیہ کا اسیر تھا یا انکے ہاتھوں قتل کیا گیا

" کیا کسی امام اہلبیت کا قول ہے" اس سوال کے جواب مین یہ عرض کرون گا کہ بیشک ہمارے امام کا قول ہے اور لطف بالائے لطف یہ کہ آپ کے امام صاحب بھی اسی غلطی کے مرتکب ہوتے ہین جس کو مین آگے چل کر پیش کرون گا۔ پہلے امام اہلبیت کے قول کو بنا بر مطالبہ پیش کردون تفسیر البرہان مین شرف الدین نجفی نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ آپ نے آیہ وان من شیعتہ لابراہیم کے ذیل میں فرمایا اے ابراہیم من شیعۃ علی یعنی جناب ابراہیم شیعیان علی سے ہیں۔ مزید تائید

اس کی ایک روایت سے ہوتی ہے جناب جابر جعفی نے امام جعفر صادق سے اسی روایت کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ امام نے فرمایا جس وقت جناب ابراہیم خلق ہوئے اور آنکھوں سے حجاب ہٹا عرش کے پہلو میں ایک نور ساطع و لامع دکھائی دیا۔ پوچھتے ہیں بار الہا یہ کس کا نور ہے ارشاد رب العزت ہوا کہ یہ نور میرے حبیب خاص محمد مصطفےٰ کا ہے اسی نور کے پہلو میں ایک اور نور نظر آیا سوال کیا یہ کس کا نور ہے ارشاد قدرت ہوا یہ نور علی ہے پھر اس کے پہلو میں تین نور اور نظر پڑے پوچھا یہ کس کے انوار ہیں جواب ملا یہ فاطمہ اور ان کے فرزند حسن و حسین کے نور ہیں۔ پھر جناب ابراہیم نے پوچھا نو انوار کا اور مشاہدہ کر رہا ہوں جواب ملا یہ انوار ائمہ ہیں جو نسل علی و فاطمہ سے ہوں گے ہر ایک کا نام پوچھا پھر سوال کیا پروردگارا اور بھی بہت انوار ہیں جو ان سب کو گھیرے ہوئے ہیں جواب ملا کہ سب دوستدار ہیں اس وقت خلیل نے دست دعا بلند کیا فرمایا اللھم اجعلنی من شیعتہ امیر المومنین اس کی خبر خدا نے قرآن میں دی ہے و ان من شیعتہ لابراھیم۔

یہاں تک تو ہماری تفسیر کا بیان تھا اب آیئے دیکھئے امام فخرالدین رازی کیا افادہ فرماتے ہیں۔

تفسیر کبیر جلد ہفتم سورہ صفت الضمیر فی قولہ تعو من شیعتہ الی ماذا یعود و فیہ قولان الاول ہوالاظہر انہ عاید الی نوح الثانی قال الکلبی المراد من شیعتہ محمد لا ابراہیم بمعنی انہ کان علی دینہ و منہاجہ شیعتہ کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں پہلا تو ظاہر و اظہر ہے کہ ضمیر جناب نوح کی طرف پلٹتی ہے۔ دوسرا قول کلبی کا ہے کہ ضمیر کا مرجع ذات ختمی مرتبت ہے یعنی جناب ابراہیم شیعہ محمد تھے یعنی آپ جناب محمد مصطفےٰ کے دین اور شریعت پر تھے۔ دل چاہتا ہے کہ معترض صاحب کے اعتراض کی پوری تقریر اس کے بعد کر دوں فاضل موصوف خود اپنا جواب دیں تو پھر ہم یہ ایراد کریں گے "ر کس قدر قرآن مجید کی تحریف ہے جو اس حوالہ میں کی گئی ہے کیونکہ قرآن مجید میں شیعہ کی ضمیر حضرت نوح کی طرف راجع ہے اور اقتباس مذکور میں حضرت علی کی طرف پھیر دی ہے جو سینکڑوں سال بعد پیدا ہوئے تھے" اعتراض کی دھن میں اگر خود کو بھی فراموش کر دیا جو چاہا لکھ مارا کیا آپ کے نظریہ سے مطابق قول کلبی صاحب تہذیب التہذیب ترجمہ حسن بن اسامہ بن زید بن حارثہ کلبی میں تحریر کرتے ہیں۔ قلت و صححہ ابن حبان والحاکم و ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ ابن حبان نے کلبی کو ثقات میں شمار کیا ہے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۰۵ طبع مجلس دائرۃ معارف حیدر آباد ۱۳۲۵ھ آپ ہی کی رو نہیں ہوتی ہے کیا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جناب ابراہیم کے سینکڑوں سال بعد نہیں پیدا ہوئے یہ تک خبر نہیں کہ محمد و آل محمد کا وجود کب سے ہے اور کب ان پاک ہستیوں کی خلقت ہوئی۔ رسول کی مشہور حدیث کو بھی بھلا دیا و کنت نبیا و آدم

بین الماء والطین میں اسوقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ حدیث نور خلقت انا و علی من نور واحد جسے عامہ و خاصہ نے باتفاق نقل کیا ہے جو شاہد ہے کہ امیر المومنین ہمیشہ سے رسول ہی کے ساتھ رہے۔ فراموش فرما گئے۔

خبر مرفوع میں حذیفہ رسول سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اگر لوگ اس چیز کو جان لیں کہ کب سے علی امیر المومنین ہیں تو آپ کی فضیلت کے کبھی منکر نہ ہوں۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۲۵۴ تالیف علامہ شیخ سلیمان حسینی بلخی۔

ینابیع المودۃ میں خلیفہ ثالث سے اور مودۃ القربیٰ تالیف میر سید علی ہمدانی میں جناب سلمان سے روایت ہو کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں اور علی نور واحد سے چار ہزار سال قبل خلقت آدم مخلوق ہوئے جس وقت آدم پیدا ہوئے اس نور کو خدا نے صلب آدم میں ودیعت فرمایا پس یکے بعد دیگرے اصلاب انبیاء میں ہمارا نور منتقل ہوتا رہا یہاں صلب عبد المطلب میں پہونچکر اس نور کے دو حصے ہوئے وفی النبوۃ وفی علی الخلافۃ ہم میں نبوت آئی اور علی کو منصب خلافت ملا ینابیع صفحہ ۲۵۶ مودۃ القربیٰ طبع باہتمام میرزا احمد ۱۳۱۰ھ

صاحب کتاب قدسیات جو بہت بڑے محقق جمہور میں گذرے ہیں نبی سے روایت کرتے ہیں قال لعلی یا علی ان اللہ فقد قال لی یا محمد بعثت علیا مع الانبیاء باطنا و معک ظاھرا۔ آپ نے امیر المومنین سے فرمایا کہ مجھ سے خدا نے کہا اے میرے حبیب میں نے علی کو ہر نبی کے ساتھ پوشیدہ اور تمہارے ساتھ ظاہر بظاہر بھیجا۔ کیا فاضل مضمون نگار صاحب ان احادیث کو ٹھنڈے دل سے سن سکیں گے جبکہ ایک ہی حدیث میں لفظ شیعہ کے آنے سے برافروختہ خاطر ہو گئے ان ذوات مقدسہ وجود معنوی و روحانی اور ہے اور وجود ظہوری و جسمانی اور ہے ایک اور حدیث سن لیجئے جو ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر نبوت کب سے واجب ہوئی فرمایا قبل خلقت آدم اور قبل نفخ روح اسوقت سے جب خدا نے روز ازل بنی آدم کے نفوس کو جمع کر کے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تمام ارواح نے جواب دیا بیشک تو میرا رب ہے اور محمد تیرا نبی ہے اور علی تیری جانب سے امیر ہے۔ ینابیع صفحہ ۲۴۸

دوسرا اعتراض در اصول کلینی مع فروع کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید کے ساتھ جیسا چاہتے ہیں برتاؤ کر لیتے ہیں" کتب تاریخ و سیر سے جن کو آگاہی حاصل ہے وہ بخوبی اس امر کا فیصلہ اپنی جگہ فرما سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن کے ساتھ برتاؤ کیا رہا اور آپ کے بزرگان سلف نے قرآن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ قرآن کے نسخے کس عہد میں جلائے گئے ابن مسعود کو کس دور میں مارا گیا اور یہ

اعتراض کہ "جتنی آیتوں میں ظالموں کا ذکر آتا ہے آل محمد اس کا مفعول بنا دیتے ہیں" اسکے جواب میں اتنا عرض کروں گا کہ کیا اہلبیت سے زیادہ دنیا کے پردے میں کوئی مظلوم ہوگا جتنے کہ یہ محبوب خدا تھے اتنا ہی دنیا والوں نے حقیر و ذلیل کیا قرآن اپنے بلند الفاظ میں ان کی مظلومیت پیش کر رہا ہے۔ پھر یہ کہ شیعہ تفسیر بالرائے کو تو حرام جانتے ہیں جو کچھ ائمہ اہلبیت سے مروی ہوتا ہے وہی تفسیر کرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض۔ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول انی سقیم جو قرآن مجید میں آیا اس کو امام حسین کے ساتھ لگا دیا" یہ کس کو نہیں معلوم کہ سبط رسول کا سانحہ شہادت اور واقعہ کربلا ہر نبی و مرسل سے نہیں بیان ہوا اور حسین کے غم میں کونسا رسول اور پیغمبر نہیں جو محزون و مغموم ہوا اگر تفسیر باطنی میں یہی مراد ہوں تو کیا اسمیں قباحت لازم آتی ہے۔

علی سبیل التنزل آپ ہی کی بات ہم نے مان لی لیکن گذارش ہے کہ ذرا اسکے بعد اپنی تفاسیر بھی اٹھا کر دیکھئے کیا کیا افادات اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے فرمائے ہیں۔ سقیم کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ معاذ اللہ جناب ابراہیم اپنی روحانی بدمزگی و نفسانی کدورت میں مبتلا تھے۔ ایک اولوالعزم پیغمبر اور اس کی یہ شان توبہ توبہ روحانی خرابی جو ایک نبی کے لئے کہیں بدتر تھے جسمانی امراض سے ناظرین جناب ابراہیم شیعوں میں شمار ہونے کی دعا نہ فرماتے تو کیا اس گروہ میں داخل ہوتے جو تخطیہ انبیاء کے قایل ہے اور آپ کے لئے تین تین جھوٹ بولنا تجویز کرتا ہے۔

چوتھا اعتراض ملاحظہ ہو "حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا بقیہ اللہ خیر لکم اس سے مراد امام مہدی ہیں" بالکل درست بہت بڑی غلطی کے شیعہ مرتکب ہوئے لیکن عرض ہے کہ خود علماء اہلسنت نے کیوں اس غلطی کو سراہا۔ ابن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ اٹھا کر دیکھئے ایک طولانی حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہے آخر میں لکھتے ہیں کہ اسوقت ہمارا قائم ظہور کرے گا اور کعبہ کی دیوار پر تکیہ کرکے کھڑا ہوگا مومنین خالص سے تین سو آدمی آپ کے پاس جمع ہوں گے سب سے پہلے وہ اس آیت بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین ج وما انا علیکم بحفیظ کی تلاوت کرے گا اور کہے گا کہ میں بقیہ خدا اور اس کا خلیفہ اور تم پر اس کی حجت ہوں اسوقت سے تمام لوگ یا بقیہ اللہ کہکر خطاب کریں گے۔

پانچواں اعتراض "اس لئے شیعہ کی ایسی تفسیر پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے ان کا اصول تفسیر یہی ہے کہ نصف قرآن بلکہ دو ثلث قرآن اہلبیت کے حق میں اترا ہے" بیشک شیعہ اس بات کے قائل ہیں بلکہ علماء اہلسنت بھی اس چیز میں ہمارے موافق ہیں علامہ سلیمان حنفی ینابیع المودۃ میں خود

تحریر فرماتے ہیں کہ اصبع بن نباتہ نے علی سے روایت کی ہے قال نزل القرآن علی اربعۃ ارباع ربع فینا و ربع فی عدونا و ربع سنن و امثال و ربع فرائض و احکام و لنا کرائم القرآن صلہ ۱۲ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ایک ربع ہمارے حق میں ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ایک ربع میں سنن و امثال ایک ربع میں فرائض و احکام اور ہمارے لئے کرایم قرآن ہیں۔ اس حدیث سے نصف قرآن کا اہلبیت کی شان میں نازل ہونا ثابت ہے ایک چوتھائی فضائل ایک چوتھائی مصائب میں نے غلط کہا دو ثلث قرآن آپ حضرات کی شان میں نازل ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ کرایم قرآن تمام کے تمام امیر المومنین کے لئے ہیں جس میں فرائض و سنن بھی آ گئے ارشاد معصوم ہے نحن الصلوٰۃ نحن الصوم واقعاً یہ حضرات روح و جان فرائض تھے۔ طبرانی نے بسلسلہ ابن عباس سے نقل کیا ہے ما انزل اللہ یا ایھا الذین امنوا الا و علی امیرھا و شریفھا و لقد عاتب اللہ اصحاب محمد و ما ذکر علیا الا بخیر ینابیع المودۃ صفحہ ۱۲۹

خدا نے جہاں جہاں قرآن میں ایمان والوں سے خطاب فرمایا ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب وہاں وہاں امیر و شریف اس کے مراد ہیں خدا نے اصحاب رسول پر عتاب کیا لیکن علی کو ہمیشہ ذکر خیر سے یاد فرمایا۔

چھٹا اعتراض یہ "حالانکہ اصول کلینی کے مصنف نے دیباچہ میں یہ قانون مقرر کیا ہے کہ جو حدیث تمھیں ملے اس کو قرآن مجید پر پیش کرو موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کردو" بیشک یہ قانون ہمارے ائمہ کی جانب سے مقرر ہے اور یہ اس لئے کہ بہت سی موضوع احادیث اہلبیت کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ دشمنوں نے ایک ہزار سے زائد حدیثیں ہماری جانب سے گڑھ کر مشہور کر دی ہیں۔ ان مذکورہ ہماری تفسیری چیزوں میں کونسی شے منافی قرآن ہے۔ حضرت ابراہیم کے شیعہ علی ہونے سے سیتم سے غنم حسین مراد لینے سے یا بقیۃ اللہ سے حضرت حجت کو مراد لینے سے کونسی خرابی قرآن میں پیدا ہو گئی کیا یہ کلمات کفر ہیں معاذ اللہ۔ جبکہ قرآن کے بطون کثیر ہیں جسے راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر قرآن کا ایک ظاہر و ایک باطن نہ تسلیم ہو تو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور ایک ہی آیت لے لیجئے۔ و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ظاہر ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ وہ لوگ جو طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ اگر ظاہر الفاظ پر بنا کریں تو روزہ کا وجوب ہی تشریف لیجاتا ہے۔ بنابریں مفسرین یطیقون کے پہلے لا کو

مقدر مانتے ہیں یا اس کو منسوخ کہتے ہیں۔

ساتوان اعتراض اودھ پنچ کا یہ ہے کہ حضرت علی کے حق میں جو قصاید لکھے جاتے ہیں ان میں یہ شعر بھی ہوتا ہے

قسیم وجنان وجہنم ہے یعنی علی کل شئی قدیر علی ہے شیعہ لاہور" قسیم نار وجنان کے متعلق میں ینابیع و مودۃ القربی سے ایک حدیث پیش کرتا ہون۔

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری نے رسول سے روایت کی ہے کہ روز قیامت جبرئیل دو بوجھ کنجیون کے لائین گے۔ ایک مین جنت کی کنجیان ہون گی دوسرے مین جہنم کی جنت کی کنجیون پر مومنین وشیعہ محمد وعلی کے اسما مندرج ہون گے اور جہنم کی کنجیون پر دشمنون کے نام رقم ہونگے کہا جائیگا اے حبیب خدا یہ آپکا محب اور یہ آپ کا دشمن ہے علی کے پاس محب ومبغض کو بلاییئے تاکہ وہ جو چاہیں ان کے بارے مین حکم کرین پس قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت مین رزق ہے کہ کوئی دشمن جنت مین نہ داخل ہوگا اور کوئی محب جہنم مین نہ جائے گا۔ ینابیع صفحہ ۲ مودۃ القربی صہ ١٣١

اب رہا یہ اعتراض کہ علی کو علی کل شئی قدیر کہا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بقدرت خدا ہر شے پر قادر ہین اور آپ کو پروردگار عالم نے بڑے بڑے اختیارات دے رکھے ہیں۔ شعر مجمل ہوتا ہے اور محتاج شرح وتفسیر ہوا کرتا ہے یہ سمجھ کا پھیر ہے کہ اس سے مطلب شاعر کے مطلب کے خلاف مراد لیا جاوے کوئی بھی شیعہ علی کی خدائی کا قایل نہیں ہان یہ ضرور ہے کہ آپ کی ذات کو ہم مظہر اوصاف الٰہی جانتے ہیں۔ پھر ہورا فاضل مضمون نگار صوفی حضرات کے خیالات کا جائزہ لین جو ہر شے میں خدا کا حلول فرض کرتے ہین۔ اس کے بعد چند شعر جناب سخا صاحب دہلوی کے پیش کرتے ہین جو کہ منقبت علی مین فرماتے ہین۔ اگر شیعون نے غلو سے کام لیا تو حضرات اہلسنت کیون خالی بنے۔

علی شوق علی ذوق علی فوق علی فائق　　علی سجد علی مجد علی زہد علی تقوا

علی حیدر علی صفدر علی بر چشمہ کوثر　　علی در غزوۂ خیبر لوا لمش از ہمہ بالا

علی فاضل علی افضل علی کامل علی اکمل　　علی اول علی آخر علی دنیا علی عقبیٰ

قصیدہ عروۃ الوثقیٰ صہ ١٣　مطبع سراج الفیض جے پور ۱۹۱۳ عیسوی

جن حضرات کو نمونہ

روانہ ہورہا ہے وہ از راہ کرم اپنا چندہ للعہ ر بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں ورنہ ١٠ فروری کو وی پی روانہ کردیا جائے گا جس کا وصول کرنا اخلاقی فرض ہوگا اور اگر آپ کو الواعظ کی خریداری منظور نہیں ہے تو ایک کارڈ لکھکر نام خارج کرادیجیے۔

"منیجر"

نظامی پریس لکھنؤ میں ادبی کتابیں بھی ملتی ہیں
تحفۃ العوام معتبر مکمل
باضافہ حصہ سوم
تاریخ احمدی
شہید حق
حسینی دنیا
فلسفۂ آل محمد
سفینۂ دینیات
اصول دین
ملنے کا پتہ
نظامی پریس لکھنؤ
نظامی جنتری

شریعت اسلام کا پاس و لحاظ

کربلا کی شہزادیون کی نظر مین

از ابو الخلیل مولانا سید راحت حسین صاحب رضوی بھیکپوری حسینی مشنری

اہل ایمان و عرفان کی نظر مین اصلی ترقی اور کامیابی یہ ہے کہ کسی وقت مین شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے امن و سکون کا زمانہ ہو یا رنج و مصیبت اور اضطراب کا ہر حالت مین ناموس الٰہی کا خیال چاہیئے۔

بقول حکیم اسلام جناب امیر علیہ السلام "حقیقی کامیابی یہی ہے کہ قبر تک ایمان سالم جائے"۔ یہ حادثۂ عظمیٰ واقعہ کربلا ہوا ہی اس لئے کہ شیاطین زمانہ دین ختم المرسلین کو تہس نہس کرنا چاہتے اور فرعون وقت بنکر حجت خدا امام زمانہ فرزند رسول جگر بند علی و بتول سے اسکی عملاً تائید چاہتے تھے ؎

سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

اصلی نشار امام۔ خدام امام اور آپ کے تمام وابستگان ذوی الاحترام کا یہی تھا کہ سب کچھ قربان کردو مگر ایمان پر آنچ نہ آنے دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ؎

حسین آپنے وہ کام اختیار کیا کہ جس نے باغ محمد کو پربہار کیا
یہ کام ہو نہ سکا تھا کسی پیمبر سے قسم خدا کی عجب کار باوقار کیا

وہ کونسا ظلم تھا جسے یزیدیون نے اٹھا رکھا ہو۔ اپنے معزز مہمان کی دعوت کی جگہ یہ عداوت کی گئی کہ کھانا بند پانی بند اور تیرون تلوارون نیزون سے ان کی تواضع ہوئی ایسے اضطراب اور طوفان بدتمیزی مین رسول کی بہو بیٹیان ہماری عورتون اور بہو بیٹیون کو بہترین سبق دے گئی ہین کہ شریعت اسلام مین پردہ کس درجہ اہم چیز ہے بعد شہادت مظلوم کربلا ناریون نے خیمون مین آگ لگادی تو سب بی بیون نے مل کر ثانی زہرا جناب زینب کی خدمت مین عرض کیا کہ اے بنت رسول! ایسے وقت مین پردہ کے بارے مین کیا حکم ہے کہ ناریون نے خیمہ مین آگ لگا دی ہے۔ جناب زینب نے فرمایا بی بیو امین صاحب امر نہین ہوں مین شریعت مین دخل نہین دے سکتی یہ منصب سید سجاد کا ہے جو بعد اپنے پدر بزرگوار کے امام اور حجت خدا ہین۔

دیکھا آپ نے ! یہ ہے شریعت کا پاس و لحاظ ایک ہم ہین کہ کوئی کہتا ہے (معاذ اللہ) قرآن مین ترمیم کی ضرورت ہے یہ تیرہ سو برس کا معمر بزرگ ہے کسی طرف سے آواز آئی طلبہ ماہ صیام مین روزے نہ رکھین جنگ کے اصول کے خلاف ہے لڑکے دبلے ہو جائینگے ۔ کہین سے یہ صدا بلند ہے نماز و روزہ کوئی ضروری نہین ہے اور پردہ صرف ملک عرب کے لئے تھا یہان عبث ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار بہر کیف آگے آگے دکھیاری زینبؑ ۔ پیچھے پیچھے رانڈ عورتین ۔ ہوائین سید سجاد کی خدمت مین حاضر ہوئین ثانی زہرا نے بھتیجہ کا شانہ ہلا کر بیدار کیا ۔ بیٹا ! کیا حکم ہے ناریون نے تو خیمہ مین آگ لگا دی آیا پردہ توڑ دین ؟ فرمایا نہین نہین پھوپھی اماں ! شریعت مین پردے کی بڑی تاکید ہے ۔ ایک کام کیجئے جب اشقیا ایک خیمہ مین آگ لگا دین تو ان بیبیون بچون کو لیکر آپ دوسرے خیمہ مین جایئے جو محفوظ ہون چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب ناریوں نے خیمہ میں آگ لگائی شعلے بھڑکنے لگے تو دونون شہزادیان زینب و کلثوم رانڈ عورتون یتیم بچون کو لیکر دوسرے خیمہ مین پہنچین سنگدلوں نے اس میں بھی آگ لگا دی یہ سلسلہ برابر جاری رہا اے ہے قیامت برپا ہو گئی اب صرف ایک خیمہ رہ گیا تھا سو وہ بھی جلنے لگا ۔

پھر بیبیون نے ثانی زہرا سے عرض کیا ۔ ان معظمہ نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا کہ مین صاحب امر نہین ہون چلو امام کی خدمت مین جو وہ حکم دین ۔

آئین بھتیجے سے پوچھا کیا حکم ہے اب کوئی بھی خیمہ باقی نہین رہا سب مین آگ لگا دی گئی اگر حکم ہو تو پردہ کا احترام کرتے ہوے اسی مین رہین ؟

امام نے فرمایا نہین نہین پھوپھی اماں ! خدا کا حکم ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ جان بوجھ کر اپنے تئین ہلاکت مین نہ ڈالو ۔ اب تو مجبوری ہے خدا کا نام لے کر پردہ توڑ دیجئے ۔ آگے آگے ثانی زہرا ۔ پیچھے پیچھے ام کلثوم اور تمام بیبیان وا محمداہ وا علیاہ کی صدائیں بلند کرتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل پڑین ۔

ناموس الہی کی عظمت کی گئی اور اس کی حفاظت کے لئے شہدائے کربلا نے حصہ بقدر جثہ ہر قسم کی قربانیان پیش کر دین ۔ رہ گیئن عورتین در رسول کے گھرانے کی ہون یا غیر ، سب نے اپنی بساط کے موافق اس مین عملاً حصہ لیا ۔

اطلاع

آیندہ نمبر انشاء اللہ سرکار علامہ ابو الحسن اصفہانی کے نام نامی پر نامزد ہوگا اہل قلم ممدوح کی پاکیزہ سیرت پر جلد مضمون بھیجین

جناب سید حبیب حیدر صاحب فراقؔ اجتہادی

سب اہل دل تمہارے ہیں غمخوار اے حسینؑ دشمن یزید کے ہیں فداکار اے حسینؑ
قبضہ میں کب ہے تیغ شرربار اے حسینؑ میری زبان بن گئی تلوار اے حسینؑ
چمکی دلیل تیغ شرربار کی طرح
دشمن تمہارے مارے ہیں مختار کی طرح

انسانیت کے مایۂ صد ناز ہیں حسینؑ صدیقیت کے ہمدم و دمساز ہیں حیدر
حقانیت کے تاج سرافراز ہیں حسینؑ روحانیت کی گونجتی آواز ہیں حسینؑ
شاہی جلال یوں سر تیر حسینؑ ہے
دنیا پہ حکمرانی صبر حسینؑ ہے

بدمست تھا یزید شراب غرور سے ملک عرب چھلکتا تھا فسق و فجور سے
لخت دل رسول نے دیکھا جو دور سے میدان جنگ گرم ہوا نار و نور سے
خون گلو کے چھینٹوں نے شعلے بجھا دیئے
جاں دی مگر چراغ بہتر جلا دیئے

یوں دعوی خودی کو بھی فانی بنا دیا فرعون کا یزید کو ثانی بنا دیا
سب ظالموں کو ظلم کا بانی بنا دیا دریائے نیل تیغ کا پانی بنا دیا
کوفہ سے شام تک جو یہ سیل رواں گیا
کچھ ہے خبر یزید کہاں تھا کہاں گیا

حق پروری کو صبر کا جوہر بنا دیا مظلومیت کو فتح کا خنجر بنا دیا
کچھ قطرے خون ملا کے سمندر بنا دیا لے کے بہتر آئے پہ لشکر بنا دیا
دیکھو نشان فتح ہے اختر بلند ہیں

اور ملک شام زینبِ مضطر کے ساتھ ہیں

احساس دل کے ملک میں تم بادشاہ ہو
بے غیر شعور میں کب خضر راہ ہو
بیکس ہو بے وطن ہو شہِ کم سپاہ ہو
افلاک صبر و شکر کے تم مہر و ماہ ہو
ظالم سے جنگ کرنے کے عنوان بتا گئے
مرضیٔ حق پہ چلنے کے سامان بتا گئے

انصار بھی حسین کو وہ بادشا ملے
جنّت ملے جو اُن کا مجھے نقشِ پا ملے
ڈھونڈے سے بھی نفاق کو کیوں راستہ ملے
پیروِ حسین کا ہو تو قربِ خدا ملے
جو بھی حسینیت کی ضیاؤں سے ہٹ گیا
بیشک وہ سیدھی راہ پہ خود آکے کٹ گیا

از جناب ڈاکٹر سید منظور مہدی صاحب منظورؔ فرخ آبادی بلا سپور سی پی

حسب ذیل چند بند مرثیہ شاہراہ بلاغت میں سے پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ مرثیہ صنائع و بدائع پر مشتمل ہے جس میں ... بند ہر ایک صنعت کا ہے

آئینہ دار صنعت داور حسین ہیں
صدق و صفا کی راہ کے رہبر حسین ہیں
صبر و رضا کی تیغ کا جوہر حسین ہیں
مجموعۂ صفاتِ پیمبر حسین ہیں
دنیا میں حق نے تاجِ حقیقت عطا کیا
عقبیٰ میں اختیارِ شفاعت عطا کیا

(صنعت تضاد اسمی ...)

لطفِ خدا سے دونوں جہانیں ملیں انھیں
ہیں آپ روحِ معنیٔ ہر حرفِ انقلاب
ہاتھوں پہ شہ کے فتح ہوا حریت کا باب
قربانیوں سے شہ کی ہے اسلام فیضیاب
دیکھیں تو انبیا ہمہ گیری حسینؑ کی
ایمان کا شباب ہے پیری حسینؑ کی

(۲ صنعت ایہام معنیٰ کھلایا جتنا گیا۔ صنعت تضاد اسمی)

مداح کو امام کا کلمہ ہو گر مدام — آرام اس کو گور کا حاصل ہو لا کلام
ہمدم ہو اس کا دم بہ دم اور علی الدوام — اللہ کا کرم۔ ملک و حور کا سلام
درد و الم و دور ہر اک دل ملول کا
ہو آسرا اگر در آل رسولؐ کا

۴؎ صنعت غیر منقوط

مولا کی شان سارے جہاں پر ہے منجلی — کھلتی ہے نام سنتے ہی ہر قلب کی کلی
گو ہر ہی ہیں عرش کا قائل ہے ہر ولی — کیا خوب رفعت انکی ہے عظمت ہے کیا جلی
قرآن پڑھ کے نیزے پہ اعدا کے سامنے
بخشی کلام غیب کو زینت امام نے

۵؎ صنعت اقطا۔ ایک حرف غیر منقوط دوسرا منقوط ۶؎ صنعت خیفا ایک لفظ منقوط دوسرا غیر منقوط

صابر نے رنج و عیش کو یکساں بنا دیا — راہِ خدا میں موت کو آسان بنا دیا
زخموں کو مرہم دل انساں بنا دیا — قرآن کو حسین نے قرآن بنا دیا
ایمان حشر تک ہے انہی کی امان میں
ان کی ولا ہے نوحؑ کی کشتی جہان میں

۷؎ تضاد اسمی ۸؎ تضاد اسمی ۹؎ صنعت رد الحشو علی الصدر ۱۰؎ تجنیس ناقص اور شبہ اشتقاق ۱۱؎ صنعت تلمیح۔

دین الٰہ بھرتا ہے جان نبی کا دم — نکلا اسی کے عشق میں شاہ ہدا کا دم
احساس مسلمین پہ و الفتح کر کے دم — اسلام زندہ کر گئے شبیر مرتے دم
سب کہتے ہیں یہ فدیۂ باری کی شان میں
خون شہید۔ روح بقا ہے جہان میں

(تجنیس تام۔ چاروں مصرعوں میں لفظ "دم" مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔)

سید۔ تقی۔ قتیل۔ غریب وطن شہید — عابد۔ ولی۔ جلیل نجیب زمن سعید
زاہد۔ رضی۔ جمیل حبیب حسن۔ رشید — ماجد۔ سخی۔ عقیل خطیب سخن۔ وحید
غازی۔ ہمام۔ حامی ایمان حسین ہیں
ہادی۔ امام۔ معنی قرآن حسین ہیں

(۱۳؎ صنعت ترصیع۔ تمام الفاظ متحد الوزن و القافیہ ۱۴؎ صنعت تنسیق الصفات)

ارضِ کربلا

جناب مولانا سید کاظم رضا صاحب رضوی متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

جغرافیائی نقطہ نظر سے ربع مسکون کی تقسیم و تحدید آقالیم سبعہ پر کی گئی ہے۔ ہر ایک اقلیم میں کئی کئی ملک شمار ہوتے ہیں۔ مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ ربع مسکون کے تمام حصے آبادی کے قابل نہیں۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جو انتہائی سرد ہونے کی سبب قابل بود و باش نہیں ہیں۔ جیسا کہ انتہائے شمال میں برودت کی وجہ سے کوئی ذی روح نہیں پایا جاتا۔ اب جو حصے کہ کسی قابل ہیں وہ بھی سب کے سب آباد نہیں۔ بعض ٹکڑے لق ودق صحرا کی صورت میں ہیں۔ کچھ پہاڑی علاقے ہیں۔ کچھ زمین ناکارہ کچھ قابلیت و استعداد والی۔ غرض آبادی پیداوار آب و ہوا کے لحاظ سے ہر حصہ زمین کا یکساں نہیں ہے۔ یہ اختلاف بنا بر صلاحیت کے ہے علاوہ اس کے جو کمالات و خصوصیات کے طبقات زمین کو اضافی حیثیت سے خدا نے تفویض فرمائے ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے بھی ہر طبقہ ایک دوسرے کے ہم رتبہ نہیں دکھائی دیتا۔ وہ زمین جن کی حیثیت شعایر یا مذہبی برتر کی ہیں۔ وہ بھی رتبہ کے اعتبار سے کم و زیادہ ہیں۔ زمین مکہ کا کچھ رتبہ زمین مدینہ کا کچھ شرف۔ مجھے اس وقت ارض کربلا کے متعلق عرض کرنا ہے۔ کہ یہ وادی مقدس بنا بر تاریخ عام و خاص فضائل و خصوصیات میں کیا پایہ رکھتی ہے۔ سب سے پہلے جغرافیائی حیثیت پر نظر کرنا ہے۔ یہ ارض مقدس بحساب عرض البلد متعارف خط استوا سے جانب شمال ۳۲۔ درجہ ۳۷ دقیقہ پر ہے اس کا طول البلد بحساب گرینوچ لندن جانب مشرق ۴۴ درجہ ۲۳ دقیقہ ہے اس حساب سے کہ کربلا مابین کوفہ و بغداد واقع ہے اور کوفہ کا عرض البلد ۳۱۔ درجہ طول البلد ۴۸ درجہ۔ اور طول البلد کربلا کا جزائر خالدات سے ۷۹۔ درجہ ۳۰۔ دقیقہ پر بحساب سابق ہے اور کربلا سے بغداد تک ۵۰ میل اور کوفہ تک ۳۱ میل کا فاصلہ ہے (زمین کربلا کی عام تاریخی حیثیت) (وجہ تسمیہ) صاحب معجم البلدان لفظ کربلا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں جناب امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے یہ جگہ کوفہ سے قریب خشکی کے راستہ پر واقع ہے۔ کربلا کو کربلا یا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کربلۃ الارض کا نام ہے اگر وجہ تسمیہ یہ صحیح ہے تو جس وقت اس کا نام رکھا گیا ہوگا تو زمین نرم رہی ہوگی بکربلت الحنطہ بھی کہتے ہیں یعنی میں نے آٹا چھانا اس بنا پر زمین کربلا کو سنگریزوں سے پاک و صاف ماننا ہوگا نیز کربل ایک ترش قسم کی گھاس کو بھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ وادی کربلا میں کثرت سے یہ گھاس روئیدہ ہونے کی وجہ سے نام کربلا ہو گیا ہو۔ یہ وجہ تسمیہ تو اسلام سے بہت زمانہ قبل کی سمجھی جا سکتی ہے لیکن ایک روایت

یہ بھی ہے کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام اس زمین پر پہونچے تو اپنے اصحاب سے مقام عقر کی طرف اشارہ فرماکر پوچھا اِس کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عقر ہے فرمایا آپ نے کہ میں عقر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں اسوقت جس زمین پر ہوں اسکو کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے کربلا کا نام لیا آپ نے فرمایا "ہذہ ارض کرب وبلا" یہ بلا ومصیبت کی جگہ ہے"۔ "لفظ طف کے ذیل مین صاحب معجم تحریر کرتے ہین کہ یہ مقام خشکی کے راستہ سے نواح کوفہ میں واقع ہے ایک وسیع صحرا ہے جو ریف سے قریب ہے اس میں کئی ایک چشمے بہتے ہیں۔ جیسے چشمہ صید قطقطانہ رہیمہ اور جمل وغیرہ"۔ "ابن بطوطہ نے سفر عراق کی کیفیت لکھی ہے کہ ہم مشہد حسینؑ کی زیارت کو گئے۔ کربلا ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں کا تحفہ خرمے کے باغات ہیں جو فرات سے برابر سینچے جاتے ہیں نخلستان کے مابین روضہ مبارک حسین ابن علی ہے جس مین ایک بہت بڑا مدرسہ قائم ہے۔ مہمان سرا بھی ہے جسمیں زائرین کے واسطے ہر وقت آب وطعام مہیا رہتا ہے۔ باب روضہ پر حجاب ودربان رہتے ہین جن کے بغیر اذن کوئی روضہ مین نہین جاسکتا۔ داخلہ کے بعد لوگ ضریح اقدس کو بوسہ دیتے ہین۔ ضریح چاندی سے منڈھی ہوئی ہے چھت مین سونے وچاندی کی خوشنما قندیلین آویزاں ہیں۔ دروں پر ریشمی پردے پڑے ہیں" (ارض کربلا کی خاص تاریخی حیثیت) امام محمد باقرؑ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ارض کعبہ سے ۲۴ ہزار برس پہلے خدا نے زمین کربلا کو خلق فرمایا قبل خلقت عالم بھی مقدس مبارک تھی اور ہمیشہ مبارک رہے گی یہان تک کہ بحکم خدا اس کو جنت میں بلند کیا جائے گا۔ اور خدا اپنے خاص اولیاء کا اس کو مسکن قرار دے گا۔ صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ ارض کربلا جنت کی زمین پہ فخر کرے گی اور باواز بلند پکارے گی کہ میں خدا کی وہ پاک وپاکیزہ زمین ہوں کہ مجھ پر سید جوانان جنت آرام کرتا ہے۔

جناب رضی الدین ابن طاؤس علیہ الرحمہ کتاب الزیارات جز ثانی مین ایک روایت لکھتے ہین جس کو حمزہ ثمالی نے صادق آل محمد سے نقل کیا ہے۔ آپ نے زمین کربلا کے متعلق فرمایا کہ اس کو میرے جد مظلوم نے اہل نینوی وغافریہ سے ساٹھ ہزار درہم قیمت دیکر خرید کیا تھا اور پھر انھین کو واپس کردی اِس شرط پر کہ وہ زایر کو نشان قبر بتاوین اور تین دن تک اپنا مہمان رکھین۔ نیز صادق آل محمدؑ نے فرمایا کہ حرم سید الشہدا جس کو آپ نے [illegible] فرمایا وہ قبر مبارک سے ہر چہار جانب چار میل کے احاطہ میں ہے پس یہ زمین اولاد اور دوستوں پر حلال ومباح ہے اور مخالفین پر حرام ہے۔ (اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ کربلا کا رقبہ ۱۶ مربع میل ہے)

(شعائر اسلام) زمین مکہ ومدینہ ہر دو محترم ومعظم لیکن کربلا اپنے دامن مین دونوں کی خصوصیات کو سمیٹے ہوئے ہے کیون نہو اگر مکہ ومدینہ حرم خدا ورسولؐ ہے تو کربلا حرم فرزند رسول الثقلین ہے۔ حسین خدا کو بھی

عزیز اور رسول کو بھی پیارے تھے آپ کی وجہ سے کلمہ خدا اور رسول ابتک باقی ہے۔ کیا خوب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے رباعی ارشاد فرمائی ہے جس کا حرف حرف حقیقت و صداقت پر مبنی ہے۔ ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

علی الطف السلام ساکنہ وروح اللہ فی تلک القباب
مضاجع فتیۃ عبدوفناموا ھجودا فی الفدفد والشعاب

طف پر سلام اور اس کے رہنے والوں پر سلام ہو۔ خدا کی رحمت ہو ان قبروں پر جو ایسے نوجوانوں کی خوابگاہ ہیں جو عبادتوں میں راتیں کاٹ کے قبروں اور گھاٹیوں میں گہری نیند سو رہے ہیں۔
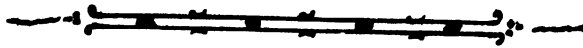
"واقعہ کربلا کے پس منظر میں"

حیات انسانی کے مختلف پہلو

--- [illegible] عالی جناب صادق مرزا صاحب بی اے (گورکھپوری) ---

دنیا کے تمام واقعات جو کسی نہ کسی وجہ سے کوئی تاریخی صورت اختیار کر چکے ہیں اپنا اثر ہر عقلمند اور ذی فہم فرد اور قوم پر ڈالتے ہیں۔ ہر اہم واقعہ کی پشت پر کچھ نہ کچھ وجوہات ہیں اور جس قدر جو واقعہ زیادہ اہم ہوگا اسی قدر اس کے دامن اثر میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی اور اسی قدر وہ سبق آموز ہوتا جائے گا۔ دنیا کی تاریخ میں جتنے طربیہ اور المیہ واقعات رونما ہوئے ہیں انمیں بلا شبہہ المیہ واقعات طربیہ واقعات سے زیادہ قابل قدر ہیں اور اثر آفرین ہیں۔ ان المیہ واقعات میں ایک واقعہ ایسا بھی ہے جو آج صدیاں گذرنے کے بعد بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ ایام محرم کی سرگرمیاں اور انہماک اس بات کا پورا پورا ثبوت ہیں کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت اور اثرات کے لحاظ سے انوکھا ہے۔ یہ المیہ داستان ارض نینوا کی ہے۔ میں آنے والی چند سطروں میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ یہ اہم تاریخی واقعہ جو اثرات اور اسباق بنی نوع انسان کے لئے اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے انھیں ادا کر سکوں۔

مذہبی پہلو

واقعہ کربلا کے انعقاد کا بظاہر سبب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے حسینؑ سے بیعت چاہی اور آپ نے انکار کر دیا لیکن دراصل یہ بنیادی وجہ نہیں تھی۔ دراصل اس کی وجہ تھا زمانے کا ماحول اور بڑھتی ہوئی مادیت کا نتیجہ۔ مذہب کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ قوت و طاقت ہی کو دلیل حقانیت سمجھ لیا گیا تھا۔ دلوں میں خوف خدا کی جگہ سیم و زر نے لے لی تھی۔ دُنیا رُوحانیت سے بالکل آنکھیں پھیر چکی تھی۔ مادی اور دنیاوی ترقیوں کو لوگ تکمیل انسانیت سمجھ چکے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر روحانی بیداری کے سماج کا نظام درست نہیں رہ سکتا۔ اور اس انتشار کے ساتھ تمدن و معاشرت، اخلاق و سیاست کی بنیادیں متزلزل نظر آئیں گی۔ کیا یہی حالت دور یزید کی نہ تھی؟ یقیناً تھی۔ مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں روحانیت جھکولے کھا رہی تھی۔ یزید کا دربار سماج کی تباہی، معاشرتی اور اخلاقی ابتذالی اور اقتصادی پستی کا مخرج بنا ہوا تھا۔ ظلم و استبداد، عصبیت اور وارفتگی نام نہاد خلیفہ وقت کی گود میں پرورش پا رہے تھے۔ یزید نے دیکھا کہ اس کی ہوس پرستی، گرے ہوئے اخلاق اور عیاشیوں کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں اس لئے اس نے دین خدا کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔

حسینؑ اسلام میں اس بڑھتی ہوئی مادیت اور مذہب سے انحراف کا خاموش مطالعہ کرتے رہے آخر اس تخریبی عنصر کی بڑھتی ہوئی رو ایک ایسی منزل پر پہونچی جہاں اسلام کی بقا کے لئے اس کو روکنا ضروری تھا۔ حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ نانا کا لگایا ہوا باغ اسلام رفتہ رفتہ سوکھتا جا رہا ہے۔ مادیت کی مذموم ہوائیں اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں چنانچہ اسلامی اخلاق و تہذیب کے اس بیش بہا نمونے نے اس باغ میں تر و تازگی واپس لانے کا بیڑا اٹھایا۔ حسینؑ نے اپنا اور اپنے انصار، عزیز و اقارب اور اولاد کے پاک اور مقدس خون سے اس چمن کو سینچا۔ دراصل کربلا کا یہ المناک اور سفاکانہ واقعہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ زمانہ اور ماحول کی کیا حالت تھی۔ حسینؑ اور ان کے رفقا کا سنسنی خیز اور غم آفرین واقعہ ایک ایسی تاریخی اہمیت رکھتا ہے جس کی روشنی میں اگر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جب دلوں پر سے خدا کی حکومت اٹھ جاتی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستی (Mammon Worship) لے لیتی جب اخوت کا نام مٹ جاتا ہو تو ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں۔ دنیا کا ظلم اپنی انتہائی منزل پر اس وقت پہونچا ہے جب مادیت خود پرستی سے برسرپیکار ہوتی ہے اور اس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ حسینؑ نے کربلا کے میدان میں بتلایا کہ اگر مذہب کی تھوڑی سی اہمیت بھی انسان میں باقی ہو تو وہ سفاکی اور چنگیزی کی اس منزل میں آنے کی کوشش نہ کرے گا۔ دنیا کا موجودہ انتشار، انسانی خون کی ناقدری، انسانی زندگی کے تباہ و برباد کرنے کے

نئے نئے آلات کی ایجادات بڑھتی ہوئی مادیت کا نتیجہ ہے۔ کربلا کی جنگ مادیت سے وابستگی اور مذہب سے انحراف کا نتیجہ تھی۔ حسین کے کارناموں نے بتلا دیا کہ مذہب ہی دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے جو دنیا سے ظلم و استبداد کو ختم کر کے امن و آشتی کا پیغام بخش سکتی ہے۔ دنیا کے اس انتشار سے چھٹکارا حاصل کرنے کا راز تمامتر حسینیت کے اسی پیغام میں مضمر ہے۔

تمدنی اور اخلاقی پہلو

واقعہ کربلا نے انسان کے تمدنی اور اخلاقی پہلو پر کچھ اثر ڈالا ہے یا نہیں؟ اس واقعہ کی ہمہ گیری اور کائناتی نصب العین کو دیکھتے ہوئے فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کربلا کی جنگ میں یزیدیت حسینیت سے برسر پیکار تھی۔ باطل حق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظلم و ستم، انصاف اور حریت کی، بے اخلاقی اور بدکرداری، اخلاق و تمدن کی، لامذہبیت مذہب کی جگہ لینا چاہتی تھی۔ یا یوں سمجھئے کہ یزید بجائے رسول اکرم کے لائے ہوئے دین کے اپنا دین رائج کرنا چاہتا تھا۔ حسین کی رگ حمیت پر یہ ایک ضرب تھی حسین کی انسانیت، مذہبیت، اخلاق اور اصول کب اسکو گوارا کر سکتے تھے۔ غلط ہے کہ کربلا کی جنگ فوجوں کی جنگ تھی بلکہ وہ تو اصول اور بے اصولی کی جنگ تھی مظلومی نے ظلم سے، عدم تشدد نے تشدد سے، اخلاق نے، بداخلاقی سے، اصول نے بے اصولی سے یا یوں کہئے کہ حسینیت نے یزیدیت سے بظاہر مغلوب ہو کے اپنے آنے والی فتح کے ایسے جراثیم پھیلا دیے جس نے یزیدی شہنشاہی کے تار و پود بکھیر دیئے۔ موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمدن اور اخلاق کی صداقتوں کی حفاظت کے لئے "مصلحت وقت" اسی سب سے زیادہ اہم آلہ کار ہے۔ ہم اس کی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اپنے امراء اور اکثریت سے سر مو بھی اختلاف نہ کریں۔ کیا حسین سے زیادہ وقت کی مصلحت نوازیوں کو کوئی سمجھ سکتا تھا یا کسی کو ضرورت ہو سکتی تھی؟ کیا حسین اگر مصلحت وقت کی قربان گاہ پر تھوڑی دیر کیلئے اپنے اصول و عقاید چڑھا دیتے تو اُن کی، اُن کے رفقا کی، ان کے اعزا کی، اُن کے اہل حرم کی یہی حالت ہوتی جو ہوئی؟ لیکن حسین جانتے تھے کہ اخلاق و تمدن کی حفاظت مصلحت وقت سے نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ارادی اور عملی قوت سے۔ معرکۂ کربلا حسین کے اسی قوت ارادی اور قوت عمل کی مثال تھی۔ حسین دیکھ رہے تھے اسلامی حریت و مساوات کو بہایا کیا جا رہا تھا۔ نظام معاشرت اپنی اصل صورت بدل رہا تھا۔ مفلس و نادار کا عملی بائیکاٹ ہو رہا تھا۔ دنیا اُن پر تنگ تھی تو محض اس لئے کہ ان کی جیبوں میں طلائی اور نقرئی ٹکڑے نہ تھے۔ ان پر لطف و شفقت کا دست شفقت نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام جو انسانیت کا مستقبل سدھارنے کیلئے آیا تھا کس طرح اسکے اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کی چولیں ہلائی جا رہی تھیں۔ حسین نے انسانیت اور اسلام کے اسی اصول کے تحفظ کیلئے اپنی اور اپنے بچوں کی قربانی پیش کی۔ حسین نے برابر کے بھائی کا قتل گوارا کیا۔ جوان بیٹے کی موت

دیکھنا پسند کیا، اُن کو علم تھا کہ ان کی لاڈلی بیٹی کے رخساروں پر شمر کا طمانچہ ہوگا، اُن کا شش ماہہ بچہ تیر ستم کا نشانہ ہوگا، اہل حرم کی جو بے حرمتی ہوگی وہ ناقابل بیان ہوگی۔ یہ سب تھا لیکن حسین کی شخصیت اس بات پر تیار نہ ہوئی کہ باطل کے آگے سر جھکا کر حق کی توہین کی جائے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ حسین کی اس شکست سے اور حسین کے خاندان کی اِس تخریب سے اس تعمیر اور اس فتح نے جنم لیا ہے جس کی وجہ سے ہم کو کہنا پڑا کہ —— واللہ کہ اسے حسین کا رے کردی۔

سیاسی پہلو

اگر ہم اپنے گرد و پیش کا مطالعہ کریں تو فی زمانہ ہم فضا میں ہر طرف سیاست کے ارتعاشات بکھرے ہوئے محسوس کریں گے۔ ہر جگہ سیاست اور ہر شخص بزعم خود ماہر سیاسیات مگر سیاست اس کا نام نہیں کہ عوام کے سامنے زہریلے الفاظ اگل کر ان کے جذبات برانگیختہ کر کے اُن کے خون سے ہولی کھیلی جائے۔ دھواں دھار تقریریں کرنے کا نام سیاست نہیں۔ کسی ایک جماعت یا طبقہ کی حمایت میں قرآن و حدیث سے غذا دینے کا نام سیاست نہیں مصلحت وقت کی قربان گاہ پر اپنے عقائد، اپنی انفرادیت اپنی حمیت اپنا عزم و استقلال بھینٹ چڑھا دینے کا نام سیاست نہیں۔ سیاست نام ہے علم اخلاق کا سیاست نام ہے اُس تدبیر کا اور اس قوت کا جو نظم عالم کو برقرار رکھ سکے۔ جو ہر شخص کو اس کے واجبی حقوق دے سکے جو انسانی مساوات کا حامل ہو۔ جو آدمیت نہیں انسانیت کی ترقی کا ضامن ہو۔ دنیا کو اگر سیاست کا سبق پڑھنا ہے تو آئے اہلبیت رسول کے دروازے پر اور ناصیہ سا ہو علی کی چوکھٹ پر۔ آج کل واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ بڑے سے بڑا سیاست دان اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعے اپنی ایماندار ی کا ثبوت دینے پر تلا ہوا ہے۔ ہر جماعت کا لیڈر ہر دوسری جماعت کے خلاف تقریریں کر کے ان کی برائیاں ظاہر کر کے، اپنے وعدوں کے جھوٹے سچے سبز باغ دکھا کر زیادہ سے زیادہ عوام کی ہمدردی اور معاونت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہر جماعت دوسرے کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے، موقع سے فائدہ اٹھانا ہی موجودہ سیاست کی سب سے اہم چال ہے۔ اپنی جیبوں کو چمکتے ہوئے سکوں سے بھرنے کے لئے، اخباروں میں چھپنے کے لئے ذاتی منفعت کے لئے شخصی نمود کے لئے ہمارے سیاستدان طرح طرح کے لغویات کو حقانیت سے ٹکرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آیئے کربلا کے میدان میں چند نفوس کے ایک لیڈر کی سیاست کو میں آپ کے سامنے پیش کروں ابھی میں عرض کر چکا ہوں کہ دنیا کے لیڈر اس بات کے کوشاں ہوتے ہیں کہ اپنے پر اثر الفاظ اور ولولہ انگیز تقاریر سے ہر اس شخص کو اپنا ہمدرد بنا لیں جو ان کا ہمدرد نہیں۔ لیکن حسین نے کیا کیا۔ کربلا کے راستہ میں یاد کیجئے منزل زبالہ کو جہاں حسین مقیم تھے۔ حضرت مسلم کی شہادت اور ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اسکے حالات آپ تک پہنچے۔ آپ نے اپنے رفقا انصار اور اعزا کو جمع کیا۔ لیکن کسی قسم کی جذباتی تقریر کر کے ان کو ثابت قدم رہنے کی تلقین نہیں کی

بلکہ یہ بتایا کہ مسلم شہید ہوئے۔ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ ہمیں ملک گیری نہیں کرنا ہے۔ بلکہ موت سے کھیلنا ہے۔ اسی لئے میں تم لوگوں کو موقع دیتا ہوں اور اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں تاکہ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ شب عاشور بھی جبکہ حسین کا معہ یار و مددگار صبح کو قتل ہو جانا لابدی تھا حسین نے حقانیت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اخلاق کو ہمیشہ اپنائے رہے چنانچہ اس نازک موقع پر بھی حسین نے پھر ایک بار سب کو جمع کر کے ان پر سے بیعت اٹھالی اور یہ ظاہر کر دیا کہ جو یہاں رہیں گے اُن کا قتل ہو جانا ضروری ہے اس لئے تم لوگ چلے جاؤ۔ اعدا صرف میرا سر چاہتے ہیں تمہاری جانیں بچ جائیں گی۔ یہ تھی حسین کی محبت یہ تھی حسین کی ہمدردی۔ بنی نوع انسان کے ساتھ۔ اور یہ تھی حسین کی سیاست۔ دوسرے موقع میں آپ کو وہ یاد دلانا چاہتا ہوں جب حر کا لشکر جو امام کو گرفتار کرنے کیلئے آ رہا تھا ملا ہے۔ حر کا لشکر اس لئے ہے کہ حسین کو گرفتار کر لے اور ان کا راستہ روک لے۔ لیکن حر کی فوج پیاس سے بے حال ہے۔ جانور اور آدمی پیاس سے جاں بلب ہو رہے تھے۔ دور حاضرہ کی سیاست کا ایسے موقع پر کیا رویہ ہو سکتا تھا اور کیا ہو رہا ہے یقیناً یہی کہ وقت سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ حر کے لشکر کو اس بیچارگی کے عالم میں آسانی سے گرفتار کر کے فنا کیا جاسکتا تھا لیکن یہ اخلاق اور سیاست اسلامی کے خلاف تھا۔ حسین بھلا کب اسکو گوارا کر سکتے تھے۔ فوراً حکم دیا کہ حر کا لشکر سیراب کیا جائے۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ حسین نے تھوڑا پانی اپنے بچوں کیلئے بھی نہیں رکھا اور تمام پانی لشکر حر کو پلا دیا یہ تھی حسین کی سیاست۔ وہ سیاست جس نے حر کے دل پر حسین کے اخلاق کے وہ نقوش چھوڑے جس نے آخو کار صبح عاشور حر کو حسین کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ میرا تو یہ خیال ہو کہ حر کے لشکر کا پیاسا ملنا بھی امام حسین کی سیاست کا ایک امتحان تھا اور حسین نے اس میدان میں کامیاب ہو کر یہ بتا دیا کہ ملکوں کی لوٹ مار، اور ایک قوم پر دوسری قوم کے تسلط کا نام فتح نہیں بلکہ فتح دلوں پر ہوتی ہے۔ فتح اصول کی ہوتی ہے فتح علم کی دولت سے ہوتی ہے، فتح عمل کے قوت سے ہوتی ہے، فتح مذہب کے سہارے سے ہوتی ہے حسین نے بتا دیا کہ سیاست نام ہے حقانیت کا، مساوات کا، حقوق کا، اخلاق کا ریاکاری و مکاری سیاست نہیں۔ نمود و نمائش سیاست نہیں۔ خود غرضی، ذاتی منفعت، مردم آزاری سیاست نہیں۔ حسین نے بتایا کہ آزادی کی جنگ کس طرح ہوتی ہے۔ حق کی حفاظت کیونکر کیجاتی ہے۔ کیا عدم تشدد کی مثال معرکہ کربلا سے بہتر دنیا پیش کر سکتی ہے حسین نے اپنے طرز عمل سے بتا دیا کہ جب ظالم کا ظلم حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو وہ خود اپنے لئے نفرت پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ دنیا مظلوم کو سراہتی ہے اور ظالم سے متنفر ہو جاتی ہے اور پھر اس جابر جارحانہ قوت کا وہی حال ہوتا ہے جو یزیدی شخصیت اور یزیدی طاقت کا ہوا۔ حسین نے بتا دیا کہ حقوق کی تحفظ، آزادی کی جنگ، ظلم کے خاتمہ کیلئے چند نفوس بھی کافی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ حقانیت اُن کا نظریہ ہو۔ اور ایمانی طاقت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو۔

حسین اور اُن کے چند ساتھیوں نے اپنے مقدس خون سے دنیا کے انقلاب کی تاریخ کو رنگ کے بتا دیا کہ حق کو کبھی دنیاوی طاقت کے سامنے سر نہ جھکانا چاہئے۔ اور ذلت کی زندگی سے عزت کی موت ہزار درجہ بہتر ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حسین کی سیاست تھی کہ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو اور عورتوں کو لیکر میدان کربلا کیطرف چلے تھے۔ لیکن میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ یہ بھی امام کی سیاست تھی۔ حسین جانتے تھے کہ وہ اپنے رفقا سمیت قتل ہو جائینگے۔ حسین جانتے تھے کہ اہل حرم کی تشہیر ہوگی لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ اسلام پر آنچ آئے اور رسول کے گھرانے کے بچے اور عورتیں خاموش رہیں۔ ہرگز نہیں۔ جو روح ان مردوں میں اسلام کو بچانے کیلئے تڑپ رہی تھی وہی روح ان مخدرات عصمت کے سینوں میں بھی موجزن تھی۔ آیئے میں بتاؤں کہ کربلا کی اس المیہ داستان کی تکمیل میں ان عورتوں کا کیا حصہ رہا۔ ان مخدرات نے اپنے وارثوں کی شہادت کے بعد وہ کام کیا جس نے یزید کے "حسینیت دشمن" رجحانات کی جڑیں ہلا دیں۔ راہ کوفہ و شام میں، دربار یزید میں، منبر پر انھوں نے اپنے خطبات سے اپنی تقریروں سے حسین کی زندگی اور موت کے مقصد کو واضح کر دیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ جنگ نوجوں کی جنگ، ملک گیری کی پیکار اور شاہزادوں کی زور آزمائی نہ تھی بلکہ حق و باطل کی جنگ، مادیت اور روحانیت کی جنگ، بربریت اور انسانیت کی جنگ، اصول اور آئین کی جنگ تھی۔ انھوں نے فضا میں حقانیت کے وہ جراثیم بکھیر دیئے جنھوں نے انقلاب کی تاریخ لکھدی۔ یہ تھی حسین کی سیاست اور یہ تھا انکا کارنامہ

حسینیت اور ہم

حسین نے سب کچھ کیا اور آنیوالی نسلوں کو سبق دے گئے۔ دنیا نے عموماً جو سلوک حسین اور انکے کارناموں سے اب تک کیا اُس سے قطع نظر کرکے ان کو دیکھیے جو اپنے کو حسینی کہنے کا حقدار سمجھتے ہیں۔ ہم صرف ماتم اور مجلس عزا برپا کرنیکو مقصد کربلا سمجھے ہوئے ہیں۔ کیا حسین کی قربانی اتنی محدود تھی؟ صرف چند آنسو اسکی قیمت ہو سکتے ہیں۔

حسین نے تو اسلام اور انسانی تمدن کی خاطر سر دیا تھا۔ لیکن آج وہی اسلام۔ جو یقیناً بہترین اجتماعی نظام کا حامل ہے انسانی تمدن کا ساتھ دیتا نظر نہیں آتا۔ وجہ؟۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم صرف زبان سے اسلام اسلام چلاتے ہیں مگر عملاً اختیار کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ کیا مسلمان آج بھی مساوات آقا و غلام، قانون زکوٰۃ، اسراف، ناجائز آمدنی سے پرہیز اور دیگر اسلامی اصولوں پر کاربند ہیں۔ اگر یہ کچھ ہے بھی تو محض غریب طبقہ کیلئے۔ امرا کیلئے تو عملیت کا تصور بھی ناممکن۔

ہمارا اخلاق اس قابل نہیں کہ تعلیم کربلا کی چھوٹ بھی اس پر پڑ سکے۔ ہمارے اندر حق گوئی اور حق پر جان دینے کی ہمت اب تک پیدا نہیں ہوئی۔ دنیا کے ظلم و جور کا مقابلہ اپنے صبر و تحمل سے کرنا ناممکن ہے۔ نام و نمود، خود غرضی، مصلحت بینی، نا اتفاقی، پارٹی بندی، قوم کے غربا اور یتیموں سے لاپرواہی، مذہب سے یکسر بے رخی اور خدا وجود سے انکار۔ یہ ہیں ہمارے موجودہ نظام کی ضمیر کے اجزا۔

دنیا کو اگر انسانیت کا سبق لینا ہے تو آئے حسینیت کے سایہ میں اور اس کی چھاؤں میں آگے بڑھے اُسی

واقعۂ کربلا میں بشیر کی جگہ

(از عالی جناب سید علی محمد صاحب خلف عالی جناب حضرت خطیب الواعظین مولانا نقی صاحب قبلہ سہارنپوری)

کربلا کے "سانحۂ عظمیٰ" کی مثال کا "وہم و گمان" بھی ناحق کوشی کا مرادف ہے۔ "تاریخ دانِ دنیا" کے اس کی پیشانی ایک بدیہی امر اور ناقابل انکار حقیقت بن چکی ہے۔ حسین علیہ السلام کے حسن تدبیر نے اسمیں وہ خصوصیات پیدا کر دیں کہ صحیح نظر انسان ان کی نظیر ڈھونڈھنے سے قاصر ہے اور یہی اعتراف قصور در اصل اس کے لیے سرمۂ کمال بن کر افزائش حسن و بصیرت کا موجب بنا۔ بے سروسامانی میں کمال، کم سپاہی میں جلال، بیکسی میں شان، مظلومی میں شکوہ، ظاہری شکست میں فتح، یہی واقعہ کربلا کا خاصہ ہے۔ کربلائی مجمع کے عناصر کو دیکھیے۔ اور ان کے اختلاف و امتیاز پر غور کیجیے۔ فکر کی کسوٹی پر کسیے۔ ضرور اس کی گہرائیاں سامنے آئیں گی۔ اور اس کے رموز منکشف ہو جائیں۔ بلاشبہ اس کا ہر جز کسی نہ کسی مصلحت سے تھا عورت مرد، بچے بوڑھے سب کے سب دین متین کی حفاظت کے لیے باہر لائے گئے۔ اس میدان میں ان کی حق پرور آوازیں گونجیں جو آج تک فضا میں تیر رہی ہیں۔ مگر جو کشش ننھے مجاہد علی اصغرؑ کی آواز میں ہے اس کا کیا کہنا۔ جس طرح ان کی شمولیت نے توجہات عالم کو جذب کیا اس کا کیا ٹھکانہ۔ سانحہ کربلا موثر ضرور تھا مگر لرزہ خیز اسی نے بنایا۔ وہ دیرپا ضرور تھا مگر اس کو آب حیات تشنہ لب بشیر کی شہادت نے پلایا۔ اسی لیے بقائے اسلام بے شیر کے خون کے قطروں کی۔ آج تک مرہون منت ہے اور تا قیامت شرمندہ احسان رہے گی۔ اس کی سرخروئی انھیں چند بوندوں کا صدقہ ہے۔ جو سنہ ۶۱ھ میں کربلا کی سرزمین پر روز عاشور علی اصغر کے حلقوم نازک گلے سے بہ کر چہرۂ حسین علیہ السلام پر رنگ لائے امام علیہ السلام حقیقت میں اپنے چہرہ پر خون اصغر نہیں لگا رہے تھے بلکہ اسلام کے چہرہ پر غازہ مل رہے تھے۔ تاکہ اس کا خوشنما چہرہ بقائے دنیا تک گلفام اور شفق گون رہے۔ یہ امام کی تمنا تھی پوری ہوئی جس کا ہر سلیم الطبع معترف ہے۔ یہاں سے کمسن شہید کی عظمت اور اس کی قربانی کی قدر و منزلت معلوم ہو گئی نیز اس سانحہ میں بشیر کی جگہ کا بھی صاف صاف پتہ چل گیا۔ جب ہی تو امام عالی مقام نے علی اصغر کی شہادت عظمیٰ کی طرف مختلف اوقات الفاظ میں دنیا کو ملتفت فرما دیا ہے۔

رباعی

از ریاست عالیہ محمود آباد - عالی جناب سید محمد عباس صاحب ایم اے لکھنوی

وہ صبر ترا وہ خوش نہادی تیری ہے عین مراد نامرادی تیری
سر کٹ گیا پر قدم میں لغزش نہ ہوئی اللہ ری قوت ارادی تیری

(عالی جناب سید اظہار حیدر صاحب تاب گنگنی شکل لکھنؤ)
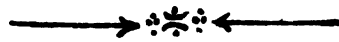
جنگ کے دوران ہی میں حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا جس سے مادیت کی نام نہاد تحریکوں کا زور و شور ایک حد تک کم ہوگیا۔ کم و بیش اسی زمانہ میں دنیا کے ہر فرقے نے اپنے ہیرو کو بین الاقوامی حیثیت دینے کی کوشش کی اس سلسلے میں کسی نے اشتراکیت۔ اشتمالیت اور جمہوریت کی روشنی میں ہیرو کے خدوخال پیش کیے تو کسی نے روحانیت کا دامن مضبوطی سے پکڑا لیکن اسوقت جب فاشسٹی درندے ہمارے دروازوں پر کھٹکھٹا رہے تھے ہندستان کے طول و عرض میں مختلف فرقوں کے رہنماؤں نے ہم آواز ہوکر انسانیت کے محسن کی سیزدہ صد سالہ یادگار منا کر حسیت انسانی کا ثبوت دیا۔ ہندستان ہی غالباً پہلی بار ایک پلیٹ فارم سے مختلف زاویۂ نظر کے مفکرین وادبا نے ایک آواز ہوکر انسانیت کے محسن کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا اور بقول جوش ہر قوم حسین کو اپنے حسین کے نام سے پکارنے لگی!!!

اس انسانی اتحاد کے سلسلے میں مفکرین وادبا کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے جنھوں نے حسینیت پر ایک نئے انداز سے سوچنا شروع کیا چنانچہ اس دور سے حسینی لٹریچر میں ایک نیے اور مختلف باب کا اضافہ ہوا۔ اس مفید اضافہ کے ساتھ پروفیسر نواب علی صاحب کا نام خاص طور سے یادگار رکھا جانے کے قابل ہے۔ نواب علی صاحب اس تصنیف سے قبل سیرت رسول۔ تذکرہ مصطفےٰ اور صحف سماوی ایسی معرکتہ الآرا کتابوں کو لکھکر اہل نظر سے خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ یہ دیکھکر سخت حیرت ہوتی ہے کہ نواب علی صاحب میں زمانہ کا ساتھ دینے میں کتنی صلاحیت پائی جاتی ہے قریب قریب ہر تصنیف عصری میلانات کی حامل ہے زیر نظر تصنیف میں بھی زندگی کے بدلتے ہوئے رجحانات کا عکس ملتا ہے اور ہم بخوبی اس امر کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ آج کے لکھنے والے عصری میلانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمہ گیر شخصیت کا کس روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔ شہید حق کی اشاعت سے قبل شہید انسانیت پردہ اشاعت پر نمودار ہوچکی تھی شہید انسانیت نے عوام میں ایک ہیجانی کیفیت تو ضرور پیدا کردی تھی (پھر بھی ہیجان کو درجہ اول سے کوئی لگاؤ نہ تھا) شہید انسانیت اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی تصنیف تو ضرور تھی لیکن مولف کی بے توجہی سے خوشنما پھولوں کیساتھ نکیلے کانٹے بھی آگیے جن سے دامن بھی تار تار ہوا اور انگلیاں بھی فگار!!! بہرحال اس کا ردعمل جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن یہ ایک ناقابل حقیقت ہے کہ اس ہیجانی کیفیت سے عوام کے ذہنوں میں غیر شعوری طور سے مبہم اور غیر واضح تصور پیدا ہو چلا کہ واقعہ کربلا

حق ۔ حمایت حریت اور اسلامی نظریہ حکومت کی تبلیغ کا اہتمام باشان کارنامہ ہو۔ زیر نظر کتاب انھیں احساسات اور تصورات کی حامل ہو ۔ اردو زبان میں ایسے موضوع پر اتنے دلکش انداز سے اتنی بلند پایہ تحقیقی اور تنقیدی کتابیں ہنوز نایاب ہیں اگر نواب علی صاحب اسی انداز سے تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ جاری رکھیں تو وہ دن بھی دور نہیں جب اردو کے دامن میں ایسے بھی جواہرات نظر آئیں گے جن سے آنکھوں میں چکا چوند بھی ہوتا ہو اور ذہن میں آسودگی بھی !!!

زیر نظر کتاب میں فاضل مصنف نے حسینیت کے محققانہ جائزے کے ساتھ ساتھ یزیدیت کے تمام رجحانات کا بھی تجزیہ کیا ہو واقعہ کربلا کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں " ایسے وقت میں جبکہ مسیحی اثرات ۔ اسلامی تعلیمات اور معاشرت پر غالب آرہے تھے اور دارالخلافت "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" کا مصداق بن گیا تھا۔ واقعہ کربلا اعلان حق ۔ حمایت حریت دافع پاپائیت اور احیاء ملت کا اہتمام باشان کارنامہ ہو جو آج نہ تیرہ سو برس سے نہ صرف علم کے ذریعے یادگار زمانہ ہو بلکہ انتہائے عالم میں جاری و ساری ہو " کتاب کا آغاز یوں تو سرگزشت مسیح سے شروع ہوتا ہو لیکن کتاب کا وہ حصہ خاص طور سے غور طلب ہو جس میں واقعہ کربلا کے قدیم ماخذوں اور اس کے پس منظر پر نظر ڈالکر مقدمہ ابن خلدون کے تنقیدی رنگ میں تاریخی نقطہ نظر سے اس واقعہ ہائلہ کی تشریح کی گئی ہو ۔ کتاب کا یہ حصہ تحقیقی اور تنقیدی حیثیت سے بہت بلند ہو ۔

ہر قوم کی تاریخ میں ایسے بھی انتشاری دور آتے ہیں جب معاشی ۔ سیاسی اور سماجی مسائل ذہن انسانی کو پراگندہ کر دیتے ہیں۔ ایسے نازک موقعوں پر تھوڑا سی لغزش بھی تباہی اور بربادی کا سامان فراہم کر دیتی ہو۔ دنیائے اسلام آج قریب ایسے ہی پرآشوب دور سے گذر رہی ہو۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے سامنے موت و حیات کا سوال ہو ایک طرف ہندستان ۔ انڈونیشیا ۔ جاوا اور ملایا کے مسلمان ذہنی ہیجان میں مبتلا ہیں تو دوسری طرف ٹرکی ایران اور مصر کے مسلمان ایک بحرانی دور سے گذر رہے ہیں سیاسی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ ذہنی ۔ دماغی اور روحانی الجھنیں بھی روز بروز بڑھتی جارہی ہیں ۔ سیاسی اقتصادی الجھنوں کے علاوہ ذہنی اور روحانی الجھنیں بھی سرکاری عیسائی مشنریوں کے مرہون منت ہیں ۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن بھی دور نہیں جب یہی عیسائی مشنری اسلامی علوم کو توڑ مروڑ کر جھوٹے پروپیگنڈے کی مدد سے حقیقت اسلامی کو ایک نئے روپ میں پیش کرکے ملت بیضا کی کتاب کے اوراق کو پریشان کردیں۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب اس قسم کی ایک ناپاک کوشش encyclopedia of Islam انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتب کرتے وقت نمایاں ہوئی ۔ اس encyclopedia میں بیروت کے ایک فاضل مسیحی ایچ لیمنز کے مضامین متعلقہ حضرت حسنین حضرت حمزہ اور جناب فاطمہ شامل ہیں ایسی معیاری اور ٹھوس کتاب میں اتنی غلط بیانی اور خود ساختہ روایتوں کو دیکھکر تعجب سا ہوتا ہے ۔ تاریخی غلطیاں ۔ متعصبانہ انداز تحریر سعی نفاق بین المسلمین کی غمازی کر رہی ہیں ۔ ہمیں یہ دیکھکر سخت افسوس ہوتا ہو کہ ہمارے

علماء کرام جو مذہبی اجارہ دار اصلی باتوں میں الجھ کر تعمیری کاموں سے اسقدر منہ موڑ لیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں قابل اعتراض باتوں کی تردید کرتے ہوئے ان اوچھے ہتھیاروں کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے جن کو حریف وقتاً فوقتاً استعمال کرتے رہتے ہیں ۔

کتاب کی اہمیت موضوع کے اعتبار سے مسلم ہے شہادت حسینی سے قبل کے سیاسی اقتصادی اور سماجی پہلوؤں پر ابھی تک وقت کی گرد جمی ہوئی ہے ۔ آج عوام کا مذاق بالکل بدل چکا ہے ۔ آج عوام مسجد سے تصویر کے تاریک پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے طالب ہیں چنانچہ اس کتاب میں اس تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے شہادت حسین کا پس منظر حیثیت کی ارتقاء پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اس سلسلے میں امام حسین کی بصیرت افروز تقریریں جن سے شہادت کا مقصد یزیدی دور کے تمام رجحانات پر کافی روشنی پڑتی ہے خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔

حقانیت کی اس جنگ میں اگر ایک طرف سپاہ حسینی کے کارناموں پر انسانیت ناز کرے گی تو دوسری طرف یزیدیت پر اہل حرم کی مستقل کاری ضربوں کی آوازیں بھی فضاء ایمانی میں گونجتی رہیں گی ۔ یزیدی دور کی بربریت کو دیکھ کر ذہن انسانی میں اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا عہد یزید میں کوئی ایک فرد بھی انصاف پسند تھا اس سوال کے جواب دیتے ہوئے اہل حرم کے تبلیغی ان کارناموں پر تبصرہ کیا جن سے ایک نئے قسم کے ذہنی انقلاب کی بنیاد پڑی ۔ نفسیاتی حیثیت سے کتاب پر ناظرین کو دعوت فکر دیتا ہوا وجدان پر غیر فانی اثرات چھوڑ جاتا ہے ۔

کسی مستقل موضوع پر تحقیقی کتاب لکھتے وقت بیک وقت ادبیت کے جملہ لوازم کو برقرار رکھنا کافی دشوار ہے اردو زبان میں ایسی کتابیں جو بیک وقت تحقیقی تنقیدی اور تاریخی ہونے کے باوجود ادبی صف میں شمار کی جا سکیں بہت کم ہیں ۔ اگر اسی انداز سے اردو کی کتابیں شائع ہوتی رہیں تو قاری کو یہ امتیاز کرنا دشوار ہو جائے گا کہ آیا مصنف کے پیش نظر کوئی ادبی خصوصیت تھیں یا دوسرا اہم موضوع !!! آخر میں ایک اقتباس پیش کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہوں ۔

"حضرت قاسم نے ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھا کر وہ دن یاد دلا یا جب ان کے پدر بزرگوار امام حسن نے خلافت کو ایسا کفن دیا جو حرب ابن امیہ کے پوتے امیر معاویہ کی ملوکیت کا پیرہن بن گیا۔ پھر اسی پیرہن نے یزیدی قیصریت کی قبا بن کر میدان کربلا میں آل عبا کا خون بہا کر کفن نہ دیا۔" قیمت ۱۶ نظامی پریس لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

رُباعی

عالی جناب ماسٹر سید تمیز حسین صاحب عاؔلی

مرا آقا ہے وہ جس پر عبادت ناز کرتی ہے	ولایت ناز کرتی ہے سیادت ناز کرتی ہے
دہم کو عصر کے ہنگام یہ جبریل کہتے ہیں	یہ وہ فدیہ ہے خود جس پر شہادت ناز کرتی ہے

جہادِ مستقل

(از آقائے ہندی قزلباش منشی فاضل، دامت معالیہ)

روز و شب رہتا ہے میرے دل میں پیغام حسینؑ آنکھ کھلتی ہے مری لیتا ہوں جب نام حسینؑ
تقویت ہوتی ہے دل کو سن کے اکرام حسینؑ خون رو دیتا ہوں جب پڑھتا ہوں آلام حسینؑ

وہ شہید کربلا وہ سبطِ شاہ کائنات
جس نے دکھلا دی مسلمانوں کو پھر راہ نجات

جس نے اپنی ہر خوشی پر موت کو ترجیح دی اپنی ہر آسودگی پر موت کو ترجیح دی
دینوی دلبستگی پر موت کو ترجیح دی جس نے اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دی

زندگی جس شاہ کی تھی اک جہاد مستقل!
بخشش امت تھا جس معصوم کا مقصود دل

جسم میں جس کے تھا خون پاک زہرا موجزن جس کا بابا تھا علی مرتضےٰ صاصف شکن
جس کا نانا تھا رسولِ کبریا۔ بھائی حسنؑ جس نے پایا تھا رسول پاک کا طور و چلن

عہد طفلی میں ملایک نے جسے جھولا دیا
جس کی خاطر آہوئے وحشی نے بچہ لا دیا

جو طلوع کاندھے پہ ہوتا تھا نبی کے وہ قمر جس کی ضو سے تھا منور فاطمہ زہراؑ کا گھر
جس کی شاخیں دین پر سایہ فگن تھیں وہ شجر جس نے اپنا گھر تلک لٹوا دیا وہ خوش بسر

کفر جنبش دے سکا نہ جس کے عزم پاک کو
خون نے جس کے کیا اکسیر جن کی خاک کو

وہ حسین ابن علی انسان کامل خوش صفات جس نے رنگینی پہ دنیا کی کیا نہ التفات
جس کی ذات پاک سے قایم ہے نظم کائنات جس کی قربانی نے روشن کر دئے حق کے نکات

جس نے اپنے سر پہ جھیلی ہر بلا اسلام کی
پڑھ رہی ہے کربلا تسبیح جس کے نام کی

جس کے غم میں آج تک مخلوق ہی سب سوگوار
خدمت خلق خدا جس کا رہا ہر دم شعار
حاصل انسانیت ہے جو شہ عالی وقار
جس کی اک تکلیف سے ہوتے تھے احمد بے قرار
کربلا کی سمت آیا ہے وہ مرنے کے لیے
دین حق کی کفر کو تلقین کرنے کے لیے

ساتھ اس کے کچھ عزیز و اقربا و اوریار ہیں
کچھ بنی ہاشم سے ہیں کچھ حامل انصار ہیں
جان دینے کے لیے یہ سب کے سب تیار ہیں
سرتن اطہار پران کے لیے اک بار ہیں
یہ وہ عالی مرتبت ہیں حق کو جن پر ناز ہے
ان کے سینوں میں نہاں انسانیت کا راز ہے

کچھ تو ان میں سے جوان و طفل ہیں کچھ پیر ہیں
بیویاں ہیں ان میں کچھ جو صاحب تطہیر ہیں
انبیائے رفتگاں کی جاگتی تصویر ہیں۔
یا قرآنی سورہ و آیات کی تفسیر ہیں
یہ اٹھے ہیں دین کا رستہ دکھانے کیلئے
آئے ہیں توحید کا ڈنکا بجانے کیلئے

ان میں اک ہمشکل پیغمبرؐ ہے اک شکل علی
کوئی ہم صورت حسن کا کوئی جعفر کی شبیہ
ایک کے چہرے سے ٹپکی پڑ رہی ہو سادگی
ہو جبینوں سے ہر اک کی نور ایزد منجلی
ایک کے چہرے سے تقویٰ اور عبادت آشکار
ایک کے بشرے سے شوکت اور شجاعت آشکار

ان کو ترسائیں گے اعدا بوند پانی کے لیے
دیں گے تکلیفیں انھیں بیعت ستانی کے لیے
پر یہ مر جائیں گے احمد کی نشانی کے لیے
جان دیدیں گے یہ اس کی پاسبانی کے لیے
لو وہی دن آگیا جس کے تھے یہ سب منتظر
لو ہوئیں شیروں کے حملوں سے وہ فوجیں منتشر

لڑتے لڑتے لو گھرا نرغے میں اک اک شیر ہو
چاہتے ہیں قتل کرنا ان کو اعدا گھیر کے
دشت میں دیکھو جدھر لاشوں کا گویا ڈھیر ہو
پیاس سے حالت مگر ہر شیر دل کی غیر ہے
یہ حفاظت کر رہے ہیں فاطمہؑ کے ماہ کی
غیر ہے حالت عطش سے خود شہ ذیجاہ کی

ساتھ شہ کے باجماعت کر کے دوگانہ ادا
امتحان گاہ وفا میں ہر مجاہد چل دیا

لے کے سب تیر و تیغ و پیکاں آگئے سب اشقیار سینکڑوں کے غول میں اک اک مجاہد گھر گیا

لو وہ تڑپا خاک پر حرؑ اور وہ جابر مر گئے

لو حبیب شاہِ دیں ابن مظاہر مر گئے

وہ رگڑتے ایڑیاں ہیں قاسم ابن حسنؑ وہ تڑپتا خاکِ مقتل پر ہے کوئی خستہ تن

لو وہ نیزے پر کسی کا سر ہے اور پامال تن لو وہ خاک و خون میں غلطاں ہے کوئی گل بدن

وہ کنارے جو کٹے ٹکڑے ہو گئے عباسؑ کے

وہ بلک کر ہو گئے بے ہوش بچے پیاس سے

جس تن گلرو کو دیکھو ہے وہ بے سر دھوپ میں ڈھونڈھتے پھرتے ہیں حضرت لاش اکبر دھوپ میں

وہ انگوٹھا چوستے آتے ہیں اصغر دھوپ میں وہ چلے تیر و کماں لے کے اکفر دھوپ میں

اس طرف تیر و کماں اعدائے دیں جوڑا کیے

اس طرف بابا کی گودی میں یہ دم توڑا کیے

تیر کھا کر لاج رکھلی مذہب اسلام کی سرخ کر دی خون سے صورت دیارِ شام کی

کفر سے تسبیح پڑھوا دی خدا کے نام کی بڑھ گئی توقیر یوں آغاز سے انجام کی

شاد نے بھی سجدۂ خالق میں سر کٹوا دیا

حق یہ ہے آقا کہ جوہر صبر کا دکھلا دیا

رباعی

قرطاس صفحِ دیں کا سطرِ حسینؑ ہے
گلزارِ مصطفےٰ کا گلِ تر حسینؑ ہے
ہے جلوہ کائنات کی روحِ رواں حسینؑ
جبریل کی خزادی کا دلبر حسینؑ ہے

خضر علی

رباعی

اسلام کو اسلام بنانے والے
قرآن پہ عمل کرکے بتانے والے
آزادیٔ دوزخ کا قبالہ دیدے
اے نوح کی کشتی کے بچانے والے

خضر علی

حیف پتھر مارتے تھے تیر برسانے کے بعد

(از جناب منشی حکیم عطا علی صاحب مست)

خون رو یا آسماں خنجر کے پھر جانیکے بعد
اور زمیں ہلنے لگی شہ کا کٹ جانے کے بعد

تین دن تک نہر پر آل نبی پیاسے رہے
بند پانی ہوگیا خیموں کے اٹھ جانے کے بعد

کرتی ہے بچوں کو زینبؑ اپنے بھائی پر نثار
دیکھے سرمہ آنکھ میں زلفوں کو سلجھانیکے بعد

یاد کر کے پیاس بچوں کی علم دار حسینؑ
پھینک ڈالا ہاتھ سے پانی کو ہاتھ آنے کے بعد

شہ نے قاسمؑ سے کہا دوں کس طرح رنگی رضا
تم نشانی ہو مرے بھائی کے مرجانے کے بعد

سن کے بیٹے کی صدا کھینچی جگر سے شہ نے آہ
پار برچھی سینہ اکبر سے ہو جانے کے بعد

لاش پر فرزند کی کہتے تھے یہ شاہ زمن
خاک ہے اس زندگی پر تیرے مرجانے کے بعد

لائے ہیں بے شیر کو میداں سے خیمہ میں
تیر ننھے حلق اصغر سے گذر جانے کے بعد

گھیر کر نرغہ میں اعدا فاطمہؑ کے لال کو
حیف پتھر مارتے تھے تیر برسانے کے بعد

وقت رخصت شہ یہ بولے شیعوں کو کہدو سلام
قید سے چھٹکر وطن زین العبا جانے کے بعد

وہ سر پر نور جو قرآن سے کچھ کم نہ تھا
حیف نیزے پر چڑھا تن سے اتر جانے کے بعد

بیڑیاں سجاد کے پاؤں میں پہنائی گئیں
لوٹ کر سب مال و زر خیموں کے جل جانیکے بعد

مست مشہد کی زیارت کا تمہیں ہو شوق گر
اب خراساں کو چلو پھر کربلا جانے کے بعد

خوبصورت شہزادہ کا خوبصورت رجز

از جناب موحد صاحب سرسوی

(قرآن اور احادیث کے استدلال اور تشریحی حوالے بخوف ضخامت نظرانداز کردیئے گئے ہیں)

نکلے پرے غرور میں جب فوج شام سے
ابر سیہ میں چمکے شرارے حسام سے
سبط نبیؐ کے شیر نے اپنے مقام سے
شمشیر سر شگاف کو کھینچا نیام سے
کوندی وہ برق ابر سیہ گھر کے چھٹ گیا
کوسوں چمک کے لشکر کفار ہٹ گیا

وہ دلربا رجز کہ ہوں دلبر حسینؑ کا
دلبند ابن فاتح بدر و حنین کا
ہو نور عین فاطمہؑ کے نور عین کا
فرزند نوجواں ہوں شہ مشرقین کا
پوتا ہوں اس کا جس کا ہے مشکل کشا لقب
وہ لافتیٰ خدا نے دیا قل کفیٰ لقب

کہتے ہو جس کو شاہ ولایت وہی علیؑ
کعبہ ہے جس کی جائے ولادت وہی علی
کی ثبت جس نے مہر صداقت وہی علی
ثابت ہے جس کے دم سے ولایت وہی علی
اسلام تھا عرب نہ عراق و حجاز میں
اس وقت مقتدی تھے نبی کی نماز میں

لاریب وہ علی ہے جسے سبقت ہے دین میں
صدیق یوں لقب ہے کہ ہیں سابقین میں
فاروق یوں کہ تاب نہ تھی مشرکین میں
نور خدا بجھائیں خدا کی زمین میں
رکھے وہ اہل بدر کے لقتے بگاڑ کے
بنیاد کفر پھینکدی جڑ سے اکھاڑ کے

ایسا غنی کہ دہر میں ممکن نہیں مثال
باغ فدک ہو ضبط نہو دل کو اشتعال
لٹتا ہو تاج و تخت طبیعت رہے بحال
نان جویں غذا رہے اور شکر ذوالجلال
بخشی رکوع میں وہ انگوٹھی جناب نے
کی جس پہ مہر ثبت خدا کی کتاب نے

آیا ہے جس کی شان میں والنجم اذا ھویٰ ٹوٹا جو اک ستارہ پیمبرؐ نے یہ کہا
نازاں ہو جس کے گھر پہ وصی ہے وہی مرا دیکھا یہ سب نے خانۂ حیدر میں وہ گرا
کیا ذکر نجم پوچھئے شرق و جنوب سے
پھیرا آفتاب مقام غروب سے

ضرب المثل ہے جس کی شجاعت وہی علی دی تم نے جس کو چوتھی خلافت وہی علی
توڑی تھی جس کی کرتے ہی بیعت وہی علی اب جس کی قتل کرتے ہو عترت وہی علی
صفین میں کبھی۔ کبھی جنگ جمل میں تھے
منبر پہ سب و شتم تھے۔ خنجر بغل میں تھے

خالق نے جس کے واسطے بھیجی تھی ذوالفقار آیات جس کی شان میں اتری ہیں بے شمار
جس کو ملا ہے عہدۂ تقسیم نور و نار آگے بڑھے ملے ہوں جسے ایسے اختیار
کس معرکہ میں فتح کا گاڑا علم نہیں
لیکن کبھی حدود سے نکلا قدم نہیں

جد وہ کہ جس کی روز ازل سے نہیں مثال جس کا وجود صنعت خالق کا ہے کمال
وہ تاجور کہ جس کی شہی کو نہیں زوال کیوں ہو زوال جب ہے وہ محبوبِ لایزال
دخل اس میں عمرو بکر نہ چون و چرا کا ہے
جو کچھ خدا کا ہے وہ رسول خدا کا ہے

حسنِ علی وہ شان کہ ہیں دنگ انبیاء پہنچے وہاں فرشتوں کا اس جا تو ذکر کیا
جل جائیں پر۔ جو دیکھے ادھر طائر ہوا جبریل بولے۔ حافظ و ناصر ہے اب خدا
تھا فاصلہ یہ رب سے شہ انس و جان کا
چلے سے جتنی دور ہو گوشہ کمان کا

کہتے ہو جس کو ختم رسل۔ شاہ کائنات دکھلائی جس نے خلق خدا کو رہ نجات
پہنچائیں کل جہان پہ آیات بینات سمجھائیں آیتیں متشابہ و محکمات
حجت وہ کون سی ہے جو تم پر نہ ختم کی
اس کے وصی پہ تم نے مگر سب و شتم کی

دیکھو اسی رسول کے ہمشکل ہم بھی ہیں ہیں چشم و رخ وہی۔ وہی زلفوں میں خم بھی ہیں

ان کی طرح شجاع کبھی ثابت قدم کبھی ہیں　　جود و سخا و خلق میں اہلِ کرم کبھی ہیں

جس کو کریں نہال ۔ نہ حاجت ہو مال کی

تا حشر پھر رہے نہ ضرورت سوال کی

ہو عاشقِ رسول تو قدموں پہ سر جھکاؤ　　ہمشکلِ مصطفیٰ کے پھر و گرد بڑھ کے آؤ

ہو فرق بال بھر جو شباہت میں تو بتاؤ　　میلا دپڑھ کے سامنے نعتِ نبی سناؤ

وحشی بھی ایک تم سے سوا باتمیز تھا

جوشِ جنوں میں بھی سگِ لیلےٰ عزیز تھا

ہوتے ہی آنکھ بند شہِ خوش صفات کی　　کیا خوب قدر آلِ شہِ کائنات کی

جز ظلم و جور ۔ خلق سے اک دن نہ بات کی　　گل تم نے ایک ایک کی شمعِ حیات کی

خنجر کہیں گلے پہ ۔ کہیں جام زہر کے

ہفتم سے مستحق نہیں ہم آبِ نہر کے

کس منہ سے تم کو دعوئ اسلام ہے کہو　　کس جرم کا حسینؑ پہ الزام ہے کہو

نسلِ نبی کا قتل یہ کیوں عام ہے کہو　　کیا اس تمہارے ظلم کا انجام ہے کہو

کیا شوقِ سلطنت ہے ۔ یہ کیسا جنون ہے

کیوں کر روا نبی کے نواسے کا خون ہے

رباعی

زہرا و پیمبر کے پیارے ہیں حسینؑ

اور عرشِ معلیٰ کے ستارے ہیں حسینؑ

دنیا انھیں کہہ لیے دو جو کچھ چاہے

ہم تو یہی کہتے ہیں ہمارے ہیں حسینؑ

جناب حکیم عطا علی صاحب

رباعی

چھوٹی سی لحد رن میں بناتے ہیں حسینؑ

اور لاشۂ اصغر کو لٹاتے ہیں حسینؑ

بانو نہ چلی آئے کہیں مقتل میں

خیمہ کی طرف دیکھتے جاتے ہیں حسینؑ

جناب حکیم عطا علی صاحب

سلام

از عالی جناب جوہر ڈبائیوی

وہ کھنچی تیغ علی اب اس کے جوہر دیکھنا
آئیں گے اڑتے لنظر جبریل کے پر دیکھنا

آبروئے اشک عزا کی روز محشر دیکھنا
کان میں حوروں کے ہونگے ان کے گوہر دیکھنا

فکر میں ہیں شاہ کی لشکر کے لشکر دیکھنا
ایک سر کے واسطے کتنے ہیں خنجر دیکھنا

آتے ہیں کس شان سے میدان میں اکبر دیکھنا
ہو بہو معلوم ہوتے ہیں پیمبرؐ دیکھنا

زیر خنجر بھی ادا فرما رہے ہیں شہ نماز
اک دوگانہ یہ بھی ہے اللہ اکبر دیکھنا

بھیجے اللہ پائیں مولا آزمائیں شیر حق
تیغ ہو ایسی تو کیا پھر اس کے جوہر دیکھنا

چلتے چلتے لے لیا پروانۂ خلد بریں
حر بھی کیا نکلا نصیبے کا سکندر دیکھنا

بانیٔ شر دیکھ کر کہتے تھے اکبرؑ کا شباب
کیا جواں ہے یہ بھی اک اللہ اکبرؑ دیکھنا

کہتی تھیں عون و محمدؑ سے یہ بنت فاطمہؑ
جانب دریا نہ ہرگز آنکھ اٹھا کر دیکھنا

قید میں بھی بندشیں تھیں عابد بیمار پر
بند تھا ان کے لیے زنداں سے باہر دیکھنا

جوش گریہ دیدنی ہے ماتم شبیرؑ میں
آنسوؤں میں موج زن ہو موج کوثر دیکھنا

مژدہ باد اے آنے والے انقلاب خونچکاں
کربلا کی سمت بھی اک بار مڑ کر دیکھنا

سرخ رو بن لو لعینو آج تم شہ نے کہا
رنگ لائے گا مگر یہ خون مقرر دیکھنا

یہ بھی ہے زندہ شہادت کربلا کے خون کی
سرخیاں قائم شفق کی ہیں فلک پر دیکھنا

ہلکی باتیں شمر کی سنکر کہا عباسؑ نے
لاکھ پر بھاری پڑیں گے ہم بہتر دیکھنا

واصفان اہل بیت مصطفےٰ کے حشر میں
موتیوں سے مونھ بھرے جائیں گے جوہر دیکھنا

ــــــ ٭ رباعی ٭ ــــــ

عالی جناب نواب سید محمد حسین صاحب کوثر آنریری اسسٹنٹ کلکٹر

احمد کی طرح جہاں کے رہبر یہ ہیں
خوابندہ نواز و بندہ پرور یہ ہیں

توصیف حسین کی کروں کیا کوثر
اللہ کے نزدیک بھی بہتر یہ ہیں

ثانی زہرا کا شہادت حسینی میں حصّہ

از عالی جناب نثار فاطمہ برادر زادی سید علی نصرت صاحب کھنوری لکھنؤ

ثانی زہراؑ جناب زینب صلوات اللہ علیہا حضرت علی و فاطمہ کی صاحبزادی اور جناب امام حسین علیہ السلام کی حقیقی بہن ہیں معصومہ نے علی کی شان جرأت اور فاطمہ زہرا کی شان عصمت وراثت میں پائی تھی ۔ جس طرح جناب فاطمہ نمونہ نبوت بن کر مستورات عالم کے لیے راہ نما تھیں اس طرح ثانی زہرا مظہر امامت بنکر زنان عالم کے لیے چراغ راہ ہدایت ثابت ہوئیں ۔ حق تو یہ ہے تکمیل مقصد شہادت حسینی میں ثانی زہرا کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ حسین نے درجہ شہادت پر فائز ہو کر دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کردیا ۔ اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ اسلام سلطنت سے نہیں بلکہ سلطنت اسلام سے ہے ۔ اسلام ملک گیری کے لیے نہیں بلکہ دستگیری کے لیے آیا اور دنیا میں پیغام امن و امان لے کر عالم شہود میں جلوہ گر ہوا ۔ اور اسلام کے حقیقی وارث صرف اہل بیت رسول ہی ہیں ۔ خود غرض دنیا نے صورت اسلام کو مسخ کر دیا اور آل نبی کا حق غصب کر لیا ۔ اب ضرورت تھی کہ حسین شہادت قبول فرما کر گرد آلود چہرہ اسلام کو مثل آفتاب عالمتاب درخشاں کر دیں حسین مدینہ سے اہلبیت رسول کو ہمراہ لے کر وارد میدان کربلا ہوئے ۔ اول تو آل نبی حسینؑ کی جدائی گوارہ ہی نہیں کر سکتے تھے دوسرے حضرت کو علم امامت سے معلوم تھا بغیر شرکت اہل بیت مصطفےٰ مقصد شہادت کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی تھی ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عترت اطہار خصوصاً ثانی زہرا نے کیا کیا اور کس حد تک تکمیل شہادت کی ذمہ دار ہوئیں ۔

یہ مسلمہ بات ہے ہر بہن کو فطرتاً اپنے بھائی سے کم و بیش محبت ہوتی ہے مگر ثانی زہرا کی محبت بارگاہ پنجتن سے انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی تھی ۔ حسین زینب کے جان تھے ۔ معصومہ کی محبت ذات حسین سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھی ۔ بلکہ بھائی کی اولاد کی بھی زینب دل و جان سے شیدا تھی ۔ بعد شہادت سید سجاد علیل تھے ۔ یتیمان حسین کی نگرانی اور خبر گیری بنت فاطمہ کے سر آگئی تھی ۔ واقعی زینب نے حق محبت ادا کر دیا ۔ کوئی گھڑی بھائی کے جگر پاروں سے غافل نہیں رہیں ۔ میدان کربلا میں اور بعد شہادت بھی ۔ مرتے دم تک بھائی کے بے جان فدا کرنے سے گریز نہ کیا ۔ تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے

والی بہن کی مثال پیش نہیں کر سکتی اور نہ پیش کر سکے گی۔ ایسی بہن جو صرف بھائی کی عاشق نہیں بلکہ ان کے جانثاروں کی بھی والہ وشیدا۔ جب حبیب ابن مظاہر وارد کربلا ہوئے ثانی زہرا نے سلام کہلا بھیجا۔ کیوں علی کی لاڈلی کو معلوم ہوا۔ بچپنے کے رفیق حبیب ابن مظاہر اعانت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ اللہ زینب محبت برادرانہ کی مثال دنیا میں چھوڑ گئیں اور زنان عالم کے درس وفا فرما گئیں۔

مذہبی نقطۂ نظر سے حسین جانشین رسول ہے۔ دنیا پر حسین کی اطاعت واجب تھی۔ یہی وجہ تھی کربلا میں ہر ایک یادگار رسول پر جان قربان کرنے کے لیے سبقت کرتا تھا۔ ثانی زہرا نے اپنے دو نور لخت جگر کو حسین پر نثار کر کے شان امامت میں چار چاند لگا دیے اور ظاہر فرما دیا۔ امامت کی کیا شان ہو اور راہ حق میں جگر پاروں کی قربانی سے بھی دریغ کسی صورت سے بھی نہ کرنا چاہیے۔

بعد شہادت جب اہل بیت رسول رسن بستہ دربار یزید میں پیش کرنے کے لیے لائے گئے تو بازار کوفہ و شام اور عین دربار یزید میں ثانی زہرا نے ایسے زبردست فصیح و بلیغ خطبے ارشاد فرمائے اور ایسے مدلل دنداں شکن جواب دیے جس سے ہل چل مچ گئی اور انقلاب عظیم کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہ فصیح و بلیغ خطبے آج تک تاریخ میں محفوظ ہیں جن کی فصاحت و بلاغت کی مثال ملنا محال ہو۔ زینب نے قید و بند کی ایذائیں خندہ پیشانی سے جھیل کر اور اپنی بے نظیر طلاقت لسانی سے سارے عالم پر روشن کر دیا۔ عین دربار یزید میں جب یزید پلید نے کہا۔ اے اہل بیت رسول دیکھنا۔ خدا نے تم کو کیا رسوا کیا۔ شکر ہو خدا نے حسین کو قتل کر دیا اور اس کا دعویٰ باطل ثابت ہوا۔ ثانی زہرا نے جب یہ کفر آمیز الفاظ سنے تو رگ حمیت مثل برق طور تڑپ اٹھی۔ خون حیدری میں جوش آگیا۔ نہایت فصاحت و بلاغت سے جابر بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر مردانہ وار گوہر فشاں ہوئیں۔ سن او بے حیا۔ راہ حق میں قتل ہونا ہمارا شیوہ ہو۔ حسین کو خدا نے قتل نہیں کیا بلکہ اے بے دین تو نے۔ روز محشر ہمارا اور تیرا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ اور چار دن کی شاہی کر لے۔ خداوند عالم تیری شاہی کی دھجیاں اڑا نہ دے تو سہی۔ حسین نے قتل ہو کر اسلام کی بنا استوار کر دی خون ناحق بغیر رنگ لائے ہوئے رہ نہیں سکتا۔ ثانی زہرا کی جرأت شیرانہ نے دربار میں قیامت برپا دی اور اسی وقت سے انقلاب عظیم کے آثار نمودار ہونے لگے رومی سفیر نے یزید ملعون کو بھرے دربار میں لعنت ملامت کی آخر مشرف بہ اسلام ہو کر قتل ہوا۔ آپ نے دیکھا ثانی زہرا نے ظالم کے دربار ہی میں مقصد شہادت کی کیسی تشریح فرمائی اور اس طرح شہادت کی غرض کو پورا فرما دیا۔

درحقیقت ثانی زہرا نے صبر و تحمل۔ حق پرستی۔ ایثار نفس۔ رواداری اور ثبات قدم کی ایسی

ایسی درخشاں مثالیں چھوڑیں جو دنیا کے لیے مشعل راہ ہدایت ہیں۔ خصوصاً طبقہ صنف نازک کے لیے انتہائی سبق آموز ہیں آج مادی دنیا انتہائی عروج پر ہی اور احکام مذہبی کو ڈھکوسلا سمجھنے لگی ہے۔ مطرب زادہ افراد رسم پردہ کو مضر صحت اور قید تنہائی سمجھکر پردہ میں آگ لگا رہے ہیں جس کا نتیجہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہر گھر سے ایک شعلہ اٹھ رہا ہے اور صنف نازک میں دیدہ دلیری اور بے حیائی کی وبا عام ہو رہی ہے۔ اخلاقی حالت بہت سے بہت ابتر ہو رہی ہے مگر اہل بیت رسول کی بے پردگی میں گریہ وزاری اور بالوں سے منھ کو چھپانا پردہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے لیکن جب حق کا قدم درمیان میں آجاتا ہے تو یہی ثانی زہرا بھرے دربار میں کبھی چلی جاتی ہے اس طرح امت عاصی کا پردہ رکھ لیتی ہے اور دنیا کو سبق بھی دیتی جاتی ہے۔

بھوساول کا عشرۂ محرم

حقیقت یہ ہے کہ امسال جناب خان بہادر نواب سید محمد امیر صاحب ڈی۔ وی۔ ایس آف جی۔ آئی پی ریلوے کی موجودگی کے باعث جی۔ آئی۔ پی ریلوے انسٹیٹیوٹ کے میدان میں بڑی شان و شوکت سے عشرۂ محرم اور یوم حسینؑ منایا گیا۔ میدان میں ایک عالیشان پنڈال بنایا گیا تھا جسمیں روزانہ شب کے وقت اہل بھوساول کے مجمع عام میں جناب مولانا محمد نقار علی صاحب حیدری بدایونی کا وعظ ہوتا تھا جسمیں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے مستورات کے لیے پردہ کا بھی خاطر خواہ بند و بست کیا گیا تھا۔

۱۳ محرم کی شب کو اسی عالی شان پنڈال میں جناب گھاٹ کر صاحب بہادر کلکٹر ضلع جلگاؤں کی صدارت میں یوم حسین منایا گیا۔ جسمیں ایک جم غفیر نے شرکت کی۔

یوم حسینؑ کے جلسہ میں اول تو جناب محشر صاحب بھوساولی اور جناب بشیر محمد صاحب نے نظمیں پڑھیں۔ پھر جناب قادر اتھاولے۔ جناب خان بہادر نواب سید محمد امیر صاحب، جناب سید الطاف حسین صاحب بخاری اے۔ ٹی۔ ایس۔ آف جی۔ آئی۔ پی ریلوے اور جناب پانگر صاحب بی۔ اے ایل ایل بی نے مختصر تقریریں کیں۔ بعد ازاں جناب منظور صاحب بخاری ایم۔ ایل۔ اے، جناب اے کے ایم ایچ جعفر صاحب کیریٹر آف جی آئی پی ریلوے، جناب مولانا محمد نقار علی صاحب حیدری بدایونی وغیرہ نے جو کہ خاص اسی مقصد کے لیے اورنگ آباد سے بلائے گیے تھے اردو میں تقریر فرمائی۔

ان تقاریر کے بعد جناب صدر نے انگریزی میں تقریر فرمائی جس کے بعد جناب سید الطاف حسین صاحب بخاری اے ٹی ایس آف جی آئی پی ریلوے نے سب حضرات کا شکریہ ادا کیا اور ایک بجے کے قریب یہ کامیاب جلسہ ختم ہوا۔

راقم۔ (سیٹھ) غلام حسین آف بمبئی سکریٹری مجلس ادب بھوساول۔

صوری و روحانی قربانیوں کا اجتماع

دور حاضر میں قربانی کا لفظ جس افراط و تفریط کا شکار ہو چکا ہی۔ وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ وہ صرف اسلام اور ایمان کے فطری آئین ہیں جنھوں نے اپنی عاقلانہ تعلیم سے اعتدال قائم کرکے انسان کے فلاح و بہبود کی شاہراہ دکھائی الفاظ کا زبان تک محدود رہتا ہی اور عملی مجسمہ بن جاتا ہی اور بحمد اللہ ہر سال اسلام کی عید قربان اوسی جذبہ اعتدال کو زندہ بنانے کیلئے آتی رہتی ہی جس میں ہر مسلمان قربان گاہ عقیدت میں اپنے جذبات مذہبی اور احساس روحانی کا نذرانہ پیش کرتا رہتا ہی لیکن کیا کہنا اوس منظر جسمیں مالی نقطہ نظر سے صوری قربانی روحانی قربانی کے ذریعہ سے مکمل کیجاوے اور نہ صرف حیوانات ذبح کرکے سرخروئی حاصل کیجائے بلکہ دنیاوی جذبات اور مادی ہوا و ہوس کے گردن پر عقیدت کی چھری پھیرا جائے اس توفیق میں وہی سعی کرسکتا ہی جسکو خدا اور رسول کی بارگاہ سے ایمان کا خلعت اور مودت اہلبیت کا حصّہ نصیب ہو ایسے دیندار اور عاقبت بین زمانے کے آغوش میں کم ہوتے ہیں خدا کا شکر ہی کہ عالیجناب معلّی القاب فخر الحاج چودھری سید ارشاد حسین صاحب بالقابہ تعلقدار نرولی اسٹیٹ کی ذات گرامی علاوہ اپنے مکارم اخلاق و محامد صفات کے فطرتاً دین و مذہب کے دلدادہ اور تعمیر آخرت کے فریفتہ رہتی ہی۔ چنانچہ موصوف نے جذبہ دیانت سے متاثر ہو کر ایک عالیشان حسینیہ (امام باڑہ) اور ایک یگانہ عصر مسجد اولو العزمی کے ساتھ تعمیر فرمائی ہی۔ جو بحمد اللہ ہمیشہ اپنے مقاصد و اغراض میں آباد رہتے ہیں۔ امسال ان دونوں کے استحکام استحفاظ و بقا و دوام کیلئے ایک غیر منقولہ جائیداد علیحدہ علیحدہ وقف فرما کر دنیا و آخرت میں اپنی سعی جمیل کو مشکور فرمایا۔ جناب چودھری صاحب بالقابہ نے تقریباً چونتیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائیداد مع مالگذاری سرکار امام باڑہ اور مسجد کیلئے علیحدہ علیحدہ وقف فرمائی جسکی سرکاری رجسٹری بھی اسی روز مکمل ہو گئی کیا کہنا اس حسن عمل و توفیق نیک کا جسمیں مختلف قربانیاں بغل گیر ہو رہی تھیں اور فرط مسرت سے معانقہ کر رہی تھیں جس وقت صیغہ وقف جاری فرمایا اور مختصر مگر جامع و مانع تقریر سے جناب والا علام مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مدظلہم نے اعلان فرمایا تو یہ کارنامہ السعی تعقیب قرار پایا جس سے ہر طرف ارشاد حسین زندہ باد کے نعرے بلند تھے اور نہ صرف حاضرین و اشراف ردولی بلکہ درحقیقت دین اسلام و ایمان سب دعائیں دے رہے تھے۔

وقف مذکور میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے جملہ حقوق و امور خیر کا لحاظ رکھا گیا ہی اور انتہائی کوشش کیگئی ہی کہ اسکی فائدہ رسانی سے کوئی مستحق طبقہ محروم نہ رہ سکے انشاء اللہ یہ وقف خوشنودی خدا و رسول اور مرضی ائمہ اطہار ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں نیکی کا چشمہ کا باعث ہوگا۔ بالفعل موصوف بالقابہ خود متولی ہیں جس سے یقین ہی کہ وقف آپ کے حسن انتظام و نگہداشت سے اپنے اعلیٰ مقاصد میں اسی طرح کامیاب رہیگا کہ دوسروں کے لیے نمونہ عمل قرار پائے۔ ہمیں آئندہ بھی اس خانوادہ جلیلہ کے توفیقات خیر و انہماک دیانت سے یقین کامل ہی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ وقف ہر طرح کامیاب مبارک ہوگا۔ کاش اس حسن عمل سے دنیا سبق لیتی اور امارت و افلاس کی معرکہ آرائی موقوف ہو کر صحیح احساس کا جذبہ قلوب میں ابھر دیتی جس سے تعاون علی البر والتقویٰ کا مقصد پورا ہو سکتا۔

سید شبیہ الحسن نونہروی

کان اللہ لہ

سال نو اور تجدید غم

از عالی جناب سید محمد احسن صاحب خاؔور کربلائی

خوشی سے ہوتا ہے آغاز سال نو ہر جا ہر ایک قوم سمجھتی ہے دن ہے یہ اچھا
گھروں میں جشن مسرت کے ہوتے ہیں برپا مگر ہیں وہ بھی جو کرتے ہیں آج آہ و بکا

یہ روز عید سبھی بیش و کم مناتے ہیں
سبب ہے کیا کہ مسلمان غم مناتے ہیں؟

یہ رسم ان کی نرالی ہے سارے عالم سے کہ ہوتی ہے سنِ ہجری کی ابتدا غم سے
ہیں گونجتے در و دیوار شور ماتم سے جو ندی اشک کی بہتی ہے چشم پر نم سے

یہ کس کا درد ہے جو غم کے گل کھلاتا ہے؟
پیام رنج محرّم کا چاند لاتا ہے،

سبب یہ ہے کہ ہوا ہے اک حادثہ ایسا کہ جس کا مثل نہ ہو سکتا ہے کبھی نہ ہوا
جو آیا دہر میں اکسٹھواں سال ہجری کا لب فرات ہوا قتل اک ولی پیاسا

سحر کے وقت جو یہ آسماں کا منھ فق ہے
شفق کی شکل میں اس کا ہی خونِ ناحق ہے

اسی کے غم سے یہ مخصوص ہو گئے ہیں دن اسی کو روتا ہے ہر نوجواں و طفل و مسن،
سمجھتی اپنا ہے انسانیت اُسے محسن درود پڑھتے ہیں جب نام لیتے ہیں مومن

دُرِ یگانۂ دریائے مجمع البحرین
بخوں طپیدۂ کرب و بلا امام حسینؑ

سوال یہ ہے کہ یہ حادثہ ہوا کیوں کر قتیل کیوں ہوا اتنا بلند پایہ بشر
قصور بھی کوئی اس کا نہیں بتاتا اگر تو اس گناہ کی پھر ذمہ داری ہے کس پر

جو قاتل اس کے ہیں دیندار ہیں کہ بے دیں ہیں
بخستہ خون میں کس کس کے ہاتھ رنگیں ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ بعد وفاتِ شاہِ انام   قلیل عرصہ میں کھل کھیلی امتِ خود کام
جو روحِ دیں تھی ہوئی ختم رفتہ رفتہ تمام   جہاں میں رہ گیا بس نام تام کا اسلام

دبا دیا جس کو نبیؐ نے تھا پھر اُبھر آئی
وہی جہالتِ دیرینہ زور پر آئی

جو پہنچی بوالہوسوں تک خلافتِ اسلام   رہا سہا ہوا اس دینِ حق کا کام تمام
امیرِ شام ہوا جب یزیدِ بد انجام   تو کوئی بات نہ تھی پھر حلال یا کہ حرام

بعید عقل سے ہر صاحبِ شعور ہوا
زمانہ مائل ہر فسق و ہر فجور ہوا

مذاقِ فحش کی محفل جمی بجائے مزاح   پھوپھی سے خالہ سے جائز قرار پایا نکاح
جو ہاتھ آگئی امر و نواہی کی مفتاح   تو یک قلم کیے سارے محرمات مباح

کچھ ایسا زوروں پہ آیا تھا معصیت کا شباب
کہ تھا علانیہ گھر گھر میں دورِ جامِ شراب

تھا زندہ عہد میں اس کے نبی کا یہ فرزند   یہ بدعتیں اسے آجاتیں کس طرح سے پسند
یہ سوچ کر کہ کرے بابِ اعتراض کو بند   یزید عربدہ جو نے لگائی اُلٹی زقند

بجائے اس کے کہ اپنی سنبھالتا حالت
ہوا نبیؐ کے نواسے سے طالبِ بیعت

غرض یہ تھی کہ کسی شکل سے ملے یہ سند   کہ اس کا فعل ہے عینِ شریعتِ احمدؐ
ہوا ادھر سے تو انکار اور ادھر سے کد   نتیجہ نکلا وہی یعنی سختیٔ بے حد

یزیدیوں نے ستم میں دکھایا اپنا کمال
کیے وہ ظلم نہ جنکی عدیل ہے نہ مثال

مگر حسینؑ کے آیا نہ تیوری پر بل   لگا دی جان کی بازی جو دیکھا اسکا عمل
ہر ایک تلخی کو سمجھا رہِ خدا میں عسل   مجال کیا کہ کوئی ڈالے دینِ حق میں خلل

خراج لیتا ہے عزمِ امامِ عالم سے
کہ دیں ہے زندہ و باقی حسینؑ کے دم سے

لٹایا گھر کو عزیزوں کو اپنے کٹوایا   مگر ذرا سا نہ شکوہ زبان پر آیا

دلوں پہ قبضہ ہے یہ صبر کا صلا پایا جہاں سے لوہا سیاست کا اپنی منوا یا

رکھا تھا پیش نظر اس نے مقصد عالی

بلا کے دشت میں بنیاد حریت ڈالی

یہ حادثہ نہیں کل کا گذر گئیں صدیاں مگر فسانہ تازہ ہے جب کبھی کیجے بیاں

یہ معجزہ ہے حسینی مشن کا صاف عیاں نہ اب یزید ہے باقی نہ اس کا تاج و نشاں

مگر ہے سرمہ بصیرت کا خاک پائے حسینؑ

صدا یہ آتی ہے گھر گھر سے ہائے ہائے حسینؑ

بنائے کلمۂ توحید ہی امام ہوئے

از منشی حکیم عطا علی صاحب مست صوبہ مدراس

فدائے راہِ خدا شاہِ تشنہ کام ہوئے
شہید خنجر ظلم و ستم امام ہوئے

دیا سر اپنا مگر بیعت یزید نہ کی
بنائے کلمۂ توحید ہی امام ہوئے

وہ جنگ عون و محمدؑ نے بھوک پیاس میں کی
کہ ننگ دیکھکے کوفی و اہل شام ہوئے

کہاں میں قاسم و اکبر کہاں علم بردار
عزیز جو تھے فدائے شہ انام ہوئے

لگایا حرملہ نے تیر حلق اصغر پر
تڑپ کے ہاتھوں پہ حضرت کے وہ تمام ہوئے

گرے جو گھوڑے سے رن میں امام عرش نشیں
لحد میں خاک بسر سید الانام ہوئے

خیال بخشش امت تھا اس قدر شہ کو
دم اخیر بھی خالق سے ہمکلام ہوئے

نثار ہو گئے جب شہ کے نور عین تمام
شہید امت جد کے لیے امام ہوئے

خدا سے سیدہ محشر میں داد خواہ ہوں گی
جہاں میں ظلم جو تھے شہ پہ وہ تمام ہوئے

امام قبر میں ان کی ضرور آتے ہیں

جو مستؔ زائر شاہنشہ انام ہوئے

محسنِ عالم

از جناب تہذیب عباس صاحب جعفری سیتاپوری - گورنمنٹ ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ - لکھنؤ -

یوں تو اس دارِ محن میں کوئی نہ چین سے رہا ہے اور نہ رہے گا - مصیبتیں سب پر آتی ہیں مگر ان کا اتفاقی طور پر آ جانا اس درجہ متاذی نہیں ہوتا جس قدر اس مصیبت سے جس کی کیفیت نزول کا حال پہلے سے معلوم ہو گیا ہو کیوں کہ ایسی حالت میں اس کا دل آنے والی وقت کے تصور سے شکستہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر وقتِ نزولِ مصائب اس میں صبر و تحمل کی طاقت باقی نہیں رہتی -

تقاضائے فطرت ہے کہ ہر انسان بہ نسبت غیر کے اپنے اور بہ نسبت دشمن کے دوست سے ایذا رسانی کی تکلیف کو زیادہ محسوس کرتا ہے - اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابنیائے سابقین کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ ان کفار اور مشرکین کے ہاتھ سے پہونچیں جو ان کے مراتب سے ناواقف تھے لیکن مظلوم کربلا جناب امام حسین علیہ السلام کو جس قدر تکلیفیں پہونچیں ان کے نانا کے کلمہ گو اور دین اسلام کے پیرو تھے - بہت لوگ اس معرکہ کربلا میں ایسے تھے جو رسولِ مقبول کے دربارِ رسالت میں حسین کی عظمت دیکھ چکے تھے - پس ایسے لوگوں سے طرح طرح کی تکالیف کا پہونچنا کس قدر قلبِ حسین کے لیے ایذا رساں ہو گا -

انسانی فطرت ہے کہ ہر انسان اپنے اہل و عیال کے لیے خوش حالی و صحت و سلامتی کا خواہاں رہتا ہے یہی اس کی انتہائی مسرت کا موجب ہے - اس کا خلاف مصیبت ہے -

آیئے مصیبتوں کے سمندر میں پیرنے والے حسین کو دیکھیے کہ جتنی جتنی مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں حسین کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے جاتے ہیں -

یوں تو حسین مظلوم کی ایک ایک مصیبت عظیم ہے لیکن شش ماہہ علی اصغر کی شہادت کا واقعہ عجیب درد سے بھرا ہوا ہے - تاجدارِ کربلا ہاتھوں پر علی اصغر کو لیے ہوئے پانی نہیں مانگتے تھے بلکہ اسلام کے اس دعوے پر دلیلِ ناطق پیش کر رہے تھے کہ دیکھو ہمارا مطمحِ نظر جہاد نہیں ہے - اگر ہمارا مقصد شمشیر زنی ہوتا تو اپنے ساتھ الجھاد بچوں اور عورتوں کو کیوں لاتے - ہم تو تمہارے مدعو کیے ہوئے مہمان ہیں - علی اصغر نے میدان میں آ کر صاف یہ سبق دے دیا کہ حسین نے تلوار کے زور سے دین نہیں پھیلایا تھا بلکہ اول اپنی اور پھر دوسروں کی تلواریں روک کر گلشنِ اسلام کو سرسبز و شاداب کیا -

مصلحین عالم کے اس ہیرو نے دشت نینوا میں دکھلا دیا کہ مصائب اپنے نقطۂ کمال پر ایک طرف اور میرا صبر و ضبط ایک طرف۔ چنانچہ آپ کے لیے آنے والی مصیبتوں میں سے کوئی ایسی ثابت نہ ہوسکی جو آپ کے صبر کو بے تابی اور استقلال کو اضطراب سے بدل دیتی۔

اے ناخدائے کشتیٔ امت! آج دنیائے انسانیت تیری عالم گیر حکومت کا لوہا مانتی ہے۔ کاش ہم بھی تیری تعلیم سے حقیقی و معنوی فائدہ اٹھائیں۔

شیر خوار مجاہد

السلام اے میرے ششماہہ مجاہد السلام
اے مرے گل پیرہن شب بھر کے مہمان السلام
اے مرے ننھے مسافر فدیہ راہ خدا
امت عاصی کو اصغر بخشوانے کے لیے
حرملا کے تیر کا اصغر نشانہ ہو گیا
شرم دامنگیر تھی بانو سے لیکن شاہدین
خون گردن سے رواں تھا دودھ باچھوں میں بھرا
مبتلائے غم نے پہلے شکر کے سجدے کیے
نعش پر معصوم پر کرنے لگی رو رو کے بین
گھٹنیوں چلنے نہ پائے تھے کہ موت آئی تجھے
اے مرے غنچہ دہن مرنے کے تیرے دن نہ تھے
صورت زنیبا سے تیری ہی تبسم آشکار

اے مرے غنچہ دہن اے اصغر عالی مقام
باغبان گلشن اسلام ہے تو لا کلام
حق تو یہ ہے ڈالدی تو نے بنائے لا الہ
دودھ چھٹتا ہے چلے ہیں تیر کھانے کے لیے
امت عاصی کی بخشش کا بہانہ ہو گیا
رن سے لائے نعش اصغر با دل اندوہگیں
دیکھکر چھوٹی سی میت قلب بانو پھٹ گیا
پھر تڑپ کر زخم دامن دار کے بوسے لیے
اے مرے آرام جاں فرزند شاہ مشرقین
گردن نازک پہ تیری ظلم کے آرے چلے
چل بسے تو اور یہ مادر تری زندہ رہے
اے مرے ننھے سپاہی تجھ پہ یہ مادر نثار

کر عنایت کی نظر خاتون پر اے مہ لقا
ہو زیارت سے مشرف یہ کنیز باوفا

شاعری

عالیجناب نواب سید محمد حسین صاحب کوثر آنریری اسسٹنٹ کلکٹر

دل صاف ہو یا نہ ہو کسی کا ہم سے — بے کار کا یہ کس لیے جھگڑا ہم سے
تم دشمن شبیر سے کہدو کوثر — مرنے پہ کھلے گا حال اب کیا ہم سے

کلکتہ میں یادگار مجلس

مشرقی ہند میں کلکتہ سب سے بڑی تجارت گاہ ہونے کے ساتھ شیعیان امیر المومنین علیہ السلام کی ایک چھوٹی سی بستی ہے مرحوم شاہ اودھ اعلیٰ اللہ مقامہ کے دور میں جو وقار تھا وہ تو اب نہیں ہے اور امتداد زمانہ سے شیعوں کی حالت روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہے لیکن پھر بھی انہیں کے فیض قدم سے کلکتہ میں اب بھی مذہبی آثار موجود ہیں اور عشرۂ محرم ختم ہو جانے کے بعد بھی ذکر حسینؑ کا چرچا رہتا ہے۔ امسال عشرۂ ثانیہ میں چند روز کے لیے خوش قسمتی سے جناب لسان الملۃ زبدۃ العلماء مولانا السید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی نے اس سرزمین پر دو معرکہ آرا مجلسیں پڑھیں جس میں حقائق اسلام محققانہ حیثیت سے بیان کیے پہلی مجلس مرزا ظہر حسین صاحب گیس مرچنٹ بکس گلی نے مسجد اثنا عشری میں منعقد کی جسمیں کلکتہ کے ہر حلقہ کے مقامی اور غیر مقامی لوگ مدعو تھے اور حاضرین سے تمام فرش عزا مملو ہوگیا جناب ممدوح نے کئی بار ربط مصائب دے کر مومنین کو گریہ وبکا پر دعوت دی اور ہر مرتبہ حاضرین سے شور گریہ بلند ہوا۔ دوسری مجلس مٹیابرج امامباڑہ فردوس محل محجبہ میں جناب کلب حسین صاحب لکھنوی نے برپا کی جسمیں تمام روسا، شاہزادگان عمائد شہر موجود تھے ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ یہ امام باڑہ بند پڑا تھا اور یہاں گھٹنوں گھٹنوں تک گھانس تھی خدا بھلا کرے جناب محمود مرزا صاحب شاکر کا جنھوں نے سکریٹری شپ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس وقف کو اصلی حالت پر پہونچانے کا بیڑا اٹھایا اور اپنے انتظام کے پہلے ہی سال میں امام باڑہ و مسجد کو گلزار کر دیا خدا کا شکر ہے کہ اس وقت مسجد میں برابر مومنین نماز پڑھنے آتے ہیں اور امام باڑہ مجلس کا مرکز ہو رہا ہے جس میں فرش الکٹرک لائٹ اور تقسیم تبرک میں مدد دینے والے ظروف مسی اور چینی تمیز دار ملازمین ہر وقت موجود رہتے ہیں اور سکریٹری صاحب ممدوح کو وقف کے فروغ میں انتہائی دلچسپی ہے قوم کو سابق کے انتظامات سے جو شکایات تھی اون کو موصوف نے بالکل دور کر دیا اور مجلس کرنے والوں کے لیے وہ آسانیاں پیدا کی ہیں جو ایک امام باڑہ میں ہونا چاہئیں ۔

۸ محرم ۲ بجے دن کو اس امام باڑہ میں جناب لسان الملۃ مدظلہم کے پڑھنے کا اعلان تھا تقریباً آدھ گھنٹہ میں امام باڑہ مومنین سے لبریز ہوگیا پرنس عابد علی مرزا بہادر پرنس سلطان مرزا صاحب بہادر پرنس صفدر جاہ بہادر بھی پوری دلچسپی سے شریک مجلس تھے اور بصیرت افروز موعظہ سے محظوظ اور مثاب ہوئے تھے قریب غروب یہ علم افروز بزم ختم ہوئی غدر ۱۸۵۷ء سے آج تک لکھنؤ اور گرد و نواح کے سینکڑوں ذاکرین اور واعظین آئے مگر جناب لسان الملۃ کے حساس دماغ نے اس ضرورت کا سختی سے احساس کیا کہ وہ اپنے خواندگی کا

اجر و ثواب تاجدار اودھ کی روح پرفتوح کو بھیجیں چنانچہ جس وقت ممدوح نے اپنے آخر بیان میں مصائب پڑھتے ہوئے اس مقصد کا اظہار کیا ہے اسوقت ہر شخص اس فعل کو نگاہ استحسان سے دیکھ رہا تھا جناب ممدوح نے تاج شاہی کے کچھ خصوصیات بیان کر کے دربار یزید میں سر امام کا آخری ربط دیکر مجلس ختم کی اسوقت کی نقشہ کشی کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے جو ترجمانی کروں خدائے بے نیاز سے دعا ہے کہ وہ اس امام باڑہ کو آباد رکھے اور قوی امید ہے کہ سکریٹری صاحب موصوف بہت جلد وقف میں چار چاند لگا کے رہیں گے۔

(حکیم محمد معصوم علیخاں لکھنوی

کراری ضلع الہ آباد کا محرم

قصبہ کراری ضلع الہ آباد شیعی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ یہاں ہر سال ایام عزا میں بہت زیادہ رونق رہا کرتی ہے۔ مومنین کا اجتماع و مجالس عزا و جلوس کے لحاظ سے اس قصبہ کو خاص اہمیت و مرکزیت حاصل ہے۔ متعدد حضرات ذاکرین و واعظین یہاں ہر سال بسلسلۂ محرم مدعو کیے جاتے ہیں۔ اور مختلف عزا خانوں میں ان کے بیان کی وجہ سے خاص رونق رہتی ہے۔ قرب و جوار کے اکثر مومنین حضرات ذاکرین کو سننے کی غرض سے کراری تشریف لاتے ہیں امسال بھی حسب دستور قدیم متعدد ذاکرین و واعظین مدعو کیے گئے لیکن علی الخصوص اہل کراری کی خوش قسمتی سے امام باڑہ چودھری قادر علی صاحب مرحوم میں عالی جناب شمس المتکلمین و فخر الواعظین مولانا سید ظہیر حسن صاحب قبلہ بادری فخر الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی تشریف آوری نے ایک خاص رونق پیدا کر دی مولانا کے علمی و مذہبی بیانات کا اس قدر اثر پیدا ہوا کہ قرب و جوار کا تمام مجمع کراری میں کھنچ کر چلا آیا اور ہر شخص مولانا کے بیان کا گرویدہ ہو گیا ہر تقریر معلومات کا ایک دریا معلوم ہوتی تھی اس پر مولانا کا حسن بیان و نکتہ آفرینی و طرز بیانی تمام سامعین کو مسحور کر دیتی تھی اور در و دیوار سے صدائے آفرین بلند ہوتی تھی گویا مولانا کی ذات اہل کراری کے لیے نعمت غیر مترقبہ بن گئی تھی اور مومنین کا خیال ہے کہ عرصے سے ایسے بیانات سننے کا اتفاق نہیں ہوا ہے اور امام باڑے میں ایسی رونق نہیں ہوئی تھی حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اپنی علمی قابلیت سحر آگیں بیانات کا اک گہرا نقش مومنین کراری کے دلوں پر چھوڑا ہے اور امید ہے کہ آیندہ بھی مولانا اہل کراری بانی مجلس کو اپنے بیانات سے مستفیض ہونے کا موقع دیں گے۔

اس عزا خانے کے علاوہ دیگر عزا خانوں میں بھی مجالس بہت کامیاب رہیں ذاکرین کرام نے مومنین کو اپنے بیانات سے بہت محظوظ کیا جلوس [illegible] سید مہدی و گہوارہ و ذو الجناح نہایت اہتمام کیساتھ مختلف اوقات میں نکلے تھے اور زمانے کی موجودہ تباہ کاریاں کے باوجود عزاداری کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا جو مومنین کے جوش مذہبی کی دلیل ہے امید ہے کہ ان شاءاللہ آیندہ بھی یہی رونق و اہتمام کے ساتھ اس قصبہ کی عزاداری قایم رہے گی۔

سید احمد حسین عفی عنہ

ذبح عظیم

نبی مرقد سے نکلیں گے علی مدفن سے نکلیں گے / جب ان کے پھول اے شبر ترے دامن سے نکلیں گے
ثبوتِ قلتِ فوجِ حسین اب اور کیا ہوگا / بس اک حر ہیں جو نصرت کو صفِ دشمن سے نکلیں گے
لٹے گا پیرہن جب یوسفِ مصرِ امامت کا / گریباں چاک یوسف خلد کے گلشن سے نکلیں گے
خدا کے شیر کا پیاسا اسد جب قتل ہوئے گا / حفاظت کے لیے لاشے کی ضیغم بن سے نکلیں گے
گواہ عدل حیدر ڈھونڈھتے ہیں جا کر بیاباں میں / بہم شیر اور سلماں وادیٔ ارژن سے نکلیں گے
نظر آئیگی نہرِ علقمہ آتش کی دریا میں / شرارے وہ شہ دیں کے سم توسن سے نکلیں گے
شہادت جس نے پائی لاش اوس کی شاہ دیں لائے / فقط عباس اور اصغر نہ مرکر رن سے نکلیں گے
اٹھی اشکِ غم کی چادر پردہ ہی رومال زہرا ہیں / گہر بنکر میری مژگاں کی جو چلمن سے نکلیں گے
عدو حیدر کے منکر ظلم سے جب پیش حق ہوں گے / گواہی کے لیے داغ رسن گردن سے نکلیں گے
غضب کی دھوپ ہوگی کربلا میں روز عاشورا / زمین گرم سے شعلے شرر آہن سے نکلیں گے
ہوا میں اوڑ کے خون پیکر شبیرؑ برسے گا / پر افشاں تیر جب دم شہ کے زخمی تن سے نکلیں گے
بنائے ہیں سر حل عدو تیغوں کی محرا میں / علمدار جوان کیونکر در آہن سے نکلیں گے
عدو شبیر کے کیوں بازوں پر حرز باندھے ہیں / وہ بن جائیں گے خنجر شعلے جب جوشن سے نکلیں گے
گلوں میں ڈالکر باہیں لپسر مسلم کے جب ڈوبے / لب کوثر یقین ہی ہاتھ وہ گردن سے نکلیں گے
نئے مضمون کے جو گل آج کل شاعر کہلاتے ہیں / حسن وہ سب تمہاری نظم کے گلشن سے نکلیں گے

کربلا

از الیم اے اکمل منشی کامل شاہجہانپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ نورانیہ راجکوٹ تلمیذ حضرت خبیر لکھنوی

روح پرور ہے ثنائے کشتگان کربلا / کربلا ہے قلب عالم اور وہ جان کربلا
ہے شفق بھی یادگار کشتگان کربلا / حشر تک رنگیں رہے گا آسمان کربلا
ایکدم میں ساری محفل خونچکاں ہو جائیگی / چھیڑ دے اے دل ذرا تو داستان کربلا
اس سے پہلو میں بجائے دل ہوا اک سنگ گراں / کچھ اثر کرتا نہیں جس پر بیان کربلا
قافلہ سالار عابدؑ سر برہنہ اہل بیت / ہائے کیا غربت زدہ تھا کاروان کربلا
مرغ دل پیاسا ہیں اکمل ماہی بے آب سے / سن کے حال تشنگی تشنگان کربلا

رجسٹرڈ نمبر ال ۳۵۹

(مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) مذہب اسلام کا افضل الاخلاق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) اکابر ... کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقایق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱- یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲- ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳- نمونہ کا پرچہ ۴/ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵- اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہوسکتی ہے۔
۶- علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت اور رسالہ مضامین تمام مدیر اور دیگر امور کے متعلق تمام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷- شرح قیمت رسالہ والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ/ غربا اور طلبار سے بشرط تصدیق عا/

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عمومًا مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

سرکار آغا سید ابوالحسن اصفہانی طاب ثراہ
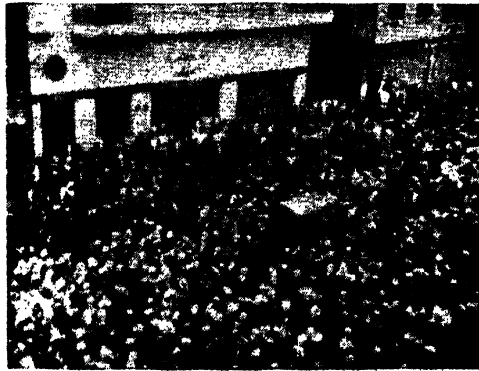
علامہ اصفہانی کا تابوت مبارک صحن نجف اشرف میں
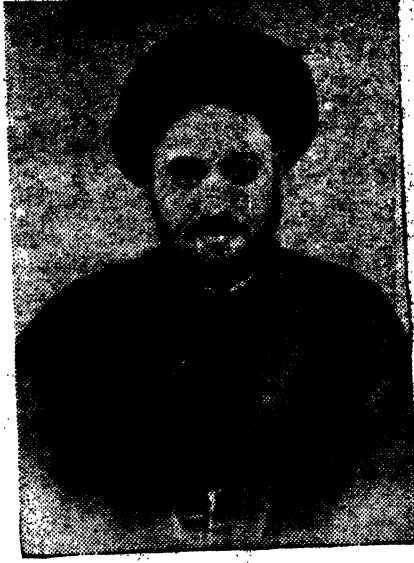
آقا سید حسن مقتول جو ضعیف باپ
کے سامنے نمازیوں کی صف میں
شہید ہوئے

انصار دین کا زرین سلسلہ

جملہ اہل اسلام اور حقیقی تبلیغ اسلام کے شایقین مین یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مرکز مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی عظیم الشان خدمات پر نظر کرتے ہوئے کارکنان ادارہ نے مدرسہ کے لئے سرمایہ مستقل جمع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور کام شروع کردیا گیا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ جو رقم سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہو صرف اسکے منافع کے صرف کرنے کا حق مدرسہ کو ہوگا۔ اصل رقم کا تصرف کسی وقت جائز نہ ہوگا۔ بنابرین بکثرت پرجوش افراد قوم نے عوام کی سہولت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ادارۂ عالیہ کیلئے ہر مومن اپنے گھر کے تمام نفوس کیطرف سے کم سے کم فی کس صرف ایک روپیہ مرحمت کردے انشاء اللہ جس وقت یہ رقم اس حد پر پہونچ جائیگی جو مدرسہ کا سرمایہ مستقل قرار پاتے ہوئے اُسکے مصارف کی کفالت کرسکے تو یہ تحریک ختم کردیجائیگی امید ہے کہ ارباب کرم جلد از جلد اپنے عطایا روانہ فرماکر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے رقم الہ آباد بنک مین سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہوگی قوم کے تمام افراد آواز پر لبیک کھکر اس مقصد کو بہت کچھ مدد پہنچا سکتے ہین۔

تحویل سابق Rs. 579

فہرست اسمائے حضرات معطیان چندہ برائے سرمایہ مستقل

نمبر رسید	اسمائے گرامی	[illegible]	[illegible]	نمبر شمار	اسمائے گرامی	[illegible]	[illegible]
۱۹۰۱	زعیم الملۃ حضرۃ الحاج باقر عبد اللطیف صاحب دام علاہ مطرح مسقط	۳۰۰ مار	[illegible]	۱	بلقیس بیگم سلمہا بنت جناب ظفر حسن صاحب عرف دولھا صاحب لکھنؤ	عہ ر	سید محمد تقی
۱۹۰۲	موئید الملۃ حضرۃ الحاج عبد الرضا سلطان صاحب دام علاہ مطرح مسقط	۱۰۰ مار	[illegible]	۲	جناب یوسف حسن صاحب ٹھیکیدار شامیانہ وصندوق وغیرہ راجہ بازار لکھنؤ	عہ ر	//
	برخوردار سید محمد علی سلمہ ابن سید محمد تقی نیدی لکھنؤ	عہ ر	سید محمد تقی	۳	جناب سید محمد کاظم صاحب آزاد بکڈپو چوک لکھنؤ	عہ ر	//

۵	جناب سید محمد تقی صاحب عرف منن صاحب		بذریعہ چک	۱۹۰۳	جناب سید آل زہرا صاحبہ	عہ/	ذریعہ چک
	صادق بک ایجنسی چوک لکھنؤ	عہ/	"	"	جناب آل حسنین صاحب کپتان	عہ/	"
۶	جناب نجف آبادی صاحب ذریعہ جناب مجتہد کاظم صاحب آزاد چوک لکھنؤ	عہ/	"	"	جناب انوری بیگم صاحبہ	عہ/	"
۷	جناب مولوی سید عارف حسن صاحب قبلہ		"	"	جناب افضال علی صاحب مرحوم	عہ/	"
	سلطان المدارس لکھنؤ	عہ/	"	"	جناب سید فضل علی صاحب "	عہ/	"
۸	جناب شیخ رحمت علی صاحب مرحوم والد مرحوم		"	"	جناب سید قائم علی صاحب "	عہ/	"
۹	جناب مولانا شیخ محمد ظہور صاحب قبلہ واعظ مدرسۃ الواعظین	عہ/	"	"	جناب سید مظہر علی صاحب "	عہ/	"
	معظمہ والدہ مرحومہ جناب مولانا صاحب قبلہ	عہ/	"	"	جناب سید فیض العسکری صاحب "	عہ/	"
۱۰	جناب مولانا شیخ محمد ظہور صاحب قبلہ	عہ/	"	"	جناب سید نذر الباقر صاحب "	عہ/	"
	واعظ مدرسۃ الواعظین		"	"	جناب سید مصطفی باقر صاحب "	عہ/	"
۱۱	معظمہ بیگم صاحبہ " " " "	عہ/	"	"	جناب سید آل نبی صاحب "	عہ/	"
۱۲	برخوردار ضیاء الحسن صاحب فرزند جناب مولانا صاحب قبلہ	عہ/	"	"	جناب سید عاشق حسین صاحب "	عہ/	"
۱۳	" رفیق الحسن صاحب "	عہ/	"		جناب سید آل مصطفی صاحب "	عہ/	"
۱۴	" دُر الحسن صاحب "	عہ/	"	"	جناب سید ظہور حسین صاحب "	عہ/	"
۱۵	جناب سید محمد صاحب فرزند جناب	عہ/	"	"	جناب حکیم سید فرزند علی صاحب "	عہ/	"
	مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ واعظ		"	"	معظمہ سیدہ امراؤ بیگم صاحبہ	عہ/	"
	مدرسۃ الواعظین		"	"	معظمہ سیدہ محمدی بیگم صاحبہ	عہ/	"
۱۶	جناب سید شمس الحسن صاحب فرزند " "	عہ/	"	"	معظمہ سیدہ اکبری بیگم صاحبہ	عہ/	"
۱۷	جناب سید ظفر الحسن صاحب " "	عہ/	"	"	معظمہ سیدہ مصطفائی بیگم صاحبہ	عہ/	"
۱۸	جناب سید قمر الحسن صاحب " "	عہ/	"	"	معظمہ سیدہ مرتضائی بیگم صاحبہ	عہ/	"
۱۹	جناب کنیز سکینہ صاحبہ بنت " "	عہ/	"	"	معظمہ سیدہ ثروت آرا بیگم صاحبہ	عہ/	"
۱۹۰۳	عالیجناب ڈاکٹر حاجی سید علی جان صاحب رضوی مرحوم لکھنؤ	عہ/	ذریعہ چک	"	معظمہ سیدہ ممتاز بیگم عرف بسم اللہ بیگم صاحبہ	عہ/	"
"	جناب اعجازی بیگم صاحبہ بیوہ " " "	عہ/	"	"	جناب سید ظہور زہرا بیگم صاحبہ	عہ/	"
"	جناب سید حسین جان صاحب رضوی لفٹننٹ نمائندہ لکھنؤ	عہ/	"	"	جناب سید منظور زہرا بیگم صاحبہ	عہ/	"

۱۹۰۳	سید رضی الحسین صاحب مرحوم	عہ/	ذریعہ چک	۱۹۰۴	معظمہ سیدہ فاطمہ طاہرہ بیگم صاحبہ	عہ/	ذریعہ چک
"	معظمہ بیگم صاحبہ رضی الحسین صاحب	عہ/	"	"	جناب سید محمد حسین صاحب	عہ/	"
"	جناب سید ابن حیدر صاحب	عہ/	"	۱۹۰۴	حضرت تاج العلماء مولانا	۲۵ مارچ	"
"	جناب سید آل حیدر صاحب	عہ/	"		جناب محمد ذکی صاحب قبلہ بنام سرکار		
"	معظمہ سیدہ ریحان فاطمہ بیگم صاحبہ	عہ/	"		متولی منتظم دام حشمتہ برائے		
"	خان بہادر جناب سید علی ضامن صاحب	عہ/	"		نجم العلما تبلیغی فنڈ		
"	معظمہ بیگم صاحبہ سید علی ضامن صاحب	عہ/	"	۱۹۰۵	جناب فیض الحسن صاحب رضوی	عہ/	منی آرڈر
"	معظمہ سیدہ امت الزہرا بیگم صاحبہ	عہ/	"		کٹو کرسادات گنج ڈاکخانہ اکسا		
"	معظمہ سیدہ عذرا خاتون صاحبہ	عہ/	"		ضلع چھپرہ		
"	معظمہ سیدہ مطہرہ خاتون صاحبہ	عہ/	"	۱۹۰۶	جناب ممتاز حسین صاحب شاہ آباد کیلر	عہ/	"
"	معظمہ سیدہ رباب خاتون صاحبہ	عہ/	"		جناب والدہ محترمہ جناب " "	عہ/	"
"	جناب سید محمد ضامن صاحب	عہ/	"		معظمہ بیگم صاحبہ " "	عہ	"
"	جناب سید اصغر علی نقوی صاحب مرحوم	عہ/	"		فرزندان " "	۵/	"
"	معظمہ بیگم صاحبہ سید اصغر علی نقوی صاحب	عہ/	"	۱۹۰۷	جناب حیدر علی صاحب		
"	جناب سید حسین صاحب مرحوم	عہ/	"		کیمیکل کمپنی کھیوڑہ ضلع جہلم پنجاب	سے/	"
"	معظمہ بیگم صاحبہ سید حسن صاحب	عہ/	"	۱۹۰۸	جناب عظیم مہدی صاحب رضوی	۵ عہ/	"
"	جناب محمد حسن صاحب	عہ/	"		اوٹ سائڈ دبیر پورہ گیٹ		
"	معظمہ بیگم صاحبہ حامد حسن صاحب	عہ/	"		حیدرآباد دکن		
"	جناب خورشید حسن صاحب	عہ/	"				
"	جناب واصف حسن صاحب	عہ/	"		Rs 1318/ ... کل تحویل السابقہ		
"	جناب شفیق حسن صاحب	عہ/	"				
"	جناب سلطان اختر صاحب	عہ/	"		سید محمد تقی بقلمہ		
"	معظمہ بیگم صاحبہ خورشید حسن صاحب	عہ/	"		انچارج دفتر مدرسۃ الواعظین		
"	معظمہ بیگم صاحبہ واصف حسن صاحب	عہ/	"		لکھنؤ		

قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کی شاندار عمارت قصر زہرا فاطمیؑ میں

سُنہرا جیت تعزیہ

یوم جمعہ ۸ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ کو بارھویں امام مھدیؑ حجت اللہ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی یوم شہادت کی تاریخی یادگار منائی گئی۔ امسال شارع عام پر بوجہ مخالف فضا جلوس نہیں نکال سکے مجبوراً عمارت کے وسیع صحن یعنی مجلس و بیت تعزیہ اٹھا کر صدر دروازہ کے باہر وسیع چبوترہ کے دور میں جو شارع عام پر ہے معہ پُر اثر اشعار و تقریر کے گشت دیکر پھر اندر صحن کے ماتم سے اجر رسالت محبت فاطمیؑ کے ذمہ دارانہ حقوق کو تا امکان بھائیوں نے ادا کیا۔ خدا سب بستی کے مومنین کو توفیق دے کہ وہ اپنی تنگی جسمانی اور گلوگرفتہ مختلف ذاتی ضروریات کو انجام دینے کیطرح اپنے لئے کارآمد انجام کے سامان یادگار خدا و رسولؐ و آل رسولؐ فراہم کرنے میں بلا کہے مقامی محرک کے ہمراہ خود بخود درمے قدمے سخنے سب کوشاں ہو جایا کریں۔ پیسہ لگتے وقت اپنی اجرت محبت اہلبیتؑ کو عملاً نہ بھلایا کریں۔ کام کرنے والوں کے ہم رائے و ہم عمل ہونے کے بجائے اپنی بے حسی اور ذاتی رکاوٹوں سے گنہگاری بلا وجہ کی نہ خریدیں۔ اہلبیتؑ کے نام پر ہر جگہ کسی آمدنی سے ہفتہ ماہوار سالانہ کوئی رقم خمس ہی نکالتے رہا کریں تو بستی کے جملہ قومی معاملات بلا دقت بلا شکایت ہر جگہ بنے بنائے سنورے سنوارے سبکو نظر آیا کریں۔

از جانب بانی و متولی قصر زہرا قصبہ نانوتہ

سید زوار حسین ملازم گورنمنٹ سکول

سہارنپور

الواعظ

جلد ۲۸ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۴۷ء مطابق ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۶ھ نمبر ۲

معذرت — مجھے خود افسوس ہوتا ہے کہ اس نمبر کی تیاری میں بہت دیر ہوئی بعض مضامین عراق سے حاصل کیے گئے بعض خطوط آئے جو ان کا انتظار کرنا پڑا اور بلاک نئے بنوائے پھر بھی جناب علامہ مرحوم کے شایان شان یہ چیز پیشکش نہیں ہے قارئین کرام بجائے ناچیز خدمات کے اعتراف کے اپنے احباب میں توسیع اشاعت کی کوشش فرمائیں۔

فقیر باب اہل بیت آغا مہدی رضوی مدیر الواعظ مسجد تحسین چوک لکھنؤ ہندوستان

الواعظ

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ فروری ۱۹۴۷ء مطابق ربیع الاول ۱۳۶۶ھ | نمبر ۲

علم و عمل

کارگاہ ہستی کی لامحدود صنعتوں میں ہر موضوع پر قلم اٹھانا آسان ہے اور ساری کائنات کی ثنا و صفت ہوسکتی ہے مگر علم و عمل پر بحث وہ اہم عنوان ہے جس پر تبصرہ مشکل اور بہت مشکل ہے مگر وہ جن کے دل میں تڑپ ہو کر سارا دنیا باعمل بن جائے اصلیت کی نقاب کشائی میں عذر نہیں کرتے انسان سخت سے سخت رستہ سے گزر جاتا ہے اور کوئی منزل اس کے لیے کٹھن ثابت نہیں ہوتی مگر علم و عمل کا وادی وہ دشوار گزار ہے جس سے میانہ روی کے ساتھ گذر جانے والے بہت تھوڑے ہیں۔

قرآن مجید عمل صالح کی طرف بار بار دعوت دے رہا ہے اور کتاب و سنت سے اسلام میں عمل کی اہمیت پوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہو چکی ہے اور قوم کی بے عملی پر ہادیان ملت ہمیشہ نفرت کی نگاہ ڈالتے رہے ہیں اور انھوں نے فرما دیا ہے کہ جب تک علم سے عمل توام نہ ہو انسان قابل عزت نہیں قرار پاتا اور اس میں قوم کے رشد و ہدایت کا مادہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کیف یصلح غیرہ من لا یصلح نفسہ جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا وہ دوسرے نفوس کی اصلاح کیا کر سکے گا خدا کا شکر کہ ہمارے علمائے کرام عالم باعمل اور سیرت معصومین علیہم السلام کے مظہر ہیں محقق طوسی علیہ الرحمہ کی روحانیت اور علمی و عملی کمالات مقدس اردبیلی کا ورع میر باقر داماد کا زہد و تقوی یعقوب کلینی کی عظمت و اقتدار مجلسی کا جہاد بالقلم کون نہیں جانتا انحضرت ہی کی جد و جہد کا یہ نتیجہ ہے کہ اقطار عالم میں فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے اعداد و شمار روز افزوں ہیں اگر یہ حضرات پیکر عمل نہ ہوتے اور زہد و تقویٰ سے خدا نے انھیں آراستہ نہ کیا ہوتا تو اس مادی دور میں شیعیت کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہتا کیوں اس لیے کہ یہ حضرات اور ان کے امثال دین کی صحیح خدمت کر رہے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے زلۃ العالم کا نکسار

سفینۃ تغرق و تغرق معھا غیرھا عالم کی لغزش ایسی ہے جیسے کشتی ٹوٹ جائے کہ خود بھی ڈوب جاتی ہے اور سواریاں بھی تہ آب پہونچ جاتی ہیں۔ (غرر الحکم ودرر الکلم)

انھیں حکمت افروز مقالات سے ماخوذ ہے وہ مقولہ جسے بعض حکماء نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ العالم طبیب ھذہ الامۃ والدنیا داؤھا فاذا کان الطبیب یطلب الداء فمتیٰ یبریٔ غیرہ (زہر الربیع) عالم اس امت کا طبیب ہوا کرتا ہے اور دنیا ایک قسم کی بیماری ہے تو جب حکیم ہی طلب دنیا کا روگ مول لے تو دوسرے مریضوں کو کیونکر اچھا کر سکتا ہے کسی اور ناصح کی آواز ہے اذا رأیت العالم یلازم السلطان فاعلم انہ لص وایاک ان تخدع بما قال (کشکول بہائی) جب عالم کو بادشاہ سے وابستہ دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ پکا چور ہے تم کو اس کی فریبکاری سے بچنا چاہیئے۔

زہد و تقویٰ کی ضرورت اجتہاد و تقلید کے مبحث کو دیکھ جاؤ اعلمیت کے ساتھ ساتھ اورعیت کی قید بھی تم کو ملے گی جناب سید طباطبائی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں اذا کان ھناک مجتھدان متساویان فی الفضیلۃ یتخیر بینھما الا اذا کان احدھما اورع فیختار الاورع (عروۃ الوثقیٰ) اگر کسی بستی میں دو ہم پلہ مجتہد ہوں تو جس کو چاہے تقلید کے لیے اختیار کرے مگر یہ کہ اُن میں ایک کا تقدس بڑھا ہوا ہو تو جو مقدس زیادہ ہو اسی کو تقلید کے لیے اختیار کرنا چاہیئے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ زہد کے بغیر علم میں چار چاند نہیں لگتے زہد کیا ہے الزھد ھو فی اللغۃ ترک المیل الی الشیٔ لعدم الرغبۃ فیہ وفی الاصطلاح ھو بغض الدنیا والاعراض عنھا وقیل ھو ترک راحۃ الدنیا طلب الراحۃ الآخرۃ (ریاض السالکین شرح صحیفہ سجادیہ) زہد کے معنی لغت میں کسی چیز کی طرف رغبت ہی نہ ہونے سے میلان نہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں دنیا سے نفرت اور لذائذ دنیا سے منھ موڑنے کو زہد کہتے ہیں اور بعض اہل تحقیق کا قول ہے کہ اخروی راحت کے لیے دنیا کے آرام کو چھوڑ دینا زہد ہے۔

امام زین العابدینؑ کا ارشاد ہے کہ زہد کے دس درجے ہیں۔ زہد کا سب سے بلند درجہ ورع کا سب سے پست درجہ ہے اور ورع کا سب سے بلند درجہ یقین کا ادنیٰ درجہ ہے اور یقین کا سب سے اعلیٰ درجہ رضا کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ (ریاض السالکین ص ۱۵۵)

علامہ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کے جد اعلیٰ نے زہد کی تعریف میں یہ مقولہ نقل کیا ہے من ترک الحرام فھو متقی ومن ترک الشبہ فھو متورع ومن ترک الحلال فھو زاھد (مجموعہ ورام) جس نے حرام چیزوں کو چھوڑ دیا وہ پرہیزگار ہے۔ اور جس نے مشتبہ چیزوں سے ہاتھ اٹھایا وہ متورع ہے اور جس نے حلال چیزوں کو چھوڑ دیا وہ زاہد ہے۔

عالم کی تعظیم ۔ ایسے تارک دنیا اور خدا شناس ذوات وہ ہیں جن کا اکرام قوم کا فریضہ ہے۔ جناب امیر المومنینؑ

کا ارشاد ہے یکرم العالم لعلمہ والکبیر لسنہ وذوالمعروف لمعروفہ والسلطان العادل لسلطانہ (غررالحکم) عالم کا اس کے علم کی سبب اور بوڑھے کا اس کی پیرانہ سالی کی وجہ سے اور اچھوں کا اس کی اچھائی سے اور منصف بادشاہ کا اُس کے انصاف کے سبب سے اکرام کرنا چاہیے۔

عالم کی پہچان چہرۂ علماء پہ نظر کرنا عبادت ہے۔ اس حدیث کی شرح میں اہل تحقیق عالم کی پہچان بتاتے ہیں ھوالعالم الذی اذا نظر لہ ذکرک الآخرۃ ومن کان خلاف ذلک فالنظر الیہ فتنہ (کشکول نافذ) عالم وہ ہے کہ جب اس کی طرف نظر اٹھا کے دیکھے تو عقبیٰ یاد آئے اور جس میں یہ بات نہ ہو اس کی طرف نظر کرنا فتنہ ہے۔

عالم کے برکات جس خطہ میں کوئی عالم نہ ہو وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے حکماء کا قول ہے لا ینبغی للعاقل ان یکن بقعۃ لیس واحد من خمسہ سلطان حازم وطبیب عالم وقاض عادل ونھر جار وسوق قائم (کشکول نافذ) دانشمند کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ اس مقام پر رہے جہاں پانچ ذاتوں میں سے ایک بھی نہ ہو احتیاط پسند بادشاہ عالم طبیب عدل گستر قاضی چشمہ بازار جس طرح شکم سیر ہونے کے لیے آب و دانہ کی ضرورت ہے اسی طرح علم دوست طبیب سے صحت کی ضمانت اور عدل نواز قاضی سے دین کا تحفظ ہوگا۔ اور ان میں کوئی ایک نعمت بھی میسر نہ ہو تو وہ جگہ بود و باش کے لائق نہیں ہے۔ (کشکول نافذ)

طلباء و علماء سے تعاون کا اجر و ثواب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے من اعان طالب العلم بقلم مکسور کانما یبنی الکعبۃ سبعین مرۃ جس نے ایک ٹوٹے ہوئے قلم سے کسی طالب علم کی مدد کی تو اس نے گویا کعبہ کو ستر مرتبہ بنایا (رسالہ اسرار رحمت اللہ) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے طلبہ علم دین کے لیے ایک درہم خرچ کیا تو گویا اُس نے راہ خدا میں سونے کا پہاڑ دیدیا۔ "ایک عالم ستر عابدوں سے بہتر ہے" کیوں اس لیے کہ عبادت گذار خدا کی بندگی کر کے اپنے تئیں مدد پہونچاتا ہے اور عالم کا علم قوم کو فیضیاب کرتا ہے لہذا انفرادی فیض سے اجتماعی فیض مفید تر ہے "مجتہدین دین کا مضبوط قلعہ ہیں" اُن کے استحکام اور بقاء کا خیال قوم کے دل و دماغ میں ہر وقت رہنا چاہیے۔

مجتہدین کو تبلیغ دین کا عہدہ کس نے دیا یہ حضرات ائمہ معصومین علیہ السلام کے نائب کی حیثیت رکھتے ہیں انکو قوم کے فلاح و بہبود اور افہام و تفہیم کے اختیارات بارگاہ عصمت و طہارت سے عطا ہوئے ہیں اور ائمہ اہلبیت نے اپنے الہام آموز الفاظ میں فرمایا ہے۔

من کان من الفقہاء صائنا لنفسہ حافظاً لدینہ مخالفا ھواہ مطیعاً لامر مولاہ

فللعوام ان یقلدوہ (عروۃ الوثقیٰ) فقہ کے جاننے والوں میں جو اپنے نفس کو گناہ سے بچانے والا اور دین کی حفاظت کرنیوالا اور اپنے خواہشات نفس کے خلاف کرنے والا اور خدا کا مطیع و منقاد ہو عوام کو لازم ہے کہ اُسکی تقلید کریں " یہ ارشاد سلسلۂ عصمت کے آخری امام ظاہر حضرت حسن عسکری علیہ السلام کا ہے اور خود امام عصر حضرت حجت نے ایسے ہی علماء کے باب میں فرمایا ہے فانھم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ علیھم یہ لوگ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں اُن پر خدا کی حجت ہوں۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ مجتہد جامع الشرائط کی تقلید درحقیقت حکم امام کی بجا آوری اور اُنکی اطاعت ہے۔

تقلید اعلم کا راز } اعلم کی تقلید بمقابلہ غیر اعلم بہتر ہے والمراد من الاعلم یکون اعرف بالقواعد والمدارک للمسئلۃ واکثر اطلاعا لنظائرھا وللاخبار واجود فھما للاخبار والحاصل ان یکون اجود استنباطا (عروۃ الوثقیٰ) اعلم سے مراد وہ ہے جو قواعد و اساس مسئلہ کے دریافت کرنے میں سب سے زیادہ سمجھ رکھتا ہو اور جس کے فقہی اطلاعات معاصرین سے افزوں تر ہوں اور نظریں اُسکی اخبار اہلبیت پر سب سے زیادہ حاوی ہوں اور احکام شرع کے معلوم کرنے میں اُسکی استنباطی قوت اوروں سے زیادہ ہو۔

تقلید اعلم میں جو علل و اسباب ہیں منجملہ اُسکے ظاہری پہلو یہ ہے کہ چند مختلف مجتہدین کی تقلید کرنیوالے لوگ بسا اوقات جس کی تقلید میں خود ہوتے ہیں اُسی کی پیروی کرتے ہیں اور علاوہ تقلیدی مسائل کے دیگر مذہبی مواقع پر دوسرے مجتہدین کے زیر قیادت نہیں آتے اور ایک دوسرے کو نگاہ اختلاف سے دیکھتا ہے اگر ساری قوم ایک مجتہد اعلم کی تقلید میں ہو تو یہ باہمی افتراق اور انشقاق پیدا ہی نہ ہوگا۔

بکھرے ہوے ایمان پر متحد کفر غالب آجاتا ہے اور وہ ایمان یقیناً ایمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے جسمیں اتحاد کی روح اور اتفاق کا میلان نہو ہم اپنی راہ کی سخت رکاوٹوں کو تنظیم اور عمل کی برکتوں سے دور کرسکتے ہیں۔

کچھ اخباری حضرات کے بارے میں } شیعوں میں ایک فرقہ جو غیر اصولی ہو غلط فہمی میں پڑا ہوا ہے اُسکا یہ دعویٰ ہے کہ تقلید کے قید و بند سے انسان آزاد ہے اور احادیث ائمہ عمل کے لیے کافی ہیں اس جماعت میں جو عربیت سے ذوق رکھتے ہیں وہ تو بہت تھوڑے ہیں زیادہ تر نفوس ہیں جو عربی عبارت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے وہ احادیث سے اپنی ضرورتوں کو کہاں پورا کرسکتے ہیں اور جنکو زبان عرب سے لگاؤ ہے اور علمی تہیدستی کا شکار نہیں ہیں وہ بھی محض احادیث سے اپنی حاجت برآری نہیں کرسکتے اسلئے کہ براہ راست تو اُن کا تعلق ائمہ اہلبیت سے نہیں ہے وہی ایک ذریعہ ہے روایات واخبار کا جو مشترکہ حیثیت سے ہر اصولی و اخباری کا لائحہ عمل ہے ان احادیث کو مختلف ذہنیت اور مختلف علم و فہم کے راست گو اور غیر صادق اللہجہ راویوں نے نقل کیا ہو اور ایسے روایات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں باہم اختلاف ہے مثلاً

حدیث کی مشہور کتاب خصال میں ابن بابویہ علیہ الرحمۃ نے یہ روایت نقل کی ہے معاذ بن مسلم الھراء عن
ابی عبد اللہ قال شھر رمضان ثلثون یوماً لا ینقص اللہ ابداً۔ معاذ بن مسلم الہراء نے امام جعفر
صادق ع سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ماہ رمضان ہمیشہ تیس دن کا ہوتا ہے خدا کی قسم کبھی مہینہ میں کمی نہیں
ہوتی۔ دوسری روایت وسائل شیعہ میں ہے عن عثمان بن عیسی عن سماعۃ عن ابی جعفر فی حدیث قال
وقد یکون شھر رمضان تسعۃ وعشرون یوماً ویکون ثلثین ویصیبہما یصیب الشھور من التمام
والنقصان عثمان بن عیسیٰ نے سماعہ سے اور اس نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ماہ رمضان
۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا بھی اور اس مہینہ کا بھی حال دوسرے مہینوں کی طرح ہے کہ گھٹتے اور
بڑھتے رہتے ہیں۔ ایک اخباری کے لئے دونوں حدیثوں پر عمل کیونکر ممکن ہے مگر جو شخص پہلی حدیث پر
[illegible] کیونکر عامل رہ سکتا ہے جبکہ ماہ رمضان کا ہمیشہ تیس ہی دن کا ہونا مشاہدہ اور عقل کے
خلاف ہے تسلیم کرنا پڑے گا کہ حدیث راوی کی کثر بیونت کا نتیجہ ہے اور اس طبع زاد فیصلے کا بار ناقل پر ہے
[illegible] ذات والا صفات پر اسی جذبۂ تحقیق کا نام اجتہاد ہے پھر تقلید کے نام سے آزردہ خاطر ہونا
[illegible] یاد رہے کہ ہمارے علماء و مجتہدین کی زریں رائیں انھیں احادیث سے ماخوذ ہوتی ہیں جو اصول
درایت پر پرکھنے کے بعد ان کے نزدیک قابل عمل ہیں اور ان کا ہر فیصلہ انھیں اصول کی تحت میں ہوتا
ہے جو [illegible] اہلبیت علیہم السلام نے مقرر کیے ہیں۔

مجتہدین شیعہ کی عملی زندگی اور ان کا تلوار کے گھاٹ اتارا جانا

شیعیت کو بجا طور پر ناز ہے کہ اس کے راہنما قید خانہ میں زندگی بسر کرتے رہے
ان کی زندگی کی گھڑیاں سولی پر ختم ہوئیں انھوں نے اپنی زبانیں کٹوائیں بعض
ایسے بھی ہیں جن کی لاشیں نذر آتش کردی گئیں اور عنصر خاک ہوا میں پراگندہ کرکے
محو رصفت انسانوں نے اپنے نزدیک ان کو بے نام ونشان کردیا۔

شہید اول کا وحشیانہ قتل

محمد مکی وہ فرد فرید ہیں جو اگر قتل کے بعد دفن ہو جاتے تو آج ان کی لحد مزار
خلق ہوتی مگر ان کے حال میں ہے۔

قتل بعد ما حبس سنۃ کاملۃ فی قلعۃ الشام ثم صلب ثم رجم ثم احرق بدمشق فی
سلطنۃ برقوق بفتوی القاضی برھان الدین المالکی وعباد بن جماعۃ الشافعی (روضات الجنات)
وہ بزرگوار ایک سال کامل شام کے قلعہ میں قید رہنے کے بعد قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعہ شافعی
دو ستمگر عالموں کے فتوے سے قتل ہوئے پھر ان کی لاش کو سولی دی گئی اور جسد بے روح پر پتھر برسائے گئے اور
لاش کو آگ میں جلا کر خاک ہوا میں اڑا دی یہ واقعہ [illegible]

صاف ظاہر ہے کہ شیعہ رواۃ نے آل محمدؐ سے جو روایات کسی پر خطر دور میں نقل کیے اُن کا رتا ما انھیں القاب و آداب پر ختم ہوتا ہے۔

امر معروف ونہی عن المنکر

یہ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے اسباب ثروت کے دروازوں کو کبھی نہیں دیکھا سرمایہ داری پر ہرگز نظر نہیں کی سلطنت سے مرعوب نہیں ہوئے، جاہ حشمت کے طالب نہ تھے اُنھوں نے مسلمانوں کو ضعیف اور دوراز کار نہیں بنایا وہ خود گوشہ نشین رہے مگر اُن کا منشا یہ نہیں ہے کہ مسلم دُنیا نے عمل کو چھوڑ کر خانقاہوں میں بیٹھ رہیں اُنھوں نے ہزار بار بتایا کہ تجارت قوم کے لیے روح رواں ہے صنعت وحرفت کے بغیر انسان بام ترقی پر نہیں پہونچ سکتا۔ زراعت کرنا سب سے اچھا شغل ہے۔

وہ غفلت شعار قوم کو ٹوک رہے ہیں کہ اپنی دولت حکام جور کی ضیافتوں شادی بیاہ کے بیجا رسم رقص وسرود اور اسراف میں صرف نہ کرو

علمائے کرام کی جدوجہد کے عملی نمونے

علمائے کرام نے ادارے قائم کرکے بتادیا کہ جہاں گیری اور جہاں داری کا راز بے پناہ محنت آہنی ارادے، طوفانی ہمت انقلاب انگیز عمل اور محشر خیز حرکت میں پنہاں ہے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کس نے قائم کی مدرسۃ الواعظین کا متولی منتظم کون تھا شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ کالج کس کے رہین منت ہیں؟ ساری قوم پکار کر کہے گی علمائے کرام کے خدا ان اداروں کو رہتی دُنیا تک قائم رکھے پُر خلوص بانیان کی آنکھ بند ہو جانے کے بعد ان کا مسئلہ تجاوز ارتقا قوم کے سپرد ہے ان کی افادیت کو زیر نظر نہ بھی رکھا جائے تو یہ ہمارے علمائے کرام کی یادگار ہونے کے لحاظ سے ہمدردی کی مستحق ہیں۔

سرکار علامہ سید ابو الحسن اصفہانی نجفی اعلی اللہ مقامہ اسی زریں سلسلے کی ایک فرد تھے اُن میں وہ تمام جوہر موجود تھے جن کو ایک عالم ربانی کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے اور جن کی طرف اوپر کی سطروں میں ہم نے اشارہ کیا۔ وہ علم اصول میں کمال رکھتے تھے، فقہ میں اُن کا درجہ بلند تھا، رجال کے بہترین نقاد تھے، مسند افتا پر اُنکے حزم واحتیاط کی نظیر نہ تھی، استنباط مسائل میں وہ بلند پایہ محقق تھے، حدیث وتفسیر میں اُن کو ید طولیٰ حاصل تھا سیاست میں اُن کی حیثیت ایک عظیم المرتبت قائد کی تھی ارباب دنیا کی افتاد طبیعت اور زمانہ کے نشیب وفراز کے ایسے بہترین ماہر تھے کہ اُنکو نبض شناس اہل زمانہ کہنا صحیح اور بالکل راست ہے وہ محراب عبادت میں عابد شب زندہ دار اور پیکر حلم وبردباری اور باطل کے مقابلہ میں اسد اللہی تیوروں سے کام کرتے تھے اور لوم لائم کی کبھی پرواہ نہیں کی درس خارج میں اُن کی خوش نوائی ایک معجز بیان اور فصیح متکلم سے بھی زیادہ اثر رکھتی تھی منزل تعاون میں ہمیشہ اُن کے قدم آگے بڑھتے تھے تمام اسلامیان عصر اور غیر مسلم حلقوں میں وہ سکہ زن تھے اصفہان کو اُن کی ولادت گاہ اور آبائی وطن ہونے کا فخر حاصل تھا یہ وہ علم خیز ذرات ہیں جن سے علامہ مجلسیؒ ایسے آفتاب بن کر

چلکے اصفہان میں کسی زمانہ میں تلواریں بے نظیر تیار ہوتی تھیں شاعر تلوار کی مدح میں کہتا ہے ؎

رکھتی نہیں ہر بات میں ثانی تلوار   دم بھرتی ہے اس کا اصفہانی تلوار (میاں عشق لکھنوی)

لیکن اب معلوم ہوا کہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم بھی اُسی خطہ کا خاص اثر ہے۔

جناب علاّمہ میں ایک خاص خصوصیت جو ان کے علمی بلندی کی ہے یہ بھی ہے کہ ادھیڑ عمر سے ہے درس خارج شروع کیا مولف نجوم السما کتاب مذکور کی جلد دوم میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

السید ابو الحسن النجفی وے از مشاہیر تلامذہ مولانا اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی است در مسجد ہندی کہ در نجف اشرف است درس میدہد جمع کثیر در حوزہ درس شان جمع شوند عمرش در سنہ ۱۳۲۸ھ قریب بچہل رسیدہ است"۔ نجوم السما قلمی کتبخانہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز مرحوم۔

اس حساب سے کم و بیش اسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور ہم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ قوم میں ہدایت کے جو چراغ یکے بعد دیگرے گل ہو چکے تھے اُن میں آپ آخری سراج منیر تھے جس نے اپنا بدل اور مثیل نہیں چھوڑا امُنھوں نے قوم میں ریاست عامہ کا اقتدار حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دینی اضمحلال اور مذہبی انحطاط کے بے پناہ صدمات بھی اُٹھائے وہ۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

کی مجسم تصویر تھے اولاد کا داغ اُنھوں نے جسطرح اُٹھایا اُسکی نظیر بھی غالباً طبقۂ علما میں نہ ملے گی کسی کا فرزند صالح نمازیوں کی صف میں اُس کی امامت میں سجادہ پر قتل نہیں ہوا "سید حسن" وہ مقتول شہید ہیں جو مغرب وعشا کے درمیان میں صحن امیر المومنین میں ذبح ہو گئے قوت نفس اور طاقت صبر کی یہ بلند ترین مثال ہے کہ علامۂ اصفہانی نے اس وقت سخت میں بھی اپنے آبائی صبر و شکیب کو ہاتھ سے نہ دیا اور قاتل سے قصاص کا خیال بھی دل و دماغ میں نہ لائے اُنھیں گوارا نہیں ہوا کہ مجرم بھی جذبۂ انتقام میں موت کی نیند سُلایا جائے۔ ؎ مذہب عشق ز مذہب ہا جدا است :: عاشقاں را مذہب و ملت خدا است۔

اس مجاہدت کی تصویر ناظرین کو آگے کے صفحات میں ملے گی۔

لیت السماء طبقت علی الارض

آج ہم نوحہ کناں ہیں کہ وہ دینی تاجدار اُٹھ گیا جس کے ارتحال سے شیعی دُنیا میں سناٹا ہے وہ دار تکلیف سے نعیم ابدی کے دار راحت میں منتقل ہو گئے اُن کا نام صبح قیامت تک باقی رہے گا اُن کے تحقیقات علمیہ زمانہ گذرنے سے فنا نہ ہوں گے اُنکی تلمذ اور سلسلہ روایت کی کڑیاں قرن گذرنے پر بھی نہ ٹوٹیں گی۔

کائنات میں ماتم} فخر الدین رازی نے تفسیر میں جناب سرور کائنات صلعم کی حدیث نقل کی ہے کہ

آنحضرت نے فرمایا معلم الخیر اذا مات بکیٰ علیہ طیر السماء ودواب الارض وحیتان البحور جب اچھائی کا درس دینے والا مر جاتا ہے تو آسمان کے پرند اور زمین کے چوپائے اور دریا کی مچھلیاں اُس پر روتی ہیں (تفسیر مفاتیح الغیب جلد اول)۔

اگر ساری کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً اور بشر اشرف مخلوق ہے تو جس ذات سے نوع بشر کو بے پناہ فائدہ پہونچے اُس کی موت سے ہر وہ شے جو انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہے متاثر ہونا چاہیے قدرت کو بھی ان مقتدر ہستیوں کے خدمات کا پاس و لحاظ ہے اُنکی علمی خدمات باقی رہے گی اور اُن سے روایت کرنے والوں کے سینہ اُن کے محفوظ خزانہ ہیں جن کا ایک کے بعد دوسرا عالم وارث ہوتا ہے اُن کے محفوظات صدیاں گذرنے پر باقی رہتے ہیں اُن کے جسم گوشۂ قبر میں اصلی حالت پر باقی رہتے ہیں (لولوۃ البحرین) وہ جس مقبرہ میں دفن ہوتے ہیں ہر چہار طرف سے گورغریباں کو منور کر دیتے ہیں (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۰۸ مطبوعہ مصر (الواعظ بابت جولائی ۱۹۳۶ء) اُن کے جوار میں مرنے کے بعد بھی رحمت ایزدی کی بارش ہوتی ہے۔

قبور علماء کی حرمت

اُن کے مزار قابل احترام ہیں زمانۂ دراز گذرنے کے بعد بھی اُن کی قبریں کھودنے کی ممانعت ہے وہ مرکز حاجات ہیں ارسطو کے شاگرد جب کسی مسئلہ علمیہ میں اُلجھتے تھے تو اُستاد کی قبر پر پہونچ کر اُن کا ذہن از خود رہنمائی کرتا تھا (اوراد المؤمنین جلد سوم صفحہ ۶)

جناب امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ کا ارشاد ہے۔ ولیطلب الرجل حاجتہ عند قبر ابیہ وامّہ بعد ما یدعو لھما انسان کو چاہیے کہ وہ ماں باپ کے لیے دعاے مغفرت کر کے اُن کی قبروں پر خدا سے اپنی مرادیں مانگے تو حاجتیں پوری ہوں گی (خصال ابن بابویہ مطبوعہ طہران صفحہ ۱۵۹ جلد دوم) علماء کرام پدر روحانی کی حیثیت رکھتے ہیں اُن کے محترم مزار بھی ہمارے لیے قابل تعظیم ہیں اور اُن کی قبروں پر اگر ہماری مرادیں پوری ہوں تو کیا تعجب ہے۔

مزار حافظ شیرازی کا ایک عجیب واقعہ

خواجہ کو عام طور پر لوگ سُنی مسلمان سمجھتے ہیں اور اُن کے دیوان کو لسان الغیب لقب دیا ہے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ حافظ کا مذہب امامیہ اثنا عشریہ تھا اُن کے یہ دو شعر دیوان کے مطبوعہ نسخوں میں اب تک موجود ہیں سه

دو فرشتہ بر در فردوس کہ تیار قضا :: نبی رسول و ولی عہد حیدر کرار
امام جن و انس علی بود کہ علی :: ز کل خلق فرو بست از صفار و کبار

حافظ کے ایسے ہی اشعار کو دیکھ کر گگس خاں افغان کا یہ واقعہ تیرھویں صدی کی تالیفات میں نذر قرطاس ہو چکا ہے۔
گگس خاں افغان بر سر قبر حافظ آمدہ بجہت تفتیش مقبرہ او را خراب کند جمعے او را ممانعت کردہ قرار بر تفاءل

از دیوان خواجہ گذارد دیں شعر نمودار شد ۔ ؎ اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست :: عرض خود میبری و زحمت ما داری
(خزائن الاصول محقق نراقی مطبوعہ اصفہان صفحہ ۱۲)

مگس خاں افغان حافظ کی قبر پر آیا اور ان کے جرم تشیع میں چاہا کہ مقبرہ کو گرا دے لوگ مانع ہوئے اور قرار پایا کہ اشعار حافظ سے تفاؤل کیا جائے دیوان جو کھولا تو مرقومہ بالا شعر صفحہ راست پر نظر آیا مگس خاں اس برمحل تخاطب پر خجل ہو گیا اور ارادے سے باز آیا۔

مذہب شیعہ کی تاسیس ایسی ہی تائید الٰہیہ سے ہوئی اور خداوند عالم نے ہمارے اسلاف کا نام باقی رکھا اُنکے علمی جدوجہد کو رائیگاں نہیں کیا اگر اسلام کے ایک آزاد خیال شاعر کو یہ حق تھا کہ اُسکی قبر پر پہونچکر دشمن کے خیالات کی تصحیح ہو تو قبور علماء و مجتہدین میں بدرجہ اولیٰ یہ جھلک ہونا چاہیے۔

ایک مدبر کا قول ہے کہ اگر کسی قوم کی حالت پرکھنا چاہو تو اُس کے مقابر کو دیکھو اگر اُس کے اسلاف کی قبریں اچھے عالم میں ہیں تو وہ یقیناً بیدار مغز قوم ہے کتنے اکابر ملت ایسے ہوں گے جن کے نشان قبر بھی ہمیں نہیں معلوم اُن کو ہم سپرد لحد کرنے کے بعد پھر پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے چہ جائیکہ اُن کی کوئی یادگار قائم کریں ۔ الواعظ کا یہ ناچیز نمبر سرکار علامہ اصفہانی کے نام نامی پر اس لئے معنون کیا گیا ہے کہ اُن کے علمی احسانات کا اعتراف ہو۔

اسی کا نام ہے عمل } اقوام عالم آگے بڑھ رہے ہیں مذاہب باطل پھول پھل رہے ہیں مگر اسلام پژمردہ ہے کیوں اسلیے کہ ہم میں علم کے ساتھ عمل اور تنظیم نہیں رہی غیر منظم ہونا اور بے عمل زندگی اگر یہ دو کوہ ہیں تو ہمیں اس مستحکم بنیاد کو متزلزل کر دینا چاہیے اگر یہ دو دریا ہیں تو ہمیں ان کو پاٹ دینا چاہیے ہماری لاتعقل قوم نے اس روشنی کو ظلمت اور آب حیات کو زہر خیال کر رکھا ہے افسوس ہے کہ ہماری گذشتہ تنظیم ایک افسانہ بن کر رہ گئی ہے اور ہماری زندگی اور عظمت کے ان لازوال خزانوں پر اغیار متقابض ہیں اور ہم کف افسوس مل رہے ہیں ؎

رفتہ رفتہ اسقدر بربادی محفل ہوئی　　　مشتہر دنیا کے ویرانوں میں یہ منزل ہوئی

کیا میں قوم سے پوچھ سکتا ہوں کہ اُس نے تحفۂ اشرف کی اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی نوزائیدہ اداروں میں تو جو آج قائم ہوئے اور کل فنا ہو گئے ۔ دل کھول کے چندے دیے جا رہے ہیں اور ٹھوس کام کرنے والے بھی کبھی یاد آئے ؟ ۔ ذرا دینی حالت کا جائزہ لو اور سوچو کہ تم نے اپنے روحانی قائدین کی تبلیغی جد وجہد کا کیا پھل دیا تمھیں چاہیے تھا کہ بے نیاز کی درگاہ میں اس نعمت کے اظہار کی دعائیں کرتے ؎ اذا کنت فی نعمۃ فارعھا :: فان المعاصی تزیل النعم ۔ خدا کی نافرمانی سے نعمت سلب ہو جاتی ہے۔

عربی اخبارات کے تراجم

نجف اشرف کے عربی پندرہ روزہ اخبار نے جو مقالہ افتتاحیہ ۱۰ محرم سنہ ۱۳۶۶ھ کی اشاعت میں درج کیا ہے اُس سے ہم جناب آیۃ اللہ کے حالات افراد ملت کے سامنے پیش کرتے ہیں یہ مجلہ علمیہ ۸ سال سے دین وملت کی نصرت کر رہا ہے اور نجف اشرف کے جرائد میں وقیع نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

جناب علامہ کے سلسلہ مرض کو دیکھتے ہوئے اطبا نے رائے دی تھی کہ آپ لبنان کی واپسی کے بعد تا صحت کاظمین میں قیام کریں۔ یہاں پہونچنا تھا کہ عالم اسلامی سے صحت وعافیت دریافت کرنے والوں کے وفد عیادت کرنے والے اہل ایمان کے گروہ تار اور خطوط کثرت سے آنا شروع ہو گئے اور مزاج پرسی کا یہ سلسلہ ابھی روز افزوں تھا کہ دوشنبہ کی شام ۹ ذی الحجہ کو آپ نے انتقال فرمایا چند گھنٹہ بھی ابھی نہ گذرے تھے کہ آپ کی خبر رحلت اسلامی حلقہ میں پھیلنا شروع ہوئے اور ہر گھر میں آپ کا نوحہ ہر قوم میں شام تک پھیل گیا اور بستیوں اور دیہاتوں سے لوگ اس خبر کو سن کر شریک غم ہونے کے لیے روانہ ہوئے اور کاروبار چھوڑ چھوڑ کر اہالیان شہر اپنے مقاموں سے چلے بغداد کی حالت اور طوفان اضطراب کی جو لہر دوڑ گئی اُس کا اندازہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے شہر کے سربر آوردہ لوگ اور قبائل کے سردار اور ہر طبقہ کے افراد مجتمع ہونا شروع ہوئے کوچے تنگ ہو رہے تھے اور راستے چھلک رہے تھے اور مشایعت کرنیوالوں کے لیے لاریوں کا ملنا دشوار تھا۔

عربی ٹائم سے ۸ بجے شب تک غسل سے فراغت حاصل کر کے تابوت مبارک حرم باب الحوائج میں نماز جنازہ کے لیئے لایا گیا اور سروں پر سے گذرتا ہوا جسر الخر تک پہونچا اس موقع پر مشایعت کرنیوالوں کی تعداد ۱½ ملین نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی مختلف طبقات کے لوگ پیدل راستہ چلتے ہوئے ساتھ تھے ولیعہد اور ارکین سلطنت آگے آگے تھے لوگوں کا اصرار تو اس بات پر تھا کہ ہم اپنے کاندھوں پر نجف اشرف تک تابوت مبارک لے چلیں گے لیکن پیادہ چلنے میں یہ راستہ پانچ دن سے کم میں طے نہ ہوتا اس لئے کار کے ذریعہ سے نعش مبارک کربلا روانہ ہوئی راستہ میں اسکندریہ اور محمودیہ اور مسیب میں لوگوں کا ہجوم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا نصف شب کو سواری کربلا پہونچی استقبال کے لئے اکابر شہر علماء فضلاء طلاب موجود تھے اور یہ مجمع سید سعا سید طاہر قیسی کے سیاہ پرچم کے تحت میں تھا کربلا میں ہجوم کچھ اور بڑھ گیا عراق کی تمام بستیوں اور شہروں کے چھوٹے بڑے سمٹ آئے تھے پہلے حرم جناب عباسؑ روحی فداہ میں جنازہ آیا پھر حرم مظلوم کربلا میں پہونچ کر جوار سید الشہداء میں شب بھر قیام کیا اور گیارھویں ذی الحجہ کی صبح کو عربی اوقات سے ۹ بجے روانہ ہوئے اور نجف اشرف کے شہر پناہ کے قریب پہونچے تمام اہالیان نجف جسمیں اکابر علماء طلباء

اور خدام سب ہی نظر آئے اور تابوت سروں سے گذرتا ہوا مقام حنانہ سے صحن امیرالمومنین علیہ السلام میں آیا اسوقت گریہ و بکا کا صیحہ اور تلاوت قرآن کی صدائیں آواز تکبیر سے ایک ہنگامہ برپا تھا مشایعت کرنے والوں کا وہ ہجوم تھا کہ حنانہ سے صحن اقدس تک تین گھنٹہ سے زیادہ گزرنے پر راستہ طے ہوا نجف اپنے وسعت کمیت اس[۱] مجمع سے تنگی کر رہا تھا اور بغداد و کاظمین وغیرہ سے ہزارہا آنے والے جنمیں زعماء ملت اکابر قوم افسران حکومت لیڈران ملک علماء کے نمایندہ سب ہی تھے شہر میں مہمان کی حیثیت میں تھے اور ہر طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔

نجف میں اہل شہر کی سیہ پوشی اور علموں کے کالے پھریرے اس غم کی نمایاں علامت تھی جگہ جگہ ایصال ثواب کے عشرات مجالس منعقد ہوئے اور مقررین نے ممبروں پر اپنی زلزلہ افگن تقریروں میں علامۂ اصفہانی کے فضائل اور علمی کارنامہ بیان کرتے ہوئے اس مصیبت کی عظمت پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو پرسا دیا پہلی فاتحہ خوانی جناب علامہ کے صاحبزادہ کی طرف سے مسجد ہندی میں منعقد ہوئی جسکے بعد اس کثرت سے فاتحہ خوانی ہوئی جس کا شمار کرنا بہت دشوار ہے اہل نجف اور تمام ادارے اور مختلف خاندانوں کی طرف سے فریضۂ تعزیت ادا ہوا اور بغداد کے سربرآوردہ لوگ اور موصل اور بصرہ کے نامور افراد اور تمام اسلامی آبادی کے نمایندے نجف میں تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لئے آئے اور علماء کو پرسا دیا۔

اسلامی بلاد سے تعزیتی وفد حکومت عراق نے جو وفد بھیجا وہ سلطنت کی علم نوازی اور قدرشناس جذبہ کا ایک بلند نمونہ ہے اور اس سے وہاں کی گورنمنٹ کے علم دوست ہونے کا ایک ناقابل انکار ثبوت پہونچتا ہے اور شیعی حلقہ میں حکومت کی ہردلعزیزی بڑھتی ہے اس وفد کے بعد جو وفود آئے وہ سلسلے وار درج ذیل ہیں:- (۲) علماء بغداد کا جو وفد نجف اشرف فاتحہ خوانی میں شرکت کے لیئے آیا اُس کے ارکان حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھے۔

(۱) شیخ قاسم قیسی رئیس الہدایۃ الاسلامیہ (۲) السید محمد درویش آلوسی مدرس جامعہ سید سلطان علی

(۳) شیخ بہاؤالدین نقشبندی مدرس جامعہ امام اعظم (۴) الحاج حمدی الاعظمی (عمید کلیۃ الشریعۃ الاسلامیہ)

(۵) السید ابراہیم آلوسی قاضی بغداد (۶) الحاج قاضی سابق قاضی بغداد

(۷) السید شاکر البدری مدرس جامعہ الصاغۃ (۸) الحاج نجم الدین واعظ مدرس جامعہ عدلیہ

---

[۱] قد ضاقت النجف علی سعتها وامتلأت بعشرات الالوف من المشیعین الذین امرها من العاصمۃ والکاظمیۃ وجہات العقص الاخری وجاهم من الزعماء ورجال المملکۃ والممثلین السیاسیین رو کلاء العلماء وغیرهم وکانوا جمیعا ضیوفا علی النجف۔

یہ وفد نجف کے اہل علم و کمال اور شعراء و ادباء سے ملا اور فاضل شعراء میں استاد یعقوبی نے وفد کا شکریہ ادا کیا ان تمام حضرات کی میزبانی الحاج عبدالرزاق شمسہ نے فرمائی۔

(۳) ایرانی وفد ۱۰ر نومبر ۱۹۳۶ء کو ہوائی جہاز سے نجف پہونچا جس میں (۱) ادیب السلطنۃ حسین سمیعی وکیل بلاط ایرانی شاہ ایران کے مخصوص فرستادہ (۲) استاد احمد دہقان طہران (۳) استاد حسن مسعودی (۴) استاد علی حلالی نمائندہ جریدۂ اطلاعات (۵) علامہ شیخ محمد رضا شیرازی اور آغا بہبانی جماعت علماء کی طرف سے (۷) الحاج آغا بزرگ (۸) السید خرازی (۹) السید بہار (۱۰) السید نادر (۱۱) السید فرد لسق (۱۲) سید سلامت) قابل ذکر ہیں۔

اراکین وفد صحن اقدس میں حاضر ہو کر حرم میں داخل ہوئے اور آداب زیارت کے بعد قبر علامہ پر آئے اور فاتحہ خوانی کے ساتھ ساتھ نظم و نثر میں ولولہ انگیز تقریریں کیں۔

(۴) اسرائیلی وفد بھی بغداد سے آیا اس میں حسب ذیل مشاہیر شامل تھے (۱) حاخام ساسون رئیس طائفہ اسرائیلیہ (۲) حاخام روفائیل اسحاق جیم رئیس مجلس روحانی (۳) حاخام سلمان موکی عضو رئیس محکمہ دینیہ اسرائیلیہ (۴) حاخام داؤد عزرا رکن مجلس روحانی (۵) الیاہر جیم توفیق۔ رئیس مجلس جسمانی (۶) استاد سلیم جبازہ منصرم طائفہ اسلامیہ۔

یہ وفد جناب علامہ کے شریعتکدہ پر پہونچا اور زبان عبری میں تقریر کی جس کا جواب استاد یعقوبی نے تشکر و امتنان کے ساتھ دیا اس کے بعد جناب آقا شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کے گھر پر پہونچا اور جناب کی علم خیز صحبت اور حکمت پرور گفتگو سے مستفیذ ہو کر سب جناب علامہ کے کتبخانہ میں آئے اور قلمی کتابوں کی سیر کی آخر میں حاجی عبدالرزاق شمسہ کے مکان پر پہونچکر فواکہات تناول کیے اور شب کا طعام حاجی محسن شلاش کے گھر پر نوش کیا۔

گرد و نواح نجف میں فاتحہ خوانی

مقامی فاتحہ خوانی کے علاوہ بغداد کاظمین، سامرا، ناصریہ، حلہ، تویرج، محمودیہ، اسکندریہ، صقل، کوفہ اور دیگر چھوٹی بڑی بستیوں میں بھی جابجا فاتحہ خوانی ہوئی جو اطلاعات دفتر الغری کو موصول ہوئے وہ یہ کثرت ہیں جنمیں نجف کی طرف سے حسب ذیل مجالس ہوئے۔

(۱) آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء نے اپنے مدرسہ میں تین دن تک فاتحہ خوانی کی۔
(۲) علامہ عبدالکریم زنجانی کی طرف سے مسجد ترک واقع محلہ حویش میں تین دن تک فاتحہ خوانی ہوئی۔
(۳) علامۂ جلیل شیخ آغا بزرگ طہرانی نے اپنے سفر ایران سے واپس ہو کر گھر پر تین دن فاتحہ خوانی فرمائی

تعزیت کے تار } نجف اشرف میں جو تعزیت کے تار موصول ہوئے وہ کئی ہزار کی تعداد میں ہیں جن میں اعلیحضرت شاہ ایران کا برقیہ قابل ذکر ہے جو علم پرور تاجدار نے جناب علامہ الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کی خدمت میں بھیجا ملاحظہ ہو۔

جناب حجۃ الاسلام کاشف الغطاء بمناسبت فقدان مؤلمہ درگذشت مرحوم آیۃ اللہ اصفہانی اعلی اللہ مقامہ مراجب تاثر و تاسف خود مان را بجناب عالی و در وسیلہ آں جناب بعموم علماء و بطبقات مسلمین ان حدود ابراز میداریم شاید جناب عالی مستدام باد ۲۵|۸|۸ شاہ

اس تار کا جواب ممدوح نے حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے۔

برقیتکم فی تعزیتنا و تعزیۃ عموم العلماء و طبقات المسلمین فی تلک الحدود فی فاجعۃ المرحوم آیۃ اللہ الاصفہانی قدس اللہ سرہ اوجبت مزید الشکر والدعاء لکم منا ومن عمومات الطبقات محمد الحسین کاشف الغطاء

آپ کا تار بسلسلۂ تعزیت آیۃ اللہ اصفہانی ہمارے اور تمام علماء اور مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے ہماری اور ہر طبقہ کے لوگوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مجلس علمیہ ادبیہ } کی طرف سے ۲۶، ذی الحجہ کو مسجد ہندی میں بڑے پیمانہ پر مجلس ترحیم منعقد ہوئی جس میں اکابر علماء اور اعاظم عرب شریک تھے اس بزم غم میں جناب علامہ کے مراثی بھی پڑھے گئے۔

رباعی

حضرت عشق لکھنوی مرحوم نے اپنے دور کے بعض علماء کے انتقال پر یہ قطعہ نظم فرمایا تھا۔

کیوں دل سے نہ سامان عزا فرمائیں کیوں عالم و قاری نہ بکا فرمائیں
ہوا سعد ردائے عشق نہ کیونکر ماتم جب حجۃ الاسلام قضا فرمائیں

قبول مذہب حق } ۲۳، ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ کو شیخ محمد اشرف ولد شیخ رجب علی ساکن قصبہ ۔۔۔ ضلع پرتاب گڑھ پیشہ تجارت نے مدرسۃ الواعظین میں از خود آکر مذہب حق قبول کیا اور جناب مولانا سید ممتاز حسین صاحب واعظ دام مجدہ نے اصول و عقائد کی تعلیم دی۔

قطعۂ ارتحال پُر ملال حضرت آیۃ اللہ اصفہانی اعلی اللہ مقامہ

(از حضرت خاور دہلوی)

کیوں دُنیا کی چشم ہے پُرنم		چھایا ہوا ہے کس کا ماتم
کیا ہے چمن میں دورِ خزاں کا		اُڑنے لگی ہے خاک جو پیہم
کیوں ہیں طائر سر بہ گریباں		کیوں نغموں کے سُر ہیں مدہم
کس کی خاطر اشک فشاں ہیں		ان کو بادل رات کو شبنم
گھر گھر یں یہ ہونے لگا ہے		قبلِ محرم کس کا ماتم
بزمِ شریعت کیوں ہے سونی		کیوں ہے نجف میں ہُو کا عالم
آہ اُٹھا اک ایسا انساں		ہوتے ہیں پیدا جیسے بہت کم
نائب حجتؑ - آیت خالق		افضل - اشرف - امجد - اکرم
وہ بو الحسن آقائے شریعت		دیں کے فلک کا نیّرِ اعظم
ہیچ تھی جس کے فیض کے آگے		حشمتِ دارا، ہمّتِ حاتم
علم کا اُس کے کیا ہے ٹھکانا		جو ہو جہاں میں افقہ، اَعلم
دم سے تھا جس کے وہ ہی نہیں ہے		دینِ الٰہی کیوں نہ ہو بے دم
ہو گئی گل وہ شمعِ ہدایت		کہیئے جس کو نورِ مجسم
پہونچی خبر رحلت کی جو ہم کو		گویا فلک سے آپڑا اک بم
حضرتِ حجتؑ کو اب شیعہ		دیں سب مل کر پرسہ ماتم
اور کریں یہ عرض ادب سے		صاحبِ دوراں ہادیِ عالم!
ہو نائب کا جلد تقرر		تاکہ یہ صدمہ ہو کچھ کم
جلد ہو روشن شمع دیگر		تاکہ اندھیرے میں نہ رہیں ہم

بالکل سچ ہے قول یہ خاور
موت العالِم موت العالَم

ؐ قبل محرم اس لئے عرض کیا گیا کہ حضرت آیۃ اللہ کی رحلت ماہ ذی الحجہ میں واقع ہوئی تھی۔

سرکار آیتہ اللہ الاصفہانی علیہ الرحمتہ کے مختصر حالات

نامہ نگار شیعہ لاہور کے قلم سے

سرکار آیتہ اللہ اصفہانی کی ولادت ۱۶ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ھ کو سرزمین اصفہان پر ہوئی۔ وہیں ممدوح کی نشو و نما ہوئی۔ اور آپ نے تربیت پائی۔ اور مقدمات کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۸ھ کو موصوف نے اپنے وطن مالوف اصفہان کو چھوڑا۔ اور ۱۱ رجادی الاول سنہ ۱۳۰۸ھ بروز سہ شنبہ نجف اشرف کی زمین پر پہونچے یہاں آکر کئی سال تک شیخ محقق مولانا حبیب اللہ رشتی علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور پھر آیتہ اللہ آخوند ملا کاظم خراسانی کے درس میں شریک ہوئے۔ اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہونے لگا۔ اور ان کی زندگی ہی میں ممدوح ان کے درس کے مقربین میں داخل ہوگیے اور سرکار اخوند علیہ الرحمتہ کے بعد خود ان کے حقیقی جانشین بن کر درس خارج مستقل طور پر کہنے لگے۔ اب کیا تھا۔ چند ہی روز میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ اور اپنی غیر معمولی صلاحیت و قابلیت کی بنا پر آپ کا آوازۂ شہرت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا۔ جب آپ تمام ملک شریعت پر فرمانروائی کرنے لگے۔ اور آپ کے ہاتھ میں ریاست عامہ کی باگ آگئی۔ ادھر آیتہ اللہ شیخ الشریعت کا انتقال ہوا۔ کہ پورا عالم تشیع آپ کی تقلید کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اور آپ کا حلقۂ تقلید وسیع تر ہوگیا۔ آپ نے احکام شریعت پہنچانے اور مذہبی معلومات کی نشر و اشاعت کے مختلف راستے اور طریقے اختیار فرمائے۔ آپ نے وکلا مقرر کیے جو ممدوح کے ارشادات کو دوسروں تک پہنچاتے تھے اور لوگوں کو دعوت حق دیتے تھے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوے۔ جنھوں نے خدمت اسلام میں اچھی خاصی کامیابی حاصل کی۔ اور ان کے خدمات کی بدولت ایسے خوشگوار اور مفید نتایج بر آمد ہوئے۔ جس کا بھولنا صرف حق فراموشی ہی اور کچھ نہیں سرکار موصوف سے بڑے بڑے علمار اور عظیم المزتبت افاضل نے فقہ و اصول میں استفادات کیے خاص کر علم فقہ میں اسد بحر ناپید اکنار سے ہزاروں تشنہ کامان علوم سیراب اور بہرہ یاب ہوتے رہے۔ ممدوح کا اصول کا درس طلاب کی تربیت کے سلسلہ میں اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے جواب نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنے استاد آقائے اخوند کی کتاب کفایہ کے مطالب کی تہ تک تہ تک گہرائیوں اور باریک نکتوں تک پہنچ جاتے تھے۔ اور معانی کی عکاسی الفاظ کے پردے چاک کرکے اس طرح فرماتے تھے۔ کہ انسان کے سامنے پورے طور پر ان معانی کی تصویر آجاتی ہی۔

کبھی آپ مطالب کفایہ پر تنقید بھی فرماتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ تہذیب اور احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکار مرحوم کو استنباط مسائل اور دلائل سے نتائج کے برآمد کرنے کا ایک خاص سلیقہ تھا۔ آپ مبائل کے سلسلہ میں حق تک انتہائی آسان اور واضح راستوں سے پہنچ جایا کرتے تھے۔ جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہوتا تھا یہ آپکا نقطۂ امتیاز تھا مگر جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ ہاں بعض آپ کے رسائل شایع ہوئے ہیں۔ مثلاً حاشیہ عروۃ الوثقیٰ۔ ذخیرۃ الصالحین نجاۃ العباد۔ انیس المقلدین وغیرہ بطور عملیہ۔

سرکار ممدوح اور حکومت عراق سے انتخابات کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا اور جب علامہ مجاہد شیخ مہدی خالصی علیہ الرحمۃ کو عراق سے جلا وطن کیا گیا۔ تو سرکار ابو الحسن نے مع دیگر اکابر علما عراق احتجاجاً عراق کو چھوڑ کر ایران میں سرزمین قم پر جاکر قیام کیا۔ پھر جب فضا سازگار ہوئی اور تمام معاملات طے ہوگئے تو آپ نجف اشرف میں اسی عالمانہ شان وشوکت سے مسلمانوں کے رہنما و رقائد بنکر واپس تشریف لائے۔ آپ کا صبر و تحمل سکون واطمینان دیکھنے کے قابل تھا۔ اس موقع پر جب موصوف کے صاحبزادے علامہ سید حسن کو عین عالم شباب میں نماز مغرب کی حالت میں شہید کردیا گیا۔ یہ آپ کی زندگی کا اہم ترین اور انتہائی دردناک وصبر آزما واقعہ ہے جب آپ کے فرزند کو ایک طالب علم شیخ علی قمی نامی نے مصلے پر نماز جماعت میں جناب امیر کے روضۂ مبارک کے صحن اقدس میں خنجر سے ذبح کر ڈالا یہ واقعہ ۱۶ صفر شب شنبہ سنہ ۱۳۴۹ھ کو واقع ہوا اور اس دردناک واقع سے تمام حوزۂ علمیہ کے مدرسین نے چند روز تک درس وتدریس ملتوی رکھی۔ مگر سرکار اصفہانی علیہ الرحمہ کی یہ فرض شناسی تھی کہ بہت جلد آپ ہی نے اپنے درس کو جاری فرمانے کی ابتدا کی۔ اور اس کے بعد حسب معمول فقہ واصول کی تدریس کو پابندی کے ساتھ جاری فرمادیا۔ اور خدمات دینیہ میں مصروف ہوگئے ـــ

زید پور میں سرکار اصفہانی کا ماتم

انجمن حسینیہ زید پور نے بتاریخ ۱۶ ذی الحجہ کو مجلس فاتحہ حضرت آیتہ اللہ اصفہانی طاب ثراہ منعقد کی جس میں جناب مولانا سید محمد مہدی صاحب صدر الافاضل نے ذکر مصائب او میر فراست حسین صاحب نے تاریخ ارتحال پر مشتمل نظم فرمائی اور مجلس میں پڑھی گئی۔

موصوف کے خصائص و دیگر حالات

(بقیہ مضمون صفحۂ ۲۰)

آپ خطوط و مسائل کے جواب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اکثر مستحقین کی اعانت اس طرح فرماتے تھے کہ ان کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا کہ کس نے بھیجا ہے۔ تقریباً پچاس برس سے درس و تدریس میں مشغول تھے۔ آخر عمر تک باوجود ریاست عامہ کی مصروفیتوں کے درس خارج دیتے تھے۔ تقریباً پانچ ہزار طلاب نجف کربلا، کاظمین و سامرا میں رہتے ہیں جن کی اکثریت نجف میں ہے۔ ہر طالب علم کو ۲ دینار ماہوار دیتے تھے (ایک دینار ایک پونڈ) ان میں سے تقریباً چھ سات سو کثیر العیال طلاب ہیں جن کو حسب ضرورت وحیثیت ۸ یا ۹ یا ۱۰ دینار تک دیتے تھے۔ تقریباً پچھتر مدرسین ہیں ہر ایک کو ۱۵ دینار ماہوار دیتے تھے۔

آقائے اصفہانی کا ماتم

معقل ـ بصرہ ـ عراق

(جناب سید نواب حسین صاحب ملازم فوج متعینہ عراق کا بیان)
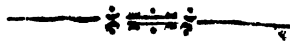
آقائے حضرت سید ابوالحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے انتقال کا اثر بصرہ اور اس کے نواح میں شیعوں پر کیا ہوا۔ ذیل سطور سے ظاہر ہوگا۔

یہاں عید ۴ رنومبر کو ہوئی۔ شب میں دفعتاً اطلاع بذریعہ ٹیلیفون آئی کہ حجۃ الاسلام عالم کبیر آقائے سید ابوالحسن اصفہانی قبلہ نے رحلت فرمائی۔ گوشہ گوشہ کوچہ کوچہ سے ماتم و نوحہ خوانی کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ اور گھر گھر صف ماتم بچھ گئی اندازاً ۸ بجے شب کا وقت ہوگا جب ہم نے سینہ کوبی کی آواز اور یا ابوالحسن دینہ کی صدائیں سنیں ہماری فوجی بارکوں کے قریب ہی ایک قبیلہ آباد ہے یہ اعلی اللہ مقامہ کی پہلی صف ماتم تھی جو معقل میں مومنات نے قائم کی۔ ۵ رنومبر کی صبح کو علی الصباح ہر قبیلہ اپنا علم لیکر نوحہ خوانی اور ماتم کرتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ بصرہ۔ عشار معقل ہر جگہ ہڑتال تھی اور کل بازار دکانیں بند تھیں ایک گروہ دوسرے گروہ سے ملتا جاتا تھا اور ایک عظیم الشان جلوس کی شکل اختیار کرتا جاتا تھا۔ شان یہ تھی کہ آگے آگے مرد حلقہ باندھے ہوئے نوحہ پڑھتے جاتے تھے جو بر وفات اعلی اللہ مقامہ کے سانحہ ارتحال پر شعرا نے نظم کردیئے تھے علم وسط میں تھا اور پیچھے پیچھے مومنات، (عورتیں) سروں کے بال کھولے اور چہرے پر بکھیرے ہوئے مصروف سینہ زنی اور نوحہ خوانی تھیں۔ کوئی کہتا تھا۔ (عید الاکثر علینا) یہ کیسی خوفناک عید ہے (سید ابوالحسن دینہ) ہمارا سردار ابوالحسن کہاں ہے کوئی کہتا تھا (تہدمت ارکان الدین) ہمارا دین خالی ہوگیا (بموتہ الحجۃ العظیم) کیونکہ ہمارا رہبر اعظم وفات پاگیا۔ کوئی نوحہ خواں تھا۔ (راح عزنا السید المرحوم۔ (وظلینا میں والی علینا) ہماری قوت و بزرگی سید مرحوم ہم سے جدا ہوگئی ہم بغیر والی کے رہ گیے۔ اور کسی کے یہ بین تھے، (شیعتک ظلمت وحیدہ) شیعہ تنہا رہ گیے (یا ابوالحسن واللہ وحیدہ) یا ابوالحسن قسم خدا کی تنہا رہ گیے یہ وہ چند اشعار ہیں جو میرے حافظہ میں محفوظ رہ گیے۔ ماتم اتنا سخت تھا کہ سینے پھٹ پھٹ گیے تھے اور خون جاری تھا مومنین زار و قطار رو رہے تھے اور مومنات اپنے سروں پر خاک اڑا رہی تھیں اور ایک بند مرثیہ کا پڑھنے کے بعد آقا آقا کی دھوم مچاتی تھیں اور چھاتی و سر دونوں پر دوہتڑ مارتی جاتی تھیں کوئی ایسا نہ تھا جس کے آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کا باپ مرگیا ہے اور سب یتیم ہوگیے ہیں۔ محبت کا جوش اور جذبات کا سیلاب مجھکو اپنی عمر میں

ایسا دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ کیفیت تین روز رہی اور خاص خاص سڑکوں پر موٹروں اور گاڑیوں کی آمد و رفت حکماً بند کر دی گئی تھی۔

آقائے حجۃ الاسلام اعلی اللہ مقامہ نے بمقام کاظمین شریف ۱۰ ذی الحجہ مطابق ۴ نومبر کو شام کے سات بجے انتقال فرمایا۔ نعش مبارک تابوت میں رکھ کر براہ بغداد کربلائے معلیٰ لائی گئی اور وہاں سے نجف اشرف پہونچ کر سپرد خاک کر دی گئی۔ (از سرفراز لکھنؤ)

انجمن امامیہ حسین پور سیدآباد مظفرپور موضع سرائے رسول پور مظفرنگر حسین گنج سارن (

۲۷ ذی الحجہ کو قرآن خوانی اور مجلس ہوئی اور تعزیتی تجویز منظور ہوئی۔

سرکار آیۃ اللہ اصفہانی کا جلوس جنازہ شاہ عراق اور امیر عبداللہ پیادہ پا ساتھ تھے

سعید الملۃ مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ نے اپنے دوران قیام میں عراق سے اپنے خط میں سرکار آیۃ اللہ اصفہانی علیہ الرحمہ کی رحلت کے متعلق جو حالات درج فرمائے تھے وہ ہم عصر سرفراز سے نقل کیے جاتے ہیں۔

"۹ ذی الحجہ کو کاظمین میں انتقال فرمایا۔"

بغداد میں سرکاری حکم کے مطابق مکمل سوگ منایا گیا دفاتر سرکاری اور کل دوکانیں بند رہیں۔ کاظمین اور کربلائے معلیٰ میں بھی یہی حالت رہی۔ چونکہ مکہ معظمہ کی رویت ہلال کے مطابق بغداد میں اس روز دہم ذی الحجہ (عید اضحیٰ) تھی لہذا دوسرے روز (سہ شنبہ) صبح کو کاظمین سے جنازہ روانہ ہو کر بغداد کی شاہراہوں سے گذرتا ہوا جسر خر (ایک پل کا نام ہے) تک آیا تمام ارکان دولت عراق ہز مجسٹی فیصل ثانی (شاہ عراق) اور ان کے ولی (ریجنٹ) امیر عبد الالٰہ بھی پیادہ پا مشایعت کر رہے تھے۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے گروہ ماتم کرتے ہوئے ساتھ تھے۔ یہودیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بھی ساتھ تھا۔ نصرانیوں نے گرجوں میں بھی مراسم تعزیت ادا کئے اور گھنٹے بجائے۔ تمام سفراء دیگر ممالک کے ساتھ تھے۔ جسر خر کے پاس جنازہ جو تخت رواں پر تھا لاری پر رکھا گیا۔ بغداد سے کربلا جاتے ہوئے محمودیہ اور مسیب میں دو گھنٹے ہر آبادی کے اندر مشایعت کی گئی یعنی جنازہ کاندھوں پر اٹھایا گیا رات کو ۸ بجے شہر کربلا کے حدود میں داخلہ ہوا۔ وہاں سے جنازہ کاندھوں پر اٹھایا گیا۔ و م مطہر تک (ڈیڑھ گھنٹہ میں) دس بجے رات کو پہونچا۔ رات بھر قتل گاہ میں رکھا گیا ۱۱ ذی الحجہ (چہار شنبہ) کو ۹ بجے صبح کو پھر اٹھایا گیا، بیرون شہر کربلا تک کاندھوں پر لے گئے وہاں سے لاری میں رکھ کر نجف اشرف روانہ ہوا۔ مجمع بہت زیادہ تھا بغداد کے اکثر روساء و اعیان ساتھ ہیں جو نجف تک جائیں گے۔ بقیہ صفحہ ۸ پر ملاحظہ ہو۔

حادثہ فاجعہ

۸ ربیع الاول گذشتہ کو جناب نصیر الملۃ مولانا سید محمد نصیر صاحب قبلہ کی والدہ محترمہ نے حرکت قلب بند ہو جانے سے دفعتہ انتقال کیا اور سرکار ناصر الملۃ طاب ثراہ کے گھرانے میں ایک عظیم بے چینی پھیل گئی بعد صبح تجہیز و تکفین کے بعد معظمہ سپرد خاک ہوئیں۔ خداوند عالم اس مقتدر خاتون کو جوار معصومین عالم میں جگہ دے، اور اولاد امجاد کو صبر عطا فرمائے بحق محمد و آلہ الامجاد۔

ہر اک گھر میں ماتم کی اک صف بچھی ہے

از مداح سبطا صغر جناب سید علی اطہر صاحب نقوی (چاندپوری) مرغوب

عقیدت کچھ ایسی مودت بھری ہے — مرے لب پہ نام حسینؑ و علیؑ ہے

مکان آئمّہ ہے ہر قلب مومن — نہیں دل یہ ایماں کی بارہ دری ہے

صفاتِ خدا بھی بشر بھی نظاہر — محمدؐ وہ قدرت کی صنعت گری ہے

جدا میم کو کر کے احمد سے دیکھو — احد ہی تو ہے یا کوئی اور بھی ہے

نبی کی سخاوت علی کی شجاعت — حسینؑ و حسنؑ کو بہ ورثہ ملی ہے

ولادت بشر کی ہے تمہیدِ رحلت — مسرت میں بھی غم کی اک چاشنی ہے

مرا دل نہ پژمردہ کردارِ فانی — یہ فردوس کے باغ کی اک کلی ہے

ترا گھر ہے جب دل تو پھر دخل کس کا — نہ گنجائشِ غم نہ جائے خوشی ہے

عزادار شبیرؑ کے اشک نکلے! — وہ گوہر کہ جن کا خدا مشتری ہے

اٹھا عالم اعلم اصفہانی — ہر اک گھر میں ماتم کی اک صف بچھی ہے

نجف سے ندا آئی مرغوب چلئے!

کربلا دیکھئے نوبت حاضری ہے

ایڈیٹر مسلم ریویو کا انتقال

یہ خبر نہایت رنج و غم کے ساتھ درج کی جاتی ہے کہ جناب سید عابد حسین صاحب نقوی بی اے بی ایل متوطن کجھوا ضلع سارن نے ۲۶ فروری کو انتقال کیا موصوف ایک عرصہ سے گوناگوں امراض معدہ و جگر میں مبتلا ہو کر بہت ہی لاغر اور ناتواں ہو گئے تھے اور طول مرض کے باوجود بڑی مستعدی سے مسلم ریویو کے قلمی خدمات میں مصروف تھے۔ مرحوم نے اپنے سابقہ ادارت میں مسلم ریویو کو یورپ امریکہ اور بیرون ہند پہونچا کر وہ غیر فانی خدمت انجام دیے جو کسی طرح فراموش نہیں ہو سکتے نیز اس دور میں بھی مسلم ریویو کی حیات ثانیہ کے جو افرادہ مردار ہیں ان میں سید صاحب کا نام نامی نمایاں رہیگا افسوس ہے کہ آپ اس شجر کی بہار دیکھ نہیں سکے اور جو پر خلوص ارادے دل میں لیکر کام کرنا شروع کیا تھا۔ اسکو موت نے پورا ہونے نہیں دیا۔ مرنے والے کے ارتحال سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا پر ہونا آسان نہیں ہے یہی نازش بانی فخر اسلام مولانا علی اللہ مقامہ کی قبل از وقت۔ مفارقت میں انکی اولاد سے ولی ہمدردی ہے خداوند عالم انکے اخلاف سید زین العابدین و سید محمد رضا صاحبان کو صبر عطا فرمائے۔ قارئین الواعظ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پسماندگان کے زخمی دلوں پر مرہم تسلی رکھیں۔

بلتستان اور سرحدی اضلاع کشمیر میں شیعوں کی حالت زار

ماہنامہ عصر سرفراز لکھنؤ ۱۲ فروری کی اشاعت میں ایک مضمون سید سرور حسین صاحب جائسی کا چھپا ہے جس میں علاقہ کشمیر کے شیعوں کی حالت زار حکومت کی بے توجہی و ہابیت کی مورچہ بندی کا ذکر ہو اور قوم سے شکوہ کیا گیا ہو کہ وہ اپنے برادران ملی کے فلاح و بہبود پر ملتفت نہیں سید صاحب کی قومی ہمدردی کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اونھوں نے یو.پی میں بیٹھکر اپنے دورافتادہ برادران وطن کے حال زار پر توجہ کی اور اس قدر دور و دراز رہنے والے بھائیوں کی مظلومیت نے اون کو متاثر کر دیا ۔

موصوف کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان مظلوم ہستیوں کو مدد پہونچانا سب سے پہلے مدرسہ واعظین کا حق تھا اور وہ آج سے بہت پہلے اس علاقہ میں مذاہب باطل کی خفیہ ریشہ دوانی پر صرف ملتفت ہی نہیں ہے بلکہ اسکے خلاف عملی اقدام کیا اور جناب تاج العلماء مولانا السید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد ناظم شعبہ تبلیغ نے مدرسہ کے فاضل اور تجربہ کار واعظ جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین کو اسکردو روانہ کیا ہے جنھوں نے وہاں کے رتی رتی حالات معلوم کرکے وہ زبردست خدمت دین انجام دیے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہو ۔ موصوف کے ماحول میں ایسا نادار طبقہ ہو جو ہمارے واعظ کے اخراجات بھی کما حقہ برداشت نہیں کر سکتا ۔

جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب کا یہ ایثار بہت حد درجہ قابل تعریف ہے کہ موصوف نے موسم سرما کے وہ غیر معمولی شدائد جس کو وہاں کے لوگ برداشت نہ کر سکتے تھے خندہ جبینی کے ساتھ برداشت کیے اور پختہ ارادوں میں کمزوری واقع نہیں ہوئی آپکے قیام کو آٹھ مہینہ ہو رہے ہیں اور اس سال کی برفباری نے ابھی تک اجازت نہیں دی ہو کہ واپس ہو سکیں موسم بہار کے بعد آپ کی واپسی کی امید ہو ۔ جناب تاج العلماء مدظلہم کے زیر نگاہ واعظین کے فرائض ہیں اور خدا کا شکر کہ مدرسہ کے واعظ ہمہ وقت اپنے فرائض انجام دینے پر تیار رہتے ہیں اور ہندستان کے طول و عرض میں ان کا تعین اس لیے ہو کہ قوم مذہبی فرائض سے آشنا رہے اور اس کے مذہبی سرمایہ پر اغیار قبضہ نہ کر سکیں شہروں دیہاتوں قصبوں میں واعظین نے جو کارنمایاں کیے ہیں وہ افسوس ہو کہ الواعظ کے محدود صفحات میں محرم نمبر، چہلم نمبر، اور اصفہانی نمبر کے خاص مضامین کی وجہ سے قوم کے سامنے نہیں لائے جا سکے ۔

قوم میں جہاں کہیں کوئی مذہبی یا قومی جلسہ ہو، جلوس نکلنے والا ہو، سال کا کوئی خاص دن ہو، کوئی دینی مناظرہ ہو اور مدرسہ کو دعوت دی جائے تو ہر موقع پر واعظین کو پہونچنا پڑتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ افراد قوم کی توجہ مدرسے سے تعاون میں کچھ کم ہو گئی ہو اور ابنائے ملت کو اس بات پر غور و خوض کا موقع نہیں ملا ہو کہ موجودہ زمانہ کی گرانی میں مدرسہ اپنے شعبوں کو کیوں کر چلا رہا ہے راجہ صاحب محمود آباد باتعاہ کی سرپرستی پشت و پناہ نہ ہوتو اسی اقتصادی کشمکش میں مدرسہ کا بقا ناممکن ہو افراد قوم کو مدرسہ کی طرف جلد دست تعاون بڑھانا چاہیے ۔ (ایڈیٹر)

تمباکو عورتیں کیوں نہ پئیں

از جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ مدظلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

اسی عنوان سے "پانیر" مورخہ ۲۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء میں ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ بغرض افادہ اوسکے ضروری حصہ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہی۔ اصل مضمون ایک خاتون کا لکھا ہوا ہی ممکن ہی کہ اس کے اظہار کے بعد مضمون کا اثر زیادہ پڑ سکے اس لیے اس کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ حسب ذیل ہے۔

میں نے ایک نوعمر شادی شدہ عورت کو یہ کہتے سنا کہ جب مجھے سگریٹ پسند ہیں تو کیوں نہ پیوں اگر وہ مضر بھی ہیں تو میں کسی دوسرے کا تو کچھ نہیں بگاڑتی اپنا ہی تو نقصان کرتی ہوں۔ اوس لڑکی کو یہ سمجھانا بھی مشکل تھا۔ جن لوگوں کو موضوع سے سابقہ نہیں پڑا ہی اگر اونھیں یہ بتلایا جائے کہ بچہ جبتک رحم مادر میں ہوتا ہی تو اوسی وقت سے اوس پر ماں کے سگریٹ پینے کا اثر پڑتا ہی اونھیں تعجب ہوگا اور اسے ماننے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو یہ نظریہ مزا مبالغہ ہی مبالغہ نظر آئے گا۔ ہر بچہ کا یہ فطری حق ہے کہ اوسے تندرست پیدا ہونے دیا جائے لیکن اس بچہ غریب کو جسے پیدا ہونے سے پہلے ہی والدین نے زہر سے بھر دیا ہو یہ کہاں نصیب کہ اوس کے نشو و نما کی ابتدا اچھی ہو سکے۔

ایک تازہ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہی کہ جو بچے چار برس سے کم کے مرجاتے ہیں اونھیں ہزار میں (۱۵۴) کا تناسب اون بچوں کا ہی جن کے باپ تمباکو نہیں پیتے بخلاف اس کے جن کے باپ تمباکو پینے والے ہیں اون کا تناسب ایک ہزار میں (۲۲۷) ہے یعنی لہے زائد۔ جب ہم ان اعداد کو اون لاکھوں ماں اور باپ میں ضرب دے دیں جہاں دونوں پینے والے ہوں تو بچوں کی موت کی گرم بازاری دہشت ناک حد تک بڑھ جائے گی۔

نہ پینے والوں کی بیویوں میں سے (۶۰۴) فی ہزار اسقاط والی یا مردہ بچہ جننے والی ملیں بخلاف اس کے پینے والوں کی فی ہزار بیویوں میں (۱۲۹۸) اسقاط والی شمار کی گئیں (اس طرح حسابا دوگنے سے بھی زائد اسقاط کا حساب پینے والوں میں ہوا۔ یا یوں کہئے کہ بہ نسبت نہ پینے والوں کے ۹۴٪ اسقاط یا مردہ بچہ زائد پینے والوں کے حق میں آئے۔ یہ تعداد جب ہے کہ جب صرف باپ پینے والے ہیں۔

اس تحقیقات کی بنیاد یوں قائم ہوئی ہے کہ تمباکو کا زہر (نکوٹین) ماں کے خون میں جذب ہو کر

اعضائے ہضم کے ذریعہ جنین کے دوران خون میں شامل ہو جاتا ہے چنانچہ اس بنیاد پر محققین نے ماں کے تمباکو پینے اور بعد جنین کے حرکت قلب کو بغور مطالعہ کیا تو پانچ مریضوں میں اوسط دفعہ پایا اور جنین کے دل کی دھڑکن تمباکو پینے کے بعد ایک منٹ میں پانچ دفعہ زائد ثابت ہوئی (اصلاح اندازہ ہوگیا کہ تمباکو قلب پر کیا اثر ڈالتا ہے اور جب اس طرح ابتدا ہی کمزور ہے تو آگے کیا نتیجہ نکلے گا) اعداد و شمار کے حساب سے اس بات کا بکثرت شہادتیں موجود ہیں کہ ماں کے تمباکو پینے سے جنین کے قلب پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے"

مضمون کا یہ بقدر ضرورت ترجمہ حاضر ہے خوراک یا خوراک میں جو چیزیں شامل کرلی گئی ہیں اون کے نفع و نقصان کا فیصلہ جن لوگوں کے اختیار میں ہے وہ تو تمباکو کے متعلق یہ تجربہ بیان کرتے ہیں آئندہ پینے والوں کا اختیار ہے۔ شرعاً حرام ہو کہ حلال اخباری حضرات اس موقع پر بے شک فائدہ میں ہیں۔

التماس دعا

شہر کے موقر رئیس اور الواعظ کے محترم قدردان جناب خان بہادر نواب سید حامد حسین صاحب بہادر پر افسوس ہے کہ فالج کا ایک حملہ داہنی طرف ہوگیا تھا۔ لکھنؤ کے بہترین معالج اور مشہور ڈاکٹر علاج کر رہے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ حالت رو بصحت ہے جملہ مومنین اور خاص کر موصوف کے احباب دعا فرمائیں کہ شافی مطلق نواب صاحب کو جلد صحتیاب کرے۔ آمین۔

جہاد اسلام یہ پانچواں تبلیغی مرثیہ ہے جو ہمارے دوست توحید صاحب سرسوی نے بہترین کتابت اور طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے سرورق پر روضۂ مظلوم کربلا کی انتہائی دیدہ زیب اور دلکش تصویر ہے صفحہ ۲ پر مولف کا دیباچہ ہے صفحہ ۵ سے مرثیہ شروع ہوتا ہے جو نہایت جلی اور روشن تحریر ہے حاشیہ پر نظم کیے ہوئے مطالب کے حوالے ہیں اور تمام مطالب مواعظ حسنہ مقتل سادات، خلافت الٰہیہ صواعق محرقہ، وسیلۃ النجات جلاء العیون وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ اس مرثیہ سے موجد صاحب نے اردو ادب تاریخ اور مذہب کی غیر فانی خدمت انجام دی ہے ہم ناظرین الواعظ سے پر زور سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس مرثیہ کو خرید کر مولف کی ہمت افزائی کریں ممدوح نے تین مرثیہ اور اسی رنگ میں نظم فرمائے ہیں۔ جو افراد قوم تک پہونچنا چاہئیں۔ ملنے کا پتہ:- علی بھائی اشرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ نمبر ۲۶۳ ابراہیم رحمت اللہ روڈ بمبئی قیمت ۱۲؍

فارسی مراسلہ تحقیق اعلم کے سلسلہ میں آقائے محمد وجدی مدظلہ کا ذکر اور العزی کے اڈیٹوریل میں آں کا شف الغطاء مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ نجفی کا نام نامی ہے افسوس ہے کہ آقا سید حسین قمی طاب ثراہ جنکی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں تشخیص اعلم سے پہلے ہی انتقال کر گئے لہذا اس مسئلہ میں فی الحال تو علمائے کرام کی کوئی فیصلہ کن رائے نہیں ہے قوم کو انتظار کرنا چاہیئے۔

حجۃ الاسلام آقا سید ابوالحسن اصفہانی طاب ثراہ

(از جناب مولانا سید سبط الحسن صاحب قبلہ ہنسوی)

فقیہ اہلبیت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ سید ابوالحسن اصفہانی طاب ثراہ کی خبر انتقال سے اسلامی دنیا مطلع ہوچکی ہے، اقصائے عالم کے جمہور شیعہ اثنا عشری انھیں بزرگ کے مقلد تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی اہم شخصیت کے متعلق مختصراً کچھ عرض کیا جائے۔ تاکہ مسلمانان ہند کے لیے سبق آموز ہو۔ آیۃ اللہ اصفہانی تیرھویں صدی کے نصف اخیر میں بمقام مدیسہ جو مضافات اصفہان میں واقع ہے۔ سادات کے ایک جلیل القدر خاندان میں پیدا ہوئے جس کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسی الکاظم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔

ابتدا میں اصفہان کے مشہور مدرسۂ دینیہ میں تحصیل فرمائی جہاں اُس عہد کے اجلۂ علما درس دیتے تھے بعد تکمیل درسیات جناب مرحوم چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں دنیائے اسلام کے مشہور و اہم ترین معہد علمی نجف اشرف میں تشریف لائے۔ اور آقا سید محمد کاظم طباطبائی یزدی، آقائے شریعت شیخ فضل اللہ اصفہانی حاج شیخ عبداللہ مازندرانی، شیخ محمد شربیانی، شیخ محمد حسن مامقانی وغیرہم سے تکمیل علوم و معارف کرکے اجازۂ اجتہاد حاصل فرمایا۔ اسی دوران میں ریاضت و مجاہدۂ نفس کی جانب متوجہ ہوے۔ اور سید الاولیا باب مدینۃ العلم امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کی بارگاہ سے فیضان ہوا جس کے نتیجہ میں آیۃ اللہ علامہ محمد تقی حائری شیرازی علامہ محمد حسین النائینی اور شیخ الشریعت اصفہانی کے بعد انحصار علمیت موصوف کی ذات پر ہوا اور تمام دنیائے شیعیت کی مرجعیت ان جناب کی طرف ہوگئی۔

شہر نجف علاوہ مقدس و متبرک شہر ہونے کے دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین معہد علمی بھی ہے۔ سب سے پہلا شخص جس نے اس مقام متبرک کو مرکز علم بنایا۔ وہ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المفسر المحدث صاحب الاستبصار تھے۔ آج دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ یہیں کے انوار علم سے روشن ہے، یہاں تک کہ جامعہ مصر کو بھی نجف کے رشحات علم سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، بطل حریت، سرشار و حرارت اسلامیہ علامہ سید جمال الدین اسد آبادی افغانی اسی جامعۂ نجف کا فارغ التحصیل طالب علم ہے۔ جس کو علامہ شیخ مرتضیٰ انصاری نجفی سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ انھیں جمال الدین افغانی کے شاگرد رشید و مقلد سید شیخ محمد عبدہ مصلح اعظم دیار مصر ہیں جو ازہر یونیورسٹی کو حیات نو بخشنے والے اور مصر جدید کے نہضت علمیۂ ادبیہ کے باعث ہیں۔

معہد علمیہ نجف کا مدبّر اعظم یا شیخ الجامعہ ہمیشہ ایسا شخص ہوتا رہا ہے جس کے اعلم زمانہ ہونے پر تمام دنیائے شیعیت نے اتفاق کر لیا ہو۔ چنانچہ شیخ الشریعت کے بعد آیۃ اللہ اصفہانی پر بالاتفاق اعلمیت کا انحصار ہوا۔ اور تمام دنیا کے علما و مجتہدین نے موصوف کو بغیر کسی اختلاف کے اعلم زمانہ تسلیم کر لیا۔ منجملہ دیگر ذمہ داریوں کے اعلم کے یہ دو اہم فرائض ہیں۔

(۱) طلبا کو جو درحقیقت جید عالم اور قریب بہ مرتبہ اجتہاد ہوتے ہیں، معارف اسلامیہ و احکامات شرعیہ پر درس خارجی (　　　　　　) دینا جس میں بحث و تحقیق کا دروازہ دوران تقریر میں بھی ہر وقت کھلا رہتا ہے اور ہر مسئلہ پر تحقیقی و اصولی نظر ڈالنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح عصر حاضر کے رجحانات کو بھی شرعی استدلال کے ساتھ پرکھا جاتا ہے اس ذمہ داری کو آیۃ اللہ اصفہانی نے باحسن وجوہ انجام دیا جس کے ثبوت میں وہ جید مجتہدین ہیں۔ جو جناب مرحوم کے درس خارجی سے مستفید ہو چکے ہیں اور عراق و ایران، سیریا اور ہندوستان میں موجود ہیں۔ یا جناب کا وہ علمیہ ہے جو وسیلۃ النجات کے نام سے موسوم ہے۔

(۲) معہد علمیہ نجف اشرف اور عراق کے دوسرے مدارس و دینی اداروں کا سرپرست اعلیٰ بھی اعلم ہی ہوتا ہے جس کو ہر قسم کے نظم و نسق کے پورے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ حکومت کو کوئی دخل نہیں۔ ان اداروں کی بقا و قیام کا انحصار اعلم کی ذات پر ہے اور وہی ان کے مصارف و اخراجات کا انتظام بھی کرتا ہے اسی بنا پر وجوہ خیر کی رقمیں شرق و غرب سے اس کے پاس پہنچتی رہتی ہیں۔ جس کو وہ عادل و مساوات کے ساتھ تقسیم کرتا ہے۔ آیۃ اللہ اصفہانی نے اپنے عہد میں ان تمام اداروں کو بہت زیادہ منظم فرمایا۔ اور بہترین انتظامات فرمائے۔ مشاہد و مساجد کی رونق و آبادی بڑھی۔ طالبان علم کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان کے طعام و قیام اور لباس کا بہترین انتظام فرمایا سفارت خانہ برطانیہ کی اطلاعات مظہر ہیں کہ تقریباً دو لاکھ ۶۵ ہزار روپیہ یومیہ (یعنی ۲۰ ہزار دینار یومیہ ایک دینار برابر ہے ۔ ۱۳ روپیہ ۵ آنہ کے) آیۃ اللہ اصفہانی کے ہاتھوں سے خرچ ہوتا تھا۔ تقریباً ۵ ہزار فاضل طلبا ہیں۔ جن کے مصارف ضروریات زندگی جناب موصوف کے ذمہ تھی ماہر طالب علم کو (قبل از جنگ) ۸۰ روپیہ ماہوار وظیفہ اور روزانہ آدھ سیر وزن کی روٹی مقرر تھی (بعد از جنگ وظیفہ کی رقم ممکن ہے زیادہ ہو گئی ہو) جو طلبا جو عیال رکھتے ہیں ان کے ضروریات کو دیکھتے ہوئے وظیفہ کی رقم زیادہ دی جاتی ہے۔ اور کرایہ مکان اور روٹیوں کی تعداد آدھ سیر وزن کے حساب سے ہر نفر پر زیادہ کر دی جاتی۔ اساتذہ اور مدرسین کی تعداد تقریباً ۳۰۰ ہے جن کا مشاہرہ (قبل از جنگ) چار سو روپیہ فی شخص علاوہ کرایہ مکان اور آدھ سیر وزن کی فی نفر روٹی مقرر تھی اس

حوزۂ علمیہ میں اسلامی دنیا کے ہر گوشہ کا طالب علم موجود تھا جو اجازہ حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پہ واپس ہو کر علوم و معارف اہلبیت کی اشاعت کرتا۔

تقریباً تمام شیعی دنیا آیۃ اللہ اصفہانی کے زیر اقتدار تھی۔ اور ان کے حکم کو اپنے لیے فرض سمجھتی تھی۔ چونکہ عراق میں ۹۵ فی صدی شیعوں کی آبادی ہے۔ اس لیے عراق کے سیاسی و ملکی معاملات کا انحصار بھی اہل علم وقت پر ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر اہل علم کو ایک سیاسی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے پہلی جنگ عظیم کے بعد جب عراق میں اسلامی اقتدار کو دھچکا لگا ہے اور انگریزوں نے عراق کو اپنے زیر حکومت رکھنا چاہا تو یہ علمائے نجف تھے جنھوں نے غیر مسلم حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس عہد کے اعلم سرکار علامہ محمد تقی حائری شیرازی نے یہ فتویٰ صادر فرمایا۔

"مطالبۃ الحقوق واجبۃ علی العراقیین ویجب علیہم فی ضمن مطالباتہم رعایۃ السلم ویجوز لہم التوسل بالقوۃ الدفاعیہ اذا امتنع الانکلیز عن قبول مطالبہم"

عراقیوں پر اپنے حقوق طلب کرنا واجب ہے اور سلسلۂ مطالبہ حقوق مسلمانوں کی رعایت اور ان کا پاس و لحاظ کرنا بھی واجب ہے اور اگر انگریز مطالبات کو قبول کرنے سے انکار کریں تو دفاعی جنگ کرنا جائز ہے۔

اس فتویٰ کا یہ اثر ہوا کہ عراقیوں نے غیر مسلم کی حکومت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور عراق کو استقلال نصیب ہوا۔ علماء نے صرف فتویٰ ہی نہیں دیا۔ بلکہ بڑی سے بڑی تکلیفوں کو جھیلنے میں بھی سب سے آگے رہے۔ جن میں علامہ سید محمد سعید حبوبی، شیخ الشریعت اصفہانی سرکار محمد تقی حائری شیرازی۔ علامہ سید علی۔ شیخ جواد جواہری، شیخ عبد الکریم جزائری، علامہ سید محمد علی بحر العلوم آیۃ اللہ۔ سید ابو الحسن اصفہانی وغیرہم تھے ابھی حصول استقلال کے لیے دفاع کا سلسلہ جاری تھا کہ دفعتہً سرکار محمد تقی حائری نے انتقال فرمایا اور شیخ الشریعت اصفہانی اعلم زمانہ ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں اکثر علماء شہر بدر و قید فرنگ میں تھے۔ اور اہل عراق انتہائی مصائب میں مبتلا تھے۔ حوزۂ علمیہ نجف کو عروج حاصل تھا۔ اس وقت آیۃ اللہ سید ابو الحسن اصفہانی، جناب شیخ الشریعت کے صحیح معنوں میں ایک رفیق کار کی حیثیت سے معین اور مددگار رہے۔ لفٹننٹ کرنل سر ارنلڈ ولسن نائب حکومت برطانیہ مقیم بغداد نے علماء کو مختلف طریقوں سے ہموار کرنا چاہا ان کی خدمت میں وعدہ وعید کے خطوط بھیجے، ترغیب و ترہیب سے کام لیا، لیکن کچھ کام نہ چلا، بالآخر ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو نائب حکومت برطانیہ کرنل سر ارنلڈ ولسن نے انتہائی عقیدت کے ساتھ شیخ الشریعت اصفہانی کی خدمت میں ایک خط بھیجا تھا جس میں موصوف کے ساتھ خلوص و محبت کو ظاہر کیا گیا تھا۔ اور حکومت برطانیہ کے فضائل و مناقب کو بیان کر کے عراقیوں کو فساد کا ذمہ دار قرار دیا۔ اور یہ بھی لکھا۔ کہ برطانیہ عظمیٰ کی طرز حکومت کے یہ تین اصول ہیں۔ (۱) عدل (۲) رحم (۳) مذہبی آزادی و رواداری اس خط کے جواب میں شیخ الشریعت نے ایک نہایت ہی سخت اور عتاب آمیز تحریر ۲ محرم ۱۳۳۹ھ کو حکومت برطانیہ کو بھیجی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"تم جانتے ہو کہ عراقیوں نے نہایت سلامت روی کے ساتھ اپنے جائز حقوق طلب کیے۔ لیکن تم نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ وعدے کر کے پھر گئے ظلم اور سختی سے کام لیا۔ کچھ لوگوں کو شہر بدر کیا، کچھ کو قتل کیا، کچھ کو قید کیا، مال و اسباب کو ضبط کیا، دراصل تم نے اپنے دلوں کی پوشیدہ عداوت کو ظاہر کر دیا امت مظلومہ مرحومہ کو تم نے ذلیل کرنا چاہا۔ اور ان کے حقوق واجبہ کو ہضم کر کے بیٹھے، تم نے اپنے خط میں دعوے کیا ہے کہ برطانیہ کے طرز حکومت کے بیہ تین اصول ہیں۔ ۱۔ عدل۔ ۲۔ رحم۔ ۳۔ مذہبی مراسم کے ادا کرنے میں آزادی اور اس میں رواداری سنو! تمہارا عدل بے جرم و خطا قتل کرنا۔ آوارہ وطن کرنا اور قیدی بنانا ہے۔ اور رحم یہ ہے۔ کہ جائز حقوق کے طلب کرنے میں امن پسند لوگوں پر فوج کشی کرنا، قوم کے معززین کو قتل کرنا علماء کو جلا وطن کرنا، اور عورتوں بچوں پر آگ برسا کر ان کو فنا کرنا، سامان، مکانات اور زراعت کا جلا دینا آبرو ریزی کرنا، لوٹ اور غارتگری کرنا اور شہروں کا محاصرہ کر کے وہاں کے باشندوں کو بھوکا اور پیاسا مار ڈالنا ہے۔ اور دینی و مذہبی رواداری تو اسی سے ظاہر ہے کہ تم نے اپنے جنگی ہوائی جہاز اور ٹینک کے ذریعہ مساجد کو ڈھا دیا عبادت کرنے والوں اور عورتوں، بچوں کو قتل کیا۔ اور ایک ایسے ادارہ کی تشکیل کی جس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی مسلمان اپنے پیغمبر کی منقبت خوانی کر سکتا ہے۔ اور نہ مجالس عزائے حسینؑ برپا کر سکتا ہے، تم مطالبہ حق کو فساد سے تعبیر کرتے ہو۔ اور طالبان حق کو مفسد بتاتے ہو، تم نے ان طالبان حق کو جنگ کی چکی میں پیس ڈالا، اگر تم ان کے حقوق کو دے دیتے تو نہ خود تمہارا اور نہ ان کا خون گرتا، دراصل تم تباہی اور فساد کے باعث ہو، میرے نزدیک اب بھی غنیمت ہے۔ کہ عراقیوں کے حقوق دیدو۔" (ماضی النجف و حاضرہا)

جیسا کہ بیان کیا گیا۔ آقا ابو الحسن اصفہانی بھی شیخ الشریعت کے رفیق کار کی حیثیت سے ان کے برابر معین رہے۔ جس کی وجہ سے عراق میں عربی حکومت قایم ہوئی۔ خود علماء نے شریف حسین، ملک الحجاز کے خاندان کو شاہی کے لیے منتخب کر کے مدعو کیا۔ اگرچہ اس کی بھی کوشش کی گئی کہ عراق میں شیعہ و سنی کا سوال اٹھایا جائے، لیکن علماء نجف نے سنی اقلیت کا انتہائی خیال کیا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک روسی سنی عالم موسیٰ جار اللہ عراق آیا اور اس نے افتراق بین المسلمین کی ناکام کوشش کی، شیعوں کو کافر، بدعتی، گمراہ قرار دیا۔ اس سے شیعوں میں ایک اضطراب پیدا ہوا لیکن آیتہ اللہ اصفہانی نے اس کی روک تھام کی۔ اور کوئی مکروہ اثر نہیں ہونے پایا۔ اور بین الفریقین جو رشتۂ اتحاد و اتفاق ہو اس کو باقی رکھا۔

آقائے اصفہانی ایک بلند سیرت کے عظیم المرتبت انسان تھے۔ اپنا اور عیال کا کام خود کرتے تھے۔ الاغ پر سوار ہوتے، عام حکم تھا۔ کہ جب بازار سے گزریں۔ تو کوئی ایسی تعظیم نہ کرے۔ جس سے عوام کے معاملات میں حرج ہو۔

لباس نہایت ہی سادہ ہوتا تھا، پر تکلف غذاؤں سے پرہیز فرماتے، عدل و مساوات کے نمونہ تھے، فرائض کا احساس اس قدر تھا کہ باوجود انتہائی ضعف و پیرانہ سالی کے (تقریباً نوے سال سے متجاوز تھے) تمامی عراق کا دورہ فرما کر بچشم خود یہ مشاہدہ فرماتے۔ کہ آپ کے "مشن" کا کام تدین و خوبی کے ساتھ انجام پا رہا ہے یا نہیں۔ آپ کے اعلیٰ کردار کی ہزاروں مثالیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ایسے جوان فرزند کو جو خود بھی عالم باعمل تھے ایک شقی القلب نے صرف اس بنا پر حالت نماز میں قتل کر دیا کہ وہ جادہ عدل و انصاف سے سر مو انحراف کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے حرم مطہر امیر المومنین علیہ السلام میں آیۃ اللہ اصفہانی نماز جماعت پڑھا رہے تھے یہ صاحبزادے بھی آخری صف میں باپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ قاتل نے اسی وقت حملہ کر کے دامن نجف کو (؟) مصلیٰ خون سے رنگین تھا۔ جوان بیٹا تڑپ رہا تھا۔ ضعیف باپ کو معلوم ہوا۔ فرمایا "علی اکبر کی شہادت اور حسینؑ کا صبر ہمارے تسلیہ قلب کے لیے کافی ہے۔ یہ فرما کر معمولات نماز بہ اطمینان بجا لائے۔ فریضۂ الٰہی کے ادا کرنے کے بعد شہید فرزند کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد پھر وہی درس و تدریس اور فرائض کے ادا کرنے میں انہماک گویا کچھ ہوا ہی نہیں آپ نے قاتل کے خلاف کوئی محاسبہ نہیں فرمایا نہ حکومت سے فریاد کی۔ بلکہ خود حکومت نے جب قاتل کو ماخوذ کیا تو آپ نے عدالت میں بیان دینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں قاتل پھانسی سے بچ گیا یہ عفو و کرم کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ واللہ یحب المحسنین!

آیۃ اللہ اصفہانی کی موت دنیائے اسلام کے لیے ایک عظیم صدمہ ہے ایسے ہی علماء در اصل نائب امام مجتہد ہیں سوال ہوتا ہے کہ آیۃ اللہ اصفہانی کے بعد اب اعلم کون ہے۔ اس کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا شیعیت میں یہ چار بزرگوار ہیں جن پر اس امر کے لیے نگاہ پڑتی ہے۔

(۱) آقا سید حسن بجبردی (۲) آقا میرزا ابو القاسم الخوئی (۳) آقا سید محمود شاہرودی (۴) آقا سید حسین حائری قمی۔ ہندوستان کے مقلدین کو چاہیے کہ تقلید کے معاملہ میں صبر سے کام لیں اور بعد تحقیق اعلم کی طرف رجوع فرمادیں۔

قطعہ

حضرت عشق لکھنوی مرحوم نے اپنے دور کے بعض علماء کے انتقال پر قطعہ نظر فرمایا تھا

آنکھوں سے نہاں چاند کے مانند نہوں — سچ ہے فقہا خاک کا پیوند نہوں
پڑ جاتے ہیں اسلام میں رخنے ایسے — جو عشق کسی شئے سے کبھی بند نہوں

مکتوب ایران

ذیل میں ہم ایک تازہ تحریر درج کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو واضح ہوگا کہ اس حادثہ کا اسلامیان عصر پر کیا اثر ہوا یہ تحریر انجمن تعلیمات اسلامی سبزوار کی طرف سے ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے اپنے ادارہ کا تعارف بھی کرایا ہے ——————— "اڈیٹر"

فرا گرفتن علوم دینیہ بر ہر فرد مسلمان ضروریست

مسلمانان غیور دارے متدینین با ایمان کشتی اسلام در گرداب حوادث فرو مانده و کاخ با عظمت دیانت در اثر تزلزل عقائد و تشتت آراء و بیدانشی ما متحمل صدمات غیر قابل تحمل گردیده است بیم آن میرود که این دین مبین و سائین دین در اثر غفلت و رکود ما به ضعف و ناتوانی خطرناکی دچار گردد آیا انکار نمی کنید این دیانت مقدس قانون آسمانی که برای سعادت و هدایت بشر از جانب قادر متعال به وسیله شخص بزرگ منجی عالم بشریت حضرت ختمی مرتبت نازل شده و با فداکاری و جانبازی شریف ترین فرزندان آدم و تحمل زحمات زائد الوصف نیاکان متدین ما برایگان بدست ما آمده است باید به بهترین وضعی به نسل آینده تسلیم نمائیم آیا نمی بینید جوانان ما در اثر محرومیت از تعلیمات اسلامی از اصل دیانت بر کنار بوده و به گمراهی افتاده اند اکنون که متاسفین وقتی و علمای اعلام وجود دارند هر آن بعد خطر هولناک نیستی نزدیک تر می شویم وای بوقتی که از وجود علما پاک سرشت محروم مانده و جوانان بی دانش دیگر راه تشکیل جامعه ای ندهند. ای مسلمانان از خواب غفلت بیدار شده اند که بخود آئید.

حضرت آیت الله اصفهانی جهان فانی را بدرود گفته و قلب ما را از فقدان خود جریحه دار نموده‌اند این چراغ نورافشان دیانت خاموش شد و اگر خدای نکرده چراغ های دیگر راه هدایت خاموش شد ظلمت جهل عالم اسلام را فرا گرفت چه خواهیم نمود.

بیائید اطفال و جوانان خود را مدرک حقائق دینی و تعلیمات اسلامی وادار نمائید شاید از میان آنها اشخاصی مانند علمای گذشته پیدا شده زمام امور اسلامی را بدست گیرند لذا حضرات علما و روحانیین اسلام سبزوار برای پیشرفت مبانی دینی اقدام بعمل بزرگی نموده و "انجمن تعلیمات اسلامی" را تشکیل داده اند و با فعالیت و پشت کار آقای شیخ غلام رضا واعظ منور الفکر طهرانی این انجمن مفید در شرف تاسیس بوده و در نظر است ۲ کلاس تعلیمات دینی به حسب معلومات محصلین تحت نظر آموزگاران متدین و مبرز

دائر شود و از شما دعوت می نماید در این امر خیر تشریک مساعی نموده فرزندان خود را که مردان آئینه کشور می باشند
برائے کسب دانش و معرفت در مکتب قرآن باب انجمن که برائے استفاده عموم تدریس آن شبانه است بفرستید
و بدانید که تنها مایه ترقی کشور و اصلاح جامعه منوط و مربوط به تحصیل تعلیمات اسلامی است مژده
تشکیل رسمی انجمن و اطلاع جهت نام نویسی بعداً اعلان خواهد شد۔

از طرف هیئت تحریریه انجمن تعلیمات
اسلامی سبزوار ۔ فخر الدین حجازی

استفتاء } حضور مقدس حضرت مستطاب حجة الاسلام آقائی حاجی میرزا حسن مجتهد دام ظله العالی بشرف عرض مقدس عالی میرساند
پس از عرض تسلیت فقدان حضرت آیة الله اصفهانی اعلی الله مقامه امیدواریم با تائیدات خداوند متعال
در طریق تبلیغ دیانت مقدس اسلام و ترویج شریعت خیر الانام علیه آلاف التحیة والسلام مؤید و موفق باشید۔ چون بر هر فرد مکلف
غیر مجتهد لازم است تقلید مجتهد اعلم و ما دعاگویان چون اهل خبره نیستیم و اعلم را از غیر اعلم امتیاز نمیدهیم و صحبت هائے گوناگون
می شنویم خلاصه بلا تکلیف مانده ایم چون حضرت مستطاب عالی مورد اطمینان و محل وثوق عموم اهالی شهرستان سبزوار
می باشید مستدعی است تکلیف قطعی ما دعاگویان را در امر تقلید معین فرمائید که در قیامت حضور خداوند و جد امجد تان حجت داشته
فرمائش حضرت مستطاب عالی را مدرک خود قرار داده و بر طبق آن عمل نمائیم امیدواریم که اجر زحمات خود را از صاحب شریعت
غرا دریافت فرمائید دام ظلکم العالی علی رؤس الانام به امضائے حاجی محمد اسمٰعیل قنادی ۔ احمد شهروزی ۔ علی شهر[illegible]
صبوری ۔ آقائے فرهنگ ۔ حاجی عبدالرحیم بابا ۔ حاجی علی اکبر کهو ازده ۔ کربلائی حسن کمنچیان شکر الله قربانی ۔ و
۵ نفر از تجار و کسبه ۔

(الجواب) هر کسے بر حسب وظیفه دینی از مدارک صحیحه جواز تقلید شخص معیناً یا تخییراً براو معلوم شد اشکالی
در جواز تقلیدش نیست ولیکن نظر به تلگراف حضرت مستطاب نخبة العلماء العظام حجة الاسلام آقائے حاج میرزا احمد
آیت الله زاده خراسانی دامت برکاته و تلگراف حضرت مستطاب حجة الاسلام آقائے سید علی اکبر [illegible] یزدی
دامت برکاته و تحقیقات داخلیه و خارجیه از اشخاص با نظر حقیر مخصوصین خود را ارجاع بحضرت مستطاب آیت الله
آقائے بروجردی دام ظله نموده ایم و دیگران مختارند"

الاحقر
حسن الحسینی

رجسٹرڈ نمبر ۱ے ۴۶

قطعات تاریخ انتقال سرکار علاّ اصفہانی نور اللہ مرقدہ

جناب خان بہادر سید احمد علی صاحب رئیس پٹنہ

جناب آقائے اصفہانی کہ نام نامیش بوالحسن بُد | بہ بست رخت سفر علیا بہ ملک باقی ز دار فانی
ز رحلت اوست قلب بریاں بفرقت اوست چشم گریاں | ز سینہ ہر سمت آہ خیزد ز دیدہ ہر سوست خوں فشانی
بصدق نیت بطیب طینت نہ بودہ ہمتاش در زمانہ | بہ حلم و دانش بہ علم و خبرت بہ صحن عالم نہ داشت ثانی
فرید دہر و وحید دوراں۔ نہ در مشارق نہ در مغارب | کسے مثالش بحق شناسی کیے ہمالش بہ نکتہ دانی
نہ بود شوق اورنگ شہریاری۔ نہ داشت بر فرق تاج شاہی | ولے نمودہ بہ کشور دیں ز قوت علم حکمرانی
نمود اعجام را مسخر۔ بہ کرد اعراب را موقر | ز خلق عام و ز خاکساری۔ ز لطف تام و زخوش بیانی
اگرچہ مرحوم پیر بودہ ز حب حیدر بداشت قوت | ز سید ین شباب جنتؑ بخلد حاصل غدش جوانی
و ر ارض پُر نور کاظمینؑ او سپرد جان خوش بہ رحمان | چو در نجف گشت دفن او بیافت آرام جاودانی
برائے تاریخ انتقالش بگفت رضواں ز روئے ایماں | بہ پیش شاہ نجف در آمد بجاہ آقائے اصفہانی

۱۳۶۵ھ

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ یوم جمعہ بسلسلہ غم آیۃ اللہ آغا ابو الحسن صاحب قبلہ اصفہانی اعلی اللہ مقامہ مسجد کلاں دمحلہ نوربوں سرائے سنبھل مراد آباد میں قرآن خوانی کے بعد مجلس عزا منعقد ہوئی۔ تمام مومنین نے شرکت فرمائی اور یہ قطعہ تاریخ پڑھا گیا۔

(از جناب معجز سنبھلی)

حیف صد حیف قافلہ گم شد | ناگہاں میر کارواں رفتہ
ہادی ملت رسول انام | حامی دیں سوئے جناں رفتہ
مجتہد گر۔ محافظ اسلام | نائب صاحب الزماں رفتہ
مذہب شیعہ مضطر و بیتاب | سرپرست و نگاہباں رفتہ
ماتم او کند عراق و عجم | بالیقیں فخر اصفہاں رفتہ
وا در یغا ابو الحسن مرد است | مضمحل قوم پاسباں رفتہ
سال ہجریش بگفت اے معجز | رہبر راہ[1] از جہاں رفتہ

[1] راہ بمعنی طریق۔ طور۔ مذہب (از کشوری۔ تہذیب۔ غیاث)۔

(از جناب مولوی سید دلدار حسین صاحب اظہر الہ آبادی از حیدرآباد)

آہ! شد خاموش شمع علم و فضل　　عزت دیں حرمت اسلام رفت
گفت اظہر بہر سال رحلتش　　پیش حجت حجتِ اسلام رفت

۱۹۴۶ء

قطعۂ تاریخ بہ زبان فارسی

آں کس کہ بود قبلۂ دیں کعبۂ ہدیٰ　　راس و رئیس اہل تقی معدن حجیٰ
در سال رحلتش قلمم ہمچنیں نگاشت　　آقا ابوالحسن بجہاں رفت پیشوا

۱۳۶۵ھ

قطعۂ تاریخ بہ زبان عربی

مضیٰ فقیہ نبیھم عامل السنن　　احله ربه فی جنة العدن
ارخت مرتجلاً فی عام رحلته　　فی ظل طوبیٰ قباب للابی الحسن

سنہ ۱۳۶۵ھ

از عمدۃ الواعظین جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ ملا فاضل متوطن کراری ضلع الہ آباد (ریٹائرڈ) عربک ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول بارہ بنکی

نہ کیوں ہو لشکر اندوہ و غم کی عمر دراز　　جہاں سے اٹھ گیا علامۂ عراق و حجاز
بگوش ہوش شنو سال فوت آں آقا　　ابوالحسن سوئے کوثر سدھارے بندہ نواز

۱۳۶۵ھ

مرثیہ مع قطعہ تاریخ بزبان اردو

ہے لب دین شریعت پر سخن یہ بار بار　　تاج سر سے گر گیا ہم ہو گئے بے تاجدار
کس کے ماتم میں چمن زار جہاں کا ہے یہ رنگ　　سینۂ گل چاک ہے لالے کا دل ہے داغدار
مدرگردوں میں یہ کیسا سانحہ یارب ہوا　　ہند سے لے تا عرب ہے سوگ میں ہر سوگوار
دیکھکر رنگ شفق کہتا ہے یہ ہر ذی شعور　　آنسوؤں سے خوں کے روتا ہے چرخ کج مدار
عالم و عابد جہاں سے کر گئے ہیں رہ روی　　خاک بر سر مسجدیں ہیں سینۂ ممبر فگار
منزل گلہائے باغ درس تھیں جو مجلسیں　　جامۂ تن آج اپنا کر رہی ہیں تار تار
مدرسے جو تختۂ گلزار رضواں تھے بنے　　آج وہ صحرا ہیں ایسے اڑتا ہے جن سے غبار

آیتیں قرآن کی کل تک جسکے تھیں وردِ زباں　　آج خاموشی نے اُس کے نطق پر ڈالا ہے بار

آج مُہرِ خامشی ہے لب پہ جسکے گور میں　　کل اُسی کے نطق و تقریر پہ تھی اک دنیا نثار

بانٹتا تھا جو وظیفہ طالبانِ علم کو　　آج وہ دو گز کفن کا اُن سے ہے اُمیدوار

کیوں نہ ہو بر میں شریعت کے لباسِ ماتمی　　ذات والا پر تری دینِ نبی کا تھا مدار

فخرِ قنبر اس لیے تھا تو میانِ خافقین　　ناقۂ تعلیم کی تھی ہاتھ میں تیرے مہار

شرح لمعہ نورِ پیشانی کی کرتی شرح کیا　　کم جواہر سے نہ تھا تیرا کلامِ آبدار

ہاتھ میں ابطالِ باطل کا رہا تیرے نظام　　آئینہ احقاقِ حق کا تیرا اک مشتِ غبار

تیرا ہر ارشاد بہرِ طالبِ دیں تھا مفید　　تو نے نظروں سے بڑھایا منتہی کا اعتبار

عروۃ الوثقیٰ پہ لکھا حاشیہ گہہ شرح کی　　درسِ ذکریٰ میں رہا مشغول تو لیل و نہار

تھا بہارِ دین و دنیا ذاتِ والا کا وجود　　تیرے مرقد پر تصدق ہر محقق کا مزار

چشمِ استبصار سے جاتا رہا نورِ بصر　　دیدۂ تہذیب ہیں یا ابرِ گریانِ بہار

وضع کچھ ایسے قوانینِ اصولی کر دیے　　جس کی ہر ہر فرع کافی تھی پئے ہر دیندار

کوچ دنیا سے کیا لے کر جو نامِ مرتضیٰؑ　　تھا ترا علامۂ حلی کو شاید انتظار

مرتضیٰ راضی جو ہوے تیرے تصنیفات سے　　داد تالیفات دیتے مجلسی روحِ بحار

کبر رازی توڑتا تو لکھ کے تردیدِ کبیر　　شیخ اسمٰعیل کو دہشت سے آجاتا بخار

خدمتِ طلابِ دیں تھا مشغلہ جس کا یہاں　　حور و غلماں خلد میں اُسکے ہیں اب خدمتگزار

دوشِ سلطاں پہ ہو گیا۔ گہ دوشِ اہلِ علم پر　　آج تک اُٹھا نہیں ایسا جنازہ شاندار

سالِ رحلت لکھ اضافہ کرکے "ہائے اصفہاں"

مرقدِ شبیر کے پہلو میں ہوا ان کا مزار

سنہ ۱۳۶۵ھ

(نوٹ) ابتدائی تین قطعات تاریخ میں ۔ کوثر ۔ جنت ۔ طوبیٰ کا تذکرہ ہے اور دوسرے والے قطعہ تاریخ میں علمائے سلف اور بعض تالیفات کی رعایت کی گئی ہے۔

(اطلاع) مرقومہ بالا ہر چہار قطعہ تاریخ جناب مولانا دامت معالیہ نے خاص الواعظ کے لیے نظم فرمائے ہیں جس کا ادارہ شکریہ ادا کرتا ہے۔

اقطاعِ ہند میں علامہ اصفہانی کا ماتم

آیۃ اللہ کے انتقال کی خبر پہونچتے ہی ہندستان کی ہر بستی میں ماتم کی صف بچھ گئی اور شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں غم و الم منایا نہ گیا ہو۔ دفتر الواعظ میں جو اطلاعات موجود ہیں انکو اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔

امام باڑہ آصف الدولہ لکھنؤ | ۲۷ رذیحجہ کو لکھنؤ کے سب سے بڑے امام باڑہ میں علماء کرام کی طرف سے عظیم الشان مجلس کا اعلان ہوا جس میں وقت مقررہ پر شہر کے طول و عرض سے ہزارہا اہل ایمان کھیچ کر آنا شروع ہوگئے اور ۱۲ بجے مجلس شروع ہوئی جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ امام جمعہ نے ڈیڑھ گھنٹہ تک علامہ کے مذہبی خدمات، علمی کارنامہ، سیاسی مجاہدات بیان کئے اور حاضرین جسمیں علماء و رؤسا و طلباء اور ہر طبقہ شہر کے لوگ شامل تھے کامل توجہ سے حقیقت افروز بیان کو سنتے رہے اور آیۃ اللہ کے سبق آموز حالات زندگی سے ہر شخص متاثر تھا واقعات انتقال اور جنازہ کی شان کچھ اس انداز سے بیان ہوئے کہ مجمع میں کہرام گریہ برپا تھا۔ اگر یہ مجلس اتوار کو ہوتی تو سرکاری ملازمیں اور اسکول و کالج کے طلاب و مدرسین کو بھی شرکت کا موقع ملتا مظاہرہ غم اور زیادہ کامیاب ہوتا ایام عزا کے قرب کی وجہ سے مجبوراً مجلس تعطیل عام میں منعقد نہیں ہوسکی۔

پشاور | اخبار سرفراز لکھنؤ کے ذریعہ سے سرکار آیۃ اللہ اصفہانی اعلی اللہ مقامہ کے انتقال پرملال کی خبر پشاور میں پہونچی۔ تمام شیعوں پر رنج و غم کا بادل چھا گیا۔ پراونشل شیعہ کانفرنس رجسٹرڈ صوبہ سرحد پشاور نے حضرت علماء ہند کثر اللہ امثالہم کی حسب تحریک ۲۷ رذی الحجہ کو یوم غم منانا طے کیا۔ اور ہینڈ بل کے ذریعہ سے اپنے صوبہ کے تمام مومنین سے اپیل کی کہ وہ بھی ۲۷ رذی الحجہ کو کوئی دنیاوی کام نہ کریں۔ تمام کاروبار بند رکھیں بازوؤں پر سیاہ پٹیاں لگائیں۔ قرآن خوانی اور مجلس فاتحہ خوانی منعقد کریں۔

پراونشل شیعہ کانفرنس کی جانب سے ۲۷ رذی الحجہ کو مکمل یوم غم منایا گیا۔ دنیاوی کاروبار بند رکھے گئے۔ بازوؤں پر سیاہ پٹیاں لگائی گئیں۔ امام باڑہ عادل بیگ کوچہ رسالدار محلہ ناظر ظاہر ہوری شہر پشاور میں قرآن خوانی ہوئی۔ اور مجلس غم منعقد کی گئی جس میں جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ امام جمعہ و جماعت شیعہ جامع مسجد پشاور نے حالات علماء پر مشتمل ایک موثر تقریر فرمائی۔ آخر میں مصائب بیان فرمائے۔ مجمع بے حد متاثر ہوا۔

راقم سید میر بادشاہ جنرل سکریٹری پراونشل شیعہ کانفرنس صوبہ سرحد پشاور

ضلع اعظم گڈھ مدرسہ حسینیہ میں مجلس فاتحہ خوانی بتاریخ ۲۷ر ذی الحجہ برائے ایصال ثواب روح سرکار آقا سید ابوالحسن صاحب قبلہ اصفہانی مرحوم ایک مجلس مدرسہ حسینیہ واقع بڑا گاؤں گھوسی میں منعقد کی گئی۔ جس میں مولوی غلام مرتضیٰ صاحب نے ذاکری فرمائی۔ اور انجمن سجادیہ و انجمن معصومیہ نے ماتمی دستہ لا کر اور اپنے نائب امام کے غم میں حق مذہبی کو ادا کیا۔ جناب مولوی محمد حیدر صاحب نے آقائے اصفہانی کی شان میں مرثیہ پڑھا جس سے کافی گریہ و رقت طاری ہوئی۔

(شیخ محمد مختار۔ مدرس اعلیٰ مدرسہ حسینیہ)

نوگانواں ۱۹ر ذی الحجہ کو جناب مرحوم طاب ثراہ کی خبر انتقال سن کر مدرسہ میں تعطیل کر دی گئی۔ اور تمام بستی میں انعقاد مجلس غم کا اعلان کیا گیا۔ ۲۰ر ذی الحجہ کو صف ماتم مرتب کر کے قرآن خوانی کے بعد مجلس عزا قائم کی گئی جس میں فضائل علمائے مرحوم کی حق شناسی۔ وحدت ملت کا اعتراف مؤثر الفاظ میں کیا گیا۔ رسم فاتحہ خوانی بھی ادا کی گئی۔ اور مرحوم کے لیے دعائے خیر پر جلسہ ختم ہوا۔

(سید مظاہر حسین منیجر مدرسہ باب العلم)

کراچی ۲۰ر ذی الحجہ کو جب مولانا سید ابوالحسن صاحب اصفہانی مجتہد اعلم کی خبر وفات بذریعہ تار یہاں پہونچی۔ تو تمام مومنین کراچی میں غم و الم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ امام باڑوں، مسجدوں اور مدرسہ غلامان عباس پر سیاہ علم نصب کئے گئے۔ بڑے امام باڑہ میں متواتر تین روز تک صبح و شام قرآن خوانی ہوتی رہی۔ شب کو چھوٹے امام باڑہ میں مجلس عزا برائے ایصال ثواب منعقد ہوتی رہی۔ چوتھے روز مدرسہ میں ایک تعزیتی جلسہ اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوا جس میں جناب مولانا مظاہر حسین صاحب جناب مولانا سید سلطان علی صاحب قبلہ نے بیان فرمایا۔ اور قرآن خوانی پر یہ جلسہ تعزیت ختم ہوا۔ (شیخ کرامت علی۔ کراچی)

قصبہ مبارک پور ۲۴ر ذی الحجہ کو قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں سرکار اصفہانی مرحوم کا یوم غم منایا گیا تمام مومنین نے اپنا کاروبار بند رکھا۔ صبح ۸ بجے سے قرآن خوانی ہوتی رہی۔ زیر اہتمام انجمن انصار حسینی ایک عظیم الشان ماتمی جلوس نکالا گیا اور آٹھ بجے شب کو انجمن کی جانب سے محلہ شاہ محمد پور میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں مولانا حامد علی صاحب قبلہ نے بیان فرمایا۔ (سکریٹری انجمن انصار حسینی)

مدرسۂ عالیہ نوگانواں سادات میں ۱۹ر ذی الحجہ کو خبر رحلت حضرت آیۃ اللہ آقا سید ابوالحسن صاحب اصفہانی طاب ثراہ معلوم ہونے کے بعد تعطیل کی گئی و شب جمعہ میں ایک مجلس فاتحہ خوانی منعقد کی گئی اور ۲۰ر ذی الحجہ کو ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں صدر الملۃ مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ مجتہد پرنسپل کی تحریک پر شرکا کی تائید سے تعزیت و حسرت و افسوس کا ریزولیوشن پاس ہوا۔ سید احمد حسین سکریٹری مدرسہ عالیہ جعفریہ نوگانواں سادات

یوم علامہ اصفہانی ۔ سید محمد وصی صاحب سکریٹری انجمن طلاب اعلان کرتے ہیں کہ علامہ اصفہانی کے یوم غم کے سلسلے میں انجمن طلاب نے اظہار غم کے واسطے جو نقصان تجویز کیا ہے وہ نقصان لگا کر علماء کرام کی منعقد کردہ مجلس میں شرکت کی۔

نقصان مذکو قبل مجلس امام باڑہ آصفی میں حاصل کیا گیا۔

انبالہ شہر ۔ حسب الارشاد حضرات علماء کرام (لکھنؤ) ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء کو انبالہ شہر میں سرکار علامہ آقا ابوالحسن صاحب قبلہ اصفہانی اعلے اللہ مقامہ مجتہد اعظم کے سانحہ ارتحال کے سلسلہ میں یوم غم منایا گیا ۸ بجے شب کو عزاخانہ دربار حسین میں ایک عظیم الشان مجلس عزا برپا کی گئی جس میں مولانا خواجہ محمد لطیف صاحب قبلہ انصاری اور سید اختر حسین صاحب شائق نے ذکر فضائل و مصائب اہل بیت کے سرکار علامہ مرحوم کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی۔ مجلس نہایت کامیابی کے ساتھ ساڑھے بارہ بجے شب کو اختتام پذیر ہوئی۔ تمام اخراجات سٹراپم۔ ایس فلائنگ آفیسر نے برداشت کیے۔ (نامہ نگار)

شیعہ کالج میں جلسۂ تعزیت آقائے اصفہانی ۔ مرکز دائرۂ شریعت و ادو مدار شریعت فقیہ اعظم مجتہد اعلم آیۃ اللہ حجۃ الاسلام سرکار آقائے آقا سید ابوالحسن اصفہانی اعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات دنیائے شریعت کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان عظیم اور ناقابل برداشت صدمہ جانکاہ ہے جس پر اساتذہ اور طلبا شیعہ کالج کا یہ غیر معمولی جلسہ اپنے شدید احساسات غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس نعمت عظمی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جانے پر جو ایسے سرپرست روحانی کی ذات سے دین و ملت کو حاصل تھی بصد رنج و الم اشک حسرت بہاتا ہے۔ اور حضرت مغفور کے پس ماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی اور مساویانہ شرکت غم کرتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں دست بہ دعا ہے کہ انھیں صبر جمیل عطا کرے اور حضرت مغفور کے درجات عالی فرمائے۔

جائس ۔ سید نذیر حیدر النقوی صاحب سکریٹری شعبہ دینیات انجمن تنظیم شعیہ جائس ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ ہمارے شعبہ دینیات نے اعلم العلماء آقا ابوالحسن اصفہانی طاب ثراہ کی وفات حسرت آیات کے سلسلے میں مجلس سوم و مجلس چہلم و رسم فاتحہ خوانی انجام دی تھی اور ابھی اسی غم کے داغوں سے قلوب مومنین کا اندمال نہ ہوا تھا کہ دوسرا صدمہ پہونچا چنانچہ اب اعلم العلما آقائی حضرت السید حسین قمی طاب ثراہ کی وفات قیامت آیات پر ہمارا شعبۂ دینیات ہر جمعہ کو قرآن خوانی اور مجلس عزا کا انعقاد منجانب انجمن تنظیم شعیہ جائس تا چہلم کرے گا۔

سرکار علامہ اصفہانی کے انتقال پر معاصرین کی رائیں

روزنامہ سرفراز لکھنؤ

دنیائے شیعیت کو نقصان عظیم

آیۃ اللہ حجۃ الاسلام سرکار آقا ابوالحسن اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال دنیائے شیعیت کے لئے ایک بہت ہی بڑا سانحہ ہے حضرت مرحوم اس عصر میں شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد اور مقدس ترین بزرگ تھے۔ آپ ممالک اسلامی میں ان حضرات میں سب سے زیادہ مشہور و ممتاز تھے جن کو شیعوں کی مرجعیت حاصل تھی۔ آپ نبوی اخلاق اور ہاشمی غیرت کے مالک تھے۔ آپ غیر معمولی طور پر کریم طبع اور سخی تھے نجف اشرف کے طلباء کی تمام ضرورتوں کے آپ ہی کفیل تھے۔ اس زمانے میں جتنے فقہا ہیں ان میں آپ کی مجلس درس سب سے زیادہ وسیع تھی مسائل علمیہ کی تعبیر میں آپ کو بہترین سلیقہ تھا۔ آپ بدعت کو مٹانے والے مسلمانوں کی تہذیب کے محافظ شیعیت کے علمبردار اور شریعت کے مرکز تھے آپ کی شہرت تمام دنیائے اسلام میں تھی، اصفہان کو فخر تھا کہ ایسا عظیم الشان انسان وہاں پیدا ہوا۔ نجف اشرف کو آپ نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔

آپ کے اعلیٰ کردار کی ہزاروں مثالیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بہت زمانہ ہوا آپ کے فرزند کو ایک شخص نے جو مسلمان تھا عین حالتِ نماز میں قتل کر دیا۔ آپ نے اس قاتل کے خلاف کوئی محاسبہ نہیں کیا نہ عدالت میں مقدمہ دائر کیا نہ ایک دوسرے عزیز کی طرف سے مقدمہ دائر کیے جانے پر اس مقدمے میں شرکت کی اور نہ عدالت میں جا کر اپنا بیان دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاتل پھانسی سے بچ گیا۔

جمہور کے علاوہ حکومتیں بھی آپ کا ادب و احترام ملحوظ رکھتی تھیں اور آپ کو بڑا اقتدار حاصل تھا آپ نے ۸۱ برس کی عمر میں رحلت فرمائی ہے اور آپ کے بعد علماء کرام میں اب کوئی ایسی شخصیت نہیں رہ گئی جس پر تمام قوم متفق ہو۔ خدا قوم شیعہ کے اس نقصان عظیم کی تلافی فرمائے اور آپ کا کوئی مثل کچھ دنوں میں پیدا ہو سکے۔

حضرات علماء لکھنؤ نے متفقہ طور پر طے فرمایا ہے کہ ۲۷ ذی الحجہ کو آپ کی وفات کے سلسلے میں یوم غم منایا جائے اور کاروبار معطل کر کے مجلس فاتحہ خوانی برپا کی جائے۔ یقین ہے کہ برادران ایمانی اس پروگرام پر عمل کریں گے۔

مجتہد اعظم کا سانحۂ ارتحال

ترجمان لکھنؤ

شیعیان عالم کیلئے ابتلائے عظیم - سپہر تشیع کا آفتاب غروب ہوگیا، مذہب اثنا عشری کا پشت پناہ کنج لحد میں روپوش ہوگیا، مدارس شریعت معطل، مساجد ویران اور منارۂ اسلام منہدم ہو گئے، اصول و فقہ کی بارگاہیں بے رونق اور حدیث و تفسیر کے ایوان سونے ہو گئے، فلسفہ و حکمت کا چراغ گل ہوگیا، نقد رجال کا پرکھنے والا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، شرع جعفری کا راسخ رئیس ہمیشہ کیلئے جدا ہوگیا، سفینۂ زہد و تقویٰ کا ناخدا نہ رہا، علوم ائمہ کا وارث اٹھ گیا، مسند ورع و توکل الٹ گئی، نائب رسولؐ نے رحلت کی، محراب و منبر سیاہ پوش ہیں — کروڑوں شیعیان عالم کے بزرگ ترین مجتہد سرکار حجۃ الاسلام آیۃ اللہ الملک العلام فقیہ اکبر اعلم العلماء آقائے السید ابوالحسن اصفہانی (نجف اشرف عراق) کے برکات وجود سے دنیا خالی ہوگئی۔

بنا بریں حضرات علماء لکھنؤ نے طے فرمایا ہے کہ بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۶۵ھ حسینیہ نواب آصف الدولہ مرحوم میں ایک عظیم الشان مجلس غم منعقد کی جائے جس میں کثرت سے مومنین کرام کو شرکت کرنا چاہیے اور اسی روز حضرات علماء نے اس کا حکم دیا ہے کہ تمام مومنین ہندوستان بھی اس حادثۂ عظمیٰ پر اظہار رنج و الم کے لیے یوم غم منائیں۔ (ادارہ مرکز اتحاد لکھنؤ)

کربلائے معلی سے بذریعہ تار اس جانگداز خبر کی تصدیق کر لی گئی ہے حقیقتاً یہ عظیم واقعہ تمام شیعیان عالم کے لیے یکساں طور پر انتہائی رنج و الم کا باعث ہے اسلیے کہ آقائے اصفہانی کی شخصیت نہ صرف عراق و ایران ہی میں مسلم تھی بلکہ ساری دنیا کے شیعہ انکو اپنا سب سے بڑا مذہبی رہنما سمجھتے تھے اور ہندوستان کے بھی لاکھوں مومنین مرحوم ہی کی تقلید میں تھے بلا شبہ یہ ایک یادگار حادثہ ہے اور ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ایسا جلیل القدر عالم اب ہم میں موجود نہیں ہے اور علم کی ایسی نعمت جلیلہ سے ہم ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے، تمام شیعیان ہندوستان کیلئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں یوم غم کو پوری طرح مکمل منانے کی کوشش کریں۔ ایڈیٹر

عالم تشیع کا اہم ترین سانحہ دور حاضر کا سب سے بڑا حادثہ۔ تشیع کے آفتاب درخشاں اقلیم شیعیت کے تاجدار وحید ملت جعفریہ کے روحانی زعیم اکبر حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام ظہیر الاسلام والمسلمین آقا ابوالحسن اصفہانی مجتہد اعظم کے ارتحال پر ملال کا ہے۔ پرستاران ملت جعفریہ کے دل سوگوار اور آنکھیں اشکبار ہیں اس لیے کہ ان کا عظیم ترین علمی راہنما خاک لحد میں روپوش ہوگیا اورنگ فقہ و اصول تاراج و ویران، عراق کی سرزمین ماتمکدہ، نجف کا حوزۂ علمیہ سوگوار، تشنگان شریعت سراسیمہ و حیران ہیں کہ ترویج اوامر و نواہی کا سرچشمہ خشک ہوگیا بساط شریعت ویران ہی نظر آتی ہے کہ اس کا ناخدا کلمہ حکمران دنیا سے کوچ کر گیا۔ دنیائے شیعیت اس جانکاہ و روح فرسا حادثہ پر جتنا اظہار غم و الم کرے وہ کم ہے

رسالہ پیام لکھنؤ

فو اللہ لا تقضی العیون الذی لہ علیہا ولو صارت مع الدمع دمہا

باقر العلوم مولانا محمد باقر مجلسی رحمہ اللہ

ہمارے ہادیان ملت کے سلسلہ میں اگرچہ ہر فرد اشاعت مذہب کی دل دادہ اور حمایت دین کو اپنا فرض اوّلیں تصور کرتی رہی مگر دینی خدمت کرنے والوں میں بعض ہستیوں کے نام خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہیں اور اہل دنیا اُن کے تبلیغی کارناموں کو کبھی دل سے محو نہیں کر سکتے علامۂ مجلسی اصفہان کے اُن علما میں تھے جنھوں نے اپنے کمال علم سے شیعی دنیا میں وہ وقار پیدا کیا جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ گو ان کے عہد کو دو صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر چکا مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی موجود ہیں وہ آسمان مذہب کے خورشید تاباں تھے جو اگرچہ ہم سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں مگر فیض کی شعاعیں برابر آ رہی ہیں اور اُن کے قلمی خدمات شیعی دنیا کو جگمگا رہے ہیں

نام نامی

جناب کا اسم شریف "محمد" اور لقب "باقر" تھا جس کو اہل ایران نے ملکی رسم و رواج کے موافق ترکیب دے کر محمد باقر مشہور کیا کس کو خبر تھی کہ اس محترم ذات سے وہ اہم دینی خدمتیں سرزد ہوں گی کہ مستقبل قریب میں اہل تحقیق آپ کو باقر علوم کہنے لگیں گے اور آپ کا شمار اصطلاح فقہا میں محمدین ثلثہ میں ہوگا

خاندان

آپ کے والد ماجد کا نام نامی محمد تقی اور دادا کا اسم مبارک مقصود علی تھا۔ علم و عمل میں آپ کا خاندان غیر معمولی شہرت پا چکا تھا۔ والد آپ کے "مجلسی" کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے اُن کے حال میں ارباب رجال نے لکھا ہے کان فاضلا محدثا ورعا ثقۃ (لؤلؤۃ البحرین)

(یعنی وہ فاضل اور محدث متورع و ثقہ تھے میدان تصنیف و تالیف میں سب کے پہلے آپ ہی کے قدم آئے اور زبور آل محمد صحیفۂ کاملہ کی شرح کی ضرورت محسوس کی اور آپ نے زور تحقیق سے امام کے مفہوم کو عام فہم عبارتوں میں جمع کر کے ایک قابل قدر شرح مدون فرمائی۔ حدیقۃ المتقین فارسی بھی اسی بزرگوار کا اثر خامہ ہے کچھ لوگوں نے آپ کو صوفی المسلک خیال کر لیا تھا جس کی بزعم رد حضرت باقر العلوم نے اپنے بعض رسالوں میں کی اور اس غلط فہمی کا استیصال ہوا۔

ولادت۔ جناب علامہ کی پیدائش ۱۰۳۷ھ میں اصفہان میں ہوئی وہ جناب اپنا سال ولادت حسب ذیل فقرات میں ظاہر فرماتے ہیں۔ ومن الغرائب انہ وافق تاریخ ولادتی عدد جامع کتاب بحار الانوار، عجب اتفاق ہے کہ میری ولادت کا سال اور "جامع کتاب بحار الانوار" کے عدد یکساں ہیں

ابتدائی تعلیم

جناب علامہ نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں سب سے پہلے زانوئے ادب تہ کیا اور کم سنی ہی میں ابتدائی مراحل طے کرکے معقول و منقول میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے اور اپنے تحقیقات و تدقیقات سے اسلامی دنیا میں غیر معمولی شہرت پائی۔

تکمیل

آپ کے کمال علم پر روشنی ڈالنا یقیناً تحصیل حاصل ہی اور مجلسی علیہ الرحمہ کی ذات اس سے کہیں بلند ہی کہ اُن کے کمال کا تعارف کرایا جائے ان کی تکمیل ملا حسن بن علی بن ملا عبداللہ شوستری اور امیر رفیع الدین نائینی اور دیگر ارباب کمال کی مجلس درس میں ہوئے اور اپنے معاصرین میں آفتاب سے زیادہ مشہور ہوئے اہل تحقیق آپ کی شان میں لکھتے ہیں کہ۔

وہ مدارج اجتہاد اور مراتب احتیاط اور کمالات علوم اور پرہیزگاری میں تمام ایران بلکہ علماء عرب سے بھی بڑھ گیے تھے۔

دینی خدمات

علامہ مجلسی کی زندگی مذہبی زندگی تھی۔ دین کی خدمت اور مذہب کی حمایت کے سوا کوئی اور خیال اُن کے دل و دماغ میں نہ تھا جب سے تکمیل علوم کے فریضہ سے سبکدوش ہوئے عمر کا زیادہ حصہ کتب بینی میں صرف کیا اور عجم و عرب کے قدیم کتب خانوں کی سیر سے اپنے معلومات کو اس اعلیٰ پیمانہ پر پہونچایا کہ بحار ایسے مہتم بالشان کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اگر آپ کے حالات میں دینی خدمات کچھ بھی نہ ہوتے تو آپ کا قلمی جہاد اور صرف بحار الانوار کی تصنیف ایک مستقل خدمت تھی آثار آئمہ معصومین اور اخبار اہلبیت طاہرین میں بحار ایک بلند پایہ کتاب ہی اس کتاب کی نسبت اہل قلم لکھتے ہیں۔

آیتے از آیات الٰہی و معجزہ از معجزات حضرت رسالت پناہی است و تا حال مثل آں کتابے در مذہب امامیہ کہ جامع احادیث متاخرین و متقدمین بودہ باشد تالیف نشدہ نجوم السماء ص ۲۶۴

(ترجمہ) بحار ایک نشانی ہی خدا کی نشانیوں میں اور معجزہ ہی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کے معجزات میں اس وقت تک مذہب امامیہ میں بحار ایسی کوئی کتاب جو احادیث متقدمین و متاخرین کی جامع ہو تالیف نہیں ہوئی۔

خصوصیات

کسی زمانہ میں ایسا فیض اہل ایمان کو کسی عالم کی ذات سے نہیں پہونچا آپ دار السلطنت اصفہان

میں شیخ الاسلام قرار پائے اور آپ کی طرف دینی و دنیوی ریاست منتقل ہوئی اور جمعہ و جماعت کی امامت فرمانے لگے۔

آپ پہلے وہ شخص ہیں جس نے ائمہ معصومین علیہم السلام کے احادیث و کلمات کی ترویج کی اور بالخصوص ایران میں آثار ائمہ کو پھیلایا اور عربی کتابوں کا زبان حال میں سلیس ترجمہ کیا آپ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں خاص دلچسپی تھی اُن کا دست جود و کرم ہر صاحب احتیاج کو سرفراز کرتا تھا آپ سے بادشاہ وقت بڑی عزت و توقیر کے ساتھ پیش آتے تھے اور فرط خلوص سے سلطان حسین صفوی بآں تخت و تاج اپنے تئیں آپ کا نائب سمجھتے تھے

جب تک جناب علامہ زندہ رہے نظام سلطنت اعلیٰ شان و شوکت پر باقی رہا ادھر آپ نے انتقال فرمایا اُدھر ہر طرف حکومت میں انقلابی لہریں دوڑ گئیں۔

وفات

۲۷ ماہ رمضان ۱۱۱۰ھ میں بعمر ۷۴ سال انتقال فرمایا «غم و حزن» سے سال وفات ظاہر ہوتا ہے فاضل ازہری نے جو قطعہ تاریخ وفات نظم کیا ہے اس کا ایک ایک مصرعہ معنی خیز اور بلاغت میں ڈوبا ہوا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

مرقد او بحار انوار یست!	کہ زعین الحیات دادہ نشاں
روضہ اش می دہد حیات قلوب	زجلاء العیون بہیں تو عیاں
اعتقادات اوست زاد معاد	تو بحق الیقین یقیں میداں
آیت رحمت الٰہی بود	رفت و مردم شدند سرگرداں
گوئیا ہاتفے ز عالم غیب	دادہ بود شش بشارت از یزداں
کہ دریں ماہ میروی بہ بہشت	زود بنا ردائع سپہر حیراں
زاں سبب گشت ختم تفسیرش	آیہ کل من علیہا فان
چوں شب قدر آں عظیم القدر	شد نہاں عشر آخر رمضان

از ہری گفت سال تاریخش
باقر علم شد رواں بہ جناں

بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ اس قطعہ کے ساتویں شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ مجلسی طاب ثراہ انتقال سے پہلے ایک تفسیر تحریر فرما رہے تھے جسے آیہ کل من علیہا فان تک پہونچنے کے بعد آپ نے

انتقال فرمایا مگر مجلسی کے تصانیف میں کسی ایسی تفسیر کا نام اس وقت تک پتا نہیں اور نہ کسی تفسیر کو ان کی طرف نسبت دی گئی یہ ہو سکتا ہے کہ ماہ صیام میں وہ جناب اثنائے وعظ میں سورۂ رحمان کی تفسیر روزانہ بیان کرتے ہوں اور آیۂ مذکورہ تک آپ کی عنان کلام پہونچی ہو کہ پیمانہ حیات لبریز ہو گیا اور دوسرے موعظہ سے پہلے رحلت کی (نجوم السماء)

تصانیف ساٹھ کتابوں کے نام نظر آتے ہیں جس میں بحار الانوار کے مجلدات اور حیات القلوب کی جلدوں کو ایک ایک کتاب شمار کی ہے سب سے زیادہ بحار الانوار مشہور کتاب ہے جو ۲۵ جلدوں پر منقسم ہے علامہ یوسف بن احمد بحرانی تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ کتاب مذکور کی ۱۶ جلدیں مصنف علام کی نظر ثانی سے مشرف ہو چکی ہیں۔

تاثرات تعلیم مغرب

از ملک الشعراء جناب مولوی ملک ناصر علی صاحب ناصر سرحدی

چہ در اخلاق از تعلیم مغرب انتشار آمد — خزانے را فریبے خوردہ گوئی بہار آمد
خرد با در دکابش کردہ بر [illegible] دار آمد — برائے کشتن تہذیب خود در کار زار آمد
چہ عقل و ہوش از اصوات دیگانہ گردد — خدنگش از کماں تا جستہ در دوش نسکار آمد
علوم خلقت در اکتساب مادّہ پندارند — ازیں ناقص خیالاں ایں رقم در اشتہار آمد
کمال مادہ[1] وحدہ دال [illegible]ت — اسو معرفت در عاقبت ہم استوار آمد
نکات ڈاروں برہان قاطع شد بہ ملتبہا — کہ از بوزینہ گوید آدمی در رہ گذار آمد
مناسب ہیئتے در ارتقا تبدیل می باید — چہ ماں بوزینہ در تخلیق انساں سازگار آمد
یمد [illegible] دہ تو را عجلت گرم رفتار ند — خلاف امر در بازار ہستی کار و بار آمد
بر اوج علم مذہب نسبت تعلیم مغرب چیست — بلندی ایجہ پیمود آں بہ پستی شرمسار آمد
نمی گویم کہ از تحقیق عالم چشم پوشی کن — یقیں باللہ در آں تحقیق گر بنود چہ کار آمد
بیاں از کنت کنزاً مخفیاً، اسرار ہستی را — رموز معرفت باللہ بہ قرآں آشکار آمد

زباں حال تاریخ کہن شاہد بود ایں را
تمدن در جہاں ناصر ز مذہب استوار آمد

[1] مخفف

قدیم علوم جدید علوم کی روشنی میں

(عالی جناب سید شمیم حیدر صاحب رضوی ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر نہراز نہٹور)

ہمارے ایک دوست ویسے تو بھلے آدمی معلوم ہوتے تھے مگر دہریت کا بھوت ہمیشہ سر پر سوار رہتا تھا دو چار مذاہب کی مروجہ باتیں یاد تھیں۔ جو نظر پڑ گیا اس سے اُلجھ گیے اور اپنے کو خود ہی فتح یاب سمجھ کر چھاتی تانے چل دیے۔ مولوی صاحبان کے سامنے انگریزی بولنے کا گُر انھیں یاد تھا اس لیے وہ بھی اکثر کترانے لگے تھے۔ صرف ایک ہم باقی رہ گیے تھے جنھیں روزمرّہ دق کرتے رہنا ان کا خاص مشغلہ تھا۔

ایک دن کہنے لگے کہ آپ غیب پر ایمان رکھتے ہیں ہم نے آمنّا و صدقنا کہا۔ آپ مسکرائے اور کہنے لگے کہ انسان عقل کا مالک ہے جس کی کسوٹی پر ہر ایک چیز کو پرکھ کر قبول کیا جاسکتا ہے۔ ویسے بن دیکھی چیز پر ایمان لاتے پھرنا۔ ذی عقل کا کام نہیں۔ اگر خدا کو ماننے والے مرد میدان ہیں تو اُسے دکھا کو ثابت کریں ورنہ ہار مانیں۔

افسوس اس امر کا ہے کہ اس دور ارتقائی میں ہم اپنے علمی خزانوں کو زنگ آلود قفلوں میں مقفل کیے بیٹھے ہیں ہماری وہ پیاری کتاب جس کا دعویٰ ہے کہ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ ناقابل فہم سمجھی جا رہی ہے۔ اس کی تفسیر بالرائے گو مذموم ہی سمجھی جائے مگر ممبروں پر علی الاعلان ہو کر واہ واہ کے نعرے حاصل کر رہی ہے۔ اگر کہیں اعتراض ہو گیا تو معترض پر کفر کے تیر تیار۔ گفتگو میں کوئی انگریزی لفظ آگیا تو حضور بس جتنی علم کو اپنے پاس ہی رکھیے۔ کی پکار الغرض مذہب ایک مصیبت متصوّر ہو کر دلوں سے مٹتا جا رہا ہے مگر ہمیں اپنے حلوے مانڈے سے کام۔

ذرا انصاف سے کہیں کہ گذشتہ مفسرین کے پاس کیا کوئی علم لدنی تھا جس سے وہ اس دور کے جدید علوم کی تفاسیر ہمیں دے جاتے انھوں نے اپنے اس دور کے علوم کے مطابق تفسیریں لکھیں ہمیں اب جدید علوم کی عینک سے اپنے علمی خزانوں کی جانچ پرتال چاہیے۔ یہ چیز مسلمہ ہے کہ سوائے انبیا و ائمہ معصومین علیہم السلام کے کوئی عالم راسخون فی العلم میں شامل نہیں ہو سکتا وہ ایک میں نہیں بلکہ دسوں علوم میں اپنے کو عاجز پائےگا

اس لیے اس وقت اس کا فرض ہے کہ کلام پاک کی تفسیر کا انحصار صرف منقولات پر نہ رکھے بلکہ جدید علوم سے بھی مدد لے۔ اس وقت دقت صرف یہ پیش آ رہی ہے کہ عربی داں انگریزی والوں کے دشمن اور انگریزی داں عربی دانوں سے ناراض۔ انگریزی والے عربی کو ہاتھ نہیں لگاتے اور عربی والے انگریزی کو۔ اس کا نتیجہ بھی پیش آ رہا ہے کہ دونوں اصلی مطالب سے محروم ہیں۔ باب مدینۃ العلم کے کچھ پرستاروں نے بہرحال اب یہ عہد کر لیا ہے کہ قدیم علوم کو جدید علوم کی روشنی سے منور کر کے دنیا کو بتا دیں کہ یہ کیا دھرا سب کچھ قدیم علوم کا ہے وہ کون سا علم ہے جس کا ذکر کلام پاک میں نہیں اور وہ کونسا مسئلہ ہے جس کی تفسیر باب مدینۃ العلم نے نہیں کی۔ جب دوسرے اور خود اپنے ان چیزوں کو دیکھیں گے مذہب اور مذہبی پیشواؤں کی وقعت ان کے دل میں خود بخود پیدا ہوگی۔

ہمارے دوست کو بجلی گھر میں کچھ کام تھا ہمیں ساتھ لے گئے۔ کام کے بعد سیر شروع ہوئی۔ انجنیر صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے بجلی کے کارنامے تو سنا دئیے مگر یہ ہے کیا چیز۔ انجنیر صاحب جو ہندو تھے کچھ دیر سوچ کر فرمانے لگے کہ یہ پرماتما کی ایک آتما ہے جس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اس کو دکھانے والے اور سمجھانے والے صرف آپ ہی کے کام ہیں۔ ہمارے دوست ہاں میں ہاں ملا کر چلنے پر تیار ہوے۔ ہم نے کہا کہ جناب یہ ایمان لاؤ یا بجلی کے اس تار میں بجلی کو دکھاؤ۔ کہنے لگے کہ بھیا بجلی کو کیسے دکھاؤں اس کے کاموں کو دیکھ لو۔

ہم نے کہا۔ پیارے دوست تم بجلی پر تو بن دیکھے ایمان لے آئے مگر اس پر بن دیکھے ایمان لانے میں اب بھی تامل ہے جس نے اپنی کتاب میں چودہ سو برس پہلے بتا دیا ہے کہ برق اس کی نشانیوں میں سے صرف ایک نشانی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس بجلی میں عقل مندوں کے واسطے اور بھی بہت سی نشانیاں (دلیلیں) ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (الروم آیہ ۲۴)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے واسطے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مردہ (پڑتی) ہونے کے بعد زندہ و آباد کرتا ہے۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے واسطے بہت سی نشانیاں (دلیلیں) ہیں۔

خدا معالوں نے اس آیت کی تفسیر آج تک نہیں کی اگر کوئی نوٹ ہے تو صرف اس قدر کہ بجلی ڈرنے کی چیز بھی ہے اور امید کی بھی کیونکہ جہاں گرتی ہے جلا کر خاک کر دیتی ہے اور جب تک چمکتی ہے پانی برسنے کی امید رہتی ہے۔ اس آیت کی اس سے زیادہ تفسیر سابقہ مفسرین سے اور کیا ہو سکتی تھی گذشتہ دور میں ان کے پاس علم البرق کہاں تھا جو تفسیر میں کام آتا۔

خدا کی اس نشانی (برق) کی تحقیقات صحیح معنوں میں اٹھارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی ہے اس کی سب سے پہلی تشریح خدا کے منکروں نے انہیں الفاظ میں کی ہے جو قرآن کے ہیں۔ کاش کہ اس وقت ہم جیسے جاہل ہی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اُن کے سامنے رکھ کر۔ کہہ سکتے کہ اے خدا کے منکرو تم نے تو وہی کہہ دیا جو ہمارا خدا اب سے چودہ سو برس پیشتر ہمیں بتا چکا ہے۔

Lightning is both enemy and friend. On the credit side of the account it produces some ten crores tons of fixed nitrogen yearly which is brought down with rain and supplies valuable fertilizer to the soil. On the other side it is probably responsible for more forest-fires, and the hail that frequently accompanies; it does damage estimated at four Crores Pound.

(ترجمہ) برق دشمن بھی ہے اور دوست بھی دوستی کا حق وہ یہ ادا کرتی ہے کہ اس سے کرہ ہوائی میں تقریباً دس کروڑ ٹن سالانہ نائٹروجن (Nitrogen) پیدا ہو کر بارش کے ساتھ برستی ہے جو زمین کی بیش قیمت زرخیزی کا باعث ہوتی ہے۔

دشمنی اس کی یہ ہے کہ جنگلات کی آتش زدگیوں اور ژالہ باری میں نمایاں ذمہ داری اسی پر ہے جس سے تقریباً چار کروڑ پونڈ سالانہ کا نقصان ہوتا ہے

یہ نائٹروجن کیا ہے۔ اس کی تشریح کے لیے ایک علٰحدہ مضمون چاہیئے۔ جدید تحقیقات کا لب لباب یہ ہے کہ اگر پانی میں جو ہائڈروجن (Hydrogen) اور آکسیجن (Oxygen) کا مرکب ہے

اس کی آمیزش نہ ہو تو وہ نباتات کی نشو و نما کے لیے مفید نہیں۔ اسی نائٹ روجن کے اجزا سے بنایا گیا تھا
ایک مصنوعی کھاد امونیم سلفیٹ (Ammonium sulphate) آج کل عام طور پر
استعمال ہو کر زمین کی زرخیزی کو دوبالا کر رہا ہے۔

کاش کہ اس آیت کی تحقیقات اور تفسیر کا سہرا بجائے مغرب کے مشرق کے سر رہتا اور ہم ان کو بتاتے
کہ تم برق سے نائٹ روجن کی پیداوار آج بیان کر رہے ہو اور ہمارے پاس اس کا فارمولا چودہ سو
برس سے ہے خدا اس برق کو اپنی نشانی صرف اس وجہ سے قرار نہیں دیتا کہ یہ بارش کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ
اکثر جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں یہ نشانی اس وجہ سے ہے کہ اس نے کارگاہ عالم میں ایک تلاطم ڈال دیا ہے
آسمان پر اس کی نائٹ روجن بنانے والی فیکٹری علٰحدہ قائم کی گئی ہے۔ تاکہ زمین کی زرخیزی اس کے پیدا کرنے
والے کے اختیار میں ہے اور اس کا فرمان و ینزل لکم من السماء رزقا ہ (اور تمہارے لیے آسمان سے
روزی نازل کرتا ہے) پورا ہوتا ہے آسمان سے گیہوں اور چاول کے بورے نہیں برستے بلکہ پانی میں مل کر
وہ چیز (نائٹ روجن) برستی رہتی ہے جس سے رزق بے حساب پیدا ہوتا ہے۔ برق کے ساتھ بارش
کا ذکر بغیر نائٹروجن واقعی لاحاصل رہتا۔

برق کی نائٹ روجن بنانے والی آسمانی فیکٹری تو خدا کے اپنے قبضہ میں رہی۔ اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں
کہ حضرت انسان اس سے کیا کیا کام لینے لگے ہیں اور آئندہ معلوم نہیں اور کیا کیا کام لینے والے ہیں۔
نفع بخش کام۔ ٹیلیگراف۔ ٹیلیفون۔ وائرلیس۔ ریڈیو۔ اکس ریز۔ روشنی۔ کارخانے۔
نقصان رسانی۔ ایٹم بم۔ اس کی کیفیت ذرا جاپان سے پوچھ لیں۔ دنیا میں یہی ایک نڈر قوم تھی صرف
دو بموں سے ہی سر بسجود ہو گئی۔

۵۱/۲/۳۳
رجسٹرڈ نمبر ۲۵۴

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی امیر الامراء سرکار راجہ امیر محمد احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

(مطبوعہ الواعظ صنعتیہ پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی زینت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱- یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲- ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳- نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵- اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت سے طے ہوسکتی ہے
۶- علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷- شرح قیمت رسالہ روسا و والیان ملک سے ۲۰ مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق عا

پتہ دفتر مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

جلد ۲۸ بابت ماہ مارچ ۱۹۴۷ء مطابق ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ نمبر ۳

تصحیح :- گذشتہ نمبر میں صفحہ ۴۴ پر پہلی تاریخ کرسی نشینی کے تمام قطعات تاریخ جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ کا کلام قرار دیئے گئے ہیں ناظرین نوٹ فرمائیں۔ منیجر۔

الواعظ

جلد ۲۸ | بابت ماہ مارچ ۱۹۴۷ء | نمبر ۳

خبر غدیر کے خلاف مدیر اہلحدیث کی آواز

ابوالوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ابھی تک وہابیت کی ذمہ داری سنبھالنے والی جماعت کے انچارج ہیں کبھی کبھی شیعیت کو نگاہ غضب سے دیکھ لیتے ہیں الواعظ اپنی میانہ روی اعتدال پسندی کی وجہ سے سُنّی حلقہ میں برابر جاتا ہے چنانچہ ایک محترم دوست نے ہمارے رسالہ کے صفحات میں غدیر خم کے عظیم الشان واقعہ پر ایک مقالہ دیکھ کر مولوی صاحب موصوف سے استفتا کیا تھا جو مع جواب کے درج ذیل ہے اس جواب سے مدیر اہل حدیث کی تعصب پروری، اسلامی تاریخ سے جہل، تفسیر کے کوچہ سے نابلد ہونا، کم پڑھے لکھے مریدوں کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالنا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

س ص ۲۲۳ } رسالہ الواعظ لکھنؤ میں پڑھا ہے کہ حضور انور محمد مصطفےٰ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر فرمایا۔ ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیر خم پر پہونچے۔ تو آنحضرت پر وحی نازل ہوئی۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ تبلیغ یہ تھی کہ حضرت علی ابن ابی طالب نبی کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ جب یہ تبلیغ ہو چکی تو یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا اتری۔
کیا یہ بات "الواعظ" کی ٹھیک ہے یا نہیں؟ (محمد عثمان خریدار اخبار اہلحدیث ص ۱۴۲۶)

ج ص ۲۲۳ } یہ عقیدہ جو اس روایت میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ حضرت علی رض سے مخصوص ہے۔ یہ خیال تمام آیات قرآنیہ کے خلاف ہے کیونکہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا حکم آیا ہے۔ وہاں سارا قرآن مراد ہوتا ہے۔ کوئی خاص حصہ نہیں۔ ایسا کہنا شیعہ کی ایجاد ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا۔ تو حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ میں خم غدیر کا وقف بحال کیوں نہ کرتے۔ اگر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ

صحیح نہیں۔ اللہ اعلم۔

مولوی ثناء اللہ صاحب اگر یہ رویہ اختیار نہ کریں تو ان کے لیے ماہ چارہ مسدود ہے تفسیری اقتباسات مورخین کی صدائیں سیکڑوں راویوں کے بیان اُن کے نزدیک شیعوں کی ایجاد ہیں چہ خوش کاش اس جواب میں حوالہ دے کر مستفتی کو بتایا ہوتا کہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا ذکر ہے وہاں سارا قرآن مراد ہے کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس موقع پر رسولؐ نے سارے قرآن کی تبلیغ کی اور اگر نہیں کی تو پھر وہی عقیدہ صحیح ہے جس کا الواعظ میں اعلان ہوا ہے اور وہ شیعوں کی ایجاد نہیں بلکہ آپ کی تعریض ایجاد بندہ ہے۔

اسی اشاعت میں الواعظ کے قلمی معاونین کی طرف سے ایک مضمون غدیر پر شائع ہو رہا ہے جس میں مواہق محرقہ حبیب السیر مدارج النبوۃ وغیرہ کے حوالہ سے موضوع پر کامیاب بحث کی گئی ہے امید ہے کہ مدیر اہلحدیث ثابت کرے گا کہ ابن حجر عسقلانی اور شاہ عبدالحق دہلوی اور غیاث الدین بن ہمام الدین ہروی اکابر اہلسنت سنی عالم نہیں ہیں اور ان کے بیانات بھی شیعوں کی ایجاد ہیں۔

بلتستان میں مدرسۃ الواعظین کے اہم تبلیغی کارنامہ

جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ و مبلغ مدرستہ الواعظین کو اس علاقہ میں قیام کیے ہوئے مہینوں ہو چکے ہیں توقع تھی کہ بلتستان کے اہل ایمان کم از کم واعظ محترم کے ماہوار اخراجات اور تبلیغی فرونتوں کو پورا کریں گے۔ لیکن مولانا کو کچھ ایسے ماحول کا سامنا ہوا کہ شیعیان بلتستان سے کوئی مالی مدد نہیں مل سکی سرکار راجہ صاحب بہادر آف محمود آباد نے اپنی علم نوازیوں سے مقصد تبلیغ کی اہمیت دیکھ کر پانچسو روپیہ کی گرانقدر رقم مولانا کے پاس بھیجی ادھر صدر دفتر نے مولانا کے مشاہرہ کو ماہ بماہ ان کے عیال تک پہونچایا تاکہ آپ سفر میں مطمئن ہو کر خدمت دین انجام دیں ہم ناظرین کو خاص طور پر ملتفت کرتے ہیں کہ وہ بلتستان میں تبلیغی جدوجہد کے وزن کو محسوس فرمائیں اور اس پر آشوب زمانہ میں واعظ موصوف کی عرقریزی کو فراموش نہ کریں۔

تحفہ بتریک

محترم مدیر آفتاب ہند علی گڈھ کو سرکار سید الشہداء روحی فداہ میں عقیدت کا شرف حاصل ہے صفحہ ۶ پر ان کی سرگذشت انہیں کے قلم سے درج ہے ایڈیٹر صاحب ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ ہم کو دلی مسرت ہو کہ ان کے عیال بال بال بچ گئے اور حافظ حقیقی نے مدد کی ——

باب الاستفسارات

(از جناب تاج العلماء مدظلہم العالی)

سوال۔ اذان میں حی علی خیر العمل کب ترک ہوا اور کس نے عہد نبوی کی اذان میں تبدیلی کی اور کیا علل و اسباب تھے جو یہ متبرک ترین فقرہ اذان سے خارج کیا گیا۔

الجواب و باللہ التوفیق

حی علی خیر العمل خلافت دوم میں اذان سے خارج ہوا ہے اور حضرت عمر نے اپنے حکم امتناعی میں خود اقرار کیا ہے کہ عہد رسول میں حی علی خیر العمل برابر کہا جاتا تھا ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ان کا قول نقل کیا ہے ایہا الناس ثلث کن علی عہد رسول اللہ وانا انہی عنہن وھی متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل اے گروہ مردم تین باتیں عہد نبوی میں تھیں اور میں ان کو روکتا ہوں متعہ اور حج تمتع اور حی علی خیر العمل۔ اس دست اندازی کا جدید حکومت کو کوئی حق نہ تھا من لا یحضرہ الفقیہ کی ایک روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اول کے شروع ہی میں جب اسلام مخالفین کی زد میں آیا اور آئین دین میں تبدیلیاں شروع ہوئیں اُسی وقت یہ فقرہ بھی ترک کیا گیا ممکن ہے کہ اُسوقت تاسیس ہوئی ہو اور آگے چل کر بالکل موقوف کیا ہو مضمون روایت یہ ہے کہ بلال مؤذن رسول نے بعد وفات سرور کائنات اذان کہنا چھوڑ دی اور اپنی جگہ طے کرلیا لا اوذن لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں بعد رسول اب کسی کے لیئے اذان نہ کہوں گا فترک یومئذ حی علی خیر العمل رنج وغم میں اُنکے گوشہ نشین ہوجانے سے مخالف طبقہ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ عہد رسول کی اذان میں سے حی علی خیر العمل کہنا موقوف کردیا کلام کی یہ متانت ہے کہ ترک کرنے والے کا نام حدیث میں نہیں ہے اگر یہ نام پردہ خفا میں رہ جاتا تو نام دریافت کرنے کی ضرورت تھی۔ لہذا ہر اس فقرہ سے مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ غدیر خم میں بلال نے حی علی خیر العمل کہہ کر حجۃ الوداع کے آگے بڑھتے ہوئے مجمع کو یکجا کیا تھا (ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۷۴ سطر ۲ مطبوعہ نول کشور مولفہ محمد خاوند شاہ) اس فقرہ کا تعلق حدیث غدیر کا شعار تھا اس لیے اہلبیت کے مخالف طبقہ نے اس کو باقی نہ رکھا پیروان آل محمد عہد نبوی سے آج تک برابر اس فقرہ کو استعمال کر رہے ہیں۔

کتاب الدعاء

سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب صلوات اللہ و سلامہ علیہ پیغمبر خدا صلعم کے سامنے آئے اور کچھ پوچھا رسول نے جواب دیا کہ اے علی جس خدا نے مجھے سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس تھوڑا بہت جو کچھ تھا وہ سب میں نے تم کو سکھا دیا اب تم کو (دعا) تعلیم کرتا ہوں جو میرے دوست جبرئیل لائے ہیں اور کہا ہے کہ اے محمد (صلعم) یہ خدا کی طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے اور کسی نبی کو آپ سے پہلے عطا نہیں ہوا وہ انیس کلمات ہیں جن کو کوئی مصیبت زدہ اور مبتلائے کرب اور غمگین (اور جسکو نقصان پہونچا ہو) کسی چوری یا آتشزدگی کے موقع اور کسی بادشاہ سے خوف دامنگیر ہو اس وقت نہ پڑھے گا مگر یہ کہ خدا اس کی مصیبت کو دور کردے گا یہ ۱۹ کلمات ہیں چار اسرافیل کی پیشانی پر اور چار میکائیل کی جبین پر اور چار عرش کے دور پر اور چار جبرئیل کے بازو پر قلم قدرت سے لکھے ہیں اور تین کلمات کو خدا نے جہاں چاہا ہے ثبت کیا ہے جناب امیرؑ نے عرض کی کہ وہ کلمات کیونکر پڑھے جائیں فرمایا کہو۔

یَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ لَهٗ یَا ذُخْرَ مَنْ لَا ذُخْرَ لَهٗ وَیَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهٗ وَیَا حِرْزَ مَنْ لَا حِرْزَ لَهٗ وَیَا غِیَاثَ مَنْ لَا غِیَاثَ لَهٗ یَا كَرِیْمَ الْعَفْوِ یَا عَظِیْمَ الرَّجَاءِ یَا عَوْنَ الضُّعَفَاءِ وَیَا مُنْقِذَ الْغَرْقٰی وَیَا مُنْجِیَ الْهَلْكٰی یَا مُحْسِنُ یَا مُجْمِلُ یَا مُنْعِمُ یَا مُتَفَضِّلُ اَنْتَ الَّذِیْ سَجَدَ لَكَ سَوَادُ اللَّیْلِ وَنُوْرُ النَّهَارِ وَضَوْءُ الْقَمَرِ وَشُعَاعُ الشَّمْسِ وَدَوِیُّ الْمَاءِ وَحَفِیْفُ الشَّجَرِ یَا اَللّٰهُ یَا اَللّٰهُ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ

پس اپنی حاجت طلب کرے خدا چاہے تو جگہ سے اٹھنے کے پہلے مراد برآئے گی۔

علی گڑھ میں کرشمۂ قدرت (حیرت انگیز معجزہ)

عین موقعہ پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حضرت امام حسینؑ کی مدد کیلئے تشریف آوری

سینکڑوں من مٹی اور اینٹوں میں دب جانے کے بعد لڑکے محفوظ رہے

علی گڑھ ۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۷ء منگل کا دن گزر کر ۱۲ر مارچ کی شب کو انتہائی تیز ہوا چل رہی تھی اس ہی کے ساتھ بادل اور بجلی کی گرج اور چمک بہت زیادہ تھی ۔ میں راقم الحروف (حکیم آفتاب ہند ایڈیٹر آفتاب ہند علی گڑھ) ۱۲ بجے رات کو حسب معمول نماز عشاء اور وظیفہ سے فارغ ہو کر چارپائی پر سونے کے لیے لیٹا خلاف عادت بہت جلد نیند آگئی خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ جن کی سفید ڈاڑھی ہے اور سفید لباس میں ہیں تشریف لائے اور ان کے ہمراہ ایک نوعمر بزرگ ہیں جو عربی لباس میں ہیں ڈاڑھی کے سیاہ بال بہت چھوٹے چھوٹے پورے چہرہ پر ایک قطار میں نکلے ہوئے ہیں ۔ ان بزرگوں کو دیکھ کر میں نے مودبانہ نام معلوم کرنے کی کوشش کی ۔

ابھی میں کچھ عرض کرنے نہ پایا تھا کہ یکایک دوسرے کمرے سے رونے کی آواز آکر اور گھر والے شور مچانے لگے ۔ یہ پونے ۹ بجے شب کا وقت تھا میں گھبرا کر اٹھا اور میری اہلیہ اور میں دونوں شور والے کمرے کے دروازوں پر پہونچے اس کمرے میں میری چار لڑکیاں دو لڑکے اور لڑکی کے چھوٹے بچے ایک بڑے لڑکے کی دلہن سو رہے تھے باوجود ہر امکانی کوشش کے تین جوڑی کواڑوں میں سے ایک بھی نہیں کھلتا تھا کیوں کہ چھت گر جانے سے اینٹیں مٹی اور چوبی کڑیاں کواڑوں میں حائل ہو گئی تھیں ۔ بہ دشواری ایک طرف کا ایک کواڑ کھلا اندر پہنچا تو خاک اڑ رہی تھی کہ دھوئیں کا شبہ ہوا اور خیال ہوا کہ آگ لگ گئی ہے ۔ اس پریشانی میں سب سے پیشتر میں لڑکوں کی چارپائی کی طرف گیا کمرے میں اندھیرا تھا بجلی کا بلب چھت کے ساتھ گر گیا تھا صحن کی روشنی کی شعاع بھی قدرے پڑ رہی تھی جیسے ہی میں لڑکوں کی چارپائی کے قریب پہونچا تو وہاں چارپائی اور لڑکوں کی جگہ تقریباً ڈیڑھ گز اونچا مٹی ۔ اینٹوں اور چوبی کڑیوں کا انبار تھا ۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ چھت گر گئی ہے اور اس میں دونوں لڑکے دب گئے ہیں ۔ کچھ فکر ہوئی ۔ لیکن ہمت و استقلال کے ساتھ خدا پر بھروسہ کر کے اس طرف سے جس طرف لڑکوں کا سرہانہ تھا اینٹیں مٹی ہٹانا شروع کی ۔ تھوڑی ہی دیر میں محلہ والے میری امداد کے لیے پہونچ گئے گیارہ آدمیوں نے مسلسل نصف گھنٹہ تک مٹی وغیرہ ہٹائی اس وقت بڑے لڑکے کے منھ اور سر پر سے صرف مٹی اور اینٹیں صاف ہوئیں اور اس وقت بڑے لڑکے نے جن کی عمر تقریباً

۲۱ سال ہے گھبرا کر مجھے آواز دی کہا کہ بھائی مجھے جلدی نکالو اس کو میں نے تشفی دی تھوڑی دیر میں اس کے سینہ تک بہ دشواری مٹی وغیرہ ہٹائی جا سکی۔ اور اس خیال سے کہ بہت دیر ہو جائے گی تو سے جسم پر سے مٹی وغیرہ صاف کرنے میں اس کو چار آدمیوں نے کھینچ کر نکالا اس کے بعد چھوٹے لڑکے کو تلاش کیا وہ اور زیادہ دبا ہوا تھا اس کو بہ دشواری نکالا چھوٹے لڑکے کی عمر ۱۴ سال ہے الحمد للہ دونوں بچے صحیح سلامت نکل آئے اب لڑکیوں کی طرف نظر ڈالی گئی تو دو لڑکیاں ایک سہری پر سو رہی تھیں جب ان پر چھت گری تو وہ ڈر کر دیوار سے لگ گئیں ان کو ایک بزرگ نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ چلو تم کو باہر پہونچا دیں وہ اس طرح صحن میں پہونچیں ایک چھوٹی لڑکی جس کا نام شاہد حسینی ہے اس کے سر پر ایک چوبی کڑی گری اس کے سرہانے میز پر پاندان رکھا ہوا تھا وہ کڑی پاندان پر گری اس سے رک گئی اس کا سر بچ گیا کیفیت دریافت کی گئی کہ ان کو چھت گرنے سے کیا تکلیف پہونچی تو بڑے لڑکے نے جواب دیا کہ میں خواب دیکھ رہا تھا کہ میرے اوپر چھت گر رہی ہے۔ لیکن میں سو رہا مجھے کوئی تکلیف نہ تھی جب آپ نے منہ پر سے مٹی ہٹائی ہے تب ہم پر بوجھ اور تکلیف معلوم ہوئی ہو چھوٹے لڑکے نے بیان کیا کہ مجھے اور کوئی تکلیف نہ تھی میرا دم گھٹتا تھا تو میں گھبرا کر کہتا تھا یا حسین یا علی۔ دم گھٹتا ہے تو فوراً ایک تیز ہوا آتی تھی اس سے فوراً سانس درست ہو جاتا تھا۔

مسمی ایوب خاں جو میرے مکان سے ملحق رہتے ہیں اور امداد کے لیے پہونچے ان کا بیان ہے کہ چھت گرنے سے پیشتر میں یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ حضرت علی بہت جلد پہاڑوں پر چلتے ہوئے راقم الحروف کے گھر کی طرف تشریف لا رہے ہیں ایوب خاں امیر المومنین سے کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے کہ یکایک یہ واقعہ پیش آگیا وہ سوتے سے اٹھ کر سیدھے میرے گھر چلے آئے۔

صبح کو ان لوگوں نے جو رات کو میرے ساتھ امداد میں شریک تھے اس حیرت انگیز واقعہ کو جب بیان کیا تو تمام دن سینکڑوں آدمی مٹی اور اینٹوں کو دیکھ کر اور اس سے لڑکوں کے محفوظ رہنے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ آج تک لوگوں کی حیرت کی انتہا نہیں ہے۔ شہر کے پیش امام اور قاضی شہر مولوی محمد احمد اللہ صاحب بہت دیر تک حیرت میں مبتلا رہے ۵ دن تک شہر کے لوگوں نے بکثرت صدقہ بھیجا۔ ہر شخص بچوں کو سینہ سے لگاتا ہے واقعہ کی دراصل صورت یہ ہوئی کہ بالا خانہ کی ایک دیوار پر بجلی گری وہ دیوار چھت پر گری۔ چھت مع اینٹوں کے نیچے گری جس میں چار سو بڑی نمبری خشت، ۱۵ عدد چوبی کڑیاں اور بکثرت چھت کی مٹی سب دونوں لڑکوں پر گریں لیکن خدا نے بطفیل بزرگان دین ان کو محفوظ رکھا اس واقعہ سے لوگ بہت متاثر ہیں بچہ بچہ کلمہ کا نماز پڑھنے لگا ہے۔

میں نے جو دو بزرگ خواب میں دیکھے ان کے متعلق میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ بڑے بزرگ امام حسنؑ اور دوسرے بزرگ امام حسینؑ تھے لیکن بعض حضرات کا خیال ہے کہ دوسرے بزرگ حضرت علی اکبر تھے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۷ء کو بشش ماہ محرم کے ایک عام حسینی لنگر دیا گیا اور شہدائے کربلا کی فاتحہ کی گئی ۔۔۔ نیاز مند۔ حکیم آفتاب احمد خاں ایڈیٹر آفتاب ہند علی گڑھ (آفتاب ہند ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ علی گڑھ)

حضرت امانت مرحوم لکھنوی

ہے دل میں نور عشق رخ بوتراب کا — جلوہ ہے ایک ذرّہ میں سو آفتاب کا

ظاہر ہو سب پہ رتبہ نہ کیوں بوتراب کا — روشن ہو ذرّہ ذرّہ پہ حال آفتاب کا

پرتو ہے دل میں عشق رخ بوتراب کا — ہے عکس اپنے آئینہ میں آفتاب کا

وصف ابوتراب میں چلنے لگا قلم — رستہ بتا دیا مجھے ملک ثواب کا

سائل علی سے ہیں مئے کوثر کے اے فلک — ساغر ہمارے ہاتھ میں دے آفتاب کا

کیا آبرو ہے دشت نجف کے غبار کی — گردوں پہ جا کے بنتا ہے لکہ سحاب کا

مہر ابوتراب اگر ہوگی زیر خاک — عالم لحد میں ہوگا شب ماہتاب کا

باغ نجف کو دیکھ کے برگ خزاں کی طرح — منہ زرد ہو گیا ہے گل آفتاب کا

کرتے ہیں لطف و مہر سے مشکل کشائیاں — کیا مومنوں پہ لطف و کرم ہے جناب کا

کیا لذتیں ہیں ساقی کوثر کے عشق میں — دل ہجر میں جلی تو مزہ ہے کباب کا

یارب یہ منہ سے نکلے امانت کے زیر خاک
عاشق ہے جان و دل سے شہ بوتراب کا

واقعۂ غدیر کے متعلق علمائے اہلسنت کے اقوال و آرائیں

(رعالی جناب مولانا سید صابر حسین صاحب زیدی الواسطی واعظ مدرسۃ الواعظین)

چوں نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

واقعۂ غدیر وہ مشہور عالم اور اظہر من الشمس واقعہ ہے جس کو مسلم و غیر مسلم اکثر و بیشتر مؤرخین نے نثراً و نظماً صفحات تاریخ پر جگہ دی ہے اور علمائے اہل تشیع نے اس کا کوئی گوشہ ایسا نہیں باقی ہے جس پر روشنی نہ ڈالی ہو اور اس کو واضح نہ کر دیا ہو جس کا انکار آفتاب نصف النہار کے انکار سے کم نہیں لیکن اگر کسی مخالفِ حق، تعصب پرور دشمنِ اہلبیت کو نظر نہ آئے تو اس کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ع گل را تصور نیست ترا گر زکام ہست۔ اس کے منکرین کو اتنا بھی خیال نہیں کہ ہمارے انکار سے صرف علمائے ماسبق اور ائمۂ احادیث ہی کی تغلیط نہیں بلکہ خود سرکار دو عالم کی بھی تکذیب و توہین ہوتی ہے۔

جو لوگ اس کو ایک فرضی اور گڑھا ہوا واقعہ بتاتے ہیں ان کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے تو وہ باوجود دعوائے علمیت جہل مرکب میں مبتلا اور ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ کی تصویر ہیں۔ مخالفت اہلبیت نے ان کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ دن دوپہر جس کو سترہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا اس کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالنے اور فراموش کرانے کی کوشش کرتے اور خود بھی بے بہرہ بنتے ہیں۔

واقعۂ غدیر کسی کو نظر آئے یا نہ آئے کوئی اس کو مانے یا نہ مانے وہ اپنے مقام پر قطب بن کر اس وقت تک درخشاں و منور رہے گا جب تک صفحۂ عالم پر حقائق تاریخ کا وجود باقی ہے۔ چاند پر خاک نہیں پڑتی۔ آفتاب کی کرنوں کو اگر کوئی پردہ میں چھپا کر عالم کو تیرہ و تار بنانا چاہے تو ناممکن ہے۔ جس واقعہ سے کثیر التعداد انسان باخبر ہو چکے ہوں جس پر خود حضرت عمر نے بخ بخ کی تکرار کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں مبارکباد پیش کی ہو جو اسلام سے بڑھ کر کام ذہن کفر سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہو کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ کسی کے چھپائے چھپ سکے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں کہ اس نور کو عالم ظہور سے کافور کر سکے البتہ وہ خود بے شعور ہو کر جادۂ اسلام ہی سے دور ہو جائے گا۔

میں اقوال علماء پیش کرنے سے قبل چند سطروں میں اصل واقعہ کو نقل کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ ناظرین

واقعہ غدیر اقوال علماء کو اصل واقعہ سے بآسانی منطبق کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ درحقیقت اس کا انکار ہٹ دھرمی اور سفاہت ہے۔ اس مقام پر زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ جامع الاخبار کی ایک حدیث کا ملخص بیان کر دیں کہ اصل واقعہ ناظرین کے سامنے آجائے۔

علی ابن عبداللہ دیات سے روایت ہے کہ جب سرور کائنات حجۃ الوداع (آخری حج) سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی جانب مراجعت فرما تھے اور اس وقت بارہ ہزار آدمی اہل یمن سے اور پانچ ہزار اہل مدینے سے آپ کے ہمراہ تھے کہ جناب جبرئیل امین وحی الٰہی لے کر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان اللہ یقرئک السلام پروردگار عالم آپ کو سلام کہتا ہے و تڑ ھٰذہ الآیۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اور یہ آیت پڑھی کہ اے رسول جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو۔

حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل لوگ ابھی جدید الاسلام ہیں اس امر سے ڈرتا ہوں کہ وہ مضطرب نہ ہو جائیں اور اس امر میں میری اطاعت نہ کریں۔ یہ سن کر امین وحی واپس گئے اور دوسرے دن جب کہ جناب رسالتمآب مقام غدیر پر پہونچ چکے تھے پھر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ

پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا

اللہ رے اہمیت اعلان ولایت علی ابن ابی طالب کہ تمام رسالت جناب رسالتمآب ایک طرف اور اعلان ولایت ایک طرف۔ اگر یہ اعلان نہ کیا تو گویا رسول کریم نے رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا۔

بہرحال جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں اپنے اصحاب سے ڈرتا ہوں کہ وہ اس امر میں میری مخالفت نہ کریں جبرئیل امین نے پھر صعود کیا اور تیسرے دن جب کہ آنحضرت مقام غدیر خم پر پہونچ چکے تھے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

اے رسول جو حکم تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا۔ (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جس وقت آپ نے یہ کلام خدا انجام سنا فوراً حکم دیا کہ سب سیر سے ناقہ کو یہیں بٹھا دو۔ خدا کی قسم اب میں اپنے پروردگار کے حکم کے تبلیغ تک پہنچائے بغیر ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا۔ اس کے بعد آپ نے پالان شتر کا ایک

منبر بنایا۔ علی ابن ابی طالب کو ہمراہ لے کر منبر پر تشریف لے گئے اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایھا الناس الست و لی بکو منکو اے لوگو کیا میں تم میں سے ہر ایک سے اولےٰ نہیں ہوں فقالوا بلی یا رسول اللہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ آپ ہم میں سے ہر ایک سے اولےٰ ہیں۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ قم یا علی اے علی اٹھو فقام علی حضرت علی کھڑے ہوئے۔ آپ نے امیر المومنین کے بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل نمودار ہو گئی اور فرمایا کہ الا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ثم نزل من المنبر اے لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے یہ علی مولیٰ ہیں پروردگارا تو دوست رکھ اس شخص کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے اور مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور اس کی مدد نہ کر جو علی کی مدد نہ کرے۔ یہ فرما کر آپ منبر سے اتر آئے۔ اس وقت اصحاب رسول امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارکباد پیش کرنے لگے۔

واول من قال لہ عمر بن الخطاب فقال لہ یا علی اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ ونزل جبرئیل بھذہ الایۃ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

سب سے پہلا جو شخص تہنیت پیش کرنے کو آگے بڑھا وہ عمر ابن خطاب تھے پس انھوں نے کہا کہ اے علی آپ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولیٰ ہو گئے ادھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے (اس) دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ہے غدیر خم کا مختصر واقعہ جس کو لوگ آج بھی جھٹلانے اور غلط ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اب میں چند مشاہیر علمائے اہل سنت کے چند اقوال پیش کر کے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ملاحظہ فرمائیں کہ اس واقعہ کے متعلق ان کے کیا کیا خیالات ہیں جس کو دنیا پوشیدہ کرنے میں سرگرداں ہے اور جو لوگ انکار وقوع واقعہ کرتے ہیں وہ کس درجہ کفر و ضلالت میں غرق ہیں۔ ملاحظہ ہو

علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں:۔

بیان انہ حدیث صحیح لامریۃ فیہ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی واحمد وطرقہ کثیرۃ جدا ومن ثم رواہ ستۃ عشر صحابیا وفی روایۃ لاحمد انہ سمعہ من النبی ثلاثون صحابیا وشھدوا بہ لعلی لما نوزع ایام خلافتہ کما مر میانی وکثیر من اسانیدھا صحاح وحسان و

اور بیان حال حدیث یہ ہے کہ یہ (حدیث غدیر) حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اس لئے کہ ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں ترمذی (صاحب صحیح) نسائی (صاحب صحیح) اور احمد (صاحب مسند) داخل ہیں۔ اس کے طرق اثبات بہت زائد ہیں اسی سبب سے اس کی روایت سولہ صحابیوں نے کی ہے اور احمد کی روایت میں ہے کہ اس کو رسول سے تیس صحابی

ولا التفات ان قدح فی صحتہ ولا لمن ردہ بان علیا کان بالیمن لثبوت رجوعہ منہا وادراکہ الحج مع النبیؐ وقول بعضہم ان زیادۃ اللھم وال من والاہ الخ موضوعۃ مردود فقد ورد ذلک من طرق صحح الذہبی کثیرا منہا

صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص ۲۵)

روایت کیا ہے اور ان اصحاب نے امیر المومنین علی ابن ابیطالب کے حق میں گواہی بھی دی جب کہ ایام خلافت میں نزاع کی گئی تھی جیسا کہ گزرا اور عنقریب آئے گا اور بہت سے اسانید اس حدیث کے صحاح اور حسان ہیں اور اس حدیث کی صحت میں کلام کرنے والے کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا اور نہ اس شخص کی طرف کوئی توجہ کی جاسکتی ہے جو اس حدیث کو یہہ کہہ کے رد کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ علیؑ تو اس وقت یمن میں تھے (پھر کیونکر یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے) اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امیر المومنینؑ یمن سے واپس آگئے تھے اور آپ نے جناب رسالتمآب کے ساتھ حج ادا کیا اور بعضوں کا یہہ قول اللھم وال من والاہ کی زیادتی موضوع ہے۔ اس طرح رد کیا جائے گا کہ ان طرق سے یہ فقرہ وارد ہوا ہے جن میں سے اکثر طرق کو ذہبی نے صحیح کہا ہے اور ان کی تصحیح کی ہے۔ (صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص ۲۵)

مذکورۂ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے اس کو نقل نہیں کیا یا صحیح نہیں کہا ہے ان کو علامہ ابن حجر مکی بالکل قابل التفات نہیں سمجھتے۔ نیز اتنا اور عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ ابن حجر مکی وہ ہیں جن کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے جنہوں نے منکرین حدیث کے متعلق یہ فقرے نقل کیے ہیں فافہم ایضاً

(الحدیث الرابع) قال صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ الحدیث

(چوتھی حدیث) آنحضرتؐ نے غدیر خم کے دن (علی کے لئے) فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ پروردگارا تو دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو بھی تو دشمن رکھے۔ الی آخر الحدیث

وتقدم فی حادی عشر الشبھۃ وانہ رواہ من النبیؐ ثلاثون صحابیا وان کثیرا من طرقہ صحیح او حسن وتقدم الکلام

اور اس کا ذکر گیارھویں شبہ میں کر دیا گیا ہے اور اس کو جناب رسالتمآبؐ سے تیس اصحاب نے روایت کیا ہے اس کے اکثر طرق صحیح یا حسن ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص ۴۳

علامہ غیاث الدین بن ہمام الدین ہروی تحریر کرتے ہیں کہ

پیش از طلوع صبح طواف وداع نمودہ از طرف اسفل مکہ بیروں خرامید و متوجہ مدینہ گشتہ طے مسافت می فرمود تا بمنزل غدیر خم کہ از اعمال جحفہ است رسید۔ بعد کشف الثمہ مسطور است کہ حضرت شفیع الامم صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم

بعد از وصول بغدیر خم دراں موضع کہ بسبب فقدان آب و علف قابلیت نزول نداشت فرود آمد و اہل اسلام لوازم
متابعت بتقدیم رسانیدند و سبب نزول دراں منزل آں بود کہ قبل ازاں حضرت مقدس نبوی بحسب وحی سماوی
مامور شدہ بود کہ جناب ولایت مآب مرتضوی را بخلافت خویش نصب نماید و آنحضرت اظہار ایں صورت را
بجہت دریافت وقتیکہ از اختلاف مامون باشد در عقدہ تاخیر انداختہ بود۔ چوں بموضع غدیر خم رسید معلوم گردید
کہ پس ازیں جا وزاں سکان طوائف انسان از موکب ہمایوں جدا شدہ بطرف منازل خود خواہند رفت و
ارادہ ازلی مقتضی آں بود کہ آں تمامی مردم ازیں معنی با خبر باشند ایں آیہ نازل شد کہ یا ایہا الرسول بلغ ما
انزل الیک من ربک یعنی فی استخلاف علی والنص علیہ بالامامۃ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
واللہ یعصمک من الناس و چوں مدلول کریمہ مذکورہ وجوب نصب امیر المومنین بخلافت متحقق گشت، حضرت
رسالت درآں موضع منزل گزید و فرمود تا سایہ بعضے از اشجار آں حوالی را صفا دادہ و پالان شتران را جمع ساختہ
بر زبر یک دیگر نہادند و بلال باشارت آنحضرت ندا کرد کہ الصلوۃ جامعۃ و بروایتے آواز بر آورد کہ حی علی
خیر العمل و خلائق مجتمع گشتہ۔ رسول اللہ بر بالائے آں پالانہا بر آمد و علی مرتضی را نیز بفرمودہ آنحضرت بالا رفتہ
بر یمین سید المرسلین بایستاد و آں سرور بعد از ادائے حمد و ثنائے باری تعالے از انتقال خویش بعالم بقا مردم را
آگاہ گردانید و فرمود کہ من درمیان شما دو امر عظیم می گزارم کہ اگر دست دراں زنید گمراہ نشوید و یکے ازاں دو بزرگ تر است
از دیگرے و آں دو چیز گرانمایہ قرآن است و اہلبیت من و ایں ہر دو از یک دیگر جدا نشوند تا در لب حوض کوثر بمن رسند، پس
فرمود کہ یا ایہا الناس الست اولی بکم من انفسکم آیا نیستم من اولی بشما از نفسہائے شما۔ از اطراف و جوانب
آواز بر آمد کہ بلی آنحضرت فرمود ہر کہ من اولی ام باو از نفس او علی برو اولے است از نفس او۔ آنگاہ دست ولایت
شاہ ولایت پناہ را گرفتہ گفت من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ
وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث کان پس امیر المومنین کرم اللہ وجہہ بموجب
فرمودہ حضرت رسالت در خیمہ نشست تا طوائف خلائق بملازمتش رفتہ لوازم تہنیت بتقدیم رسانیدند و از جملہ اصحاب
امیر المومنین عمر بن الخطاب جناب ولایت مآب را گفت بخ بخ یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولی کل
مومن و مومنۃ یعنی خوشا حال تو اے پسر ابیطالب بامداد کردی در وقتیکہ مولائے من و مولائے ہر مومن و مومنہ بودی
بعد ازاں امہات مومنین بر حسب اشارت سید المرسلین بخیمہ امیر المومنین رفتہ شرط تہنیت بجائے آوردند و بروایت
علمائے مذہب امامیہ آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت
لکم الاسلام دینا دریں روز نازل گشت و حضرت رسول فرمود اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و
رضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی ابن ابی طالب۔ تاریخ حبیب السیر جزو سوم از جلد اول در بیان سال دہم

الہجرت ص۲۶ مطبوعہ بمبئی۔ شعبان سنہ ۱۲۹۳ھ مطابق اپریل سنہ ۱۸۷۶ء

شاہ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

ودر اثنائے طریق مراجعت بمنزل غدیر خم رسید کہ از نواحی جحفہ درمیان مکہ و مدینہ مطہرہ است روز دوشنبہ مبارک سوئے یاران کرد و فرمود کہ الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسھم آیا نمی دانید شما کہ من نزدیک تر و دوست ترم بمومناں از ذواتہائے ایشاں۔ چنانچہ در قرآن مجید ہم مذکور است کہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم و در روایتے آمدہ است کہ سہ بار فرمود ایں لفظ را و معنی آنست من امر و نہی کنم مومناں را مگر آنچہ صلاح و نجات و خیریت دنیا و آخرت ایشاں در آں باشد بخلاف نفوس ایشاں کہ گاہے بشر و فساد نیز میخوانند قالوا بلیٰ گفتند صحابہ آرے تو نزدیک ترین و دوست ترین بمومناں ہستی از نفوس ایشاں (الیٰ ان قال) فرمود خدا مولائے من و من مولائے جمیع مومنانم بعد ازاں دست علی را بگرفت و فرمود اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ خداوندا کسیکہ من مولائے اویم پس علی مولائے اوست اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ خداوندا دوست دار ہر کہ را دوست دارد علی را و دشمن دار کسے را کہ دشمن دارد علی را۔ و در روایتے ایں زیادہ آمدہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ یاری کن کسے را کہ یاری دہد علی را یاری نہ دہد کسے را کہ فرو گزارد و یاری نہ دہد علی را وادر الحق حیث دار و بگرداں حق را با علی ہر سو کہ بگردد و آمدہ است کہ ملاقات کرد علی را عمر بعد ازیں حکایات و گفت گوارندہ باش و شاد باش اے پسر ابی طالب کہ صبح کردی و شام کردی و گشتی مولائے ہر مومن مرد و زن۔ روایت کردہ است ایں حدیث را احمد از براء بن عازب و زید بن ارقم کذا فی المشکوٰۃ بداں کہ ایں حدیث نہایت فضل و تکریم است مر مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ و تحریص و ترغیب است مر مومناں را بر محبت و موالات او و اجتناب و احتراز از بغض و عداوت او۔ و چناں کہ در حدیث دیگر آمدہ است کہ دوست نہ دارد علی را مگر مومن و دشمن نہ دارد او را مگر منافق   مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۱ مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ دسمبر ۱۹۱۴ء

افسوس یہ ہے میں ایسے مقام پر بیٹھا ہوا مضمون لکھ رہا ہوں کہ جہاں مزید کتب دستیاب نہیں ہو سکتے جس کی بنا پر مضمون ناقص اور تشنہ رہ گیا۔ کوشش کروں گا کہ آئندہ اس کو اتمام تک پہنچا سکوں۔ فی الحال جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس سے بھی واقعہ کے استحکام اہمیت اور صحت پر جو کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ منکرین قابل اعتنا نہیں گویا اُن کا انکار کسی شمار ہی میں نہیں رکھا گیا۔ نیز جن لوگوں نے اس کو نقل نہیں کیا ہے وہ بھی قابل توجہ نہیں سمجھے گئے ساتھ ہی ساتھ محدث دہلوی کے آخری فقرات بھی نہایت درجہ قابل توجہ اور قابل قدر ہیں جبکہ موصوف نے کذا فی المشکوٰۃ کے بعد سے تحریر فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس حدیث سے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی انتہائی فضیلت و تکریم ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ مومنین کو انتہائے مودت و محبت

امیر المومنین کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور آنجناب سے بغض و عداوت رکھنے کو سختی سے روکا گیا ہے، حتیٰ کہ یہاں تک لکھ دیا کہ علی کو دوست نہ رکھے گا مگر مومن اور دشمن نہ رکھے گا مگر منافق جس کو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ کے صفحہ ۷۳ پر دو طرح سے اور صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۶۵ پر، ترمذی نے اپنی صحیح کے صفحہ ۲۱۳ پر بھی بالفاظ خود بیان کیا ہے جس سے مجھے اس وقت کوئی بحث کرنا نہیں۔

مولا کے معنی

بعض لوگوں نے اقرار ولایت امیر المومنین سے فرار کا ایک نیا حیلہ پیدا کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث تو یقیناً صحیح اور متواتر ہے لیکن مولا کے معنی یہ نہیں جو شیعہ سمجھتے ہیں بلکہ کبھی دوست کے بتاتے ہیں کبھی اس کے علاوہ کچھ اور میں اس وقت تمام معانی سے بحث کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف کے نہ تھے تو جناب رسالت مآب نے اپنی اولویت کے ساتھ کیوں ملا دیا۔ اول تو رسول کو خود تصریح کر دینا چاہیے تھی کہ بھائیو، میں نے اس مقام پر اپنے لئے جو "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنی اور ہیں اور علی کے لئے جو استعمال کیا تھا اس کے معنی اور ہیں لیکن آپ کا نہ بتانا اس امر پر دلیل ہے کہ یا تو (معاذ اللہ) خود لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے تھے یا دونوں کا مفہوم ایک تھا معنی ایک تھے جس کی بنا پر رسول نے نہ بتایا اور خود بخود لوگ اس کو سمجھ گئے تھے کہ حضرت عمر ایسے حدید الذہن بھی اس کو سمجھ کر بخ بخ پکار اٹھے جن کو عمر بھر کلالہ اب تک کے معنی نہ سمجھ میں آئے اور اگر وہ معنی نہ سمجھے تھے تو آنجناب نے مبارکباد کس امر کی پیش کی تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ شاید کبھی کبھی وہ اپنا عیب چھپانے کے لئے یونہی بے سمجھے بوجھے ہاں میں ہاں ملانے لگتے تھے جس کو کم از کم میں باور نہیں کر سکتا اور یوں بھی یہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ روایات میں یہ ہے کہ اول من قال لہ عمر بن الخطاب الخ پھر ہاں میں ہاں ملانا کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انہوں نے معنی کو سمجھ کر مبارکباد پیش کی تھی۔

اچھا اگر رسول نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سب عرب ہیں قرائن موجود ہیں معنی مبہم نہیں مطلب دقیق نہیں سمجھ جائیں گے معنی نہ بتائے تو کم از کم لوگ خود ہی دریافت کر لیتے کہ یا رسول اللہ اس کے معنی کی بھی تشریح فرما دیجئے تاکہ ہم لوگ مغالطہ میں نہ رہ جائیں لیکن ان کا نہ دریافت کرنا ہی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ معنی سمجھ گئے تھے اور سمجھ کر مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ عرب تھے با فہم تھے ان کو ان کج فہموں کی طرح معنی دریافت کر کے احمق بننا نہ تھا۔

آخر میں ہم ایک چیز اور پیش کر کے مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ اصول یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی زبان کا کوئی لفظ مشکوک ہو جائے تو اس زمانے میں اس زبان کے محاورات اور روایات کی طرف رجوع کرنا

چاہیے۔ میرے خیال میں اس صورت سے یہ گتھی باسانی سلجھ سکے گی تو اب عربی زبان کا ایک لفظ "مولیٰ" بیچارہ معرض خطر میں پڑا ہے لہٰذا دیکھیے کہ اس زمانہ اور اس زبان کے کسی شاعر نے بھی اس کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کی ہے یا نہیں اگر مل جائے تو اس سے بہتر اور کون سی امداد لفظ "مولےٰ" کو مل سکتی ہے۔ تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب کا مشہور اسلامی شاعر حسان بن ثابت موجود تھا اس نے رسول کریم سے اجازت لے کر اس واقعہ کو تمام و کمال نظم کر دیا جس کو ابوسعید خدری بایں طور روایت کرتے ہیں کہ

قال حسان بن ثابت ائذن لی یا رسول الله فاقول فی علی ابیاتاً تسمعین فقال قل علی برکة الله فقال حسان یا معشر مشیخة قریش اسمعوا قولی بشهادة من رسول الله فی الولایة ماضیة

حسان بن ثابت نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں علی کے بارے میں چند اشعار پڑھوں جن کو آپ بھی سنئے۔ فرمایا کہ اچھا کہو خدا برکت عطا کرے پس حسان نے آواز دی کہ اے بزرگان قریش میرا کلام سنو جس پر رسول اللہ گواہ ہیں اور ان کی گواہی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔

ان میں سے چند اشعار یہ ہیں جو نقل کیے جاتے ہیں:—

ینادیهم یوم الغدیر نبیهم ۔۔۔ بخم واسمع بالرسول منادیا

غدیر کے دن مقام خم میں لوگوں کو ان کا نبی پکار رہا تھا اور پیغمبر سے زیادہ کس کی منادی سنی جائے گی

یقول فمن مولاکم و ولیکم ۔۔۔ فقالوا ولم یبدوا هناک التعامیا

(اس وقت) حضرت یہ فرما رہے تھے کہ تمہارا مولیٰ اور ولی کون ہے تو لوگوں نے پیغمبر کو جواب دیا اور [illegible]

الٰهک مولانا وانت ولینا ۔۔۔ ولم تر منا فی الولایة عاصیا

(یا رسول اللہ) آپ کا خدا ہمارا مولیٰ ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں اور آپ ہمیں امر ولایت (علی بن ابی طالب علیہ السلام) میں نافرمان نہ دیکھیں گے

فقال له قم یا علی فاننی ۔۔۔ رضیتک من بعدی اماماً و هادیا

پس آنحضرت نے فرمایا کہ یا علی اٹھو کہ میں نے اپنے بعد تمہارا ہادی ہونا اور امام ہونا پسند کیا ہے۔

فمن کنت مولاه فهذا ولیه ۔۔۔ فکونوا له انصار صدق موالیا

(پس حضرت نے فرمایا کہ) جس کا میں مولا ہوں تو یہ (علی) اس کے ولی ہیں اس لئے تم سب ان کے سچے دوست اور مددگار ہو جاؤ

هناک دعا اللّٰهم وال ولیه ۔۔۔ وکن للذی عادی علیاً معادیا

اس وقت حضرت نے دعا کی کہ پروردگارا تو اس کے دوست کو دوست رکھ اور جو علی کو دشمن رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔

کیا کہنا [illegible] اسلامی شاعر کا اور اس کے زور کلام کا کہ اس نے قول رسول کو قریب قریب حرف بحرف نظم کر دیا اور پیغمبر کی اجازت سے نظم کیا۔ خود پیغمبر نے اس کلام کو سنا اس کی تصدیق فرمائی اور دعا دی۔ ارشاد فرمایا کہ لا تزال

(بقیہ مضمون صفحہ [illegible] پر ملاحظہ فرمائیے)

ہم اور ہماری ذہنیت

از جناب مولوی سید حسین علی شاہ صاحب نقوی حیدرآباد

الواعظ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کی فہمائش پر ایک حقیقی درد دینی رکھنے والے بزرگ جناب سید امیر عباس صاحب دام مجدہٗ نے عنوان بالا کے تحت ایک پر مغز معنی خیز و سبق آموز زریں مقالہ حوالہ قلم کرکے اہل اسلام کو اون کے اصل اور ابتدائی سبق کو کماحقہ یاد کرانے اور پھر اس سے مستفاد ہونے کی طرف بطور خاص متوجہ کیا ہی اور جناب ممدوح کا یہ نیک اقدام خیر الناس من ینفع الناس "واحیا الناس جمیعاً" کے پر رحمت آمیز احکام الٰہی کے اتباع میں ہے۔ خدائے پاک ان کو اجر عظیم عطا کرے گا۔ موجودہ دہریت کے زمانہ میں اس امر کی شدید ضرورت ہی کہ دیگر اہل دل مسلم حضرات بھی اس قسم کے مضامین تحریر فرما کر دو تن یک شوند بشکنند کوہ را کو شرمندہ معنی فرمائیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندرونی اصلاحی مادہ سے اپنے ایمان کو مکمل کرکے فائز المرام ہو۔ یہ مسلمہ عام مسئلہ ہے کہ مسلم کا ایمان بین خوف و رجا رکھا گیا ہی۔ اگر انسان ان ہر دو امور کو سمجھنے کی کوشش کرے تو بحیثیت مسلم (سر تسلیم خم کرنے والا) اوس کا اولین و خوشگوار فریضہ ہوگا کہ حصول مقصد کے لیے الفاظ "بیم و رجا" کی کنہ کو ذہن نشین کرکے اون پر عمل پیرا ہو۔ جناب لقمان اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں کہ اے میرے لخت جگر تیرے دل میں دو نور ہیں۔ ایک بیم کا اور دوسرا رجا کا اور اگر ان دونوں کو وزن کیا جائے تو دونوں بالکل برابر اور ہموزن ہوں گے اے بیٹا اگر تیری عبادت ثقلین کے برابر ہو تو پھر بھی تجھکو اس امر کا خدشہ ہونا چاہیے کہ خدا تجھے دوزخ میں ڈال سکتا ہے۔ اور اگر تیرے گناہ پہاڑ کے برابر ہوں تو اس صورت میں خدا کی رحمت سے تجھکو مایوس نہ ہونا چاہیے اللہ اللہ، واہ رے تیری ذرہ نوازی کہ تو اپنے بندوں کو گھیر کے اپنی رحمت کی طرف لے جاتا ہے مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کیا ہے "کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ" تو پھر اس سے ڈرنا چہ معنی دارد۔ لیکن چونکہ ایمان میں خوف و رجا رکھا گیا ہی لہٰذا اس امر کے دریافت کی ضرورت ہوئی کہ پھر انسان کو کس سے ڈرنے کا حکم ہی۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اولاً لفظ بیم کی کنہ کو سمجھا جائے اور اس کے بعد رجا کا دامن پکڑا جائے۔ مولوی روم نے بیم و رجا کے متعلق اپنی مثنوی میں یوں اظہار کیا ہے:۔ "در حق چگونہ گویم کہ ندست ماندہ نہ دل ۔ دل و دست چون تو بردے بدہ اے خدا امانی" خدا نے انسان کو لفظ سعلی سے یاد کیا ہے اور اپنے لیے خیر المطعمین تجویز فرمایا۔ دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی [illegible]

دے تو واپس کا واپس لینا تو درکنار معطی الیہ کا شکریہ بھی یہ کہکر کہ ۔ یہ کون سی بات ہے قبول نہیں کرے گا ، یہ تو ظاہر کہ دل دوست کا عطا کرنے والا خدا ہے پس جب انسان (معطی) اپنے عطیہ کو واپس لینا اپنی شایان شان نہیں خیال کرتا تو اسی نظریہ کے تحت بلا تشبیہ خدائے پاک (خیر المعطین) کیسے اپنی عطا کی ہوئی شئے کو واپس لے گا ۔ مگر مولوی روم نے شعر بالا میں دل دوست کے لے جانے کا ذکر کیا ہے ۔ اب ہم کو اس لے جانے کی کنہ کے ضمن میں یوم الست کو جانا ہوگا ۔ خدائے پاک نے روحوں سے ۔ الست بربکم " فرمایا اور ارواح کے جواباً بلیٰ کہنے پر خدا نے فرمایا کہ ہم تم کو دنیا میں کچھ مدت کے لیے بھیجیں گے ۔ تم کو چاہیے کہ میرے امر لیئے اپنی روح کو دنیا میں رہ کر ملوث نہ کرنا بلکہ پاک و پاکیزہ حالت میں اسے ہماری حضور میں پلٹنا ۔ اس مادی دنیا میں عمل کرنے کے لیے انسان کو تین نفوس درگاہ احدیت سے دیلے گئے (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ ۔ اور مقتضی اشرفیت حضرت انسان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نفس مطمئنہ بنا کر بارگاہ ایزدی میں پلٹے ۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ الخ ورنہ بغیر اس کے انسان کی موت منشاء ایزدی کے خلاف ہوکر انسان کے داخلۂ بہشت (جس کے لیے ہر ذی فہم مسلم متمنی بھی ہے) میں ایک حد تک مانع و مزاحم ہوگی ۔ پس معلوم ہوا کہ داخلۂ بہشت کے لیے نفس مطمئنہ بنانے کی اس دار العمل دنیا میں بدرجۂ اتم ضرورت ہی ۔ بعض وقت انسان اپنے جدی دشمن شیطان علیہ اللعنۃ والعذاب کے اغواء سے ایسے کام کرگذرتا ہے جو اس کی اشرفیت کے منافی ہوتے ہیں یعنی انسان اپنے خواہش نفس کا پیرو ہو جاتا ہی ۔ حالاں کہ حدیث قدسی میں صاف اور صریح ارشاد ربانی ہے کہ ۔ جو میری خوشنودی چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ مخالفت نفس میں ڈھونڈے مگر لوگ ہیں کہ اس کو (اپنی شامت اعمال کے باعث) موافقت یا اتباع خواہش میں تلاش کرتے ہیں پس کیسے پائیں گے "۔

دل کو منظر ربانی کہا گیا ہے ؎

دل یکے منظر یست ربانی　　　حجرۂ دیو را چہ دل خوانی

دوسرے شعر میں دل کی اصل حقیقت اور اس کو علیٰ حالہ قایم رکھنے کا نتیجہ کس قدر عظیم بتلایا گیا ہے ۔

؎ روزن دل گر گشادہ است و صفا　　　می رسد بے واسطہ نور خدا

آخری شعر تو ہر صاحب دل مسلم کے قلب سلیم میں ایک وجدانی کیفیت تک پیدا کر سکتا ہے ۔ انسان جب منظر ربانی کو حجرۂ دیو (خواہش نفس کا پیرو) بنا لیتا ہے (حالاں کہ ہر ذی فہم قاری قرآن جانتا ہی کہ اغواء کے بعد شیطان فوراً یہ کہہ دیتا ہے : انا بری منک انا اخاف رب العالمین ۔ تو پھر کیسے یہاں انسان اس قول شیطان کے لغو معلوم کرنے کے بعد آئندہ اس کے دام تزویر کا شکار بننے کی سعی نا مشکور کرتا ہے) اجتماع ضدین عقلاً محال تصور کی گئی ہیں ۔ لہذا منظر ربانی اور خواہش نفس کا باہم ایک مقام پر رہنا بھی اسی مسلمہ نظریہ کے تحت محال اور ایک سے دوسرے کی جدائی لازم ۔ اب ہم پر مولوی روم کے شعر بالا کے مصرع اول کا حل ظاہر ہو جاتا ہی یعنی اصل علل

نکل گیا اور اس کی جگہ خواہش نفس قایم ہوگئی۔ اس وقت انسان کو ہوش آیا یعنی اب وہ سمجھا کہ یہ سب کچھ میرے ہی ہاتھ کی کرتوت ہے اور پھر اس عجز و اعتراف کے بعد اس کو سخت ندامت اور پشیمانی لاحق ہوئی۔ اس ندامت کو ہم بآسانی لفظ "بیم" یعنی خوف خدا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ منزل بیم کو طے کرنے کے بعد بفحوائے "لاتیأسوا من روح اللہ" انسان کو بجز اس کے چارہ نہیں رہتا کہ اپنے درد کے درمان کے لیے اس ماوا و ملجا رب کسان خدائے رحیم کی طرف رجوع کرے۔ اس قسم کے رجوع کو ہم رجا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے مولوی روم کے شعر کے مصرع ثانی کا حل بھی ہوجاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنی علو مرتبت معطیہ رب الارباب سے ناقدری یا انحراف کے بعد اپنے اعمال بد کے باعث ڈرتا ہے۔ لہذا مجلسی علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد کہ "خدا سے ڈرنے کے کیا معنی" خود بخود پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے۔ منازل بیم و رجا کا جو بہترین حل جناب امیرالمومنین علیہ السّلام اپنی مناجات کے شعر میں فرماتے ہیں اس کو بغرض عبرت و استفادہ اہل دل حضرات درج کیا جاتا ہے۔ فہو ھذا "الٰہی لئن عذبتنی الف حجۃ فحبل رجائی منک لا ینقطع۔" (یا الٰہا اگر تو مجھے ہزار سال عذاب کرے تو اس کے بعد بھی امید کی رسّی میرے ہاتھ سے ٹوٹ نہیں سکتی) قرآن میں ہے کہ قیامت کا ایک دن اس دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا اس لحاظ سے عقبیٰ کے ایک ہزار سال اس دنیا کے (۳۶،۵۰،۰۰۰۰) چھتیس کروڑ پچاس لاکھ سالوں کے برابر ہوں گے۔ اگر قیامت کے یقینی ہونے اور وہاں پر رتی رتی حساب کے ہونے کا یقین کامل ہو جائے تو پھر جناب امیر مومنان علیہ السّلام کا شعر مذکورہ بالا ہر ذی فہم مسلم کو لرزہ براندام کرتے ہوئے حتی الوسع اعمال صالح بجالانے کی طرف بہ دل راغب کر سکتا ہے۔ عبد اور معبود میں بڑا فرق ہے اگر بالفرض محال ایسا نہ ہوتا تو پھر جناب مولائے متقیان علیہ السّلام کو خلعت عصمت سے سرفرازی کے باوجود شب ضربت "آہ آہ قلت زاد و طول سفر" پر ندامت کی کبھی ضرورت داعی نہ ہوئی۔ اپنے امام علیہ السّلام کی طرف تاسی ہم پر بھی تو واجب ہے لہذا اس وجوب کو شرمندۂ تعبیر کرنا بھی تو ہمارا فریضہ ہے نہ کہ صرف زبانی جمع و خرچ و ادعائے غلامی علی ابن ابی طالب (فافہم وتدبر) یہ تو بدیہی اور ظاہر ہے کہ اس مادی دنیا میں جہان کی اوسط عمر فی کس صرف (۵۰) سال ہے ہر ملازم یا نوکر اپنے افسر یا مالک جو احکام کی تعمیل محض اس خیال سے کرتا ہے کہ اس کی بسر اوقات اچھی طرح سے ہو سکے ورنہ عدم تعمیل احکام کے صورت میں اسکو اپنی خدمت سے برطرفی کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ دنیا میں ہر شخص خواہ کسے باشد ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہے۔ اگر دنیا کے ملازمین کسی معقول وجہ سے کام کرنا چھوڑ دیں تو افسران یا مالکان کی کارروائی پر بھی اثر پڑتے رہتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر انسان احکام خداوندی کو بجالائے یا چھوڑ دے تو خدا کی خدائی میں کسی قسم کا اضافہ یا کمی ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ خدا غنی مطلق اور بے نیاز محض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احکام خدا کو ماننے اور ان کو عملی جامہ پہنانے سے انسان اپنی ہی فلاح دارین کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں تقاضائے عقل و دانش

یہی ہوتا ہے کہ ہر شخص بیم و رجا کو اولاً اچھی طرح سے سمجھکر ہر دو۔ اپنی امکانی حد تک ان ہر دو منازل کو بفضلہ طے کر کے تکمیل ایمان کرے۔ موجودہ زمانہ میں جو امور شرعیہ سے کسی قدر انحراف ہو رہا ہے اوس کے صرف دو ہی سبب ہو سکتے ہیں ایک لاعلمی یا جہالت دوسرے ذمہ دار حضرات کا عوام الناس کو کما حقہ اون کے ذہنی فرائض سے آگاہ و متنبہ نہ کرنا۔ ہم نے بارہا تنظیم قومی کی طرف قوم کی توجہ مبذول کراتے ہوئے عدم تنظیم کے باعث جو نقصانات اہل اسلام کو پہونچ رہے ہیں اون کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے کہتے ہیں اور سچ بھی ہے کہ "بے سر کے سرداری ناممکن" لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ ہم لوگ اپنے میں سے کسی ایک بزرگ و مقدس و بے لوث ہستی کو اس سرداری کے لیے منتخب کریں اور پھر ہم تمام اپنے امیر جماعت کے ہر ارشاد کی تعمیل کو اپنے اوپر واجب العمل خیال کرتے ہوئے ہمیشہ اون پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ معزز فرقہ بوہرہ میں زیر قیادت جناب تقدس مآب حضرت ملا سیف الدین صاحب طاہر دام مجدہ ہو رہا ہے۔ چوں کہ قیامت میں ہر شخص سے انفرادی حیثیت سے بازپرس ہوگی لہٰذا ہر مسلم کو محض اپنی ہی فلاح دارین کے خیال سے علم دین بموجب ارشاد نبوی صلعم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیئے تنہا حصول علم سے کام نہیں چلتا بلکہ علم اسی وقت کار آمد ہو سکتا ہے جب اس پر عمل بھی کیا جائے۔ ورنہ۔ "العالم بلا عمل کالشجرۃ بلا ثمر" کا اطلاق ہوگا۔ اس وقت تک کہ قوم کو تنظیم قومی کا سعید دن دیکھنا نصیب ہو ہر ذمہ دار و با فہم مسلم کا فریضہ ہونا چاہیئے کہ وہ شرعی امور کی تبلیغ میں بموجب حکم محکم خدائے پاک حتی الوسع سعی مشکور کرتا ہے۔ تاکہ موجودہ حالت کی جو پستی اور غفلت ہر طرف رونما ہو رہی ہے اوس کا کسی حد تک تو سدباب ہو سکے۔ اور ایسے مبلغین اسلام "خیر الناس من ینفع الناس" کا خطاب حاصل کر سکیں حسین کو تو اقوام عالم نے انسان ساز اور محسن انسانیت کے نام سے یاد کیا ہے اور ہم لوگ بھی اسی شہید اعظم کو اپنا حقیقی پیشوا اور امام مفترض الطاعۃ مانتے ہیں لہٰذا اس ماننے کو شرمندۂ معنی کرنا بھی تو اصولاً ہمارا اولین خوشگوار فریضہ ہونا چاہیئے۔ حضرات ذاکرین یا واعظین سے ہم ادباً استدعا کریں گے کہ چوں کہ یہ مقدس بزرگوار منبر رسول پر بیٹھکر اپنے بیانات سے سامعین کو شاد فرماتے ہیں لہٰذا اپنی علو مرتبت کے مد نظر ایسے موعظہ جات فرمائیں کہ جن سے احیاء و بقائے دین ہو سکے۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج و زیارات۔ ادائے حقوق العباد۔ ہمدردی انسانی اور بالآخر تکمیل دین کے لیے بیم و رجا کے مسائل اور اس کے ساتھ ساتھ ائمۃ الطاہرین کے عملی مثالیں دیکر سامعین کو بھی موثر طریقہ سے بہ تاسی امام عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" اگر خوش بختی سے ہماری اس استدعا کو شرف قبولیت بخشا جائے تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اہل اسلام جن کے یہاں ترک دنیا ناجائز ہے وہ ہمیشہ کام اور درست کام میں منہمک رہنے ہی کو اپنا اخلاقی و مذہبی شعار قرار دے سکیں گے۔ حقوق العباد کے ادا ای میں زکواۃ ایک ایسی مد ہے کہ جس کے باعث علاوہ عاقبت کی رستگاری کے ہم اہل اسلام ہر سال اس خدائی ٹیکس میں ایک معتد بہ رقم بلا منت و خوشامد حاصل کر سکیں ایسی رقم کو حقیقی مستحقین کی جائز امداد۔ و قومی تجارت بمشورہ حضرات علمائے کرام

رضوان اللہ عنہم و اکابر قوم کے افراد میں محنت بیشقدمی۔ فرض شناسی و کفایت شعاری اور بیوپار کی صلاحیت کی روح پھونک سکتے ہیں اور اگر ضرورت محسوس ہو تو قومی ادارہ جات کی بھی اس رقم سے اعانت کر کے ان کو سرمایہ کے لیے آئے دن کی اپیلوں سے بھی نجات دلائی جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو قوم ہر مذہبی رسالہ جات آسانی کثیر تعداد میں شایع ہو کر بلاد یورپ و امریکہ کے لائبریریوں میں مفت تقسیم کیے جاویں۔ جیسا کہ عیسائی مشن کر رہی ہے۔ اور پھر ہم لوگ اپنے نیک اقدام راوای زکوٰۃ کی بدولت کم کم مہذب ممالک کے طالبان حق کو حلقہ بگوش اسلام کر کے "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے منشاء ایزدی کے تکمیل کی سعادت سے بھی بلفضلہ بہرہ اندوز ہو سکیں گے۔ چونکہ موجودہ ذہنیت ہر ذی فہم مسلم کے لیے ہمارے بیان بالا کے رو سے ایکی قرار دی جا سکتی ہے جو سراسر منافی احکام خدا اور رسول ہو کر قوم کی آئندہ تباہی کا باعث ہو لہذا اس میں تبدیلی کے لازمی ضرورت ہے۔ اور تبدیلی بایں معنی کہ ہم تمام اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا اولاً لحاظ احساس کریں اور پھر ان سے عہدہ برآ ہونے کی اہمیت پر نظر غائر ڈالتے ہوئے عمل بھی کریں۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ کمایائش من روح اللہ الخ لہذا مایوسی کے خیال خام کو ہمیشہ کے لیے دل سے نکال کر عزم راسخ کے ساتھ کام کیا جائے تو خدا کے مدد ہمیشہ کر رہتی ہے۔ بقول "ہمت مرداں مدد خدا"، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(بقیہ مضمون صـ ۱۶)

یاحسان موئدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانک یعنی اے حسان جو کچھ تم نے اپنی زبان سے ہماری نصرت و مدد کی ہے اس کے صلہ میں ہمیشہ روح القدس سے موید رہو۔ لہذا اگر یہ حسان کے اشعار نہ تھے تو گویا ایک شمشیر آبدار تھی کہ اس کے ذریعہ وہ رسول کی امداد کر رہے تھے اور رسول نصرت کے متقر تھے اور اس کے صلہ میں دعا دے رہے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جو شخص واقعہ غدیر خم کو صحیح طور پر نشر کرے گا وہ نصرت پیغمبر کرتا ہوا نظر آئے گا۔ خیر

بہر حال ان اشعار کو دیکھنے کے بعد ہر صحیح الدماغ شخص اچھی طرح سمجھ سکے گا جناب رسالتمآب نے علی کے لیے مولی کن معنی میں استعمال فرمایا ہے اگر اب بھی نہ سمجھ میں آیا ہو تو پانچویں شعر کے پہلے مصرع کو چوتھے شعر کے دوسرے مصرع سے ملا کر دیکھ لیجیے معلوم ہو جائے گا کہ مولا کن معنی میں استعمال ہوا ہے اب اگر اتنی صراحت کے بعد بھی کوئی اسے نہ سمجھے تو اسے خدا سمجھے۔

تمام ہندوستان کے علماء کرام کی خدمات میں

اہم ترین گذارش

از جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ واعظ مقیم آگرہ

سلام علیکم - مزاج شریف

کچھ عرصہ سے ہندوستان جس انقلابی دور سے گذر رہا ہے ارباب بصیرت پر روشن ہے ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کی ہر قوم و مذہب کو اپنے قومی و مذہبی حقوق کے تحفظ کا پورا احساس ہے - اور اس مقصد کی تحصیل کے لیے جلیل ترین قربانیاں بھی عزیز نہیں ہیں۔ ایسے دور میں حضرات شیعہ کو اگر اپنے عقائد و اعمال و مراسم مذہبی کے تحفظ کا احساس نہ ہو تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا -

کسی قوم کے حقوق کا تحفظ اس کے اتحاد اور اس کی واحد آواز پر موقوف ہے اور قوم کا اتحاد حضرات علمائے کرام کثر اللہ امثالہم کی سرپرستی کے بغیر ناممکن ہے - جنھیں غیبت امام علیہ السلام کے زمانہ میں حق نیابت حاصل ہے - اور جو اپنے عہد میں شرعی امور کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں - اس لیے اشد ضرورت ہے کہ حضرات علمائے کرام اپنے اس اہم فریضہ کا احساس کر کے مختلف علماء کی ایک آواز بنالیں - تاکہ آئندہ جو قوانین مرتب ہوں - ان میں فرقہ شیعہ کے لیے ان کے مذہب کے مطابق قوانین مرتب ہوں - اور انھیں کسی دوسری شریعت کا پابند نہ کیا جاسکے -

یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ جب تمام ہندوستان کے وہ اہل علم جو فی الواقع اس کے اہل ہیں - یا کسی رقبہ میں رسوخ اور تعلق رکھتے ہیں سب کے سب بلا تفریق خورد و بزرگ "شیعہ مجلس علماء ہند" کی رکنیت بالاتفاق قبول فرمالیں اور سارے ہندوستان کی جانب سے صرف ایک مجلس علماء مرتب فرمائیں -

ظاہر ہے کہ بعض مذہبی ضروریات ایسے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا تعلق مقامی حالات سے ہوتا ہے - اور ہندوستان کے ہر صوبہ بلکہ ہر خطہ کے مقامی حالات مختلف ہیں - اسلیے اگر صرف ایک یا چند صوبوں سے مشتمل مجلس علماء قائم کی جائے گی تو وہ تمام ہندوستان کی نمایندگی نہ کر سکے گی - یہ اہم مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ہندوستان بھر کے اہل علم اس کے رکن ہوں - اور جو اہم امور طے کیے جائیں وہ ان سب کے اتفاق آرا سے طے کیے جائیں -

اگر "شیعہ مجلس علماء ہند" کا قیام مذکورہ بالا طریقہ پر عمل میں آجائے تو پھر ہر حکومت پر یہ لازم ہوجائے گا کہ وہ اہل شیعہ کے لیے کوئی ایسا حکم نافذ نہ کرے جو ان کے مذہب کے خلاف ہو۔ نیز "شیعہ مجلس علماء ہند" کو یہ حق ہوگا کہ وہ تحفظ قوم و مذہب کے لیے جس اصلاح یا اقدام کی ضرورت محسوس کرے حکم دے سکتی ہے۔ جس کی پابندی قوم پر بھی فرض ہوگی۔ اور حکومت وقت پر بھی۔

اس اہم ضرورت کا احساس کرکے آج سے ایک سال قبل اس کا مشورہ میرے اور عالیجناب مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ کے درمیان لکھنؤ میں ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ عوائق زمانہ کے باعث یہ تجویز بہت تاخیر سے بذریعہ اخبارات منظر عام پر آسکی۔ ورنہ اس کا کام بذریعہ خط و کتابت عرصہ سے جاری تھا۔ نیز سفر بلتستان کی وجہ سے ناچیز اس فضا سے اس قدر دور ہوگیا کہ اب میری کوئی آواز ایک ماہ سے قبل اخبارات تک ابھی نہیں پہنچ سکتی۔

پھر بھی الحمد للہ شمالی ہند کے حضرات علماء عرصہ ہوا اس کی رکنیت منظور فرما چکے ہیں۔ نیز ہندوستان کے ہر گوشہ سے منظوری کے سیکڑوں خطوط وصول ہوچکے ہیں۔

میری دعاء اور دلی تمنا ہے کہ ہمارے علماء سب کے سب بالاتفاق اس تجویز کو بخوشی منظور فرما کر اپنی دستخطیں ثبت فرما دینگے۔ اور ناچیز بشرط حیات اگر فصل گرما میں واپس آیا تو "شیعہ مجلس علماء ہند" کو منظم اور مرتب اور کام کرتا ہوا ارکان مجلس سے شرف ملاقات حاصل کردوں گا۔

تاجدار انبیاء ہو یا مصطفےٰ

از ایم اے اکمل منشی کامل شاہجہانپوری رئیس المدارس مدرسہ نورانیہ راجکوٹ تلمیذ حضرت جلیسؔ لکھنوی

تم حبیب کبریا ہو یا محمد مصطفےٰ — سرور ہر دو سرا ہو یا محمد مصطفےٰ
بادشاہِ اصفیاء ہو یا محمد مصطفےٰ — تاجدار انبیاء ہو یا محمد مصطفےٰ

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کے خاطر کیے پیدا زمین و آسماں — آپ کے ممنون ہیں افلاک پر قدسیاں
آپ پہ شمس و قمر قربان ہیں ہر ایک آن — آپ کے انوار سے پر نور ہے سارا جہاں

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفٰےؐ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفٰےؐ

پنجتن کے فخر تم ہو اے رسول انس و جن — حیدر کرار حضرت پر فدا ہیں رات دن
حسن زہرا کو نہ آتا تھا تمہارے دیکھے بن — ظل حضرت میں رہے حسنینؑ ہر دم مطمئن

یہ پذیرا التجا ہو یا محمدؐ مصطفٰےؐ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمدؐ مصطفٰے

آپ کے اوصاف لکھے کوئی یہ ممکن نہیں — آپ کا مدح ہے قرآن ہیں رب العالمیں
آپ کی خدمت شرف ہے بہر جبریل امیں — خادمہ ہے آپ کے خادم کی ہر اک حور عین

یہ پذیرا التجا ہو یا محمدؐ مصطفٰے
دفع میری ہر بلا ہو یا محمدؐ مصطفٰے

ذبح سے تم نے بچایا اشتر دیرینہ کو — آپ نے بخشی جلا اسلام کے آئینہ کو
صاف رکھا دشمنوں سے بھی دل بے کینہ کو — حق نے رکھا شہ کے دل میں علم کے گنجینہ کو

یہ پذیرا التجا ہو یا محمدؐ مصطفٰے
دفع میری ہر بلا ہو یا محمدؐ مصطفٰے

دی گواہی آپ کی گلشن میں کل اشجار نے — آپ کا کلمہ پڑھا جنگل میں ہر کہسار نے
دی بزرگی تم کو ایسی داور دادار نے — سر جھکایا در پہ شہ کے گنبد دوار نے

یہ پذیرا التجا ہو یا محمدؐ مصطفٰے
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفٰے

رحمت للعالمیں القاب والا جاہ ہے — تم شفیع المذنبیں ہو خلق سب آگاہ ہے
یا رب باب خلد ہو وہ جسکو تم سے راہ ہے — عرض یہ اکملؔ کی تم سے شاہ دیں ہر گاہ ہے

یہ پذیرا التجا ہو یا محمدؐ مصطفٰے
دفع میری ہر بلا ہو یا محمدؐ مصطفٰے

کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر

اربعین تک عزاداری کی داغ بیل

عالی جناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی بی اے ایل ایل بی

لکھنؤ سٹی اسٹیشن واقع ڈیوڑھی آغا میر سے ریل پر جانب شمال بارہ بنکی یا سیتا پور جائیں تو اگلے ہی اسٹیشن ڈالیگنج کی پشت پر ایک بغیر استرکاری کی عالیشان عمارت محلہ ارادت نگر میں نظر آئیگی جس پر بڑے بڑے گول سر کے گنبد اور دو نامکمل مینار ہوں گے۔ یہی نصیر الدین حیدر بادشاہ کی کربلا ہے جس کا نام انھوں نے 'شبیہ کربلا'[۵۱] رکھا تھا۔

داخلہ کا صدر پھاٹک معدوم ہو چکا ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش تھی۔ اسکا بھی بیشتر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ روضہ کے وسط میں دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں ایک خوشنما چوبی ضریح رکھی ہے دوسرے میں بادشاہ کی قبر ہے جس پر سنگ مرمر لگا ہے اور ایک چوبی خطیرہ بھی نصب ہے۔ اندرونی حصوں میں تو کہیں کہیں استرکاری ہو چکی تھی جو خراب و خستہ حالت میں اب تک موجود ہے مگر بیرونی حصے بالکل عریاں ہیں۔ ان پر استرکاری کہیں نام کو نہیں ہے۔ روضہ کا صدر دروازہ کے بائیں جانب اس غار یا نشیبی مقام کی نقل تعمیر کی گئی ہے جہاں پر حسب روایت شمر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تن اطہر سے جدا کیا تھا۔ کربلا کی چہار دیواری کے باہر افتادہ زمین پر تعزیے دفن ہوتے ہیں۔

ابھی کربلا زیر تعمیر تھی کہ بتاریخ ۲۰ ر اکتوبر ۱۸۳۷ء [۱۲۵۳ھ] شاہ نصیر الدین حیدر کو اُن کے دشمنوں نے زہر دے کر عالم بالا کو رخصت کر دیا۔ دوسرے روز اپنی ہی بنوائی ہوئی کربلا میں آغوش لحد میں سلا گئے۔ کربلا کے قیام و بقا کے لیے کوئی وقف بھی نہ کرنے پائے تھے۔ قبر پر قطعہ تاریخ حسب ذیل کندہ ہے۔

بادشاہ نامدار و زیب تخت و چتر و تاج	رفت از دنیا سوے گلزار عقبیٰ آہ آہ
آفتاب عالم آرا شد نہاں زیر زمیں	تیرہ و تاریک دنیا شد ز مرگش در نگاہ
مسکن خود ساخت جنت دفن شد در کربلا	حامی دین۔ عدل گستر دادرس ظل اللہ
از سر افسوس گفتہ سال تاریخش سریر	مرد اے وائے نصیر الدین حیدر بادشاہ
	۱۲۵۳ھ

---

۵۱ تاریخ اودھ از مولانا نجم الغنی رامپوری جلد چہارم۔

بادشاہ کی رحلت کے بعد پھر کسی کو توفیق نہ ہوئی جو عمارت کو مکمل کر کے آراستہ کر دیتا چنانچہ وہ اُسی طرح بے رونق پڑی ہوئی ہے۔ پہلے اُس کے اخراجات کی متحمل گورنمنٹ ہوتی تھی مگر جب سے شیعہ کالج کربلا کی آراضی پر تعمیر ہوا ہے اُس وقت سے اُسکے مصارف کالج کے ذمہ ہو گئے ہیں۔

مولوی عبد الحلیم شرر مرحوم بھی اس بارے میں اپنی تصنیف "گذشتہ لکھنؤ" میں تحریر کرتے ہیں:-
نصیر الدین حیدر کو ہجوم عیش میں کچھ توفیق نہ ہوئی۔ دریا پار محلہ اردت نگر میں انھوں نے ایک کربلا بنوائی جو خود اُن کا مرقد قرار پانے والی تھی مگر اس کی خدمت و داشت کی ذرا بھی فکر نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ڈالی گنج اسٹیشن کے پاس اُجاڑ اور خاموش پڑی ہے۔

ولادت نصیر الدین حیدر مرزا نصیر الدین حیدر عرف مرزا علی حیدر شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نور نظر تھے۔ ۲۲ رجمادی الاول ۱۲۱۸ھ کو مساۃ صبح دولت کے بطن سے پیدا ہوئے جو بادشاہ کی بیاہتا بیوی بادشاہ بیگم صاحب کی خادمہ تھی اور بعد میں ممتاز محل کے خطاب سے ممتاز ہوگئی تھی مگر بادشاہ بیگم سوت کا جلاپا برداشت نہ کر سکیں اور صبح دولت کو بعد ولادت ناقابل برداشت اذیتیں دے دے کر چند ہی مہینوں میں ختم کرا دیا۔ اُسکی لاش جھانکڑ باغ متصل مفتی گنج میں سپرد لحد کی گئی۔ اُس کی وفات کے بعد بادشاہ بیگم نے چاہا کہ گل نو شگفتہ نصیر الدین حیدر کو بھی ٹھکانے لگا دیں مگر فیض النسا مغلانی نے سمجھا بجھا کر ان کو اس فعل ناجائز سے باز رکھا۔ بعدہٗ بیگم صاحب نے بچہ کو اس نازونعم اور انداز آئیں سے اپنا بیٹا بنا کر پرورش کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ نصیر الدین حیدر اُن کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں۔ بعد تخت نشینی جب نصیر الدین حیدر کو نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی زبانی پوست کندہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے اپنی والدہ ممتاز محل کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کرا دیا جو امتداد زمانہ سے اب منہدم ہو کر رہ گیا ہے۔

باپ کی زندگی میں مرزا نصیر الدین حیدر کا خطاب ابو النصر قیام الدولہ سلیماں جاہ صاحب عالم ولیعہد مرزا نصیر الدین حیدر بہادر اسد جنگ تھا۔[1]

تخت نشینی وزراء جب غازی الدین حیدر خلد مکاں ہو گئے تو اُن کے چشم و چراغ مرزا نصیر الدین حیدر ۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو بعمر پچیس سال اورنگ سلطنت پر جلوہ فرما ہوئے پھر پنجشنبہ کو حسب معمول بڑی دھوم دھام اور جلوس شاہی سے حضرت عباس کی

---

[1] وقائع دلپذیر [2] قیصر التواریخ جلد اول صفحہ ۲۸۷۔

درگاہ تشریف لیگئے۔ چوک جوگتی کی دولھن کی طرح آراستہ تھا۔ کمروں پہ جا بجا نوبت بج رہی تھی طوائفیں ناچ کو بیٹھی تھیں۔ فقرا و مساکین کو ہر طرف روپیہ لٹایا گیا جس کسی نے راہ میں عرضی دی لے لی۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر خواصی میں تھے۔ درگاہ میں حاضری کا دسترخوان نذر بڑے تکلف سے ہوا۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر شاہ مرحوم کے وقت سے وزیر چلے آتے تھے مگر انکی سابقہ بدسلوکیوں اور کج ادائیوں کی وجہ سے شاہ حال کی طبیعت اُن کی طرف سے بہت پُرکدورت تھی چنانچہ بمشورۂ گورنر جنرل اُن کو بتاریخ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۷ء بذریعۂ رزیڈنٹ گرفتار کرا کے خود انکے دولت خانہ واقع دولت پورہ میں نظربند کرادیا۔ صاحب رائے مورخ نے اُن کی معزولی کی تاریخ کہی:- ؎ آج اس گھر کا سنیچر اُترا۔ ۱۲۴۳ھ

معتمد الدولہ کی کُل املاک واقع دولت پورہ وغیرہ میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ صرف ہوا تھا مطالبۂ سرکاری میں ضبط ہوگئی۔ بماہ اکتوبر ۱۸۳۰ء موصوف کانپور کو روانہ ہوگئے اور ۷ مئی ۱۸۳۲ء کو اس دار ناپائدار سے بھی کوچ کر گئے۔ معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد بادشاہ بنفس نفیس مہمات سلطنت کی طرف متوجہ ہوئے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لہر جاتی رہی اور بتاریخ ۱۵ مئی ۱۸۲۸ء مطابق ۳۰ شوال ۱۲۴۳ھ میر فضل علی کو وزیر اعظم مقرر کر کے پھر رنگ رلیاں منانے لگے۔ میر فضل علی کو اعتماد الدولہ خطاب ہوا مگر دربار کا رنگ بگڑا ہوا تھا اسی سبب سے موصوف کا رنگ جم نہ سکا اور بددل و شکستہ خاطر ہو کر صرف نو ماہ کے بعد اپنے منصب جلیلہ سے دست کش ہوگئے مگر اس قلیل[1] مدت میں بھی انھوں نے ایک کروڑ روپیہ پیدا کیا اور بہت سے بیش بہا جواہرات بھی اُنکے ہاتھ لگے اس وقت وزیر اعظم کی تنخواہ پچیس ہزار روپیہ ماہوار تھی اور جو رقم مالگذاری خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اس میں بھی پانچ روپیہ فیصد وزیر اعظم کا حق ہوتا تھا۔ اور جو تحفے تحائف غرضمندوں اور ماتحتوں سے وصول ہوتے تھے وہ ان رقوم کے علاوہ تھے۔

اعتماد الدولہ کے علیحدہ ہوجانے کے بعد بادشاہ نے امور سلطنت کی انجام دہی اقبال الدولہ محمد علیخاں ابن ظفر الدولہ کپتان فتح علیخاں و فخر الدین احمد خاں عرف مرزا حاجی خلف فخر الدین خاں عرف مرزا جعفر اور راجہ رام دیال برہمن رام لقابل کے سپرد کی گئی مگر منشی عبدالواحد منصف وقائع دلپذیر کے نزدیک چونکہ تینوں وزرا ناکردہ کار اور کم عمر تھے اس لیئے اپنے عہدے کے فرائض بحسن و خوبی انجام نہ دے سکے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عیش و عشرت میں پڑ کے گلچھرے اُڑانے لگے۔ ... ... یہ رنگ دیکھ کر بادشاہ نے تینوں وزراء کو برطرف کر دیا اور

---

[1] از قیصر التواریخ۔

حکیم مہدی علیخاں کو فرخ آباد سے طلب کر کے بتاریخ ۱۲ نومبر ۱۸۳۰ء قلمدان وزارت ان کے سپرد کر کے منتظم الدولہ خطاب بھی عنایت کیا مگر بعض وجوہات سے بادشاہ سے اُن سے بھی آخر میں نہ بنی اور پونے دو برس گزرنے کے بعد بماہ اگست ۱۸۳۲ء مطابق ۷۔ ربیع الاول ۱۲۴۸ھ انھیں بھی معزول کر دیا۔ ناسخ نے حکیم صاحب کے زوال کی تاریخ نئی انداز سے کہی:- افتاد حکیم از مراتب؛
تاریخ بطرز نو رقم کن + از جائے حکیم سفت برگیر؛ سہ مرتبہ نصف نصف کم کن۔
۱۲۴۸ھ

منتظم الدولہ کا آفتاب اقبال غروب ہو جانے کے بعد نواب روشن الدولہ محمد حسن خاں عرف مرزا انجھو کا نصیب چمکا اور موصوف بجائے حکیم صاحب فرائض وزارت انجام دینے لگے۔ ۱۸؍ نومبر ۱۸۳۲ء کو ان کی وزارت کی منظوری بھی آ گئی وہ اپنے فرائض منصبی پانچ برس تک انجام دیتے رہے۔ نصیر الدین حیدر کے انتقال کے تخمیناً ڈھائی مہینے کے بعد بعہد دولت حضرت محمد علی شاہ بائیس لاکھ روپیہ ان کے ذمہ باقی نکلے اسی مطالبہ میں ان کی کل جائداد واقع لکھنؤ ضبط سرکار ہو گئی۔ اس کے بعد وہ کانپور چلے گئے اور وہیں بحالت عسرت و تنگدستی انتقال کیا۔

مصاحبین بادشاہ

شاہانِ اودھ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ ولایتی اشیاء اور یورپی طرز معاشرت کے بہت دلدادہ تھے۔ انھوں نے قصر سلطانی کے کمروں میں انگریزی وضع کا فرنیچر نہایت سلیقہ سے مغربی طریقہ پر سجایا تھا۔ ان کے کئی مصاحب بھی انگریز تھے جن کو بیش قرار مشاہرے دیے جاتے تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) مسٹر رائٹ معلم جن سے بادشاہ انگریزی زبان کا درس لیتے تھے۔
(۲) مسٹر مانٹز۔ یہ جرمنی کے اعلیٰ درجہ کے مصور اور ماہر موسیقی تھے۔
(۳) مسٹر کروفی۔ یہ مہتمم کتبخانہ تھے
(۴) کپتان میگنس۔ جو باڈی گارڈ یعنی محافظ ذات شاہانہ تھے۔

(۵) ڈی رسیٹ (De Russett) شاہی خط تراش جس نے بادشاہ کے بال جو پہلے بالکل سیدھے سپاٹ تھے انگریزی وضع کے تراش کر ان میں خوبصورت پیچ و خم پیدا کیے تھے جو ان کے گورے چٹے چہرہ پر بہت زیب دیتے تھے۔ یہ حجام بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا تھا جبھی تو اس کو سرفراز خاں خطاب دے کر سرفراز کیا تھا۔ اس کو مصاحبت کا بھی افتخار حاصل تھا اور اکثر مشروبات اور دیگر ولایتی اشیاء اسی کی معرفت خریدی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے ایک قلیل مدت میں

۱؎ Private life of an Eastern King ایک مشرقی بادشاہ کے نجی حالات۔

وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہو گیا تھا بقول مس سڈنی ہے (Miss Sydney Hay مولف ہسٹارک لکھنؤ Historic Lucknow) اس نے شاہ اودھ سے تقریباً چوبیس لاکھ روپیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے پیدا کیے تھے۔

(۶ و ۷)[ملے] رابرٹ ہوم (Robert Home) و جارج بیچی (George Beechy)

یہ دونوں شاہی مصور تھے ان اشخاص کے علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کا فرانسیسی رکابدار بھی ملازم تھا جو اپنے آقا نے نامدار کے لیے نہایت لذیذ ولایتی کھانے اور مٹھائیاں تیار کرتا تھا۔ شاہی کوچبان بھی آئرلینڈ کا باشندہ تھا مگر آخرالذکر چاروں ملازموں کو مصاحبت شاہ کا شرف حاصل نہ تھا۔

بادشاہ زیادہ تر انگریزی طرز کی پوشاک کوٹ پتلون و نکٹائی وغیرہ زیب تن کرتے تھے اور ہیٹ یعنی چھجہ دار انگریزی ٹوپی بھی لندن کی بنی ہوئی استعمال کرتے تھے۔ دربار میں بھی بجائے مسند کے زرنگار کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ منجملہ دیگر نوازشات کے ایک ولایتی محل بھی مسٹر جارج ہاپکنس والٹرز (George Hopkins Walters) کی بیٹی کا کیا تھا جن کو نواب مخدرہ علیا کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ ولایتی محل کرنے کی مثال ان کے پدر نامدار شاہ غازی الدین حیدر قائم کر چکے تھے جنھوں نے اولاً کرنیل ایش (Col. Aish) کی دختر سے عقد کر کے ان کو مبارک محل خطاب دیا تھا اور بار دیگر ڈاکٹر شارٹ کی بیٹی سے شادی رچا کر انکو نواب سلطان مریم بیگم کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

محلات } نصیر الدین حیدر کا عقد شہزادہ سلیمان شکوہ کی لاڈلی بیٹی نواب رقیہ سلطان بیگم سے بتاریخ ۱۷ مئی ۱۸۱۶ء شاہ غازی الدین حیدر کے اقرار و اصرار سے بہ تعین مہر پانچ کروڑ روپیہ ہوا تھا۔ بیگم بلا کی حسین اور بے حد نیک دل تھیں گھر والے ان کو پیار سے بوا سلطانہ کہتے تھے سسرال سے انھیں نواب سلطان بہو صاحبہ خطاب ملا تھا مگر یہ شادی راس نہ آئی شوہر سے ہمیشہ ناموافقت رہی اور باوجود کدخدا ہو جانے کے وہ دوشیزہ ہی رہیں۔ مرزا سلیمان شکوہ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے دوسرے شاہزادہ نواب قدسیہ بیگم سے تھے جو ایران کے شاہی صفویہ خاندان کی ایک فرد اور اثنا عشری مذہب پیرو تھیں شہزادہ موصوف بھی اپنی ماں کے مذہب پر تھے۔ بعد ضبطی سلطنت اودھ عملداری سرکار میں بیگم صاحبہ کربلا ئے معلیٰ چلی گئیں عراق میں چند سال قیام کرنے کے بعد موت نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا اور میٹھی نیند سلا کر دنیاوی بکھیڑوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا۔

صاحب تاج و تخت ہونے پر نصیر الدین حیدر نے حسینی خانم خاطب بہ شہزادہ محل کو بموجب عہد و پیمان

(ملے) Historic Lucknow ص ۶۷ فیض التواریخ۔

زمانہ ولیعہدی نواب ملکہ زمانیہ کا خطاب عطا کر کے اُن کا وثیقہ دس ہزار روپیہ ماہوار کا مقرر کیا اور علاقہ ہزپورہ متعلق سیوادہ چھ لاکھ روپیہ سالانہ کا بطور جاگیر بھی مرحمت کیا۔ ملکہ زمانیہ نے ایک عالیشان امام باڑہ محلہ گولا گنج میں بنوایا اور بعد انتقال اُسی میں دفن ہوئیں۔ اُنکے بعد جارج ہاپکنس والٹرز George Hopkins Walters کی لڑکی ولایتی کر کے انھیں نواب مخدرۂ علیا خطاب دیا۔ اُن کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار ہوا اور جاگیر بھی میاں گنج رسول آباد ضلع اُناؤ کی چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی مرحمت کی۔

اُسکے بعد چھجو طوائف متوطن حسن پور بندھوا کی لڑکی حسینی کا محل ہوا۔ پہلے اُن کو خورشید محل خطاب ملا پھر ایک روز مذاق میں اپنا تاج اُن کو پہنا دیا اور دوسرا خطاب نواب تاج محل صاحبہ عطا کیا۔ اُن کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار کا ہوا اور جاگیر نواب گنج چھ لاکھ روپیہ سال کی ہوئی اُن کے بعد حسب ذیل محلات ہوئے۔

حسینی طوائف مخاطب **بادشاہ محل** جن کے نام پر ایک محلہ موسومہ ڈیوڑھی بادشاہ محل جھوائی ٹولہ کے قریب اب تک آباد ہے

نواب **نور محل** جنکی ایک عالیشان مسجد بنارسی باغ کے جانب غرب واقع ہے۔ انھوں نے کربلائے معلی میں انتقال کیا۔

سکھ چین خواص مخاطب بہ **فضل محل** جس سے شہزادۂ شاہجان پیدا ہوئے۔

پھول محل ۔دختر بینی رام بقال و ہمشیرہ مختلف البطن راجہ رام دیال ساکن گولدروازہ لکھنؤ۔

حسینی طوائف مخاطب بہ **سلطان محل**۔

عباسی محل۔ یہ بھی ایک طوائف کی لڑکی تھی۔

آفتاب محل۔ و **مہتاب محل**۔ دونوں ایک کلاونت کی لڑکیاں تھیں۔

نواب **قدسیہ محل** صاحبہ۔ ان کا نام بسم اللہ خانم تھا یہ بادشاہ کی بہت چہیتی بیوی تھیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۸۳۱ء کو اُنکے ساتھ نکاح ہوا۔ ۱۲ اگست ۱۸۳۴ء کو انھوں نے زہر کھا کر جان دیدی اور بادشاہ کی نو تعمیر کربلا واقع ارادت نگر کے اندرونی درجہ میں دفن ہوئیں۔

نواب ممتاز الدہر بادشاہ جہاں بیگم۔ قدسیہ محل کے انتقال کے بعد مرزا باقر علیخان کی دختر یعنی نواب روشن الدولہ وزیر اعظم کی بھانجی سے عقد کر کے یہ خطاب ان کو دیا مگر اُنکی جذورسی سے ناخوش ہو کر آخر میں انھیں کنگلا محل خطاب دیا۔ موصوفہ چاندی خانہ میں رہتی تھیں وہیں انتقال کیا۔ لاش کربلائے معلی بھیجی گئی۔ اُن کا امام باڑہ چاندی خانہ میں اب تک موجود ہے مگر اب کسی اور کے قبضہ میں ہے۔

ماہرویان عیش محل - لالہ رام پرشاد رفیق خاص افتخار الدولہ مہاراجہ میوہ رام نے کئی اسامیاں صاحب حسن وجمال جو بازار حسن میں سب سے زیادہ نام آور تھیں ہزارہا روپیہ خرچ کرکے جمع کیں اور انکو داخل محل شاہی کردیا ان سبھوں کو مجموعی طور پر عیش محل خطاب دیا۔ انکے علاوہ کرم بخش کسبی وغیرہ جو چوٹی کی طوائفیں تھیں وہ بھی داخل محل ہوئیں حسینان عیش محل کی تعداد کئی سو تک پہونچ گئی تھی۔

تعمیرات (۱) چھتر منزل - اس کی تعمیر شاہ غازی الدین حیدر نے شروع کی تھی مگر نصیر الدین حیدر کے زمانۂ حکومت میں تکمیل کو پہونچی - یہ عمارت بادشاہ نے محلات شاہی کی سکونت کے لیئے تعمیر کرائی تھی چونکہ اسکے اوپر چھتر طلائی لگائے گئے تھے اس لیے اس کا نام چھتر منزل رکھا۔

(۲) ولایتی باغ - یہ باغ بھی نصیر الدین حیدر نے کوٹھی دلکشا کے آگے لب دریا بی بی پور والی کوٹھی کو جاتے ہوئے بائیں جانب بنوایا تھا۔ اس کا نام ولایتی باغ اس لیے رکھا تھا کہ یا تو یہ ولایتی محل کے لیے بنوایا تھا اور یا اس لیے کہ اس میں ولایتی درخت کثرت سے لگائے گئے تھے۔ واجد علیشاہ نے اسکی چہار دیواری کو بلند کردیا کیونکہ انکی بیگمات اکثر وہاں سیر وتفریح کو جایا کرتی تھیں اور اسکے لیئے پردہ کی ضرورت تھی یہ باغ ابتک بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہے مگر اب اسمیں ایک بڑا گھاٹ دھوبیوں کا بنا یا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں کچھ انگریز مرنیوالوں کی قبریں بھی ہیں۔

(۳) تارہ والی کوٹھی جسمیں بادشاہ نے اپنا شہرۂ آفاق رصد خانہ قائم کیا تھا۔

(۴) درگاہ بارہ امام - بشیر دروازہ کے اندر تعمیر کرائی تھی جو اب موجود نہیں ہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں منہدم ہوگئی۔

(۵) کربلا واقع ارادت نگر جو ناتمام رہ گئی۔

ان عمارتوں کے علاوہ انھوں نے لکھنؤ میں دو محلے گنیش گنج اور چاندگنج بھی آباد کیے۔ چاندگنج کے راستہ میں ایک عظیم الشان وحش خانہ یعنے زندہ جانوروں کا عجائب خانہ بھی بادشاہ نے آراستہ کیا تھا اس میں مختلف قسم کے عجیب وغریب جانور بکثرت موجود تھے۔

کارہائے رفاہ عام | جب نصیر الدین حیدر مالک تاج وتخت ہوئے تو ان کی بھرپور جوانی تھی۔ اور طبعاً بھی بہت عیش پسند اور حسن پرست واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی انکے عہد دولت میں آسائش خلق کے بہت سے کام ہوے۔ یہ کارہائے خیر اکثر وبیشتر بزمانہ وزارات نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں واقع ہوئے جن کو امور آسائش عامہ سے بہت دلچسپی تھی۔ ان کارہائے رفاہ عام کے حالات مختصراً درج ذیل ہیں:۔

شاہی اسپتال و یونانی شفاخانہ

جوزف کیوراس (Joseph Quiros) نے ایک کوٹھی حضرت گنج میں موجودہ کونسل چیمبر کے مقابل جانب بنوائی جنہوں نے ۱۸۲۲ء میں انتقال کیا۔ انکی رحلت کے بعد انکے ورثار نے کوٹھی مذکور بدست نصیر الدین حیدر فروخت کرڈالی۔ شاہ موصوف نے اسمیں ایک اسپتال قائم کیا۔ انکی رحلت کے بعد ان کے ورثار نے کوٹھی مذکور بدست نصیر الدین حیدر فروخت کرڈالی۔ شاہ موصوف نے اسمیں ایک اسپتال قائم کیا اور کوٹھی دارالشفا کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بعد ۱۸۶۲ء میں اسپتال وکٹوریہ اسٹریٹ کی عمارت میں منتقل کردیا گیا تاکہ جو لوگ انگریزی طریقہ علاج کو پسند کرتے ہوں وہ اس اسپتال میں علاج کرائیں۔ اسپتال میں سب سے پہلے معالج ڈاکٹر اسٹیونسن (Dr. Stevenson) مقرر ہوئے۔ اسپتال کے علاوہ ایک یونانی شفاخانہ بھی چوک بازار میں قائم کیا گیا تاکہ جو لوگ یونانی علاج کو ترجیح دیتے ہیں وہ وہاں کے طبیب سے رجوع کریں۔ شفاخانہ میں سب سے پہلے حکیم مرزا علی اکبر پسر حاجی خوبانی مقرر ہوئے۔ یہ دونوں ادارے ابتک قائم ہیں اور پبلک کو معقول فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ دارالشفا والی قدیم کوٹھی ۱۸۴۳ء میں حضرت امجد علیشاہ نے اپنی بیگم ملکہ عہد کو دیدی اب یہ کوٹھی گورنمنٹ کے سکریٹریوں کی قیامگاہ ہے۔

خیرات خانہ

بتاریخ ۱۷ دسمبر ۱۸۳۳ء شاہ نصیر الدین حیدر نے مبلغ تین لاکھ روپئے بتقرر سود چار روپیہ فیصدی سالانہ ریذیڈنسی میں جمع کردیے جس کا منافع اکیس ہزار سو پیہ چار ہوا۔ اور موصوف نے ایک حکمنامہ بھی جاری کیا کہ انکے نام سے ایک خیرات خانہ قائم کرکے رقم سود لنگڑوں۔ لولوں۔ اندھوں۔ اپاہجوں اور دیگر مفلس محتاجوں کی پرورش میں صرف کی جائے چنانچہ حسب الحکم شاہی ایک غریب خانہ وکٹوریہ اسٹریٹ پر قائم کیا گیا جو خیرات خانہ نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کار خیر ابتک جاری ہے اور اسمیں بلالحاظ مذہب وملت ہر مستحق شخص کی پرورش کی جاتی ہے۔

آہنی پل

اس پل کا ساز وسامان نواب سعادت علیخاں نے برمنگھم سے تین لاکھ روپیہ میں منگایا تھا اس کا نقشہ ولایت کے ایک مشہور انجینیر مسٹر رینی (Rennie) نے تیار کیا تھا مگر اسکے ہندستان پہنچنے کے قبل نواب موصوف کا انتقال ہوگیا اور یہ کل سامان عرصہ تک رمنہ میں پڑا رہا۔ نواب مرحوم کے بیٹے

وجہ سے معز الدین غازی الدین حیدر نے اُسے منحوس سمجھ کر پل قائم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں اس پل کو بیلی گارد کے پھاٹک کے سامنے دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ایمپیکلر صاحب ( ) شاہی انجینئر کے متعلق یہ کام کیا گیا مگر زمین ریتیلی تھی موصوف کامیاب نہ ہو سکے۔ بیلی گارد کے مغربی پھاٹک کے سامنے ایک گول پایہ جو پل کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اب تک لب دریا موجود ہے۔ اس کے بعد بزمانہ شہریاری حضرت امجد علیشاہ اس پل کو ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں زیر اہتمام کرنل فریزر انجینئر ( ) موجودہ مقام پر قائم کیا گیا۔ ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ علاوہ قیمت پل اُسکی تعمیر میں صرف ہوئے۔ کپتان مہدی علیخاں مقبول الدولہ قبول نے تاریخ کہی جو درج ذیل ہے۔

ہے جو دریا سے کرم امجد علی عالم پناہ · شاہ جزو کل کا جسکو خالقِ کل نے کیا
چشم گردوں نے نہ دیکھی ہوگی پانی پر سڑک · رستہ جاری فیض شاہ باتجمل نے کیا
سخت مشکل تھا تو پر جسر آہن کا قیام · محکم استقلال شاہ باتجمل نے کیا
بن سکا تھا کب کسی کے عہد میں پل آہنی · بارہا قصد اہل عقل و اہل تامل نے کیا

یہ کہی تاریخ جس دن بن چکا پل اے قبول
رستہ کیا دریا کا موم آج آہنی پل نے کیا

۱۲۶۱ھ

رصد خانہ

جو زیر اہتمام کپتان ہربرٹ صاحب برمنہ موتی محل میں بننا شروع ہوا جن کو سرکار شاہی سے سترہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ دوران تعمیر میں ہربرٹ صاحب قضا کر گئے اُن کے بعد کرنل ولکاکس ( ) انجینئر مقرر ہوئے رصد گاہ یعنی تارہ والی کوٹھی انھیں کی نگرانی میں تیار ہوئی عمارت کی تیاری میں ساڑھے چار لاکھ روپیے صرف ہوئے۔ شاہ نصیر الدین حیدر نے کرنل مذکور کو چودہ پارچہ کا خلعت دیا۔ یہ رصد خانہ تمام ہندستان میں بے مثل و بے نظیر تھا۔ یہیں مولوی اسمٰعیل شہیدی وغیرہ علما برائے تحصیل علم کے داخل ہوئے تھے صاحب موصوف نے دس سال میں نہایت جانفشانی و عرق ریزی سے کتب مشاہدات کو ایک جسب سورشتہ مرتب کر لی تھیں جن کی طباعت کے لیے سات ہزار روپیہ بھی ان کو خزانۂ شاہی سے مرحمت ہو گئے تھے مگر ۱۲۶۳ھ میں موصوف دفعتہً پیک اجل کا نشانہ ہو گئے، جسپر آخری شاہ اودھ واجد علیشاہ نے باقی عملہ کو برطرف کر کے یہ محکمہ ہی ختم کر دیا۔

رصدخانہ میں چند اعلیٰ درجہ کے آلات موجود تھے جو بحفاظت تمام رکھ دیے گئے تھے مگر احمد اللہ شاہ عرف ڈنکہ شاہ نے غدر کے زمانہ میں اسی کوٹھی میں اپنا مورچہ قائم کیا تھا اسی زمانہ میں سب آلات غائب ہو گئے یہ کوٹھی تارہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ اب اسمیں امپیریل بینک قائم ہے۔

نہر شاہ غازی الدین حیدر

راجہ بختاور سنگھ کے ترغیب دینے پر کہ اگر ایک نہر دریائے گنگا مقام کانپور سے جو اٹھائیس کوس کے فاصلہ پر ہے اودھ میں لائی جائے تو یہاں کے کاشتکاروں کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ شاہ غازی الدین حیدر نے اس کا اہتمام خود راجہ کے متعلق کر دیا جنھوں نے ناواقفیت سے ترکٹ صاحب نجار کو اسکے کھودنے پر مامور کیا وہ انجینئری کے کام سے بالکل ناواقف تھے اسلیے مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ لکھنؤ کی زمین گنگا سے تین فٹ بلند ہے بہ نسبت مقام سے بلند جگہ پر پانی کا لانا آسان کام نہ تھا۔ یہی وجہ اسکے نقص کی ہوئی چھ لاکھ روپیہ راجہ بختاور سنگھ کا اسپر صرف ہوا جو معتمد الدولہ نے مجرے نہ دیا راجہ نے کہا میں نے گنگا جی کی نذر کیا۔ اٹھائیس ہزار بیگہ زمین کی زراعت نہر کی وجہ سے جاتی رہی اور چوروں درندوں کی جائے پناہ ہو گئی اس کام میں سلطنت کا زر کثیر صرف ہوا مگر زیادہ تر فائدہ چند ٹھیکہ داروں کا ہوا جنھیں کھدائی کا کام سپرد ہوا تھا۔ یہ نہر شہر لکھنؤ میں بنارسی باغ کے مشرق اور ہیولاک روڈ کے متوازی جنوبی حصۂ شہر میں نظر آتی ہے مگر سوائے موسم برسات کے اسکی زمین ہمیشہ خشک رہتی ہے برسات میں زائد پانی نالی کی طرح اسمیں سے بہ جاتا ہو بزمانۂ حکومت نصیر الدین حیدر جب میجر ڈیوڈسن آئے تو انھوں نے اسکے نقص پر اظہار افسوس کیا۔ بادشاہ کو منظور تھا کہ نہر کی درستی ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی کئی برس تک صاحب کو تنخواہ ملا کی جس سے کافی سرکاری نقصان ہوا۔

چھاپہ خانہ

لیتھوگراف کا ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے لیئے قائم کیا۔ آرچر صاحب اسکے مہتمم ہوئے پانسو روپیہ ماہوار ان کو تنخواہ ملتی تھی۔

مدرسۂ سلطانیہ

ایک مدرسہ سلطانیہ[1] قائم کیا جسمیں ہزارہا لڑکے داخل ہوئے۔ ہر بیس لڑکوں پر ایک مدرس مقرر ہوا۔ نادار طلبا کو پانچ روپیہ فی کس کے حساب سے وظیفہ بھی دیئے جاتے تھے۔ یہ مدرسہ نواب سعادت علیخاں کے مقبرہ واقع قیصر باغ کے چاروں سمت والے ایوانوں میں قائم کیا گیا تھا جسکا اب نشان بھی باقی نہیں ہے۔

---

[1] تذکرہ گل رعنا۔

انگریزی اسکول

ایک مدرسہ انگریزی زبان کے طالبعلموں کے لیے بھی باہتمام رزیڈنٹ قائم کیا۔

کوڑھی خانہ

مبروصوں کے قیام و علاج کے لیے ایک صحت خانہ کاٹھ والے پل کے قریب تعمیر کرایا۔ اس عمارت کے نصف حصہ میں اب نارمل ٹریننگ اسکول ہے اور نصف میں کوڑھی خانہ ہے جو یکم اپریل ۱۹۲۹ء سے زیر اہتمام کنگ جارج میڈیکل کالج ہو گیا ہے۔

دیگر اصلاحات

نصیر الدین حیدر کے عہد حکومت میں بردہ فروشی اور ستی کی ہولناک رسم بھی ممالک محروسہ میں یکقلم موقوف کی گئی۔ راجپوت لوگ اپنی لڑکیوں کو زمانہ شیر خواری میں فنا کر دیتے تھے اس لیے شیر خوار بچوں کا قتل بزور قانون بموجب فرمان شاہی مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۳۳ء روک دیا گیا۔ (باقی آئندہ)

معراج

(از جناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الناظر [illegible]

ریاضت انسان کرے اور سالک کی ہدایت پر عمل کرے۔ اللہ آخر میں تنہا سخت محنت توجہ تام کے ساتھ اور یہ توجہ تام پیدا کرنے کے لئے ترکیب عرض کر چکا ہوں۔ بعض لوگوں میں قدرتی طور سے یہ ملکہ ہوتا ہے کہ جس شے پر چاہیں پوری توجہ کریں مگر عموماً یہ حالت نہیں ہوتی۔ مشق کرنی ہوتی ہے اور سخت محنت تب یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ توجہ کامل ہو۔ رسول نے کوئی مشق نہیں کی۔ علیؓ نے کوئی مشق نہیں کی مگر خضوع و خشوع یعنی کامل توجہ کی یہ حالت تھی کہ نماز میں کھڑے ہوئے۔ خدا کا خیال آیا یعنی کامل توجہ اس کی طرف تھی۔ پیر کا تکلف دے کر تیر نکالا جاتا ہے اور آپ کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور کوئی مثال ہے کہ ایسے کامل توجہ بغیر کسی مشق کے حاصل ہو۔ مجھے تو اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ توجہ کو کامل کرنے کے لئے مشق کی عموماً ضرورت ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ اور مشق کرنی چاہیے۔

ایک بات اور رسولؐ نے بتائی۔ فرماتے ہیں کہ جب سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو انوار عزت و جلال نے نور سے ظلمت میں اور ظلمت سے نور میں ڈالا۔ اس کے کیا معنی۔ مادیت اور صرف ادیت کے معنی کے لئے عرض کروں گا کہ جب کسی سیارہ کا سایہ آگیا تو ظلمت ہو گئی اور جب آگے بڑھ گئے تو پھر نور تھا۔ اب صوفی صاحبان فرمائیں کہ یہ حالت رسول نے جو بتائی یہ پیش آتی ہے یا نہیں۔ غور سے دیکھئے کہ کیا کیا بات تصوف کے متعلق رسول اللہ کی اس معراج سے معلوم ہوئی۔ ایک امر اور عرض کرنا ہے۔ سورہ والنجم میں ہے فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ یعنی دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہا۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ رسول میں اور جبرئیل میں دو کمان کا فاصلہ رہا۔ اور کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ رسول کو بہت ہی زیادہ قرب خدا کا معراج میں حاصل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ گویا خدا اور رسول میں دو کمان کا فاصلہ رہا یعنی بہت ہی زیادہ قرب حاصل ہوا۔ یہ امر میری بحث سے خارج ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی رائے صحیح ہے۔ میں تو صرف یہ دکھا رہا ہوں کہ نتیجہ کس بات سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے کہ معراج کی طرف اشارہ ہے اور قرب رسول خدا اللہ سے مراد ہے تو اس سورہ میں معراج کا صریحاً اشارہ ہے جیسا ایک مقام ہو کہ آیت [illegible] [illegible] کسی کو کہیں حاصل ہو یا ممکن ہے کہ وہ [illegible]

کچھ نہ کچھ فاصلہ اگرچہ وہ بہت ہی کم ہو ضرور رہے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ نوبت پہونچے کہ من تو شدم تو من شدی۔ اور تا کہ نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول سے زیادہ کسی امر میں کوئی دوسرا کامل نہ تھا تو جب رسول کے لئے یہ نہیں ہوا کہ من تو شدم تو کسی دوسرے کے لئے کیسے ممکن ہے۔ کسی کے انا الحق کہنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ رسول سے بڑھ گیا۔ مسلمان اور سچے مسلمان تو اسے مان نہیں سکتے۔ منصور نے انا الحق کہا تھا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حالت جذب میں یہ کلمہ اُن کے منھ سے نکلا۔ کچھ یہ کہتے ہیں منصور نے کچھ اور سمجھ کر کہا تھا لوگ سمجھے نہیں اور انھیں دار پر چڑھا دیا۔ اور کچھ کی یہ رائے ہے کہ ایک درجہ ایسا ہوتا ہے کہ تو من شدی من تو شدم۔ منصور اسی درجہ پر پہونچ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو اس کے قائل ہیں کہ من تو شدم تو من شدی ممکن ہے۔ اوروں کی طرح سے اُن کا دل چاہتا ہے کہ خدا بنیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا وہ تصوف کے پردہ میں اسی وجہ تصوف کا قرار دے کر اپنے دل کی ہوس نکالتے ہیں۔

میری رائے میں تو قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی خدا میں مل نہیں سکتا۔ فرق ضرور رہے گا۔ یہ عقیدہ معتقدین تناسخ کا ہے۔ رسول نے معراج کی بابت سب کچھ کہا یہ نہیں کہا کہ وہ خدا میں سما گئے۔ دیگر سیاروں میں مخلوق۔ رسول کی معراج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول آسمانوں پر بہت سے مخلوق سے ملاقی ہوئے۔ اب آسمان تو کوئی شے نہیں پھر وہاں مخلوق کیسے۔ یہ عرض کر چکا ہوں کہ آسمان سے مراد سیارے ہی ہیں جو اُن مداروں میں حرکت کرتے ہیں اور نیز آسمان سے مراد مدار سیارگان ہے۔ یہ سب جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمین کے طبقے ہیں۔ مگر لوگ لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ پیاز کی طرح یہ زمین تہ بتہ ہے اوپر کے طبقے پر ہم لوگ ہیں۔ بقیہ طبقے نیچے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ایک حدیث امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے طبقے ہیں اور اس طور سے کہ اس زمین کے اوپر آسمان ہے اس آسمان پر زمین ہے اُس کے اوپر پھر آسمان ہے پھر زمین علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ طبقات زمین سے مراد دیگر سیارگان ہیں۔ انھیں زمین اسلئے کہا کہ اس زمین کی طرح وہاں بھی حالت ہے۔ آسمان سے مراد غالباً مدار سیارگان ہے پھر آسمان سے کسی جسمانی شے ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ رسول آسمان پر یعنی دوسرے سیاروں کے مدار میں پہونچے۔ وہ وہاں اور سیاروں میں مخلوق دیکھی۔ اس کا کھلا ہوا نتیجہ ہے کہ اسی زمین میں مخلوق نہیں ہے بلکہ دیگر سیاروں میں بھی ہے۔ اب سائنس دانی ترقی کے بعد یہی کہتے ہیں۔ ہماری ترقی پر موقوف

اس قابل ہوے ہیں کہ یہ معلوم کر سکے کہ دوسرے سیاروں میں مخلوق ہے مگر اس قابل نہیں ہوئے کہ اُنسے ملاقی ہوں۔ رسول ایسا کر چکے۔ پس اگر آیندہ ہم ایسا کر سکے تو رسول سے بڑھ نہیں سکیں گے۔

رسول کی زباں دانی۔ رسول اللہ معراج میں دیگر سیاروں کی مخلوق سے ملاقی ہوئے یقیناً اُن سے گفتگو بھی ہوے تھے انبیا رسابقین سے تو ملاقات ہوئی اور معراج کے حالات سے معلوم ہوا کہ اُنسے گفتگو بھی ہوئی یہ تو محض خوش اعتقادی ہوگی کہ سب کی زبان عربی تھی۔ رسول نے جب ان سے گفتگو کی تو اسکے یہ معنی ہوے کہ اُن سب کی زبان سے واقف تھے۔ اس دنیا میں رسول نے جو آیا اُس سے اُسکی زبان میں گفتگو کی جانوروں کی بولی بھی سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس دنیا کے تمام مخلوق کی زبان سے واقف تھے۔ اپنے زمانہ والوں ہی کے زبان سے نہیں بلکہ گذشتہ زمانہ کی زبان سے بھی اور اسی دُنیا کے مخلوق کی زبان سے نہیں بلکہ دیگر سیاروں کے مخلوق کی زبان سے بھی۔ اور کسی کی ایسی مثال ملتی ہے جو اتنی زبانوں سے واقف رہا ہو۔ رسول کی دانائی کی یہ حد تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب تھی۔

جنت جہنم خلق ہو چکے ہیں۔ بہت سے اشخاص کہتے ہیں کہ جنت وجہنم کوئی چیز نہیں ہے۔ اس دُنیا میں عیش جنت ہے اور تکلیف جہنم ہے۔ رسول اللہ نے معراج میں جنت وجہنم بجشیم خود دیکھا۔ یاد رکھا گیا۔ یہ اس لیے کہ مسلمان اس شک میں نہ پڑیں کہ جنت وجہنم کوئی شے نہیں ہے۔ اسکے معنی تو یہ ہوے کہ اس موت کے بعد کچھ بھی نہیں اور بعد کو جزا وسزا (جزا کے معنے میں سزا بھی شامل ہے مگر لوگ عموماً جزا کے معنے صرف اچھے صلے کے سمجھتے ہیں اسلیے جزا وسزا دونوں کہتا ہوں) محض ڈھکوسلا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اسلیے اس زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے کام کرنے والے کبھی کبھی تکلیف وبہت تکلیف اُٹھاتے ہیں اور بُرے کام کرنے والے اپنی حرفت سے سزا سے بچ جاتے ہیں اس صورت میں اگر سزا وجزا بعد کو نہیں ہے اسلئے کہ جنت وجہنم تو ہے نہیں تو یا تو خدا ہی نہیں ہے کہ اس حالت کو روکے۔ یا ہے تو نہایت بے پرواہ ہے کہ اسکو اس کی فکر نہیں کہ بندوں کو اُن کے اعمال کا مناسب صلہ ملے۔ اگر ایسی صورت ہے تو ایسے خدا کی ضرورت نہیں اسے اگر نہیں مان سکتے کہ خدا نہیں ہے یا اسقدر بے پروا ہے تو پھر یہ ماننا ضروری ہے کہ جنت وجہنم کا وجود ہے۔ وجود ہے اور رسول نے معراج میں دیکھا۔ مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش ہے نہیں۔ غیر مسلم اگر نہیں مانتے تو انھیں بھی مقتضائے عقل یہ ہے کہ ماننا چاہیے نہیں ہے تو بعد کو کوئی نقصان نہیں اور اگر ہے اور اس کی فکر نہیں کی تو بعد کو پھر کوئی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسری گفتگو یہاں یہ ہے کہ جنت وجہنم خلق ہو چکے ہیں یا آیندہ ہونگے۔ ...ے میں کتاب جنت میں دکھا چکا ہوں کہ جنت خلق ہو چکی ہے اس کے وجوہ عرض کیے ہیں جب جنت خلق ہو چکی ہے

توکوئی وجہ نہیں کہ جہنم بھی خلق نہ ہوچکا ہو۔ رسولؐ نے معراج میں دونوں کو دیکھا یہ اس کا
ثبوت ہے کہ خلق ہوچکے ہیں۔ رسولؐ کے ارشاد کو نہ ماننے کے یہ معنے ہوں گے کہ رسولؐ خدا کو ہم
ان پیہ اعتبار نہیں کرسکتے یہ کوئی مسلمان خصوصاً آیہ ماینطق عن الھویٰ کے بعد تو کہہ نہیں سکتا
پس کسی مسلمان کو کسی طرح سے یہ اعتقاد کہ جنت و جہنم بعد کو خلق ہوں گے زیبا نہیں ہے۔

نقد و تبصرہ

شاہی جنتری سنہ ۱۹۴۷ء

قوم میں جنتری کی ضرورت سختی سے محسوس کی جارہی ہے اور جو افراد ملت جنتریاں
نکالتے ہیں وہ بیشک قوم کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ ہم حکیم ہاشم علی صاحب جیلانی
کی اس تالیف پر انکو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ وہ بڑی مستعدی کے ساتھ جنتری کو پابندی وقت سے
نکال رہے ہیں اگر علمی اور تحقیقی نظر سے نہ دیکھا جائے تو مضامین بھی اچھے اور دلچسپ ہیں صوری و
معنوی شان قابل تعریف ہے کیا اچھا ہوتا کہ مولف مضامین کی نگرانی میں بھی کدوکاوش سے کام لیتے تو
اور زیادہ جنتری کا معیار بلند ہوجاتا سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد ہم کو حسب ذیل مضامین سے اتفاق نہیں ہے

(۱) شیخ عبدالقادر جیلانی ہرگز سید اور اولاد رسول نہ تھے اکابر علماء نے انکے سیادت کی رد کی تھی۔

(۲) صفحہ ۵۲ و ۵۳ شمر اور حضرت عباسؑ کا مکالمہ غلط ہے کسی ذمہ دار اور غیر ذمہ دار اہل قلم نے اس
تفصیل سے واقعہ نگاری نہیں کی ہے اصحاب حسینؑ کا اس محل پر تلواروں کے نام توڑنا افتراء ہے۔

(۳) صفحہ ۶۶ پر حضرت خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ہم رتبہ بعض دیگر ازواج کو قرار دینا غلط ہے۔

(۴) صفحہ ۱ نقشہ میں تیرو تیزی کی صراحت گمراہ کن ہے۔

(۵) ۱۰ رشعبان کو حضرت خدیجہ کی وفات اور ۷ رشعبان کو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور ۱۲ رشوال کو فتح [illegible]
تشنۂ ثبوت ہے اگر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے تو اور قابل تعرض مقامات بھی ہوں گے امید ہے کہ مولف آئندہ
ایسی علمی کمزوری رہنے نہ دیں گے۔ اس قسم کی خامی سے مولف کو ہرگز بد دل نہ ہونا چاہیے کام کی ابتدا
ہمیشہ مشکل ہوتی ہے۔

ناظرین الواعظ اس جنتری کو خرید کر ہمت افزائی فرمائیں۔ قیمت ۸ع، مع محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:- کتبخانہ شاہی فیض باغ لاہور

جناب میر باقر داماد علیہ الرحمہ

عالیجناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ مدظلہم پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

آپ کا اسم مبارک سید محمد باقر بن امیر شمس الدین محمد حسینی ہے اصلاً آپ استرآبادی ہیں اصفہان میں توطن اختیار کرنے کے سبب اصفہانی۔ اور آپ میر باقر داماد کے لقب سے مشہور ہیں اصل میں داماد آپکے والد کا لقب تھا جس کا سبب یہ ہے کہ آپ کے والد داماد تھے محقق کرکی عالم جلیل جناب شیخ علی بن عبدالعالی کے وہ داماد مشہور ہوئے اپنے والد کے لقب سے داماد کے فرزند بھی داماد مشہور ہوئے وجہ تسمیہ در القاب نی شہرت میں بسا اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے چنانچہ بعض حضرات کو اس باب میں غلط فہمی بھی ہوئی ہے میرے کرم فرما مولانا عبدالرحیم صاحب مؤلف لباب المعارف العلمیہ کو (جو لیشاور اسلامیہ کالج کے علوم مشرقیہ کے کتبخانہ کی فہرست ہے) میر باقر داماد کے ملقب بہ داماد ہونے کے بارے میں اشتباہ ہوا ہے چنانچہ انھوں نے شاہ ایران کی دختر نیک اختر سے شادی ہونا لکھا ہے حالانکہ اصل سبب وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

میر باقر داماد کا علمی اور عملی پایہ اتنا بلند اور مشہور ہے کہ کسی صاحب علم و انصاف سے مخفی نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ناپسندیدہ عصبیت اور گندیدہ اذاعت کے فن نے خصوصیت سے اس زمانہ میں ایسا عروج پایا ہے جسکی تسکار فردیں صاحبان کمال کے بدر کمال پر خاک ڈالنا ہی اپنی لیاقت کا معیار سمجھتی ہیں اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگ جہال اور محدود نظر حلقہ میں جتنی عزت پا جائیں لیکن بالغ نظر افراد اور انصاف پسند علماء کی بزم میں رسائی نہیں پا سکتے علوم و فنون کسی خاص مذہب و ملت کے اجارہ میں نہیں ہوا کرتے اور نہ اُن سے کسی خاص مذہب کی حقیت ثابت ہوتی ہے صلاحیت اور کوشش کے مطابق اہل مذہب اور لامذہب سب کو ان نعمتوں سے مالا مال دیکھا جا رہا ہے اور ہمیں کسی کے مذہب سے چاہے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اس کی علمی بلندی کا اعتراف کرنا اور اس کے تحقیقات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی زیبا ہوتا ہے۔ ارسطو اور نیوٹن مسلمان نہ تھے مگر کیا ان کے تحقیقات سے صرف اس لیے چشم پوشی قابل مدح ہو سکتی ہے کہ یہ مسلمان نہ تھے۔ پھر کیا امام غزالی اور امام رازی کی سنیت کے سبب ان کی علمی بلندی سے انکار کرنا کسی شیعہ کے لئے زیبا ہے ہرگز نہیں اسی طرح کسی کی شیعیت کے سبب اسکے کمالات پر پردہ ڈالنا یا اسکے کمال کو نقص کہنا اپنے نقص کے اظہار کے سوا کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی فرقوں میں شیعہ مذہب کی اقلیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور تاریخ کی روشنی میں یہ

امر بھی نمایاں تھے کہ یہ جماعت برابر سلاطین اور مادی طاقت رکھنے والے افراد کے سخت ترین مظالم کا شکار رہی ہے۔ لیکن باوجود اسکے اس جماعت نے علوم و فنون کے ایسے مہرو ماہ پیدا کئے جنکی ضیا باری سے دنیائے علم جگمگا رہی ہے۔ حصہ بقدر جثہ سے کہیں زیادہ تعداد میں علماء اور ماہرین فن اسی قلیل التعداد جماعت میں موجود ہیں۔

ابوتمام۔ ابن سکیت۔ ابن عمید۔ صاحب بن عباد۔ ابن مسکویہ۔ ابن شہر آشوب۔ محقق طوسی علامہ حلی۔ قطب الدین رازی۔ عبدالرزاق کاشی۔ عبداللہ شوستری۔ ابن میثم۔ عبدالجلیل رازی صدرالدین شیرازی۔ بہائی۔ لاہجی۔ طوسی۔ کاشانی وغیرہ ایسے افراد ہیں جنکے فضل و کمال کی روشنی سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں ان کی اہمیت و جامعیت علوم عقلیہ و نقلیہ کی مہارت ناقابل انکار ہے چاہے کوئی شپرہ چشم اسے نہ دیکھ سکے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص مذہب کے علماء کے تفصیلی حالات سے اس مذہب کے افراد زیادہ واقف ہوں اور دوسرے مذہب کے لوگ کم واقف ہوں حالات مفصل نہ لکھ سکیں ایسے لوگ قابل معافی ہیں لیکن دانستہ اخفائے فضل کرنے والے ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتے

جناب میر باقر داماد کی علمی حیثیت کا انکار کر کے ابھی کچھ روز ہوئے ہیں بعض مضمون نگاروں نے اپنی لیاقت کا اظہار کیا ہے، لیکن کہیں چاند پر خاک ڈالنے سے چاند چھپ سکتا ہے۔ اگر مضمون نگار کو شیعوں کے کتب رجال دیکھنے کی توفیق نہ ہوئی تھی اور منتہی المقال۔ رجال بحار۔ امل الامل۔ لؤلؤۃ البحرین نجوم السماء۔ وغیرہ نہیں دیکھی تھی تو کم از کم اور علماء کی تحریریں تو پڑھتے یا کسی سے پوچھتے کہ علماء اہلسنت نے میر باقر داماد کو کن الفاظ میں یاد کیا ہے اور ان کے نزدیک ان کا علمی پایہ کتنا بلند ہے۔

صاحب نجوم السماء لکھتے ہیں کہ جناب میر باقر داماد مجمع شرافت و صداقت مرجع کلام و حکمت حامی دین و ملت۔ حادی فقہ و شریعت تھے۔ خاص و عام تمام صاحبان فہم عقلاً آپ کے علوم و کمالات و فائق داماد کے معترف ہیں آپ کے تصنیفات تحقیقات دقیقہ و تدقیقات انیقہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ انتہیٰ۔

آپ شیخ بہاء الدین عاملی کے ہمعصر تھے اور بڑے جلیل المرتبت اور صاحب فضیلت تھے عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے اور متکلم و معقولات کے ماہر بھی۔ ملا صدرا شیرازی جو علمائے حکمت میں مشہور بزرگ ہیں علامہ داماد کے شاگرد تھے آپ حدت فہم اور جودت طبع میں مشہور ہیں۔ کمسنی میں مشہد مقدس گئے اور وہیں علوم حاصل کئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ترقی عظیم حاصل کی۔

آپ سلطان محمد بن شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں تھے علماء دربار میں شامل ہو کر وہاں کے فاضل سے علمی بحثیں کرتے رہے اور آخر کار علوم و فنون میں سرآمد روزگار ہوئے۔ بقول صاحب تاریخ عالم آرا

عباسی شاہ طہماسپ کے انتقال سے لیکر ذوزتحریر یعنی ۱۰۲۵ھ تک ایک لحظہ مطالعہ سے فارغ نہ رہے اور اپنے اوقات کا ایک لمحہ بھی بیکار نہ گزارا۔ اور حق یہ ہے کہ آپ کمالات صوری و معنوی کے جامع اور دقائق انفسی و آفاقی کے کاشف ہیں۔ علوم حکمت و کلام اور فنون عربیت اور ریاضی و طب و فقہ و تفسیر و حدیث میں آپ کو درجۂ علیا حاصل تھا آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو عبارت یاد کرلی پھر ہمیشہ یاد رہی طاعت و تقویٰ و عبادت میں درجۂ عالی اور رتبۂ متعالی کے مالک تھے۔ آپ کے اوقات یا تو مطالعہ و مباحثہ میں اور یا عبادت الٰہیہ میں صرف ہوتے۔

صاحب ریاض الشعرا لکھتے ہیں کہ آپ قدوۂ فضلائے عالی مقدار اور زبدۂ حکمائے روزگار ہیں۔ آپ کے علم و فضل کا آوازہ سارے عالم پر چھا گیا ہے۔ آپ کو ثالث المعلمین کہتے ہیں آپ کے تصانیف عالیہ پر فضلائے نامدار اور حکمائے والا مقدار کا دارومدار ہے۔

آپ کا فضل و کمال اتنا مشہور ہے کہ محتاج تفصیل نہیں۔

میر داماد کے نانا نے امیرالمومنین کو خواب میں دیکھا کہ اپنی فلاں صاحبزادی کا عقد میر شمس الدین سے کریں کہ اُن سے ایسا فرزند ہوگا جو وارث علوم انبیاء و اوصیاء ہوگا چنانچہ یہ شادی ہوئی اور جناب میر باقر داماد پیدا ہوئے۔

کتاب سلافۃ العصر مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ مولفہ سید علی خاں صاحب مدنی دیکھی مع دیباچہ کتاب میں محمد امین خانجی مصری کے قلم سے قابل دید ہے اور مولانا غلام علی آزاد کی کتاب ماثرالکرام میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اس کتاب کے صفحہ ۴۸۹ پر جو مدح میر باقر داماد کی درج ہے اسکے بعض فقرات حسب ذیل ہیں۔

طراز العصابۃ وجواز الفضل سهم الاصابه الرافع باحاسن الصفات اعلامه فسبد وسند وعلم وعلامه اكليل جبين الشرف ۔ وقلادة جيد ة الثنا طقة السن الله هو ربتعظيمه وتمجيده باقر العلم ونحريرة ۔ الشاهد بفضله تقريرة وتحريرة ۔ ووالله ان الزمان بمثله تعقيم وان كان مكارمه لا يتسع بشها صدر رقيم ۔ وانا برى من المبالغة فى هذا المقال وبرقتى يشهد به كل وامق وقال واذا اخفت على الغبى فعاذر ان لا ترانى مقلة عمياء

(ترجمہ) آپ قوم کی زینت ہیں میدان فضیلت میں سہم صائب ہیں صفات حسنہ کے نشان بلند کرنیوالے سردار معتمد علیہ اور حسن صفات کے علم اور علامہ ہیں جبین شرف کے تاج نگار شرافت کے گلے کا ہار ہیں آپ کی تعظیم و تمجید میں زمانہ کی زبانیں رطب اللسان ہیں۔ آپ علوم میں بال کی کھال نکالنے والے اور حاذق

کمال میں آپ کی تحریر و تقریر آپ کی فضیلت پر گواہ ہیں۔ خدا کی قسم زمانہ ایسا دریگانہ پیدا کرنے سے عاجز ہے آپ کے مکارم کی تحریر کے لئے قرطاس آسمان تنگ ہے اور میں یہ سب کچھ بلا مبالغہ کہہ رہا ہوں میری قسم کے سچے ہونے پر دوست و دشمن شاہد ہیں۔

اگر کوئی غبی مجھے نہ دیکھے تو کیا مضائقہ ہے کہ مجھے دیدۂ کور نہیں دیکھتا ہے۔ ان عدت الفنون فہو منارہا الخ اگر فنون کو شمار کیا جائے تو آپ اس کے منار ہیں جس سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے۔

اگر آداب کا ذکر کیا جائے تو اس جگہ بھی آپ لوگوں کی امیدگاہ ہیں جن کے دامن سے تمسک کیا جاتا ہے اگر کرم کا تذکرہ کیا جائے تو آپ اس کے دریائے شیریں ہیں جس سے لوگ جھک کے پانی پیتے ہیں میدان سیاست کے امیر مملکت، ریاست کے کبیر ہیں آپ کی طرف اس طرح لوگوں کا میلان تھا کہ شاہ عباس صفوی کو خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں حملہ نہ کردیں لیکن آپ کے علم و عمل کی برکت تھی کہ اس طرح بادشاہ وقت ڈرتا بھی رہا اور آپ کو کوئی آسیب بھی نہ پہونچا سکا بلکہ رفتہ رفتہ مخالفت اور بدگمانی حسن ظن و راحت رسانی سے بدل گئی۔

صاحب سلافہ نے آپ کے انشاء بدیع الاسلوب میں اس خط کو نقل کیا ہے جو آپ نے جناب شیخ بہاء الدین عاملی کو لکھا ہے اسکے بعد آپ کا ایک رسالہ جس کا نام خلیعہ ہے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وھی مما یدل علی تال سریرتہ وتقدس سیرتہ یعنی یہ رسالہ آپ کے پاکیزہ ترین باطن اور آپ کی مقدس سیرت پر دال ہے۔

بیشک آپ شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص اشراق تھا آپ کی یہ رباعی صاحب تاریخ عالم آرائے عباسی نے نقل کی ہے ؎

اے ختم رسل دو کون پرانہ تست — افلاک یکے ممبر نہ پایۂ تست
گر شخص ترا سایہ نیفتد چہ عجب — تو نوری و آفتاب خود سایۂ تست

لیکن اسکے معنی یہ نہ تھے کہ نرے شاعر تھے بلکہ آپ کے تصنیفات علوم نقلیہ و عقلیہ میں نہایت عظیم الشان ہیں یہ دوسری بات ہے کہ جب کسی کی سمجھ میں کوئی کتاب نہ آئے تو وہ اپنی استعداد و لیاقت کا اظہار اُسے مہمل کہہ کر کرے۔

آپ کے تصنیفات میں صراط مستقیم۔ حبل متین۔ سبع شداد۔ ضوابط الرضاع۔ شرح استبصار۔ رواشح سماویہ۔ ایماضات۔ تقدیسات۔ قبسات۔ الافق المبین۔ شرح صحیفۂ سجادیہ۔ حواشی کتب احادیث وغیرہ ہیں جو مختلف فنون پرہادی ہیں۔

صاحب سلافۃ العصر کی غرض تالیف صرف ادبا کی نثر و نظم کے متعلق کتاب لکھنا ہے لہذا آپ نے نثر کے دو نمونے لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ آپ کے علوم عقلیہ کے متعلق صاحب لباب المعارف العلمیہ آپ کی کتاب قبسات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "منطق کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے اس کا مصنف معقولات میں ہونگا فنون کے لئے مشہور ہے متعدد کتابیں تصنیف کیں افق المبین وغیرہ اسکی تصنیف ہے"۔

ملا حمد اللہ سندیلی جن کی کتاب اپنی شہرت اور نقد و تحقیق میں انتہا کو پہونچی ہے۔ وہ بار بار جناب میر باقر داماد کو خیر الخلقۃ بالمھرۃ کہتے ہیں اور یہ فقرہ اتنا مشہور اور اسقدر کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ کسی معقولی کو اس سے ناواقفیت نہیں ہو سکتی۔ سلم کے قول اعلم ان مذھب اھل التحقیق کی شرح میں مولانا حمد اللہ لکھتے ہیں قد ارتضی بہ کثیر من الفحول کالعلامۃ الدوانی والفاضل میرزا جان و بحر العلوم میر باقر داماد اس پر حاشیہ مولوی الٰہی بخش فیض آبادی نے بنام انتباہ لحل حمد اللہ لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں الشہور بالعلم الاول للحکمۃ الیمانیہ ملاحظہ ہو ص۳۲ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۸۱ھ اسی کتاب کے ص۴۶ پر حمل اولی کے تذکرے میں حمد اللہ لکھتے ہیں فالاکثر من المحققین کالدوانی و باقر العلوم ومن تابعھما ص۵ پر جہاں مولانا حمد اللہ نے خیر الخلقۃ بالمھرہ کا فقرہ لکھا ہے اس پر اس کے محشی اسد اللہ پنجابی لکھتے ہیں اختار ھذا الماھر امرین ص۵ پر قال خیر الخلقۃ بالمھرۃ لکھا ہے اسکے چند سطر بعد لکھا ہے سماھا ھذا البحر حقیقۃ اس پر صاحب انتباہ نے بھی آپ کو خیر الخلقۃ بالمھرہ لکھا ہے ص۲۳ پر مولانا حمد اللہ آپ کی تحقیق کا احترام ان الفاظ میں کرتے ہیں قال خیر الخلقۃ بالمھرۃ فی اثناء کلامہ الذی افاد بہ ھذا التحقیق بحث موجہات میں ص۸ پر لکھتے ہیں قد حقق خیر الاحقین بالمھرۃ السابقین فی الافق المبین اسکے علاوہ مولانا حمد اللہ نے بار بار آپ کو بحر کہا ہے۔

مولانا عبد الحق کا حاشیہ جو حمد اللہ پر ہے مشہور ہے اس میں ص۹ پر مدقق کہا ہے اسی حاشیہ پر مسئلہ پر حمد اللہ کا حاشیہ نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں فھذا مذھب الباقر الخ حمد اللہ کی بحث خرطیات میں ہے قال السید باقر العلوم فی کتابہ المسمی بالافق المبین

جب مقدم کاذب ہو تو وہ کسی تالی کو مستلزم نہیں ہوتا ہے اس بحث میں صاحب سلم نے بعض کا قول لکھا ہے انہ ثابت اذا کان بینھما علاقۃ وھو الاشھر اس کی شرح میں حمد اللہ نے لکھا ہے وھذا ھو مختار اکثر المحققین کباقر الداماد صاحب مراۃ الشروح ملا مبین صاحب نے متعلق حکم کے بارے میں اپنی رائے کا اس طرح اظہار کیا ہے قال المصنف فی الحاشیۃ اختلف فی متعلق الحکم ای الایقاع اما الوقوع الذی ھو جزء اخذ القضیۃ نفسھا المشھور ھو الاول والتحقیق ھو الثانی

وھو مختار مالمیر باقر داماد والفاضل المحمود الجونپوری اس طرح میدان تحقیق کے شہسوار طالبین نے تسلیم کیا مولانا حمد اللہ نے نکتہ ثالثہ میں اتصاف انضمامی وانتزاعی کی بحث کرتے ہوئے ایک جگہ کہا ہے قال خیر المحققۃ بالمہرۃ چونکہ اس میں صدر شیرازی کا ذکر ہے محشی نے اس پر لکھا ہے الصدر الشیرازی التلمیذ لباقر العلوم الداماد (چونکہ صدر شیرازی کے متعلق رفع اشتباہ کرنا تھا اس لئے صدر شیرازی جو داماد سے پہلے گذرے ہیں ان کو لکھکر آپ کے شاگرد کو عبارت مذکورہ سے امتیاز دلایا ہے)

شارح سُلم عبد العلی نے ص۲۲ پر اپنے مطلب پر استشہاد کے لئے افق المبین کو سند میں پیش کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت واضح ہے۔

قاضی مبارک نے متعدد مقام پر آپ کے لئے لکھا ہے قال المعلم الاول للحکمۃ الیمانیۃ جعل بسیط کی حقیقت پر استدلال کرتے ہوئے قاضی مبارک لکھتے ہیں وبان الوجود الخ اس پر محشی لکھتے ہیں۔ ھذا الاستدلال مما افادہ باقر داماد فی الافق المبین اس طرح آپ کے افادہ تحقیقی کی سند قاضی مبارک ومحشی سے واضح ہے۔ مشہور حافظ دراز محشی قاضی لکھتے ہیں الاستدلال الذی ذکرہ باقر العلوم مشہور حاشیہ شوکت الحواشی میں مولانا تراب علی صاحب بھی قال خیر المحققۃ بالمہرۃ فی الافق المبین سے اپنی کمال پسندی کا اظہار کرتے ہیں، القول الوسیط فی العقل المؤلف والبسیط میں حافظ محمد حسن سنبھلی لکھتے ہیں مبدا قواعدہ وسید عمائدہ من العمائد عمود الدین قیق من اساطین التحقیق وسلاطین النظر الدقیق المجلین الغاقر الوجود والذات باقر العلوم المعضلات وحققہ المتاین ولقد راہ بالافق المبین اور اس کے حاشیہ پر اس کی تصریح اس طرح ہے ملا السید الباقر الملقب بباقر الداماد الشیعی الامامی سب سے آخر میں ابی الحسنات مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی (جنکی علمی یادگاریں ان کے فضل وکمال پر شاہد ہیں) کی عبارت پیش کرتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ صرف یہی ایک فقرہ موجود ہوتا اور کوئی مصنف نہ لکھتا جب بھی کافی ووافی تھا مولانا کا رسالہ حل المغلق فی بحث المجہول المطلق جو شائع وذائع ہے اس کے ص۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اختارہ محقق الصناعہ فی الافق المبین اسکے بعد ص۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں محقق الصناعۃ السید باقر داماد شیرازی یہ چند حوالے بطور نمونہ وتذکرہ ذکر کرکے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے مشہور اور بڑے بڑے حضرات جو علوم عقلیہ میں توغل رکھتے ہیں اور خود اہلسنت ہیں اور ان کو جناب میر باقر داماد کی شیعیت کا بھی علم ہے پھر بھی کمال پسندی اور علم دوستی کا مقتضا جانتے ہوئے جناب میر باقر داماد کا ذکر اس جلالت واحترام سے کرتے ہیں مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جنکو کتابوں اور علماء کی تحریر کا پتہ نہیں اور باوجود بے خبری اپنی

مہمل گوئی سے نہیں شرماتے۔

آپ نے علامہ بہائی کے والد شیخ حسین سے اجازہ پایا اور آپ کے شاگردوں میں رئیس المتکلمین صدر الدین شیرازی صاحب صدرا و اسفار کے سے عظیم المرتبت ہوئے۔

علم کے علاوہ عبادت و ریاضت میں بھی آپ کا درجۂ علیا اور مرتبۂ قصویٰ عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہے صفات حمیدہ و صلاح و تقدس میں آپ کو علماء میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ آپ نے مسلسل چالیس برس تک ایک رات بھی بستر راحت کو پیٹھ نہ لگائی اور مدت العمر نوافل شب و ورد ترک نہ ہوئے۔

شاہ صفی صفوی کے ساتھ زیارت عتبات کے لئے تشریف لے گئے اور باب مدینۂ علم کی خدمت میں ابدی قیام کی صورت اختیار کر لی۔ نجف اشرف میں ۱۰۴۱ھ میں انتقال فرمایا قدس اللہ سرہ۔

ملا عبداللہ کرمانی متخلص بابانی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا۔

فغاں از جور ایں چرخ جفا کیش	کز و گرد د دلے ہر شاد ناشاد
ز اولاد نبی دانائے عصرے	کہ مثلش مادر ایام کم زاد
محمد باقر داماد کز وے	عروس فضل و دانش بود دلشاد
خرد از ماتمش گریاں شد و گفت	عروس علم و دیں را مردہ داماد

ریویو

محاسن

اس رسالہ میں ڈاڑھی رکھنے کی حرمت و تعظیم کے سلسلہ میں فاضل مؤلف جناب مولوی سید محمد ہادی سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ نے ایک بسیط بحث کی ہے اور مسئلہ حلق لحیہ پر وہ بلند پایہ مقالات یکجا کر دیے ہیں جو اسی رسالہ کا طرۂ امتیاز ہے ڈاڑھی کو بین الاقوامی حیثیت کسی مؤلف نے آج تک نہیں دی ہے مفکرین یورپ و ایشیا کے نظریات سے مدد لیکر اس کتاب کو اور زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

یہ وہی علمی ذخیرہ ہے جو الواعظ کے گذشتہ دور میں باقساط شائع ہوا ہے اور ناچیز مدیر نے قبل اشاعت اس کو حرف بحرف پڑھ لیا ہے

آخر میں جناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازیپور کے ایک بلند پایہ مضمون کا اقتباس بھی ہے

تقطیع ۲۲x۱۸/۸ صفحات ۷۲ قیمت ۴ علاوہ محصول ڈاک ۸؍

ملنے کا پتہ سکریٹری جمعیت خدام عزا مسجد تحسین علی خاں چوک لکھنؤ

الواعظ بکڈپو

ثبوت خلافت حصۂ اول اس کتاب میں حاجی حرمین الشریفین جناب حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر کربلائی جعفری اثنا عشری جھنگ سیالوی نے خلافت حضرت علیؑ پر اس قدر تشفی بخش بحث کی ہے جو اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے مؤلف پہلے حنفی مذہب تھے اور تبدیل مذہب کے بعد یہ قلمی خدمت انجام دی ہے قیمت ۶؍ علاوہ محصولڈاک۔

سازحریت شاعر آل محمد جناب نسیم امروہوی کا نام نامی محتاج تعارف نہیں ہے موصوف نے اس نظم نے واقعہ کربلا پر کامیاب بحث فرمائی ہے پنڈت برج ناتھ شرغا ایڈوکیٹ کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۸؍ علاوہ محصو ڈاک۔

رجال بخاری حصۂ دوم صحیح بخاری کے راویوں کا کچا چٹھا دیکھنا ہو تو یہ کتاب ذمہ دارانہ حیثیت پر فائز ہے اس مفید ترین ذخیرہ کو جناب مولانا مرزا عبدالحسین صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی نے تالیف فرما کر قوم پر ایک احسان کیا ہے اور محققانہ حیثیت سے بتایا ہے کہ صحیح بخاری کے راوی کس ذہنیت کے مالک تھے، ہم کو یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ختم کیے بغیر آپ نہ رہیں گے اور آپ کے احباب بھی آرڈر دینگے بہت تھوڑی جلدیں باقی ہیں۔ قیمت ۲؍ مع محصول ڈاک۔

مستند حدیث کساء عالیجناب لسان الملۃ مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ مدیر الواعظ کا وہ تازہ شاہکار ہے جو پہلے ایڈیشن میں چھپکر اشتہار دینے سے پہلے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا اور مدتوں شائقین کف افسوس ملتے رہے دوسرا اڈیشن چند اضافات کے ساتھ ۲۲×۱۸ سائز پر خاص اہتمام سے چھپا ہے جس میں روات کے سلسلۂ سند اور اہلبیت عصمت و طہارت کی تعیین اور طہارت کے معنی پر بہت اچھے مفید مقالات ہیں اور جابجا فٹ نوٹ میں اہلسنت کی کتابوں سے حدیث کساء کے اجزاء کو ثابت کیا گیا ہے ایسی مکمل حدیث کساء شیعی دنیا میں آجتک نہیں چھپی یہ تحفۂ جلیلہ درحقیقت علماء عراق کی وسعت نگاہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جسکو سامنے رکھکر مؤلف نے اپنے مخصوص رنگ میں تحشی کی زحمت اٹھائی ہے۔ اتنی خصوصیت کے باوجود قیمت صرف ۴؍ علاوہ محصولڈاک تاجروں کو یہ موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہئے زیادہ تعداد میں خریدنے والے اصحاب کو محصول ڈاک میں کفایت ہوگی قیمت میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔

ملنے کا پتہ منیجر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ۲۵۹

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

الواعظ

مدرسۃ الواعظین

زیر سرپرستی امیر الامراء سرکار راجہ امیر محمد احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی ترتیب
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیم و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالہ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱- یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲- ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳- نمونہ کا پرچہ ۴ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵- اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے
۶- علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷- شرح قیمت رسالہ و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق عہ

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

جلد ۲۸ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۷ء مطابق ماہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۶۶ھ نمبر ۳

تصحیح :- گزشتہ نمبر میں صفحہ ۴۲ پر پہلی تاریخ کو مستثنیٰ کرکے تمام قطعات تاریخ جناب مولانا سید محمد جواد صاحب قبلہ کا نتیجۂ فکر ہیں ناظرین نوٹ فرمالیں۔ منیجر

الواعظ

سلسلہ ۲۸ | بابت ماہ مارچ ۱۹۴۷ء | نمبر ۳

خبر غدیر کے خلاف مدیر اہلحدیث کی آواز

ابوالوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ابھی تک وہابیت کی زمہ داری سنبھالنے والی جماعت کے انچارج ہیں کبھی کبھی شیعیت کو نگاہ غضب سے دیکھ لیتے ہیں الواعظ اپنی میانہ روی اعتدال پسندی کی وجہ سے سُنی حلقہ میں برابر جاتا ہے چنانچہ ایک محترم دوست نے ہمارے رسالہ کے صفحات میں غدیر خم کے مہتم بالشان واقعہ پر ایک مقالہ دیکھ کر مولوی صاحب موصوف سے استفتا کیا تھا جس کا جواب کے درج ذیل ہے اس جواب سے مدیر اہل حدیث کی تعصب پروری، اسلامی تاریخ سے جہل، تفسیر کے کوچہ سے نابلد ہونا، کم پڑھے لکھے مریدوں کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالنا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔

س ۲۲۳] رسالہ الواعظ لکھنؤ میں پڑھا ہے کہ حضور انور محمد مصطفےٰ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر فرمایا۔ ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیر خم پر پہونچے۔ تو آنحضرت پر وحی نازل ہوئی۔ یٰاَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ تبلیغ یہ تھی کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب نبی کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ جب یہ تبلیغ ہوچکی تو یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا اُتری۔

کیا یہ بات "الواعظ" کی ٹھیک ہے یا نہیں؟ (محمد عثمان خریدار اخبار اہلحدیث نمبر ۱۴۲۶)

ج ۲۲۳] یہ عقیدہ جو اس روایت میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ حضرت علیؓ سے مخصوص ہے۔ یہ خیال تمام آیات قرآنیہ کے خلاف ہے کیونکہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا حکم آیا ہے۔ وہاں سارا قرآن مراد ہوتا ہے۔ کوئی خاص حصہ نہیں۔ ایسا کہنا شیعہ کی ایجاد ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا۔ تو حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں خم غدیر کا وقف بحال کیوں نہ کرتے۔ اگر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ

صحیح نہیں - اللہ اعلم -

مولوی ثناء اللہ صاحب اگر یہ رویہ اختیار نہ کریں تو اُن کے لیے راہ مسدود ہے تفسیری اقتباسات مورخین کی صدائیں سیکڑوں راویوں کے بیان اُن کے نزدیک شیعوں کی ایجاد ہے چہ خوش کاش اس جواب میں حوالہ دے کر مستفتی کو بتایا ہوتا کہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا ذکر ہے وہاں سارا قرآن مراد ہے کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس موقع پر رسولؐ نے سارے قرآن کی تبلیغ کی اور اگر نہیں کی تو پھر وہی عقیدہ صحیح ہے جس کا الواعظ میں اعلان ہوا ہے اور یہ شیعوں کی ایجاد نہیں بلکہ آپ کی تعریض ایجاد بندہ ہے -

اسی اشاعت میں الواعظ کے قلمی معاونین کی طرف سے ایک مضمون غدیر پر شائع ہو رہا ہے جس میں صواعق محرقہ حبیب السیر مدارج النبوۃ وغیرہ کے حوالہ سے موضوع پر کامیاب بحث کی گئی ہے اُمید ہے کہ مدیر اہلحدیث ثابت کرے گا کہ ابن حجر عسقلانی اور شاہ عبدالحق دہلوی اور غیاث الدین بن ہمام الدین ہروی اکابر اہلسنت سُنی عالم نہیں ہیں اور ان کے بیانات بھی شیعوں کی ایجاد ہیں -

بلتستان میں مدرسۃ الواعظین کے اہم تبلیغی کارنامہ

جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ و مبلغ مدرسۃ الواعظین کو اس علاقہ میں قیام کیے ہوئے مہینوں ہو چکے ہیں توقع تھی کہ بلتستان کے اہل ایمان کم از کم واعظ محترم کے ماہوار اخراجات اور تبلیغی فرائض کو پورا کریں گے - لیکن مولانا کو کچھ ایسے احوال کا سامنا ہوا کہ شیعیان بلتستان سے کوئی مالی مدد نہیں مل سکی سرکار راجہ صاحب بہادر آف محمود آباد نے اپنی علم نوازیوں سے مقصد تبلیغ کی اہمیت دیکھ کر پانچسو روپیہ کی گرانقدر رقم مولانا کے پاس بھیجی اور یہ صدر دفتر نے مولانا کے مشاہرہ کو ماہ بماہ اون کے عیال تک پہونچایا تاکہ آپ سفر میں مطمئن ہو کر خدمت دین انجام دیں ، ہم ناظرین کو خاص طور پر ملتفت کرتے ہیں کہ وہ بلتستان میں تبلیغی جدوجہد کے وزن کو محسوس فرمائیں اور اس پر آشوب زمانہ میں واعظ موصوف کی عرق ریزی کو فراموش نہ کریں -

تحفہ بتریک

محترم مدیر آفتاب ہند علی گڈھ کو سرکار سید الشہداء روحی فداہ میں عقیدت کا شرف حاصل ہے صفحہ ۷ پر اون کی سرگذشت اونہیں کے قلم سے درج ہے ایڈیٹر صاحب ہماری طرف سے مبارک باد قبول کریں - ہم کو دلی مسرت ہو کہ اون کے عیال بال بال بچ گئے اور حافظ حقیقی نے مدد کی —

باب الاستفسارات

(از جناب تاج العلماء مد ظلہم العالی)

سوال۔ اذان میں حی علیٰ خیر العمل کب ترک ہوا اور کس نے عہد نبوی کی اذان میں تبدیلی کی اور کیا علل و اسباب تھے جو یہ متبرک ترین فقرہ اذان سے خارج کیا گیا۔

الجواب و باللہ التوفیق

حی علیٰ خیر العمل خلافت دوم میں اذان سے خارج ہوا ہے اور حضرت عمر نے اپنے حکم امتناعی میں خود اقرار کیا ہے کہ عہد رسول میں حی علیٰ خیر العمل برابر کہا جاتا تھا ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ان کا قول نقل کیا ہے ایہا الناس ثلث کن علی عہد رسول اللہ وانا انہی عنہن وہی متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل اے گروہ مردم تین باتیں عہد نبوی میں تھیں اور میں ان کو روکتا ہوں متعہ اور حج تمتع اور حی علیٰ خیر العمل۔ اس دست اندازی کا جدید حکومت کو کوئی حق نہ تھا من لا یحضرہ الفقیہ کی ایک روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اول کے شروع ہی میں جب اسلام مخالفین کی زد میں آیا اور آئین دین میں تبدیلیاں شروع ہوئیں اسی وقت یہ فقرہ بھی ترک کیا گیا ممکن ہے کہ اسوقت تاسیس ہوئی ہو اور آگے چل کر یکقلم موقوف کیا ہو مضمون روایت یہ ہے کہ بلال مؤذن رسول نے بعد وفات سرور کائنات اذان کہنا چھوڑ دی اور اپنی جگہ طے کر لیا لا اوذن لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں بعد رسول اب کسی کے لیئے اذان نہ کہوں گا فترک یومئذ حی علی خیر العمل رنج وغم میں انکے گوشہ نشین ہو جانے سے مخالف طبقہ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ عہد رسول کی اذان میں سے حی علیٰ خیر العمل کہنا موقوف کر دیا کلام کی یہ متانت ہے کہ ترک کرنے والے کا نام حدیث میں نہیں ہے اگر یہ نام پردہ خفا میں رہ جاتا تو نام دریافت کرنے کی ضرورت تھی۔ بظاہر اس فقرہ سے مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ غدیر خم میں بلال نے حی علیٰ خیر العمل کہہ کر حجۃ الوداع کے آگے بڑھتے ہوئے مجمع کو یکجا کیا تھا (ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۷۲ سطر ۲ مطبوعہ نولکشور مولفہ محمد خاوند شاہ) اس فقرہ کا تعلق حدیث غدیر کا شعار تھا اس لیے اہلبیت کے مخالف طبقے نے اس کو باقی نہ رکھا پیروان آل محمد عہد نبوی سے آج تک برابر اس فقرہ کو استعمال کر رہے ہیں۔

کتاب الدّعاء

سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب صلوات اللہ و سلامہ پیغمبر خدا صلعم کے سامنے آئے اور کچھ پوچھا مرسل نے جواب دیا کہ اے علی جس خدا نے مجھے سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس تھوڑا بہت جو کچھ تھا وہ سب میں نے تم کو سکھا دیا اب تم کو (دعا) تعلیم کرتا ہوں جو میرے دوست جبرئیل لائے ہیں اور کہا ہے کہ اے محمد (صلعم) یہ خدا کی طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے اور کسی نبی کو آپ سے پہلے عطا نہیں ہوا وہ اُنیس کلمات ہیں جن کو کوئی مصیبت زدہ اور مبتلائے کرب اور غمگین (اور جسکو نقصان پہونچا ہو) کسی چوری یا آتشزدگی کے موقع اور کسی بادشاہ سے خوف و اندیشہ ہو اُس وقت نہ پڑھے گا مگر یہ کہ خدا اُس کی مصیبت کو دور کر دے گا یہ ۱۹ کلمات ہیں چار اسرافیل کی پیشانی پر اور چار میکائیل کی جبین پر اور چار عرش کے دور پر اور چار جبرئیل کے بازو پر قلم قدرت سے لکھے ہیں اور تین کلمات کو خدا نے جہاں چاہا ہے ثبت کیا ہے جناب امیرؑ نے عرض کی کہ وہ کلمات کیونکر پڑھے جائیں فرمایا کہو۔

یَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ لَهُ یَا ذُخْرَ مَنْ لَا ذُخْرَ لَهُ وَیَا سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لَهُ وَیَا حِرْزَ مَنْ لَا حِرْزَ لَهُ وَیَا غِیَاثَ مَنْ لَا غِیَاثَ لَهُ یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ یَا عَظِیْمَ الرَّجَاءِ یَا عَوْنَ الضُّعَفَاءِ وَیَا مُنْقِذَ الْغَرْقٰی وَیَا مُنْجِیَ الْهَلْکٰی یَا مُحْسِنُ یَا مُجْمِلُ یَا مُنْعِمُ یَا مُتَفَضِّلُ اَنْتَ الَّذِیْ سَجَدَ لَكَ سَوَادُ اللَّیْلِ وَنُوْرُ النَّهَارِ وَضَوْءُ الْقَمَرِ وَشُعَاعُ الشَّمْسِ وَدَوِیُّ الْمَاءِ وَحَفِیْفُ الشَّجَرِ یَا اَللّٰهُ یَا اَللّٰهُ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ

پس اپنی حاجت طلب کرے خدا چاہے تو جگہ سے اُٹھنے کے پہلے مراد برآئے گی۔

علی گڑھ میں کرشمۂ قدرت (حیرت انگیز معجزہ)

عین موقعہ پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حضرت امام حسینؑ کی مدد کیلئے تشریف آوری

سینکڑوں من مٹی اور اینٹوں میں دب جانے کے بعد لڑکے محفوظ رہے

علی گڑھ۔ ۱۱ مارچ ۴۷ء منگل کا دن گزر کر ۱۲ مارچ کی شب کو انتہائی تیز ہوا چل رہی تھی اس ہی کے ساتھ بادل اور بجلی کی گرج اور چمک بہت زیادہ تھی۔ میں راقم الحروف (حکیم آفتاب ہند ایڈیٹر آفتاب ہند علی گڑھ) ۱۲ بجے رات کو حسب معمول نماز عشاء اور وظیفہ سے فارغ ہو کر چارپائی پر سونے کے لیے لیٹا خلاف عادت بہت جلد نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ جن کی سفید ڈاڑھی ہے اور سفید لباس میں ہیں تشریف لائے اور ان کے ہمراہ ایک نوعمر بزرگ ہیں جو عربی لباس میں ہیں ڈاڑھی کے سیاہ بال بہت چھوٹے چھوٹے پورے چہرہ پر ایک قطار میں نکلے ہوئے ہیں۔ ان بزرگوں کو دیکھ کر میں نے مودبانہ نام معلوم کرنے کی کوشش کی۔

ابھی میں کچھ عرض کرنے نہ پایا تھا کہ یکایک دوسرے کمرے سے رونے کی آواز آئی اور گھر والے شور مچانے لگے۔ یہ پون بجے شب کا وقت تھا میں گھبرا کر اٹھا اور میری اہلیہ اور میں دونوں شور والے کمرے کے دروازوں پر پہونچے اس کمرے میں میری چار لڑکیاں دو لڑکے اور لڑکی کے چھوٹے بچے ایک بڑے لڑکے کی دلہن سو رہے تھے باوجود ہر امکانی کوشش کے تین جوڑی کواڑوں میں سے ایک بھی نہیں کھلتا تھا کیوں کہ چھت گر جانے سے اینٹیں مٹی اور چوبی کڑیاں کواڑوں میں حائل ہو گئی تھیں۔ بہ دشواری ایک طرف کا ایک کواڑ کھلا اندر پہنچا تو خاک اڑ رہی تھی کہ دھوئیں کا شبہ ہوا اور خیال ہوا کہ آگ لگ گئی ہے۔ اس پریشانی میں سب سے پیشتر میں لڑکوں کی چارپائی کی طرف گیا کمرے میں اندھیرا تھا بجلی کا بلب چھت کے ساتھ گر گیا تھا صحن کی روشنی کی شعاع بھی قدرے پڑ رہی تھی جیسے ہی میں لڑکوں کی چارپائی کے قریب پہونچا تو وہاں چارپائی اور لڑکوں کی جگہ تقریباً ڈیڑھ گز اونچا مٹی۔ اینٹوں اور چوبی کڑیوں کا انبار تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ چھت گر گئی ہے اور اس میں دونوں لڑکے دب گئے ہیں۔ کچھ فکر ہوئی۔ لیکن ہمت و استقلال کے ساتھ خدا پر بھروسہ کر کے اس طرف سے جس طرف لڑکوں کا سرہانہ تھا اینٹیں مٹی ہٹانا شروع کی۔ تھوڑی ہی دیر میں محلہ والے میری امداد کے لیے پہونچ گئے گیارہ آدمیوں نے مسلسل نصف گھنٹہ تک مٹی وغیرہ ہٹائی اس وقت بڑے لڑکے کے منہ اور سر پر سے صرف مٹی اور اینٹیں صاف ہوئیں اور اس وقت بڑے لڑکے نے جن کی عمر تقریباً

۲۱ سال ہے گھبرا کر مجھے آواز دی کہا کہ بھائی مجھے جلدی نکالو اس کو میں نے تشفی دی تھوڑی دیر میں اس کے سینہ تک بہ دشواری مٹی وغیرہ ہٹائی جا سکی۔ اور اس خیال سے کہ بہت دیر ہو جائے گی اوسکے جسم پر سے مٹی وغیرہ صاف کرنے میں اس کو چار آدمیوں نے کھینچ کر نکالا اس کے بعد چھوٹے لڑکے کو تلاش کیا وہ اور زیادہ دبا ہوا تھا اس کو بہ دشواری نکالا چھوٹے لڑکے کی عمر ۱۶ سال ہے الحمد للہ دونوں بچے صحیح سلامت نکل آئے اب لڑکیوں کی طرف نظر ڈالی گئی تو دو لڑکیاں ایک سہری پر سو رہی تھیں جب ان پر چھت گری تو وہ ڈرکر دیوار سے لگ گئیں ان کو ایک بزرگ نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ چلو تم کو باہر سلا دیں وہ اس طرح صحن میں پہونچیں ایک چھوٹی لڑکی جس کا نام شاہدہ حسینی ہے اس کے سر پر ایک چوبی کڑی گری اس کے سرہانے میز پر پاندان رکھا ہوا تھا وہ کڑی پاندان پر گری اس سے رک گئی اس کا سر بچ گیا کیفیت دریافت کی گئی کہ ان کو چھت گرنے سے کیا تکلیف ہو پہونچی تو بڑے لڑکے نے جواب دیا کہ میں خواب دیکھ رہا تھا کہ میرے اوپر چھت گر رہی ہے۔ لیکن میں سو رہا مجھے کوئی تکلیف نہ تھی جب آپ نے منھ پر سے مٹی ہٹائی ہے تب ہم پر بوجھ اور تکلیف معلوم ہوئی ہے چھوٹے لڑکے نے بیان کیا کہ مجھے اور کوئی تکلیف نہ تھی میرا دم گھٹتا تھا تو میں گھبرا کر کہتا تھا یا حسین یا علی۔ دم گھٹتا ہے تو فوراً ایک تیز ہوا آتی تھی اس سے فوراً سانس درست ہو جاتا تھا۔

مسمی ایوب خاں جو میرے مکان سے ملحق رہتے ہیں اور امداد کے لیے پہونچے ان کا بیان ہے کہ چھت گرنے سے پیشتر میں یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ حضرت علی بہت جلد پہاڑوں پر چلتے ہوئے راقم الحروف کے گھر کی طرف تشریف لا رہے ہیں ایوب خاں امیر المومنین سے کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے کہ یکایک یہ واقعہ پیش آگیا وہ سوتے سے اٹھ کر سیدھے میرے گھر چلے آئے۔

صبح کو ان لوگوں نے جو رات کو میرے ساتھ امداد میں شریک تھے اس حیرت انگیز واقعہ کو جب بیان کیا تو تمام دن سینکڑوں آدمی مٹی اور اینٹوں کو دیکھ کر اور اس سے لڑکوں کے محفوظ رہنے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ آج تک لوگوں کی حیرت کی انتہا نہیں ہے۔ شہر کے پیش امام اور قاضی شہر مولوی محمد احمد اللہ صاحب بہت دیر تک حیرت میں مبتلا رہے ۵ دن تک شہر کے لوگوں نے بکثرت صدقہ بھیجا۔ ہر شخص بچوں کو سینہ سے لگاتا ہے واقعہ کی دراصل صورت یہ ہوئی کہ بالا خانہ کی ایک دیوار پر بجلی گری وہ دیوار چھت پر گری۔ چھت مع اینٹوں کے نیچے گری جس میں چار سو بڑی نمبری خشت، عدد چوبی کڑیاں اور بکثرت چھت کی مٹی سب دونوں لڑکوں پر گریں لیکن خدا نے بہ طفیل پنجتن ان کو محفوظ رکھا اس واقعہ سے لوگ بہت متاثر ہیں بچہ بچہ محلہ کا نماز پڑھنے لگا ہے۔

میں نے جو دو بزرگ خواب میں نہ دیکھے ان کے متعلق میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ بڑے بزرگ امام حسن تھے اور چھوٹے بزرگ امام حسین تھے لیکن بعض حضرات کا خیال ہے کہ چھوٹے بزرگ حضرت علی اکبر تھے۔ ۱۶ مارچ سنہ کو جشن ماہ محرم کے ایک عام حسینی لنگر کیا گیا اور نجف اور کربلا کی فاتحہ کی گئی۔۔۔ نیاز مند: ۔ حکیم آفتاب احمد خاں ایڈیٹر آفتاب ہند علی گڑھ (آفتاب ہند ۱۸ مارچ)

حضرت امانت مرحوم لکھنوی

ہے دل میں نور عشق رخ بوتراب کا — جلوہ ہے ایک ذرہ میں سو آفتاب کا

ظاہر ہو سب پہ رتبہ نہ کیوں بوتراب کا — روشن ہو ذرہ ذرہ پہ حال آفتاب کا

پرتو ہے دل میں عشق رخ بوتراب کا — ہے عکس اپنے آئینہ میں آفتاب کا

وصف ابوتراب میں چلنے لگا قلم — رستہ بتا دیا مجھے ملک ثواب کا

سائل علی سے ہیں مئے کوثر کے اے فلک — ساغر ہمارے ہاتھ میں دے آفتاب کا

کیا آبرو ہو دشت نجف کے غبار کی — گردوں پہ جا کے بنتا ہے لکہ سحاب کا

مہر ابوتراب اگر ہوگی زیر خاک — عالم لحد میں ہوگا شب ماہتاب کا

باغ نجف کو دیکھ کے برگ خزاں کی طرح — منہ زرد ہو گیا ہے گل آفتاب کا

کرتے ہیں لطف و مہر سے مشکل کشائیاں — کیا مومنوں پہ لطف و کرم ہے جناب کا

کیا لذتیں ہیں ساقی کوثر کے عشق میں — دل ہجر میں جلی تو مزہ ہے کباب کا

یارب یہ منہ سے نکلے امانت کے زیر خاک

عاشق ہے جان و دل سے شہ بوتراب کا

واقعۂ غدیر کے متعلق علماء اہلسنت کے اقوال و آراء

(رسالہ جناب مولانا سید صابر حسین صاحب زیدی الواسطی واعظ مدرسۃ الواعظین)

چوں نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

واقعۂ غدیر وہ مشہور عالم اور اظہر من الشمس واقعہ ہے جس کو مسلم و غیر مسلم اکثر و بیشتر مؤرخین نے نثراً و نظماً صفحات تاریخ پر جگہ دی ہے اور علمائے اہل تشیع نے اس کا کوئی گوشہ ایسا نہیں باقی ہے جس پر روشنی نہ ڈالی ہو اور اس کو واضح نہ کر دیا ہو جس کا انکار آفتاب نصف النہار کے انکار سے کم نہیں لیکن اگر کسی مخالفِ حق، تعصب پرور دشمنِ اہلبیت کو نظر نہ آئے تو اس کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ع گل را تصور نیست ترا اگر زکام ہست۔ اس کے منکرین کو اتنا بھی خیال نہیں کہ ہمارے انکار سے صرف علمائے ماسبق اور ائمۂ احادیث ہی کی تغلیط نہیں بلکہ خود سرکار دو عالم کی بھی تکذیب و توہین ہوتی ہے۔

جو لوگ اس کو ایک فرضی اور گڑھا ہوا واقعہ بتاتے ہیں ان کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے تو وہ باوجود دعوائے علمیت جہل مرکب میں مبتلا اور ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ کی تصویر ہیں۔ مخالفت اہلبیت نے ان کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈال دیے ہیں کہ دن دوپہر جس کو سترہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا اس کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالنے اور فراموش کرانے کی کوشش کرتے اور خود بھی بے بہرہ بنتے ہیں۔

واقعۂ غدیر کسی کو نظر آئے یا نہ آئے کوئی اس کو مانے یا نہ مانے وہ اپنے مقام پر قطب بن کر اس وقت تک لاشن و منور ہے کہ جب تک صفحۂ عالم پر حقائق تاریخ کا وجود باقی ہے۔ چاند پر خاک نہیں پڑتی۔ آفتاب کی کرنوں کو اگر کوئی پردہ میں چھپا کر عالم کو تیرہ و تار بنانا چاہے تو ناممکن ہے۔ جس واقعہ سے کثیر التعداد انسان باخبر ہو چکے ہوں جس پر خود حضرت عمر نے بخ بخ کی تکرار کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں مبارکباد پیش کی ہو جو اسلام سے بڑھ کر کام دو مِن کفر سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہو کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ کسی کے چھپائے چھپ سکے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں کہ اس نور کو عالم ظہور سے کافور کر سکے البتہ وہ خود بے شعور ہو کر جادۂ اسلام ہی سے دور ہو جائے گا۔

میں اقوال علماء پیش کرنے سے قبل چند سطروں میں اصل واقعہ کو نقل کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ ناظرین

واقعہ غدیر اقوال علماء کو اصل واقعہ سے بآسانی منطبق کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ درحقیقت اس کا انکار ہٹ دھرمی اور سفاہت ہے۔ اس مقام پر زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ جامع الاخبار کی ایک حدیث کا ملخص بیان کر دوں کہ اصل واقعہ ناظرین کے سامنے آ جائے۔

علی ابن عبداللہ ذیات سے روایت ہے کہ جب سرورِ کائنات حجۃ الوداع (آخری حج) سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی جانب مراجعت فرما رہے تھے اور اس وقت بارہ ہزار آدمی اہل یمن سے اور پانچ ہزار اہل مدینہ سے آپ کے ہمراہ تھے کہ جناب جبرئیل امین وحی الٰہی لیکر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان اللہ یقرئک السلام پروردگار عالم آپ کو سلام کہتا ہے وقرئ ھذہ الآیۃ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک اور یہ آیت پڑھی کہ اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو۔

حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل لوگ ابھی جدید الاسلام ہیں اس امر سے ڈرتا ہوں کہ وہ مضطرب نہ ہو جائیں اور اس امر میں میری اطاعت نہ کریں۔ یہ سن کر امین وحی واپس گئے اور دوسرے دن جب کہ جناب رسالتمآب مقام غدیر پر پہونچ چکے تھے پھر نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک　پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جو حکم تمہارے پروردگار کی
من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ　طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو
سمجھ لو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا

اللہ رے اہمیت اعلان ولایت علی ابن ابی طالب کہ تمام رسالت جناب رسالتمآب ایک طرف اور اعلان ولایت ایک طرف۔ اگر یہ اعلان نہ کیا تو گویا رسول کریم نے رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا۔

بہرحال جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں اپنے اصحاب سے ڈرتا ہوں کہ وہ اس امر میں میری مخالفت نہ کریں جبرئیل امین نے پھر صعود کیا اور تیسرے دن جب کہ آنحضرتؐ مقام غدیر خم پر پہونچ چکے تھے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول　اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا
بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم　ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا
تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک　کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا۔ (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے
من الناس　شر سے محفوظ رکھے گا۔

جس وقت آپ نے یہ کلام نیک انجام سنا فوراً حکم دیا کہ بس سیر نے ناقہ کو یہیں بٹھا دو۔ خدا کی قسم اب میں اپنے پروردگار کے حکم سے لوگوں تک پہونچائے بغیر ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا۔ اس کے بعد آپ نے پالانِ شتر کا ایک

منبر بنایا۔ علی ابن ابی طالب کو ہمراہ لے کر منبر پر تشریف لے گئے اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایھا الناس الست و لی بکم منکم اے لوگو کیا میں تم میں سے ہر ایک سے اولے نہیں ہوں فقالوا بلی یا رسول اللہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ آپ ہم میں سے ہر ایک سے اولے ہیں۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ قم یا علی اے علی اٹھو فقام علی حضرت کھڑے ہوئے۔ آپ نے امیر المومنین کے بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل نمودار ہوگئی اور فرمایا کہ الا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ثم نزل من المنبر اے لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ جس کا میں مولی ہوں اس کے یہ علی مولی ہیں پروردگارا تو دوست رکھ اس شخص کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے اور مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور اس کی مدد نہ کر جو علی کی مدد نہ کرے۔ یہ فرما کر آپ منبر سے اتر آئے۔ اس وقت اصحاب رسول امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارکباد پیش کرنے لگے۔

راول من قال لہ عمر بن الخطاب فقال لہ یا علی اصبحت مولائی و مولا کل مومن و مومنۃ و نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

سب سے پہلا جو شخص تہنیت پیش کرنے کو آگے بڑھا وہ عمر ابن خطاب تھے پس انھوں نے کہا کہ اے علی آپ میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولی ہوگئے ادھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے راس دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ہے غدیر خم کا مختصر واقعہ جس کو لوگ آج بھی جھٹلانے اور غلط ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اب میں چند مشاہیر علمائے اہلسنت کے چند اقوال پیش کر کے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ملاحظہ فرمائیں کہ اس واقعہ کے متعلق ان کے کیا کیا خیالات ہیں جس کو دنیا پوشیدہ کرنے میں سرگرداں ہے اور جو لوگ انکار وقوع واقعہ کرتے ہیں وہ کس درجہ کفر و ضلالت میں غرق ہیں۔ ملاحظہ ہو

علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں :۔

بیان انہ حدیث صحیح لا مریۃ فیہ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی واحمد وطرقہ کثیرۃ جدا ومن ثم رواہ ستۃ عشر صحابیا و فی روایۃ لاحمد انہ سمعہ من النبی ثلاثون صحابیا وشھدوا بہ لعلی لما نوزع ایام خلافتہ کما مر و سیاتی وکثیر من اسانیدھا صحاح وحسان و

اور بیان حال حدیث یہ ہے کہ یہ (حدیث غدیر) حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے جس میں ترمذی (صاحب صحیح) نسائی (صاحب صحیح) اور احمد (صاحب مسند) داخل ہیں۔ اس کے طرق اثبات بہت زائد ہیں اسی سبب سے اس کی روایت سولہ صحابیوں نے کی ہے اور احمد کی روایت میں ہے کہ اس کو رسول سے تیس صحابہ

لا التفات ان قدح فی صحتہ ولا لمن ردہ بان علیا کان بالیمن لثبوت رجوعہ منھا وادراکہ الحج مع النبی وقول بعضھم ان زیادۃ اللھم وال من والاہ الخ موضوعۃ مردود فقد ورد ذالک من طرق صحح الذہبی کثیرا منھا

صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص۲۵

روایت کیا ہے اور ان اصحاب نے امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کے حق میں گواہی بھی دی جب کہ ایام خلافت میں نزاع کی گئی تھی جیسا کہ گزرا اور عنقریب آئے گا اور بہت سے اسانید اس حدیث کے صحاح اور حسان ہیں اور اس حدیث کی صحت میں کلام کرنے والے کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا اور نہ اس شخص کی طرف کوئی توجہ کی جاسکتی ہے جو اس حدیث کو یہہ کہہ کے رد کرنے کا ارادہ کرتا ہے کہ علی تو اس وقت یمن میں تھے (یہ کیونکر یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے) اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امیر المؤمنین یمن سے واپس آ گئے تھے اور آپ نے جناب رسالتمآب کے ساتھ حج ادا کیا اور بعضوں کا یہ قول اللھم وال من والاہ کی زیادتی موضوع ہے' اس طرح رد کیا جائے گا کہ ان طرق سے یہ فقرہ وارد ہوا ہے جن میں سے اکثر طرق کو ذہبی نے صحیح سمجھا ہے اور ان کی تصحیح کی ہے۔ (صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص۲۵)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے اس کو نقل نہیں کیا یا صحیح نہیں سمجھا ہے ان کو علامہ ابن حجر مکی بالکل قابل التفات نہیں سمجھتے۔ نیز اتنا اور عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ ابن حجر مکی وہ ہیں جن کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے جنھوں نے منکرین حدیث کے متعلق یہ فقرے نقل کیے ہیں فافہم

ایضاً

(الحدیث الرابع) قال صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلم یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ الحدیث

(چوتھی حدیث) آنحضرتؐ نے غدیر خم کے دن (علی کے لئے) فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ پروردگارا تو دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو بھی تو دشمن رکھے۔ الیٰ آخر الحدیث

وتقدم فی حادی عشر الشبھۃ وانہ رواہ عن النبیؐ ثلاثون صحابیا وان کثیرا من طرقہ صحیح او حسن وتقدم الکلام

صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۱۲ھ ص۴۳

اور اس کا ذکر گیارہویں شبہ میں کر دیا گیا ہے اور اس کو جناب رسالتمآبؐ سے تیس اصحاب نے روایت کیا ہے اس کے اکثر طرق صحیح یا حسن ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

علامہ غیاث الدین بن ہمام الدین ہروی تحریر کرتے ہیں کہ

پیش از طلوع صبح طواف وداع نمودہ از طرف اسفل مکہ بیرون فرامید و متوجہ مدینہ گشتہ طے مسافت می فرمود تا بمنزل غدیر خم کہ نزدیک حجفہ است رسید۔ در کشف الغمہ مسطور است کہ حضرت شفیع الامم صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم

بعد از وصول بغدیر خم دراں موضع کہ بسبب فقدان آب و علوفہ قابلیت نزول نداشت فرود آمد و اہل اسلام لوازم متابعت بتقدیم رسانیدند۔ سبب نزول دراں منزل آں بود کہ قبل ازاں حضرت مقدس نبوی بحسب وحی سماوی مامور شدہ بود کہ جناب ولایت مآب مرتضوی را بخلافت خویش نصب نماید و آنحضرت اظہار ایں صورت را بجہت دریافت وقتیکہ از اختلاف مامون باشد در عقدۂ تاخیر انداختہ بود۔ چوں بموضع غدیر خم رسید معلوم گردید کہ پس ازیں تجاوز ازاں مکان طوائف انسان از موکب ہمایون جدا شدہ بطرف منازل خود خواہند رفت، و ارادۂ ازلی مقتضی آں بود کہ آں تمامی مردم ازیں معنی باخبر باشند ایں آیہ نازل شد کہ یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک یعنی فی استخلاف علی والنص علیہ بالامامۃ وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس و چوں مدلول کریمۂ مذکورہ وجوب نصب امیر المومنین بخلافت متحقق گشت، حضرت رسالت دراں موضع منزل گزیدہ فرمود تا سایۂ بعضے از اشجار آن حوالی را صفا دادہ و پالان شتراں را جمع ساختہ بر زبر یک دیگر نہادند۔ بلال باشارت آنحضرت ندا کرد کہ الصلوٰۃ جامعۃ و بروایتے آواز بر آورد کہ حی علی خیر العمل و خلائق مجتمع گشتہ۔ رسول اللہ بر بالائے آن پالانہا بر آمد و علی مرتضی را نیز بفرمودہ آنحضرت بالا رفتہ بریمین سید المرسلین بایستاد و آں سرور بعد از ادائے حمد و ثنا کے باری تعالے از انتقال خویش بعالم بقا مردم را آگاہ گردانید و فرمود کہ من درمیان شما دو امر عظیم می گزارم کہ اگر دست دراں زنید گمراہ نشوید و یکے ازاں دو بزرگ تر است از دیگرے و آں دو چیز گرانمایہ قرآن است و اہل بیت من و ایں ہر دو از یک دیگر جدا نشوند تا در لب حوض کوثر بمن رسند، پس فرمود کہ یا ایھا الناس الست اولیٰ بکم من انفسکم آیا نیستم من اولیٰ بشما از نفسہائے شما۔ از اطراف و جوانب آواز بر آمد کہ بلیٰ آنحضرت فرمود ہر کہ من اولی ام باو از نفس او علیؑ بر او اولیٰ است از نفس او۔ آنگاہ دست ولایت شاہ ولایت پناہ را گرفتہ گفت من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث کان پس امیر المومنین کرم اللہ وجہہٗ بموجب فرمودۂ حضرت رسالتؐ در خیمہ نشست تا طوائف خلائق بملازمتش رفتہ لوازم تہنیت بتقدیم رسانیدند و از جملہ اصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب جناب ولایت مآب را گفت بخ بخ یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ یعنی خوشحال تو اے پسر ابیطالب بامداد کردی در وقتیکہ مولائے من و مولائے ہر مومن و مومنہ بودی بعد ازاں امہات مومنین بر حسب اشارت سید المرسلین بخیمۂ امیر المومنین رفتہ شرط تہنیت بجائے آوردند و بروایت علمائے مذہب امامیہ آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا دریں روز نازل گشت و حضرت رسول فرمود اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرب برسالاتی والولایۃ لعلیؑ ابن ابی طالب تاریخ حبیب السیر جز سوم از جلد اول در بیان حال دہم

[illegible] مطبوعہ بمبئی۔ شعبان ۱۲۷۳ھ مطابق اپریل ۱۸۵۷ء

شاہ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

دراثنائے طریق مراجعت بمنزل غدیر خم رسید کہ از نواحی جحفہ درمیان مکہ و مدینہ مطہرہ است روئے مبارک سوئے یاراں کرد و فرمود کہ الستم تعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم آیا نمی دانید شما کہ من نزدیک تر و دوست ترم بمومناں از ذاتہائے ایشاں۔ چنانچہ در قرآن مجید ہم مذکور است کہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم و در روایتے آمدہ است کہ سہ بار فرمود ایں لفظ را و معنی آنست من امرے نمی کنم مومناں را مگر بانچہ صلاح و نجات و خیریت دنیا و آخرت ایشاں دراں باشد بخلاف نفوس ایشاں کہ گاہے بشر و فساد نیز میخوانند قالوا بلی گفتند صحابہ آرے تو نزدیک ترین و دوست ترین بمومناں ہستی از نفوس ایشاں (الی ان قال) فرمود خدا مولائے من و من مولائے جمیع مومنانم بعد ازاں دست علی را بگرفت و فرمود اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ خداوندا کسیکہ من مولائے اویم پس علی مولائے اوست اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ خداوندا دوست دار کسے را کہ دوست دارد علی را و دشمن دار کسے را کہ دشمن دارد علی را۔ و در روایتے ایں زیادہ آمدہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ یاری کن کسے را کہ یاری دہد علی را یاری نہ دہد کسے۔ اگر فرگذار دو یاری ندہد علی را وادر الحق حیث دار وبگرداں حق را با علی ہر سو کہ بگردد و آمدہ است کہ ملاقات کرد علی را عمر بعد ازیں حکایات و گفت گوارندہ باش و شاد باش اے پسر ابی طالب کہ صبح کردی و شام کردی و گشتی مولائے ہر مومن مرد و زن۔ روایت کردہ است ایں حدیث را احمد از براء بن عازب و زید بن ارقم کذا فی المشکوٰۃ بداں کہ ازیں حدیث نہایت فضل و تکریم است مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ و تحریص و ترغیب است مر مومناں را بر محبت و موالات او و اجتناب و احتراز از بغض و عداوت او۔ چناں کہ در حدیث دیگر آمدہ است کہ دوست نہ دارد علی را مگر مومن و دشمن نہ دارد او را مگر منافق مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔ دسمبر ۱۹۱۴ء

افسوس یہ ہے میں ایسے مقام پر بیٹھا ہوا مضمون لکھ رہا ہوں کہ جہاں مزید کتب دستیاب نہیں ہو سکتے جس کی بنا پر مضمون ناقص اور تشنہ رہ گیا۔ کوشش کروں گا کہ آئندہ اس کو اتمام تک پہنچاؤں۔ فی الحال جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس سے بھی واقعہ کے استحکام اہمیت اور صحت پر جو کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ منکرین قابل اعتبار نہیں گویا ان کا انکار کسی شمار ہی میں نہیں رکھا گیا۔ نیز جن لوگوں نے اس کو نقل نہیں کیا ہے وہ بھی قابل توجہ نہیں سمجھے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ محدث دہلوی کے آخری فقرات بھی نہایت درجہ قابل توجہ اور قابل قدر ہیں جن کو موصوف نے کذا فی المشکوٰۃ کے بعد سے تحریر فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس حدیث سے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی انتہائی فضیلت و تکریم ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ مومنین کو انتہائے مودت و محبت

امیر المومنین کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور آنجناب سے بغض و عداوت رکھنے کو سختی سے روکا گیا ہے، حتیٰ کہ یہاں تک لکھ دیا کہ علی کو دوست نہ رکھے گا مگر مومن اور دشمن نہ رکھے گا مگر منافق جس کو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ کے صفحہ ۳۲۶ پر دو طرح سے اور صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۶۵ پر، ترمذی نے اپنی صحیح کے صفحہ ۲۱۶ پر بھی بالفاظ خود بیان کیا ہے جس سے مجھے اس وقت کوئی بحث کرنا نہیں۔

مولےٰ کے معنی

بعض لوگوں نے اقرار ولایت امیر المومنین سے فرار کا ایک نیا حیلہ پیدا کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث تو یقیناً صحیح اور متواتر ہے لیکن مولےٰ کے معنی یہ نہیں جو شیعہ کہتے ہیں بلکہ کبھی دوست کے بتاتے ہیں کبھی اس کے علاوہ کچھ اور۔ میں اس وقت تمام معانی سے بحث کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر مولےٰ کے معنی اولیٰ بالتصرف کے نہ تھے تو جناب رسالت مآب نے اپنی اولویت کے ساتھ کیوں ملا دیا۔ اول تو رسول کو خود تصریح کر دینا چاہیے تھی کہ بھائیو، میں نے اس مقام پر اپنے لئے جو "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنی اور ہیں اور علی کے لئے جو استعمال کیا تھا اس کے معنی اور ہیں لیکن آپ کا نہ بتانا اس امر پر دلیل ہے کہ یا تو (معاذ اللہ) خود لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے تھے یا دونوں کا مفہوم ایک تھا معنی ایک تھے جس کی بنا پر رسول نے نہ بتایا اور خود بخود لوگ اس کو سمجھ گئے حتیٰ کہ حضرت عمر ایسے حدید الذہن بھی اس کو سمجھ کر بخ بخ پکار اٹھے جن کو عمر بھر کلالہ اب تک کے معنی نہ سمجھ میں آئے اور اگر وہ معنی نہ سمجھے تھے تو آنجناب نے مبارکباد کس امر کی پیش کی تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ شاید کبھی کبھی وہ اپنا عیب چھپانے کے لئے یونہیں بے سمجھے بوجھے ہاں میں ہاں ملانے لگتے تھے جس کو کم از کم میں باور نہیں کر سکتا اور یوں بھی یہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ روایات میں یہ ہے کہ اول من قال لہ عمر بن الخطاب الخ پھر ہاں میں ہاں ملانا کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انھوں نے معنی کو سمجھ کر مبارکباد پیش کی تھی۔

اچھا اگر رسول نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سب عرب ہیں قرائن موجود ہیں معنی مبہم نہیں مطلب دقیق نہیں سمجھ جائیں گے معنی نہ بتائے تو کم از کم لوگ خود ہی دریافت کر لیتے کہ یا رسول اللہ اس کے معنی کی بھی تشریح فرما دیجئے، بلکہ ہم لوگ مغالطہ میں نہ رہ جائیں لیکن ان کا نہ دریافت کرنا ہی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ معنی سمجھ گئے تھے اور سمجھ کر مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ عرب تھے با فہم تھے ان کو ان کی فہمول کی طرح معنی دریافت کر کے احمق بننا نہ تھا۔

آخر میں ہم ایک چیز اور پیش کر کے مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ اصول یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی زبان کا کوئی لفظ معرض بحث میں آجائے تو اس زمانے میں اس زبان کے محاورہ اور راویوں کی طرف رجوع کرنا

چاہیے۔ میرے خیال میں اس صورت سے یہ تحقیق باسانی ہو سکے گی تو اب عربی زبان کا ایک لفظ "مولیٰ" بیچارہ معرض خطر میں پڑا ہے لہٰذا دیکھیے کہ اس زمانہ اور اس زبان کے کسی شاعر نے بھی اس کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کی ہے یا نہیں اگر مل جائے تو اس سے بہتر اور کون سی امداد لفظ "مولیٰ" کو مل سکتی ہے۔ تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عرب کا مشہور اسلامی شاعر حسان بن ثابت موجود تھا اس نے رسول کریم سے اجازت لے کر اس واقعہ کو تمام و کمال نظم کر دیا جس کو ابو سعید خدری بایں طور روایت کرتے ہیں کہ

قال حسان بن ثابت ائذن لي يا رسول الله فاقول في علي ابياتا تسمعين فقال قل على بركة الله فقال حسان يا معشر مشيخة قريش اسمعوا قولي بشهادة من رسول الله في الولاية ماضية	حسان بن ثابت نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں علی کے بارے میں چند اشعار پڑھوں جن کو آپ بھی سنیے۔ فرمایا کہ اچھا کہو خدا برکت عطا کرے پس حسان نے آواز دی کہ اے بزرگان قریش میرا کلام سنو جس پر رسول اللہ گواہ ہیں اور ان کی گواہی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔

ان میں سے چند اشعار یہ ہیں جو نقل کیے جاتے ہیں:—

يناديهم يوم الغدير نبيهم ... بخم واسمع بالرسول مناديا

غدیر کے دن مقام خم میں لوگوں کو ان کا نبی پکار رہا تھا اور پیغمبر سے زیادہ کس کی منادی سنی جائے گی

فقال فمن مولاكم ووليكم ... فقالوا ولم يبدوا هناك التعاميا

(اس وقت) حضرت یہ فرما رہے تھے کہ تمہارا مولیٰ اور ولی کون ہے تو لوگوں نے بے تکلف جواب دیا اور صاف صاف [illegible]

الهك مولانا وانت ولينا ... ولم ترمنا في الولاية عاصيا

(یا رسول اللہ) آپ کا خدا ہمارا مولیٰ ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں اور آپ ہمیں امر ولایت (علی بن ابی طالب علیہ السلام) میں نافرمان نہ دیکھیں گے

فقال له قم يا علي فانني ... رضيتك من بعدي اماما وهاديا

پس آنحضرت نے فرمایا کہ یا علی اٹھو کہ میں نے اپنے بعد تمہارا ہادی ہونا اور امام ہونا پسند کیا ہے۔

فمن كنت مولاه فهذا وليه ... فكونوا له انصار صدق مواليا

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں تو یہ (علی) اس کے ولی ہیں اس لئے تم سب کے سب ان کے سچے دوست اور مددگار ہو جاؤ۔

هناك دعا اللهم وال وليه ... وكن للذي عادى عليا معاديا

اس وقت حضرت نے خدا سے دعا کی کہ پروردگار تو اس کے دوست کو دوست رکھ اور جو علی کو دشمن رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔

کیا کہنا اس اسلامی شاعر کا اور اس کے زور کلام کا کہ اس نے قول رسول کو قریب قریب حرف بحرف نظم کر دیا اور پیغمبر کی اجازت لے کر نظم کیا۔ خود پیغمبر نے اس کلام کو سنا اس کی تصدیق فرمائی اور دعا دی۔ ارشاد فرمایا کہ لا تزال

(بقیہ مضمون صفحہ [illegible] پر ملاحظہ فرمائیے)

ہم اور ہماری ذہنیت

از جناب مولوی سید حسین علی شاہ صاحب نقوی حیدرآباد

الواعظ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ کی فہمائش پر ایک حقیقی درد دینی رکھنے والے بزرگ جناب سید امیر عباس صاحب دام مجدہٗ نے عنوان بالا کے تحت ایک پر مغز معنی خیز و سبق آموز زرین مقالہ حوالہ قلم کرکے اہل اسلام کو اون کے اصل اور ابتدائی سبق کو کما حقہ یاد کرانے اور پھر اس سے مستفاد ہونے کی طرف بطور خاص متوجہ کیا ہی اور جناب ممدوح کا یہ نیک اقدام خیر الناس من ینفع الناس و احیا الناس جمیعاً کے مرحمت آمیز احکام الٰہی کے اتباع میں ہے۔ خدائے پاک ان کو اجر عظیم عطا کرے گا۔ موجودہ دہریت کے زمانہ میں اس امر کی شدید سے ضرورت ہی کہ دیگر اہل دل مسلم حضرات بھی اس قسم کے مضامین تحریر فرما کر مدت یک شوند بشکند کوہ لا کو شرمندہ معنی فرمائیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندرونی اصلاحی مادہ سے اپنے ایمان کو مکمل کرکے فائز المرام ہو۔ یہ مسلمہ عام مسئلہ ہے کہ مسلم کا ایمان بین خوف و رجا رکھا گیا ہی۔ اگر انسان ان ہر دو امور کو سمجھنے کی کوشش کرے تو بحیثیت مسلم (سر تسلیم خم کرنے والا) اوس کا اولین و خوشگوار فریضہ ہوگا کہ حصول مقصد کے لیے الفاظ بیم و رجا کی کنہ کو ذہن نشین کرکے اون پر عمل پیرا ہو۔ جناب لقمان اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں کہ اے میرے لخت جگر تیرے دل میں دو نور ہیں۔ ایک بیم کا اور دوسرا رجا کا اور اگر ان دونوں کو وزن کیا جائے تو دونوں بالکل برابر اور ہموزن ہوں گے اے بیٹا اگر تیری عبادت ثقلین کے برابر ہو تو پھر بھی تجھکو اس امر کا خدشہ ہونا چاہیئے کہ خدا تجھے دوزخ میں ڈال سکتا ہے۔ اور اگر تیرے گناہ پہاڑ کے برابر ہوں تو اس صورت میں خدا کی رحمت سے تجھکو مایوس نہ ہونا چاہیئے اللہ اللہ، واہ رے تیری ذرہ نوازی کہ تو اپنے بندوں کو گھر کے اپنی رحمت کی طرف لے جاتا ہے مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے کتب علی نفسہ الرحمۃ، تو پھر اس سے ڈرنا چہ معنی دارد۔ لیکن چونکہ ایمان میں خوف و رجا رکھا گیا ہی لہذا اس امر کے دریافت کی ضرورت ہوئی کہ پھر انسان کو کس سے ڈرنے کا حکم ہی۔ لہذا ضروری ہوا کہ اولاً لفظ بیم کی کنہ کو سمجھا جائے اور اس کے بعد رجا کا دامن پکڑا جائے۔ مولوی روم نے بیم و رجا کے متعلق اپنی مثنوی کے میں یوں اظہار کیا ہے:۔ در حق چگونہ گویم کہ ندست باندرنہ دل ؛ دل دوست چون تو بر ہے بدہ اے خدا مانی خدا نے اللہ کو لفظ معلی سے یاد کیا ہے اور اپنے لیے خیر المطلعین تجویز فرمایا۔ دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی [illegible]

دے تو اس کا واپس لینا تو درکنار معطی الیہ کا شکریہ بھی یہ کہکر کہ "یہ کون سی بات ہے" قبول نہیں کرے گا، یہ تو ظاہر کہ دل دوست کا عطا کرنے والا خدا ہے پس جب انسان (معطی) اپنے عطیہ کو واپس لینا اپنی شایان شان نہیں خیال کرتا تو اسی نظریہ کے تحت بلا تشبیہ خدائے پاک (خیر المعطین) کیسے اپنی عطا کی ہوئی شے کو واپس لے گا۔ مگر مولوی روم نے شعر بالا میں دل دوست کے لے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم کو اس لے جانے کی کنہ کے ضمن میں یوم الست کو جانا ہوگا۔ خدائے پاک نے روحوں سے "الست بربکم" فرمایا اور ارواح کے جواباً بلیٰ کہنے پر خدا نے فرمایا کہ ہم تم کو دنیا میں کچھ مدت کے لیے بھیجیں گے۔ تم کو چاہیے کہ میرے امر لینے اپنی روح کو دنیا میں رہ کر ملوث نہ کرنا بلکہ پاک و پاکیزہ حالت میں اسے ہماری حضور میں پلٹنا۔ اس مادی دنیا میں عمل کرنے کے لیے انسان کو تین نفوس درگاہِ احدیت سے دیے گئے (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ۔ اور مقتضی اشرفیت حضرت انسان یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نفس مطمئنہ بنا کر بارگاہ ایزدی میں پلٹے۔ "یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ الخ" ورنہ بغیر اس کے انسان کی موت منشاء ایزدی کے خلاف ہو کر انسان کے داخلۂ بہشت (جس کے لیے ہر ذی فہم مسلم متمنی بھی ہے) میں ایک حد تک مانع و مزاحم ہو گی۔ پس معلوم ہوا کہ داخلۂ بہشت کے لیے نفس مطمئنہ بنانے کی اس دار العمل دنیا میں بدرجۂ اتم ضرورت ہے۔ بعض وقت انسان اپنے جدی دشمن شیطان علیہ اللعنۃ والعذاب کے اغوا سے ایسے کام کر گذرتا ہے جو اس کی اشرفیت کے منافی ہوتے ہیں یعنی انسان اپنے خواہش نفس کا پیرو ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں صاف اور صریح ارشاد ربانی ہے کہ "جو میری خوشنودی چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ مخالفت نفس میں ڈھونڈے مگر لوگ ہیں کہ اس کو (اپنی شامت اعمال کے باعث) موافقت یا اتباع خواہش میں تلاش کرتے ہیں پس کیسے پائیں گے"۔

دل کو منظر ربانی کہا گیا ہے ؎

دل یکے منظر یست ربانی حجرۂ دیو را چہ دل خوانی

دوسرے شعر میں دل کی اصل حقیقت اور اس کو علیٰ حالہ قایم رکھنے کا نتیجہ کس قدر عظیم بتلایا گیا ہے۔

؎ روزن دل گر کشادست و صفا می رسد بے واسطہ نور خدا

آخری شعر تو ہر صاحب دل سلیم کے قلب سلیم میں ایک وجدانی کیفیت تک پیدا کر سکتا ہے۔ انسان جب منظر ربانی کو حجرۂ دیو (خواہش نفس کا پیرو) بنا لیتا ہے (حالانکہ ہر ذی فہم قاری قرآن جانتا ہے کہ اغوا کے بعد شیطان فوراً یہ کہہ دیتا ہے "انا بری منک انا اخاف رب العالمین" تو پھر کیسے یہاں انسان اس قول شیطان کے لغو معلوم کرنے کے بعد آئندہ اس کے دام تزویر کا شکار بننے کی سعی نا مشکور کرتا ہے، جمع ضدین عقلاً محال تصور کی گئی ہیں۔ لہٰذا منظر ربانی اور خواہش نفس کا باہم ایک مقام پر رہنا بھی اسی مسلمہ نظریہ کے تحت محال اور ایک سے دوسرے کی جدائی لازم۔ اب ہم پر مولوی روم کے شعر بالا کے مصرع اول کا حق ظاہر ہو جاتا ہے یعنی اصل دل

نکل گیا اور اس کی جگہ خواہش نفس قایم ہوگئی۔ اس وقت انسان کو ہوش آیا یعنی اب وہ سمجھا کہ یہ سب کچھ میرے ہی ہاتھ کی کرتوت ہے اور پھر اس عجز و اعتراف کے بعد اس کو سخت ندامت اور پشیمانی لاحق ہوئی۔ اس ندامت کو ہم بآسانی لفظ "بیم" یعنی خوف خدا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ منزل بیم کو طے کرنے کے بعد بفحوائے "لا تیأسوا من روح اللہ" انسان کو بجز اس کے چارہ نہیں رہتا کہ اپنے درد کے درمان کے لیے اس ماوا و ملجاء بے کساں خدائے رحیم کی طرف رجوع کرے۔ اس قسم کے رجوع کو ہم رجا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے مولوی روم کے شعر کے مصرع ثانی کا حل بھی ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنی علو مرتبت معطیہ رب الارباب سے ناقدری یا انحراف کے بعد اپنے اعمال بد کے باعث ڈرتا ہے۔ لہذا مجلسی علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد کہ "خدا سے ڈرنے سے کیا معنی" خود بخود پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے۔
منازل بیم و رجا کا جو بہترین حل جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنی مناجات کے شعر میں فرماتے ہیں اس کو بغرض عبرت و استفادہ اہل دل حضرات درج کیا جاتا ہے۔ فھو ھذا "الٰہی لئن عذبتنی الف حجۃ فحبل رجائی منک لا ینقطع۔ (بار الٰہا اگر تو مجھے ہزار سال عذاب کرے تو اس کے بعد بھی امید کی رسی میرے ہاتھ سے ٹوٹ نہیں سکتی) قرآن میں ہے کہ قیامت کا ایک دن اس دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا اس لحاظ سے عقبیٰ کے ایک ہزار سال اس دنیا کے (۳۶،۵۰،۰۰۰۰) چھتیس کروڑ پچاس لاکھ سالوں کے برابر ہوں گے۔ اگر قیامت کے یقینی ہونے اور وہاں پر رتی رتی حساب کے ہونے کا یقین کامل ہو جائے تو پھر جناب امیر مومنان علیہ السلام کا شعر مذکورہ بالا ہر ذی فہم مسلم کو لرزہ براندام کرتے ہوئے حتی الوسع اعمال صالح بجا لانے کی طرف بہ دل راغب کر سکتا ہے۔ عبد اور معبود میں بڑا فرق ہے اگر بالفرض محال ایسا نہ ہوتا تو پھر جناب مولائے متقیان علیہ السلام کو خلعت عصمت سے سرفرازی کے باوجود شب ضربت "آہ آہ قلت زاد و طول سفر" پر ندامت کی بھی ضرورت داعی نہ ہوتی۔ اپنے امام عالی مقام کی ظرفی تاسی ہم پر بھی تو واجب ہے لہذا اس وجوب کو شرمندۂ تعبیر کرنا بھی تو ہمارا فریضہ ہے نہ کہ صرف زبانی جمع و خرچ و ادعائے غلامی علی ابن ابی طالب (نافہم و تدبر) یہ تو بدیہی اور ظاہر ہے کہ اس مادی دنیا میں جہان کی اوسط عمر فی کس صرف (۵۰) سال ہے ہر ملازم یا نوکر اپنے افسر یا مالک کے احکام کی تعمیل محض اس خیال سے کرتا ہے کہ اس کی بسر اوقات اچھی طرح سے ہو سکے ورنہ عدم تعمیل احکام کے صورت میں اسکو اپنی خدمت سے برطرفی کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ دنیا میں ہر شخص خواہ کیسے باشد ایک دوسرے کا محتاج ضرور ہے۔ اگر دنیا کے ملازمین کسی معقول وجہ سے کام کرنا چھوڑ دیں تو افسران یا مالکان کی کارروائی پر بھی اثر پہونچتے رہتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر انسان احکام خداوندی کو بجا لائے یا چھوڑ دے تو خدا کی خدائی میں کسی قسم کا اضافہ یا کمی ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ خدا غنی مطلق اور بے نیاز محض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احکام خدا کو ماننے اور ان کو عملی جامہ پہنانے سے انسان اپنی ہی فلاح دارین کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں تقاضائے عقل و دانش

یہی ہوتا ہے کہ ہر شخص یہم ورجا کو اولاً اچھی طرح سے سمجھکر ہر وقت اپنی امکانی حد تک ان پہرو ومنازل کو بفضلہ طے کرکے تکمیل ایمان کرے ۔ موجودہ زمانہ میں جو امور شرعیہ سے کسی قدر انحراف ہو رہا ہے اوس کے صرف دو ہی سبب ہو سکتے ہیں ایک لاعلمی یا جہالت دوسرے ذمہ دار حضرات کا عوام الناس کو کما حقہ اون کے دینی فرائض سے آگاہ و تنبہ نہ کرنا ۔ ہم نے بار ہا تنظیم قومی کی طرف قوم کی توجہ مبذول کراتے ہوئے عدم تنظیم کے باعث جو نقصانات اہل اسلام کو پہونچ رہے ہیں اون کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے، کہتے ہیں اور سچ بھی ہے کہ "بے سر کے سرداری ناممکن لہذا اب وقت آگیا ہے کہ ہم لوگ اپنے میں سے کسی ایک بزرگ و مقدس و بے لوث ہستی کو اس سرداری کیلیے منتخب کریں اور پھر ہم تمام اپنے امیر جماعت کے ہر ارشاد کی تعمیل کو اپنے اوپر واجب العمل خیال کرتے ہوئے ہمیشہ اون پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ معزز فرقہ بوہرہ میں زیر قیادت جناب تقدس مآب حضرۃ ملا سیف الدین صاحب طاہر دام مجدہ ہو رہا ہے ۔ چونکہ قیامت میں ہر شخص سے انفرادی حیثیت سے بازپرس ہوگی لہذا ہر مسلم کو محض اپنی ہی فلاح دارین کے خیال سے علم دین بموجب ارشاد نبوی صلعم حاصل کرکے اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہئیے تنہا حصول علم سے کام نہیں چلتا بلکہ علم اسی وقت کارآمد ہو سکتا ہے جب اس پر عمل بھی کیا جائے ۔ ورنہ ۔ العالم بلا عمل کالشجرۃ بلا ثمر" کا اطلاق ہوگا ۔ اس وقت تک کہ قوم کو تنظیم قومی کا سعید دن دیکھنا نصیب ہو ہر ذمہ دار و بافہم مسلم کا فریضہ ہونا چاہئیے کہ وہ شرعی امور کی تبلیغ میں بموجب حکم محکم خدائے پاک حتی الوسع سعی مشکور کرتا رہے ۔ تاکہ موجودہ حالت کی جو سستی اور غفلت ہر طرف رونما ہو رہی ہے اوس کا کسی حد تک تو سدباب ہو سکے ۔ اور ایسے مبلغین اسلام "خیر الناس من ینفع الناس" کا خطاب حاصل کر سکیں حسین کو تو اقوام عالم نے انسان ساز اور محسن انسانیت کے نام سے یاد کیا ہے اور ہم لوگ بھی اسی شہید اعظم کو اپنا حقیقی پیشوا اور امام مفترض الطاعۃ مانتے ہیں لہذا اس ماننے کو شرمندۂ معنی کرنا بھی تو اصولاً ہمارا اولین خوشگوار فریضہ ہونا چاہئیے ۔ حضرات ذاکرین یا واعظین سے ہم ادباً استدعا کریںگے کہ چونکہ یہ مقدس بزرگوار منبر رسول پر بیٹھکر اپنے بیانات سے سامعین کو شاد فرماتے ہیں لہذا اپنی علو مرتبت کے مدنظر ایسے موعظہ جات فرمائیں کہ جن سے احیاء و بقائے دین ہو سکے ۔ مثلاً نماز ۔ روزہ ۔ حج و زیارات ۔ ادائی حقوق العباد ۔ ہمدردی انسانی اور بالآخر تکمیل دین کے لیے بیم و رجا کے مسائل اور اس کے ساتھ ساتھ ائمۂ طاہرین کے عملی مثالیں دیکر سامعین کو بھی موثر طریقہ سے بہ تاسی امام عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں " ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ اگر خوش بختی سے ہماری اس استدعا کو شرف قبولیت بخشا جائے تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اہل اسلام جن کے یہاں ترک دنیا ناجائز ہے وہ ہمیشہ کام اور درست کام میں منہمک رہنے ہی کو اپنا اخلاقی و مذہبی شعار قرار دے سکیں گے ۔ حقوق العباد کے ادا ئی میں زکواۃ ایک ایسی مد ہے کہ جس کے باعث علاوہ عاقبت کی رستگاری کے ہم اہل اسلام ہر سال اس خدائی ٹکس میں ایک معتد بہ رقم بہشت و خوشنودی حاصل کرکے ایسی رقم کو حقیقی مستحقین کی جائز امداد ۔ و قومی تجارت میں مشتبہ حضرات علمائے کرام

رضوان اللہ عنہم واکابر اقوام ملکر قوم کے افراد میں محنت پیشقدمی۔ فرض شناسی وکفایت شعاری اور بیوپار کی صلاحیت کی روح پھونک سکتے ہیں اور مگر ضرورت محسوس ہو تو قومی ادارہ جات کی بھی اس رقم سے اعانت کرکے ان کو سرمایہ کے لیے آئے دن کی اپیلوں سے بھی نجات دلائی جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو قوم ہر مذہبی رسالہ جات باسانی کثیر تعداد میں شایع ہوکر بلا دیورپ وامریکہ کی لائبریریوں میں مفت تقسیم کیئے جاویں۔ جیسا کہ عیسائی مشن کر رہی ہے۔ اور پھر ہم لوگ اپنے نیک اقدام (ادائی زکوٰۃ) کی بدولت کم کم مہذب ممالک کے طالبان حق کو حلقہ بگوش اسلام کرکے "ان الدین عند اللہ الاسلام" کے منشار ایزدی کی تکمیل کی سعادت سے بھی بفضلہ بہرہ اندوز ہوسکیں گے۔ چونکہ موجودہ ذہنیت ہر ذی فہم مسلم کے لیے ہمارے بیان بالا کے رو سے ایسی قرار دی جا سکتی ہے جو سراسر منافی احکام خدا ورسول ہو کر قوم کی آئندہ تباہی کا باعث ہو لہذا اس میں تبدیلی کی لازمی ضرورت۔ اور تبدیلی بایں معنی کہ ہم تمام اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا اولاً لحاظ احساس کریں اور پھر ان سے عہدہ برآ ہونے کی اہمیت پر نظر غائر ڈالتے ہوئے عمل بھی کریں۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ لا تیأسوا من روح اللہ لہذا مایوسی کے خیال خام کو ہمیشہ کے لیے دل سے نکال کر عزم راسخ کے ساتھ کام کیا جائے تو خدا کی مدد پہونچ کر رہتی ہے۔ بقول "ہمت مرداں مدد خدا"، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(بقیہ مضمون صـ ۱۶)

یا حسان مؤیدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانک یعنی اے حسان جو کچھ تم نے اپنی زبان سے ہماری نصرت ومدد کی ہے اس کے صلہ میں ہمیشہ روح القدس سے مؤید رہو اللہ اکبر یہ حسان کے اشعار نہ تھے گویا ایک شمشیر آبدار تھی کہ اس کے ذریعہ وہ رسول کی امداد کر رہے تھے اور رسول نصرت کے متقر تھے اور اس کے صلہ میں دعا دے رہے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جو شخص واقعہ غدیر خم کو صحیح طور پر نشر کرے گا وہ نصرت پیغمبر کرتا ہوا نظر آئے گا۔ خیر

بہرحال ان اشعار کو دیکھنے کے بعد ہر صحیح الدماغ شخص اچھی طرح سمجھ سکے گا جناب رسالتمآب نے علی کے لیے مولیٰ کن معنی میں استعمال فرمایا ہے اگر اب بھی نہ سمجھ میں آیا ہو تو پانچویں شعر کے پہلے مصرع کو چوتھے شعر کے دوسرے مصرعہ سے ملا کر دیکھ لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ مولا کن معنی میں استعمال ہوا ہے اب اگر اتنی صراحت کے بعد بھی کوئی اسے نہ سمجھے تو اسے خدا سمجھے۔

تمام ہندوستان کے علماء کرام کی خدمات میں

اہم ترین گذارش

از جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ واعظ مقیم اسکردو

سلام علیکم۔ مزاج شریف

کچھ عرصہ سے ہندوستان جس انقلابی دور سے گذر رہا ہے ارباب بصیرت پر روشن ہے ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کی ہر قوم و مذہب کو اپنے قومی و مذہبی حقوق کے تحفظ کا پورا احساس ہے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے جلیل ترین قربانیاں بھی عزیز نہیں ہیں۔ ایسے دور میں حضرات شیعہ کو اگر اپنے عقائد و اعمال و مراسم مذہبی کے تحفظ کا احساس نہ ہو تو یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔

کسی قوم کے حقوق کا تحفظ اس کے اتحاد اور اس کی واحد آواز پر موقوف ہے اور قوم کا اتحاد حضرات علماء کرام کثر اللہ امثالہم کی سرپرستی کے بغیر ناممکن ہے جنھیں غیبت امام علیہ السلام کے زمانہ میں حق نیابت حاصل ہے۔ اور جو اپنے عہد میں شرعی امور کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں۔ اس لیے اشد ضرورت ہے کہ حضرات علماء کرام اپنے اس اہم فریضہ کا احساس کر کے مختلف علماء کی ایک آواز بنا لیں۔ تاکہ آئندہ جو قوانین مرتب ہوں۔ ان میں فرقۂ شیعہ کے لیے ان کے مذہب کے مطابق قوانین مرتب ہوں۔ اور انھیں کسی دوسری شریعت کا پابند نہ کیا جا سکے۔

یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ جب تمام ہندوستان کے وہ اہل علم جو فی الواقع اس کے اہل ہیں۔ یا کسی رقبہ میں رسوخ اور تعلق رکھتے ہیں سب کے سب بلا تفریق خورد و بزرگ "شیعہ مجلس علماء ہند" کی رکنیت بالاتفاق قبول فرمالیں اور سارے ہندوستان کی جانب سے صرف ایک مجلس علماء مرتب فرمائیں۔

ظاہر ہے کہ بعض مذہبی ضروریات ایسے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا تعلق مقامی حالات سے ہوتا ہے۔ اور ہندوستان کے ہر صوبہ بلکہ ہر خطہ کے مقامی حالات مختلف ہیں۔ اسلیے اگر صرف ایک یا چند صوبوں سے مشتمل مجلس علماء قایم کی جائے گی تو وہ تمام ہندوستان کی نمایندگی نہ کر سکے گی۔ یہ اہم مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ہندوستان بھر کے اہل علم اس کے رکن ہوں۔ اور جو اہم امور طے کیے جائیں وہ اہل

اگر "شیعہ مجلس علماء ہند" کا قیام مذکورہ بالا طریقہ پر عمل میں آجائے تو پھر ہر حکومت پر یہ لازم ہو جائے گا کہ وہ اہل شیعہ کے لیے کوئی ایسا حکم نافذ نہ کرے جو ان کے مذہب کے خلاف ہو۔ نیز "شیعہ مجلس علماء ہند" کو یہ حق ہوگا کہ وہ تحفظ قوم و مذہب کے لیے جس اصلاح یا اقدام کی ضرورت محسوس کرے حکم دے سکتی ہے۔ جس کی پابندی قوم پر بھی فرض ہوگی۔ اور حکومت وقت پر بھی۔

اس اہم ضرورت کا احساس کرکے آج سے ایک سال قبل اس کا مشورہ میرے اور عالیجناب مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ کے درمیان لکھنؤ میں ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہو کہ عوائق زمانہ کے باعث یہ تجویز بہت تاخیر سے بذریعہ اخبارات منظر عام پر آسکی۔ ورنہ اس کا کام بذریعہ خط و کتابت عرصہ سے جاری تھا۔ نیز سفر بلتستان کی وجہ سے ناچیز اس فضا سے اس قدر دور ہوگیا کہ اب میری کوئی آواز ایک ماہ سے قبل اخبارات تک ابھی نہیں پہونچ سکتی۔

پھر بھی الحمد للہ شمالی ہند کے حضرات علماء عرصہ ہوا اس کی رکنیت منظور فرما چکے ہیں۔ نیز ہندوستان کے ہر گوشہ سے منظوری کے سیکڑوں خطوط وصول ہو چکے ہیں۔

میری دعاء اور دلی تمنا ہے کہ ہمارے علماء سب کے سب بالاتفاق اس تجویز کو بخوشی منظور فرما کر اپنا دستخطیں ثبت فرما دینگے۔ اور ناچیز بشرط حیات اگر فصل گرما میں واپس آیا تو "شیعہ مجلس علماء ہند" کو منظم اور مرتب اور کام کرتا ہوا ارکان مجلس سے شرف ملاقات حاصل کردوں گا۔

تاجدار انبیاء ہو یا مصطفےٰ

از ایم اے آکمل منشی کاشا جابوری رئیس المدارس مدرسہ نورانیہ راجکوٹ تلمیذ حضرت نجم لکھنوی

تم حبیب کبریا ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
سرور ہر دو سرا ہو یا محمد مصطفےٰ

بادشاہِ اصفیاء ہو یا محمد مصطفےٰ
تاجدار انبیاء ہو یا محمد مصطفےٰ

بہ پذیر التجا ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کے خاطر کیے پیدا زمین و آسماں
آپ کے ممنون ہیں افلاک پر قدسیاں

آپ پر شمس و قمر قربان ہیں ہر ایک آن
آپ کے انوار سے پرنور ہی سارا جہاں

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

پنجتن کے فخر تم ہولے رسول انس و جن
حیدر کرار حضرت پر فدا ہیں رات دن
چین زہرا کو نہ آتا تھا تمہارے دیکھے بن
ظل حضرت میں رہے حسنینؑ ہر دم مطمئن

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کے اوصاف لکھے کوئی یہ ممکن نہیں
آپ کا مدح ہے قرآن میں رب العالمیں
آپ کی خدمت شرف ہے بہر جبریل امیں
خادمہ ہے آپ کے خادم کی ہر اک حور عین

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

ذبح سے تم نے بچایا اشتر دیرینہ کو
آپ نے بخشی جلا اسلام کے آئینہ کو
صاف رکھا دشمنوں سے بھی دل بے کینہ کو
حق نے رکھا شہ کے دل میں علم کے گنجینہ کو

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

دی گواہی آپ کی گلشن میں کل اشجار نے
آپ کا کلمہ پڑھا جنگل میں ہر کہسار نے
دی بزرگی تم کو ایسی داور دادار نے
سر جھکایا در پہ شہ کے گنبد دوار نے

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

رحمت للعالمیں القاب والا جاہ ہے
تم شفیع المذنبین ہو خلق سب آگاہ ہے
بار یاب خلد ہی وہ جسکو تم سے راہ ہے
عرض یہ اکملؔ کی تم سے شاہ دیں ہر گاہ ہے

یہ پذیرا التجا ہو یا محمد مصطفےٰ
دفع میری ہر بلا ہو یا محمد مصطفےٰ

قومی ہمدردی سے کام لے کر

کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر

اربعین تک عزاداری کی داغ بیل

عالی جناب شیخ تصدق حسین صاحب جنتی بی اے ایل ایل بی

لکھنؤ سٹی اسٹیشن واقع ڈیوڑھی آغا میر سے ریل پر جانب شمال بارہ بنکی یا سیتا پور جائیں تو اگلے ہی اسٹیشن ڈالیگنج کی پشت پر ایک بغیر استرکاری کی عالیشان عمارت محلہ ارادت نگر میں نظر آئیگی جس پر دو بڑے بڑے گول سر کے گنبد اور دو نامکمل مینار ہوں گے۔ یہی نصیر الدین حیدر بادشاہ کی کربلا ہے جس کا نام انھوں نے 'شبیہ کربلا[1]' رکھا تھا۔

داخلہ کا صدر پھاٹک معدوم ہو چکا ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش تھی۔ اسکا بھی بیشتر حصہ منہدم ہوگیا ہے روضہ کے وسط میں دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں ایک خوشنما چوبی ضریح رکھی ہے دوسرے میں بادشاہ کی قبر ہے جس پر سنگ مرمر لگا ہے اور ایک چوبی خطیرہ بھی نصب ہے۔ اندرونی حصوں میں تو کہیں کہیں استرکاری ہو چکی تھی جو خراب و خستہ حالت میں اب تک موجود ہے مگر بیرونی حصے بالکل عریاں ہیں۔ ان پر استرکاری کہیں نام کو نہیں ہے۔ روضہ کا صدر دروازہ کے بائیں جانب اس غار یا نشیبی مقام کی نقل تعمیر کی گئی ہے جہاں پر حسب روایت شمر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تن اطہر سے جدا کیا تھا۔ کربلا کی چہار دیواری کے باہر افتادہ زمین پر تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ ابھی کربلا زیر تعمیر تھی کہ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۳۷ء شاہ نصیر الدین حیدر کو اُن کے دشمنوں نے زہر دے کر عالم بالا کو رخصت کر دیا۔ دوسرے معنی اپنی ہی بنوائی ہوئی کربلا میں آغوش لحد میں سلا گئے۔ کربلا کے قیام و بقا کے لیے کوئی وقف بھی نہ کرنے پائے تھے۔ قبر پر قطعہ تاریخ حسب ذیل کندہ ہے۔

بادشاہ نامدار و زیب تخت و چتر و تاج | رفت از دنیا سوئے گلزار عقبیٰ آہ آہ
آفتاب عالم آرا شد نہاں زیر زمیں | تیرہ و تاریک دنیا شد زمرگش در نگاہ
مسکن خود ساخت جنت دفن شد در کربلا | حامی دین، عدل گستر داد رس ظل الٰہ
از سر افسوس گفتہ سال تاریخش سرور | مرد اے وائے نصیر الدین حیدر بادشاہ
۱۲۵۳ھ

---

[1] تاریخ اودھ از مولانا نجم الغنی رامپوری جلد چہارم۔

بادشاہ کی رحلت کے بعد پھر کسی کو توفیق نہ ہوئی جو عمارت کو مکمل کر کے آراستہ کر دیتا چنانچہ وہ اسی طرح بے رونق پڑی ہوئی ہے۔ پہلے اس کے اخراجات کی متحمل گورنمنٹ ہوتی تھی مگر جب سے شیعہ کالج کربلا کی آراضی پر تعمیر ہوا ہے اسوقت سے اسکے مصارف کالج کے ذمہ ہو گئے ہیں۔

مولوی عبد الحلیم شرر مرحوم بھی اس بارے میں اپنی تصنیف "گذشتہ لکھنؤ" میں تحریر کرتے ہیں:-

نصیر الدین حیدر کو ہجوم عیش میں کچھ توفیق نہ ہوئی۔ دریا پار محلہ ارادت نگر میں انھوں نے ایک کربلا بنوائی جو خود ان کا مرقد قرار پانے والی تھی مگر اس کی خدمت و دہشت کی ذرا بھی فکر نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ڈالی گنج اسٹیشن کے پاس اجاڑ اور خاموش پڑی ہے۔

ولادت نصیر الدین حیدر مرزا نصیر الدین حیدر عرف مرزا علی حیدر شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نور نظر تھے۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ کو مسماۃ صبح دولت کے بطن سے پیدا ہوئے جو بادشاہ کی بیاہتا بیوی بادشاہ بیگم صاحب کی خادمہ تھی اور بعد میں ممتاز محل کے خطاب سے ممتاز ہوگئی تھی مگر بادشاہ بیگم سوت کا جلاپا برداشت نہ کر سکیں اور صبح دولت کو بعد ولادت ناقابل برداشت اذیتیں دے دے کر چند ہی مہینوں میں ختم کرا دیا۔ اسکی لاش جھانکڑ باغ متصل مفتی گنج میں سپرد لحد کی گئی۔ اس کی وفات کے بعد بادشاہ بیگم نے چاہا کہ گل نو شگفتہ نصیر الدین حیدر کو بھی ٹھکانے لگا دیں مگر فیض النساء مغلانی نے سمجھا بجھا کر ان کو اس فعل ناجائز سے باز رکھا۔ بعدہٗ بیگم صاحب نے بچہ کو اس ناز و نعم اور ارمانوں سے اپنا بیٹا بنا کر پرورش کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ نصیر الدین حیدر ان کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں۔ بعد تخت نشینی جب نصیر الدین حیدر کو نواب معظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی زبانی پوست کندہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے اپنی والدہ ممتاز محل کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کرا دیا جو امتداد زمانہ سے اب منہدم ہو کر رہ گیا ہے۔

باپ کی زندگی میں مرزا نصیر الدین حیدر کا خطاب ابو النصر قطب الدولہ سلیمان جاہ صاحب عالم ولیعہد مرزا نصیر الدین حیدر بہادر اسد جنگ تھا۔

تخت نشینی وزراء جب غازی الدین حیدر خلد مکاں ہو گئے تو ان کے چشم و چراغ مرزا نصیر الدین حیدر ۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو بعمر پچیس سال اورنگ سلطنت پر جلوہ فرما ہوئے پھر پنجشنبہ کو حسب معمول بڑی دھوم دھام اور جلوس شاہی سے حضرت عباس کی

لے وقائع دلپذیر ۲ قیصر التواریخ جلد اول صفحہ ۲۸۷۔

درگاہ تشریف لیگئے ۔ چوک چوتھی کی دولھن کی طرح آراستہ تھا۔ کمروں پر جابجا نوبت بج رہی تھی طوائفیں ناچ کو بیٹھی تھیں۔ فقراء و مساکین کو ہر طرف روپیہ لٹایا گیا جس کسی نے راہ میں عرضی دی لے لی۔ نواب معتمد الدولہ آغامیر خواصی میں تھے۔ درگاہ میں حاضری کا دسترخوان نذر بڑے تکلف سے ہوا۔
نواب معتمد الدولہ آغا میر شاہ مرحوم کے وقت سے وزیر چلے آتے تھے مگر انکی سابقہ بدسلوکیوں اور کج ادائیوں کی وجہ سے شاہ حال کی طبیعت ان کی طرف سے بہت پُر کدورت تھی چنانچہ بمشورہ گورنر جنرل ان کو بتاریخ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۷ء بذریعہ رزیڈنٹ گرفتار کراکے خود انکے دولت خانہ واقع دولت پورہ میں نظر بند کرادیا۔ صاحب رائے مورخ نے ان کی معزولی کی تاریخ کہی ہے ۔ ” آج اس گھر کا سنیچر اترا “۔
معتمد الدولہ کی کل املاک واقع دولت پورہ وغیرہ میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ صرف ہوا تھا مطابق سرکاری میں ضبط ہوگئی۔ بماہ اکتوبر ۱۸۳۰ء موصوف کانپور کو روانہ ہوگئے اور ۷ مئی ۱۸۳۲ء کو اس دارنا پائدار سے بھی کوچ کر گئے۔ معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد بادشاہ بنفس نفیس مہمات سلطنت کی طرف متوجہ ہوئے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لہر جاتی رہی اور بتاریخ ۱۵ مئی ۱۸۲۸ء مطابق ۳۰ شوال ۱۲۴۳ھ میر فضل علی کو وزیر اعظم مقرر کرکے پھر رنگ رلیاں منانے لگے۔ میر فضل علی کو اعتماد الدولہ خطاب ہوا مگر دربار کا رنگ بگڑا ہوا تھا اسی سبب سے موصوف کا رنگ جم نہ سکا اور بددل و شکستہ خاطر ہو کر صرف ۱۰ ماہ کے بعد اپنے منصب جلیلہ سے دست کش ہو گئے مگر اس قلیل[له] مدت میں بھی انھوں نے ایک کروڑ روپیہ پیدا کیا اور بہت سے بیش بہا جواہرات بھی انکے ہاتھ لگے اس وقت وزیر اعظم کی تنخواہ پچیس ہزار روپیہ ماہوار تھی اور جو رقم مالگزاری خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اس میں بھی پانچ روپیہ فیصد وزیر اعظم کا حق ہوتا تھا۔ اور جو تحفے تحائف غرضمندوں اور ماتحتوں سے وصول ہوتے تھے وہ ان رقوم کے علاوہ تھے۔
اعتماد الدولہ کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بادشاہ نے امور سلطنت کی انجام دہی اقبال العلہ محمد علیخاں ابن ظفر الدولہ کپتان فتح علیخاں و فخر الدین احمد خاں عرف مرزا حاجی خلف فخر الدین خاں عرف مرزا جعفر اور راجہ رام دیال برہمنی رام نقال کے سپرد کی گئی مگر منشی عبد الواحد مصنف وقائع دلپذیر کے نزدیک چونکہ تینوں وزراء ناکردہ کار اور کم عمر تھے اس لیئے اپنے عہدے کے فرائض بحسن و خوبی انجام نہ دے سکے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عیش و عشرت میں پڑ کے گلچھرے اڑانے لگے۔
. . . . یہ رنگ دیکھ کر بادشاہ نے تینوں وزراء کو برخاست کردیا اور

[له] از قیصر التواریخ۔

حکیم مہدی علیخاں کو فرخ آباد سے طلب کر کے بتاریخ ۱۴ نومبر ۱۸۳۰ء قلمدان وزارت ان کے سپرد کیا۔ منتظم الدولہ خطاب بھی عنایت کیا مگر بعض وجوہات سے بادشاہ سے ان سے بھی آخر میں نہ بنی اور پونے دو برس گزرنے کے بعد بماہ اگست ۱۸۳۲ء مطابق ۷ ربیع الاول ۱۲۴۸ھ انھیں بھی معزول کر دیا۔ ناسخ نے حکیم صاحب کے زوال کی تاریخ نئی انداز سے کہی :- افتاد حکیم اندر اتب؛

تاسخ بطرز نو رقم کن + از جاے حکیم ہفت برگیر؛ سہ مرتبہ نصف نصف کم کن۔
۱۲۴۸ھ

منتظم الدولہ کا آفتاب اقبال غروب ہو جانے کے بعد نواب روشن الدولہ محمد حسن خاں عرف مرزا نتھو کا نصیب چمکا اور موصوف بجائے حکیم صاحب فرائض وزارت انجام دینے لگے۔ ۱۸ نومبر ۱۸۳۲ء کو ان کی وزارت کی منظوری بھی آگئی وہ اپنے فرائض منصبی پانچ برس تک انجام دیتے رہے۔ نصیر الدین حیدر کے انتقال کے تخمیناً ڈھائی مہینے کے بعد بعہد دولت حضرت محمد علی شاہ بائیس لاکھ روپیہ ان کے ذمہ باقی نکلے اسی مطالبہ میں ان کی کل جائداد واقع لکھنؤ ضبط سرکار ہو گئی۔ اس کے بعد وہ کانپور چلے گئے اور وہیں بحالت عسرت و تنگدستی انتقال کیا۔

مصاحبین بادشاہ

شاہان اودھ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ ولایتی اشیاء اور یورپی طرز معاشرت کے بہت دلدادہ تھے۔ انھوں نے قصر سلطانی کے کمروں میں انگریزی وضع کا فرنیچر نہایت سلیقہ سے مغربی طریقہ پر سجایا تھا۔ ان کے کئی مصاحب بھی انگریز تھے جن کو بیش قرار مشاہرے دیے جاتے تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) مسٹر رائٹ معلم جن سے بادشاہ انگریزی زبان کا درس لیتے تھے۔
(۲) مسٹر مانٹز۔ یہ جرمنی کے اعلیٰ درجہ کے مصور اور ماہر موسیقی تھے۔
(۳) مسٹر کروملی۔ یہ مہتمم کتبخانہ تھے
(۴) کپتان میگنس۔ جو باڈی گارڈ یعنے محافظ ذات شاہانہ تھے۔

(۵) ڈی رسیٹ (De Russett) شاہی خط تراش جس نے بادشاہ کے بال جو پہلے بالکل سیدھے سپاٹ تھے انگریزی وضع کے تراش کر ان میں خوبصورت پیچ و خم پیدا کیے تھے جو ان کے گورے چٹے چہرہ پر بہت زیب دیتے تھے یہ حجام بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا تھا جنھوں نے اس کو سرفراز خاں خطاب دے کر سرفراز کیا تھا۔ اس کو مصاحبت کا بھی افتخار حاصل تھا اور اکا مشروبات اور دیگر ولایتی اشیاء اسی کی معرفت خریدی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے ایک قلیل مدت میں

---

۳۱ Private Life of an Eastern King ایک مشرقی بادشاہ کے نجی حالات

وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہو گیا تھا بقول مس سڈنی ہے (Miss Sydney Hay)
مولف ہسٹارک لکھنؤ Historic Lucknow اس نے شاہ اودھ سے تقریباً پچیس
لاکھ روپیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے پیدا کیے تھے۔

(۲۶ و ۲۷) رابرٹ ہوم (Robert Home) و جارج بیچی (George Beechy)
یہ دونوں شاہی مصور تھے ان اشخاص کے علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کا فرانسیسی رکابدار بھی ملازم تھا
جو اپنے آقائے نامدار کے لیے نہایت لذیذ ولایتی کھانے اور مٹھائیاں تیار کرتا تھا۔ شاہی کوچبان
بھی آئرلینڈ کا باشندہ تھا مگر آخر الذکر چاروں ملازموں کو مصاحبت شاہ کا شرف حاصل نہ تھا۔

بادشاہ زیادہ تر انگریزی طرز کی پوشاک کوٹ پتلون ونکٹائی وغیرہ زیب تن کرتے تھے اور
ہیٹ یعنی چھجہ دار انگریزی ٹوپی بھی لندن کی بنی ہوئی استعمال کرتے تھے۔ دربار میں بھی بجائے مسند
کے زرنگار کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ منجملہ دیگر لوازمات کے ایک ولایتی محل بھی مسٹر جارج ہاپکنس والٹرز
(George Hopkins Walters) کی بیٹی کا کیا تھا جن کو نواب مخدرہ علیا کے خطاب
سے سرفراز کیا تھا۔ ولایتی محل کرنے کی مثال ان کے پدر نامدار شاہ غازی الدین حیدر قائم کر چکے تھے
جنھوں نے اولاً کرنیل ایش (Col. Aish) کی دختر سے عقد کر کے ان کو مبارک محل خطاب دیا
تھا اور بار دیگر ڈاکٹر شارٹ کی بیٹی سے شادی رچا کر انکو نواب سلطان مریم بیگم کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا

محلات (نصیر الدین حیدر کا عقد شہزادہ سلیمان شکوہ کی لاڈلی بیٹی نواب رقیہ سلطان بیگم سے بتاریخ
۱۷ مئی ۱۸۱۴ء شاہ غازی الدین حیدر کے اصرار و اصرار سے بہ تعین مہر پانچ کروڑ روپیہ ہوا تھا۔ بیگم
بلا کی حسین اور سنجیدہ نیک دل تھیں گھر والے ان کو پیار سے بوا سلطانہ کہتے تھے سسرال سے انھیں
نواب سلطان بہو صاحبہ خطاب ملا تھا مگر یہ شادی راس نہ آئی شوہر سے ہمیشہ ناموافقت رہی اور
باوجود کدخدا ہو جانے کے وہ دوشیزہ ہی رہیں۔ مرزا سلیمان شکوہ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے
دوسرے شاہزادہ نواب قدسیہ بیگم سے تھے جو ایران کے شاہی صفویہ خاندان کی ایک فرد اور اثنا عشریہ
پیرو تھیں شہزادہ موصوف بھی اپنی ماں کے مذہب پر تھے بعد ضبطی سلطنت اودھ علمداری سرکار میں
بیگم صاحبہ کربلائے معلی چلی گئیں۔ عراق میں چند سال قیام کرنے کے بعد موت نے انھیں اپنی آغوش میں
لے لیا اور میٹھی نیند سلا کر دنیاوی بکھیڑوں سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا۔
صاحب تاج و تخت ہونے پر نصیر الدین حیدر نے حسینی خانم مخاطب بہ شہزادہ محل کو بموجب عقد

---

۵۷ Historic Lucknow ۵۸ قیصر التواریخ۔

زمانہ ولیعہدی نواب ملکہ زمانیہ کا خطاب عطا کر کے اُن کا وثیقہ دس ہزار روپیہ ماہوار کا مقرر کیا اور علاقہ ہڑیہ روہ متعلق سیوا ڑہ چھ لاکھ روپیہ سالانہ کا بطور جاگیر بھی مرحمت کیا۔ ملکہ زمانیہ نے ایک عالیشان امام باڑہ محلہ گولا گنج میں بنوایا اور بعد انتقال اُسی میں دفن ہوئیں۔ اُنکے بعد جارج ہاپکنس والٹرز George Hopkins Walters کی لڑکی ولایتی کر کے انھیں نواب مخدرۂ علیا خطاب دیا۔ اُن کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار ہوا اور جاگیر بھی میاں گنج رسول آباد ضلع اُناؤ کی چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی مرحمت کی۔

اُسکے بعد بھچو طوائف متوطن حسن پور بندھوا کی لڑکی حسینی کا محل ہوا۔ پہلے اُن کو خورشید محل خطاب دیا پھر ایک روز مذاق میں اپنا تاج اُن کو پنھا دیا اور دوسرا خطاب نواب تاج محل صاحبہ عطا کیا۔ اُن کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار کا ہوا اور جاگیر نواب گنج چھ لاکھ روپیہ سال کی ہوئی اُن کے بعد حسب ذیل محلات ہوئے۔

حسینی طوائف مخاطب بادشاہ محل جن کے نام پر ایک محلہ موسومہ ڈیوڑھی بادشاہ محل جھوائی ٹولہ کے قریب اب تک آباد ہے

نواب نور محل جنکی ایک عالیشان مسجد بنارسی باغ کے جانب غرب واقع ہے۔ انھوں نے کربلائے معلی میں انتقال کیا سکھ چین خواص مخاطب بہ فضل محل جس سے شہزادۂ مناجان پیدا ہوئے۔

پھول محل۔ دختر بہنی رام اقبال و ہمشیرہ مختلف البطن راجہ رام دیال ساکن گول دروازہ لکھنؤ۔

حسینی طوائف مخاطب بہ سلطان محل۔

عباسی محل۔ یہ بھی ایک طوائف کی لڑکی تھی۔

آفتاب محل۔ و مہتاب محل۔ دونوں ایک کلاونت کی لڑکیاں تھیں۔

نواب قدسیہ محل صاحبہ۔ ان کا نام بسم اللہ خانم تھا یہ بادشاہ کی بہت چہیتی بیوی تھیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۸۳۱ء کو اُنکے ساتھ نکاح ہوا۔ ۱۷ اگست ۱۸۳۴ء کو انھوں نے زہر کھا کر جان دیدی اور بادشاہ کی نو تعمیر کربلا واقع ارادت نگر کے اندرونی درجہ میں دفن ہوئیں۔

نواب ممتاز الدہر بادشاہ جہاں بیگم۔ قدسیہ محل کے انتقال کے بعد مرزا باقر علیخاں کی دختر یعنی نواب روشن الدولہ وزیر اعظم کی بھانجی سے عقد کر کے یہ خطاب ان کو دیا مگر اُنکی جہدوستی سے ناخوش ہو کر آخر میں انھیں کنگلا محل خطاب دیا۔ موصوفہ چاندی خانہ میں رہتی تھیں وہیں انتقال کیا۔ لاش کربلائے معلی بھیجی گئی۔ اُن کا امام باڑہ چاندی خانہ میں اب تک موجود ہے مگر اب کسی اور کے قبضہ میں ہے۔

ماہرویان عیش محل - لالہ رام پرشاد رفیق خاص افتخار الدولہ مہاراجہ میوہ رام نے کئی اسامیاں صاحب حسن و جمال جو بازار حسن میں سب سے زیادہ نام آور تھیں ہزارہا روپیہ خرچ کرکے جمع کیں اور انکو داخل محل شاہی کردیا ان سبھوں کو مجموعی طور پر عیش محل خطاب دیا - انکے علاوہ کرم بخش کسبی وغیرہ جو چوٹی کی طوائفیں تھیں وہ بھی داخل محل ہوئیں حسینان عیش محل کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی تھی -

تعمیرات (۱) چھتر منزل - اس کی تعمیر شاہ غازی الدین حیدر نے شروع کی تھی مگر نصیر الدین حیدر کے زمانۂ حکومت میں تکمیل کو پہونچی - یہ عمارت بادشاہ نے محلات شاہی کی سکونت کے لیے تعمیر کرائی تھی چونکہ اسکے اوپر چتر طلائی لگائے گئے تھے اس لیے اس کا نام چھتر منزل رکھا -

(۲) **ولایتی باغ** - یہ باغ بھی نصیر الدین حیدر نے کوٹھی دلکشا کے آگے لب دریا بی بی پور والی کوٹھی کو جاتے ہوئے بائیں جانب بنایا تھا - اس کا نام ولایتی باغ اس لیے رکھا تھا کہ یا تو یہ ولایتی محل کے لیے بنایا تھا اور یا اس لیے کہ اس میں ولایتی درخت کثرت سے لگائے گئے تھے - واجد علیشاہ نے اسکی چہار دیواری کو بلند کردیا کیونکہ انکی بیگمات اکثر وہاں سیر و تفریح کو جایا کرتی تھیں اور اسکے لیے پردہ کی ضرورت تھی یہ باغ اتنک بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہے مگر اب اسمیں ایک بڑا گھاٹ دھوبیوں کا بنایا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں کچھ انگریز مرنیوالوں کی قبریں بھی ہیں -

(۳) **تارہ والی کوٹھی** جسمیں بادشاہ نے اپنا شہرۂ آفاق رصد خانہ قائم کیا تھا -

(۴) **درگاہ بارہ امام** - شیر دروازہ کے اندر تعمیر کرائی تھی جو اب موجود نہیں ہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں منہدم ہوگئی -

(۵) کربلا واقع ارادت نگر جو ناتمام رہ گئی -

ان عمارتوں کے علاوہ انھوں نے لکھنؤ میں دو محلے گنیش گنج اور چاند گنج بھی آباد کیے - چاند گنج کے راستہ میں ایک عظیم الشان وحش خانہ یعنے زندہ جانوروں کا عجائب خانہ بھی بادشاہ نے آراستہ کیا تھا اس میں مختلف قسم کے عجیب و غریب جانور بکثرت موجود تھے -

کارہائے رفاہ عام | جب نصیر الدین حیدر مالک تاج و تخت ہوئے تو ان کی بھرپور جوانی تھی - اور طبعاً بھی بہت عیش پسند اور حسن پرست واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی انکے عہد دولت میں آسائش خلق کے بہت سے کام ہوئے - یہ کارہائے خیر اکثر و بیشتر بزمانہ وزارت نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں واقع ہوئے جن کو امور آسائش عامہ سے بہت دلچسپی تھی - ان کارہائے رفاہ عام کے حالات مختصراً درج ذیل ہیں :-

شاہی اسپتال و یونانی شفاخانہ

جوزف کیوراس (Joseph Quiros) نے ایک کوٹھی حضرت گنج میں موجودہ کونسل چیمبر کے مقابل جانب جنوب بنوائی جنھوں نے ۱۸۲۲ء میں انتقال کیا - اُنکی رحلت کے بعد اُنکے ورثاء نے کوٹھی مذکور بدست نصیرالدین حیدر فروخت کرڈالی - شاہ موصوف نے اسمیں ایک اسپتال قائم کیا۔ اُنکی رحلت کے بعد اُن کے ورثاء نے کوٹھی مذکور بدست نصیرالدین حیدر فروخت کرڈالی - شاہ موصوف نے اسمیں ایک اسپتال قائم کیا اور کوٹھی دارالشفا کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بعد ۱۸۶۲ء میں اسپتال وکٹوریہ اسٹریٹ کی عمارت میں منتقل کردیا گیا تاکہ جو لوگ انگریزی طریقہ علاج کو پسند کرتے ہوں وہ اس اسپتال میں علاج کرائیں - اسپتال میں سب سے پہلے معالج ڈاکٹر اسٹیونسن (Dr. Stevenson) مقرر ہوئے - اسپتال کے علاوہ ایک یونانی شفاخانہ بھی چوک یاسنار میں قائم کیا گیا تاکہ جو لوگ یونانی علاج کو ترجیح دیتے ہیں وہ وہاں کے طبیب سے رجوع کریں - شفاخانہ میں سب سے پہلے حکیم مرزا علی اکبر پسر حاجی خوعنانی مقرر ہوئے - یہ دونوں ادارے ابتک قائم ہیں اور پبلک کو معقول فائدہ پہونچا رہے ہیں - دارالشفا والی قدیم کوٹھی ۱۸۴۳ء میں حضرت امجدعلیشاہ نے اپنی بیگم ملکہ عہد کو دیدی اب یہ کوٹھی گورنمنٹ کے سکریٹریوں کی قیام گاہ ہے -

خیرات خانہ

بتاریخ ۲۱ دسمبر ۱۸۳۳ء شاہ نصیرالدین حیدر نے مبلغ تین لاکھ روپئے بتقرر سود چار روپیہ فیصد سالانہ ریذیڈنسی میں جمع کردیے جس کا منافع بارہ ہزار روپیہ سالانہ ہوا اور موصوف نے ایک حکمنامہ بھی جاری کیا کہ اُنکے نام سے ایک خیرات خانہ قائم کرکے رقم سود لنگڑوں - لولوں - اندھوں - اپاہجوں اور دیگر مفلس محتاجوں کی پرورش میں صرف کی جائے چنانچہ حسب الحکم شاہی ایک غریب خانہ وکٹوریہ اسٹریٹ پر قائم کیا گیا جو خیرات خانہ نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کے نام سے موسوم ہے - یہ کار خیر ابتک جاری ہے اور اسمیں بلالحاظ مذہب و ملت ہر مستحق شخص کی پرورش کی جاتی ہے -

آہنی پل

اس پل کا ساز و سامان نواب سعادت علیخاں نے برمنگھم سے تین لاکھ روپیہ میں منگایا تھا اس کا نقشہ ولایت کے ایک مشہور انجینیر مسٹر رینی (Rennie) نے تیار کیا تھا مگر اُسکے ہندوستان پہونچنے سے قبل نواب موصوف کا انتقال ہوگیا اور یہ کل سامان عرصہ تک رمنہ میں پڑا رہا - نواب مرحوم کے بیٹے

وجانشین غازی الدین حیدر نے اُسے منحوس سمجھ کر پل قائم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں اس پل کو بیلی گارد کے پھاٹک کے سامنے دریا پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور سینکلر صاحب (   ) شاہی انجینیر کے متعلق یہ کام کیا گیا مگر زمین ریلی تھی موصوف کامیاب نہ ہو سکے۔ بیلی گارد کے مغربی پھاٹک کے سامنے ایک گول پایہ جو پل کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اب تک لب دریا موجود ہے۔ اس کے بعد بزمانۂ شہریاری حضرت امجد علیشاہ اس پل کو سنہ ۱۲۶۱ھ مطابق سنہ ۱۸۴۵ء میں زیر اہتمام کرنیل فریزر انجینیر (   ) موجودہ مقام پر قائم کیا گیا۔ ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ علاوہ قیمت پل اُسکی تعمیر میں صرف ہوئے۔ کپتان مہدی علیخاں مقبول الدولہ قبول نے تاریخ کہی جو درج ذیل ہے۔

ہے جو دریائے کرم امجد علی عالم پناہ	شاہ جزو کل کا جسکو خالق کل نے کیا
چشم گردوں نے نہ دیکھی ہوگی پانی پر سڑک	رستہ جاری فیض شاہ باتجمل نے کیا
سخت مشکل تھا ہوا پر جسر آہن کا قیام	محکم استقلال شاہ باتجمل نے کیا
بن سکا تھا کب کسی کے عہد میں پل آہنی	بارہا قصد اہل عقل و اہل تامل نے کیا

یہ کہی تاریخ جس دن بن چکا پل اے قبول
رستہ کیا دریا کا موم آج آہنی پل نے کیا

۱۲۶۱ھ

رصد خانہ

جو زیر اہتمام کپتان ہربرٹ صاحب رمنہ موتی محل میں بننا شروع ہوا جن کو سرکار شاہی سے سترہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ دوران تعمیر میں ہربرٹ صاحب قضا کر گئے اُن کے بعد کرنل ولکاکس (   ) انجینیر مقرر ہوئے رصد گاہ یعنی تارہ والی کوٹھی انھیں کی نگرانی میں بنکر تیار ہوئی عمارت کی تیاری میں ساڑھے چار لاکھ روپیہ صرف ہوئے۔ شاہ نصیر الدین حیدر نے کرنل مذکور کو چودہ پارچہ کا خلعت دیا۔ یہ رصد خانہ تمام ہندستان میں بےمثل و بےنظیر تھا۔ اسمیں مولوی اسمٰعیل شہیدی وغیرہ علما بطور طالب العلم کے داخل ہوئے تھے صاحب موصوف نے دس سال میں نہایت جانفشانی و عرقریزی سے کتب مشاہدات کو ایک حسب رشتہ مرتب کر لی تھیں جن کی طباعت کے لئے سات ہزار روپیہ بھی اُن کو خزانۂ شاہی سے مرحمت ہو گئے تھے مگر سنہ ۱۸۴۷ء میں موصوف دفعتہً پیک اجل کا نشانہ ہو گئے جسپر آخری شاہ اودھ واجد علیشاہ نے باقی عملہ کو برطرف کر کے یہ محکمہ ہی ختم کر دیا

رصدخانہ میں چند اعلیٰ درجہ کے آلات موجود تھے جو بحفاظت تمام رکھ دیے گئے تھے مگر احمد اللہ شاہ
عرف ڈنکہ شاہ نے غدر کے زمانہ میں اسی کوٹھی میں اپنا مورچہ قائم کیا تھا اسی زمانہ میں سب آلات
غائب ہو گئے یہ کوٹھی تارہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ اب اسمیں امپیریل بینک قائم ہے۔

نہر شاہ غازی الدین حیدر

راجہ بختاور سنگھ کے ترغیب دینے پر کہ اگر ایک نہر دریائے گنگا مقام کانپور سے جو اٹھائیس کوس
کے فاصلہ پر ہے اودھ میں لائی جائے تو یہاں کے کاشتکاروں کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ شاہ غازی الدین حیدر
نے اس کا اہتمام خود راجہ کے متعلق کردیا جنھوں نے ناواقفیت سے ٹرکٹ صاحب نجار کو اسکے کھودنے پر
مامور کیا وہ انجینیری کے کام سے بالکل ناواقف تھے اسلیے مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ لکھنؤ کی زمین گنگا سے
تین فٹ بلند ہے پست مقام سے بلند جگہ پر پانی کا لانا آسان کام نہ تھا۔ یہی وجہ اسکے نقص کی ہوئی
چھ لاکھ روپیہ راجہ بختاور سنگھ کا اسپر صرف ہوا جو معتمد الدولہ نے مجرے نہ دیا راجہ نے کہا میں نے گنگا جی
کی نذر کیا۔ اٹھائیس ہزار بیگہ زمین کی زراعت نہر کی وجہ سے جاتی رہی اور چوروں درندوں کی جائے
پناہ ہو گئی اس کام میں سلطنت کا زر کثیر صرف ہوا مگر زیادہ تر فائدہ چند ٹھیکہ داروں کا ہوا جنھیں کھدائی کا
کام سپرد ہوا تھا۔ یہ نہر شہر لکھنؤ میں بنارسی باغ کے مشرق اور ہیولاک روڈ کے متوازی جنوبی حصۂ شہر میں
نظر آتی ہے مگر سوائے موسم برسات کے اسکی زمین ہمیشہ خشک رہتی ہے برسات میں زائد پانی نالی کی طرح
اسمیں سے بہ جاتا ہے بزمانۂ حکومت نصیر الدین حیدر جب میجر ڈیوڈسن آئے تو انھوں نے اسکے نقص پر غور شروع
کیا۔ بادشاہ کو منظور تھا کہ نہر کی درستی ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی کئی برس تک صاحب کو تنخواہ ملا کی
جس سے کافی سرکاری نقصان ہوا۔

چھاپہ خانہ

لیتھو گراف کا ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے لیے قائم کیا۔ ارچر صاحب اسکے مہتمم ہوئے
پانسو روپیہ ماہوار ان کو تنخواہ ملتی تھی۔

مدرسۂ سلطانیہ

ایک مدرسۂ سلطانیہ[1] قائم کیا جسمیں ہزار ہا لڑکے داخل ہوئے۔ ہر بیس لڑکوں پر ایک مدرس مقرر ہوا۔ نادار
طلبا کو پانچ روپیہ فی کس کے حساب سے وظیفہ بھی دیے جاتے تھے۔ یہ مدرسہ نواب سعادت علیخاں کے مقبرہ واقع
قیصر باغ کے چاروں سمت والے ایوانوں میں قائم کیا گیا تھا جسکا اب نشان بھی باقی نہیں ہے۔

---

[1] تذکرۂ گل رعنا۔

انگریزی اسکول

ایک مدرسہ انگریزی زبان کے طالبعلموں کے لیے بھی باہتمام رزیڈنٹ قائم کیا۔

کوڑھی خانہ

مبروصوں کے قیام و علاج کے لیے ایک صحت خانہ کاٹھ والے پل کے قریب تعمیر کرایا۔ اس عمارت کے نصف حصہ میں اب نارمل ٹریننگ اسکول ہے اور نصف میں کوڑھی خانہ ہے جو یکم اپریل ۱۹۲۹ء سے زیر اہتمام کنگ جارج میڈیکل کالج ہو گیا ہے۔

دیگر اصلاحات

نصیر الدین حیدر بہا کے عہد حکومت میں بردہ فروشی اور ستی کی ہولناک رسم بھی ممالک محروسہ میں یکقلم موقوف کی گئی۔ راجپوت لوگ اپنی لڑکیوں کو زمانہ شیرخواری میں فنا کر دیتے تھے اس لیے شیرخوار بچوں کا قتل بزور قانون بموجب فرمان شاہی مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۳۳ء روک دیا گیا۔ (باقی آئندہ)

معراج

(از جناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الناظر ستمبر ۱۹۲۱ء

ریاضت انسان کرے اور مالک کی ہدایت پر عمل کرے۔ اور آخر میں تنہا سخت محنت توجہ تام کے ساتھ اور یہ توجہ تام پیدا کرنے کے لئے ترکیب عرض کر چکا ہوں۔ بعض لوگوں میں قدرتی طور سے یہ ملکہ ہوتا ہے کہ جس شے پر چاہیں پوری توجہ کریں مگر عموماً یہ حالت نہیں ہوتی۔ مشق کرنی ہوتی ہے اور سخت محنت تب یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ توجہ کامل ہو۔ رسول نے کوئی مشق نہیں کی۔ علیؑ نے کوئی مشق نہیں کی مگر خضوع و خشوع یعنی کامل توجہ کی یہ حالت تھی کہ نماز میں کھڑے ہوئے۔ خدا کا خیال آیا یعنی کامل توجہ اس کی طرف تھی۔ پیر میں خدنگ ایسا لگا کہ تیر نکالا جاتا ہے اور آپ کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور کوئی مثال ہے کہ ایسے کامل توجہ بغیر کسی مشق کے حاصل ہو۔ مجھے تو اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ توجہ کو کامل کرنے کے لئے مشق کی عموماً ضرورت ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ اور مشق کرنی چاہیے۔

ایک بات اور رسولؐ نے بتائی۔ فرماتے ہیں کہ جب سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو امواج عزت و جلال نے نور سے ظلمت میں اور ظلمت سے نور میں ڈالا۔ اسکے کیا معنی۔ مادیت اور صرف مادیت کے قائلین کے لئے عرض کروں گا کہ جب کسی سیارہ کا سایہ آگیا تو ظلمت ہوگئی اور جب آگے بڑھ گئے تو پھر نور تھا۔ اب صوفی صاحبان فرمائیں کہ یہ حالت رسول نے جو بتائی یہ پیش آتی ہے یا نہیں۔ غور سے دیکھئے کہ کیا کیا بات تصوف کے متعلق رسول اللہ کی اس معراج سے معلوم ہوئی۔ ایک امر اور عرض کرنا ہے سورہ والنجم میں ہے فکان قاب قوسین او ادنی۔ پھر دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہا۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ رسول میں اور جبرئیل میں دو کمان کا فاصلہ رہا۔ اور کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ رسول کو بہت ہی زیادہ قرب خداوندی معراج میں حاصل ہوا اور مطلب یہ ہے کہ گویا خدا اور رسول میں دو کمان کا فاصلہ رہا یعنی بہت ہی زیادہ قرب حاصل ہوا۔ یہ امر میری بحث سے خارج ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی رائے صحیح ہے۔ میں تو صرف یہ دکھا رہا ہوں کہ نتیجہ کس بات سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے کہ معراج کی طرف اشارہ ہے اور قرب رسول عند اللہ سے مراد

کچھ نہ کچھ فاصلہ اگرچہ وہ بہت ہی کم ہو ضرور رہے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ نوبت پہونچے کہ من تو شدم تو من شدی۔ اور تا کہ نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول سے زیادہ کسی امر میں کوئی دوسرا کامل نہ تھا۔ تو جب رسول کے لئے یہ نہیں ہوا کہ من تو شدم تو کسی دوسرے کے لئے کیسے ممکن ہے۔ کسی کے انا الحق کہنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ رسول سے بڑھ گیا۔ یہ مسلمان اور سچے مسلمان تو اسے مان نہیں سکتے۔ منصور نے انا الحق کہا تھا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حالت جذب میں یہ کلمہ اُن کے مُنھ سے نکلا۔ کچھ یہ کہتے ہیں منصور نے کچھ اور سمجھ کر کہا تھا لوگ سمجھے نہیں اور انھیں دار پر چڑھا دیا۔ اور کچھ کی یہ رائے ہے کہ ایک درجہ ایسا ہوتا ہے کہ تو من شدی من تو شدم۔ منصور اسی درجہ پر پہونچ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو اس کے قائل ہیں کہ من تو شدم تو من شدی ممکن ہے۔ اوروں کی طرح سے اُن کا دل چاہتا ہے کہ خدا بنیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا وہ تصوف کے پردہ میں یہ وجہ تصوف کا قرار دے کر اپنے دل کی ہوس نکالتے ہیں۔

میری رائے میں تو قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی خدا میں مل نہیں سکتا۔ فرق ضرور رہے گا۔ یہ عقیدہ معتقدین تناسخ کا ہے۔ رسول نے معراج کی بابت سب کچھ کہا یہ نہیں کہا کہ وہ خدا میں سما گئے دیگر سیاروں میں مخلوق۔ رسول کی معراج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول آسمانوں پر بہت سے مخلوق سے ملاقی ہوئے۔ اب آسمان تو کوئی شے نہیں پھر وہاں مخلوق کیسے۔ یہ عرض کر چکا ہوں کہ آسمان سے مراد سیارے ہی ہیں جو ان مداروں میں حرکت کرتے ہیں اور نیز آسمان سے مراد مدار سیارگان ہے۔ یہ سب جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمین کے طبقے ہیں۔ مگر لوگ لاعلمی کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ پیاز کی طرح یہ زمین تہ بتہ ہے اوپر کے طبقے پر ہم لوگ ہیں۔ بقیہ طبقے نیچے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ایک حدیث امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے طبقے ہیں اور اس طور سے کہ اس زمین کے اوپر آسمان ہے اس آسمان پر زمین ہے اُس کے اوپر پھر آسمان ہے پھر زمین علےٰ ہذا القیاس۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ طبقات زمین سے مراد دیگر سیارگان ہیں۔ انھیں زمین اسلئے کہا کہ اس زمین کی طرح وہاں بھی حالت ہے۔ آسمان سے مراد تھا یا مدار سیارگان تھے پھر آسمان سے کسی جسمانی شے کے ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ رسول آسمان پر یعنی دوسرے سیاروں کے مدار میں پہونچے۔ اور وہاں اُن سیاروں میں مخلوق دیکھی۔ اس کا کھلا ہوا نتیجہ ہے کہ اسی زمین میں مخلوق

اس قابل ہوسے ہیں کہ یہ معلوم کر سکے کہ دوسرے سیاروں میں مخلوق ہے مگر اس قابل نہیں ہوئے کہ انسے ملاقی ہوں۔ رسول ایسا کر چکے۔ پس اگر آیندہ ہم ایسا کر سکے تو رسول سے بڑھ نہیں سکیں گے۔

رسول کی زباں دانی۔ رسول اللہ معراج میں دیگر سیاروں کی مخلوق سے ملاقی ہوئے یقیناً ان سے گفتگو بھی ہوئے تھے انبیا رسابقین سے تو ملاقات ہوئی اور معراج کے حالات سے معلوم ہوا کہ انسے گفتگو بھی ہوئی یہ تو محض خوش اعتقادی ہو گی کہ سب کی زبان عربی تھی۔ رسول نے جب ان سے گفتگو کی تو اسکے یہ معنی ہوسے کہ اُن سب کی زبان سے واقف تھے۔ اس دنیا میں رسول نے جو آیا اُس سے اُسکی زبان میں گفتگو کی جانوروں کی بولی بھی سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس دنیا کے تمام مخلوق کی زبان سے واقف تھے۔ اپنے زمانہ والوں ہی کے زبان سے نہیں بلکہ گذشتہ زمانہ کی زبان سے بھی اور اسی دُنیا کے مخلوق کی زبان سے نہیں بلکہ دیگر سیاروں کے مخلوق کی زبان سے بھی۔ اور کسی کی ایسی مثال ملتی ہے جو اتنی زبانوں سے واقف رہا ہو۔ رسول کی زبانداني کی یہ حد تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب تھی۔

جنت و جہنم خلق ہو چکے ہیں۔ بہت سے اشخاص کہتے ہیں کہ جنت وجہنم کوئی چیز نہیں ہے۔ اس دُنیا میں عیش جنت ہے اور تکلیف جہنم ہے۔ رسول اللہؐ نے معراج میں جنت وجہنم بچشم خود دیکھا۔ یاد رکھا یا گیا۔ یہ اس لیے کہ مسلمان اس شک میں نہ پڑیں کہ جنت وجہنم کوئی شے نہیں ہے۔ اسکے معنی تو یہ ہوسے کہ اس موت کے بعد کچھ بھی نہیں اور بعد کو جزا وسزا (جزا کے معنے میں سزا بھی شامل ہے مگر لوگ عموماً جزا کے معنے صرف اچھے صلے کے سمجھتے ہیں اسلیے جزا وسزا دونوں کہتا ہوں) محض ڈھکوسلا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اسلیے اس زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے کام کرنے والے کبھی کبھی تکلیف وبہت تکلیف اُٹھاتے ہیں اور بڑے کام کرنے والے اپنی حرفت سے سزا سے بچ جاتے ہیں اس صورت میں اگر سزا و جزا لبعد کو نہیں ہے اسلئے کہ جنت وجہنم تو ہے نہیں تو یا تو خدا ہی نہیں ہے کہ اس حالت کو روکے۔ یا ہے تو نہایت بے پرواہے کہ اسکو اس کی فکر نہیں کہ بندوں کو ان کے اعمال کا مناسب صلہ ملے۔ اگر ایسی صورت ہے تو ایسے خدا کی ضرورت نہیں اسے اگر نہیں مان سکتے کہ خدا نہیں ہے یا اسقدر بے پروا ہے تو پھر یہ ماننا ضروری ہے کہ جنت وجہنم کا وجود ہے۔ وجود ہے اور رسولؐ نے معراج میں دیکھا۔ مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش ہے نہیں۔ غیر مسلم اگر نہیں مانتے تو انھیں بھی مقتضائے عقل یہ ہے کہ ماننا چاہیے نہیں ہے تو بعد کو کوئی نقصان نہیں اور اگر ہے اور اس کی فکر نہیں کی تو بعد کو پھر کوئی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسری بحث یہ ہوتی ہے کہ جنت وجہنم خلق ہو چکے ہیں یا آیندہ ہونگے۔ [illegible] میں کتاب جنت میں دکھا چکا ہوں کہ جنت خلق ہو چکی ہے اس کے وجود من کئے ہیں جب جنت خلق ہو چکی ہے

تو کوئی وجہ نہیں کہ جہنم بھی خلق نہ ہو چکا ہو۔ رسولؐ نے معراج میں دونوں کو دیکھا یہ اس کا ثبوت ہے کہ خلق ہو چکے ہیں۔ رسولؐ کے ارشاد کو نہ ماننے کے یہ معنے ہوں گے کہ رسول غلط گو ہیں اور یہ اعتبار نہیں کر سکتے یہ کوئی مسلمان خصوصاً آیہ ما ینطق عن الھوی کے بعد تو کہہ نہیں سکتا پس کسی مسلمان کو کسی طرح سے یہ اعتقاد کہ جنت و جہنم بعد کو خلق ہوں گے زیبا نہیں ہے۔

نقد و تبصرہ

شاہی جنتری ۱۹۴۷ء

قوم میں جنتری کی ضرورت سختی سے محسوس کی جا رہی ہے اور جو افراد ملت جنتریاں نکالتے ہیں وہ بیشک قوم کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ ہم حکیم ہاشم علی صاحب جیلانی کی اس تالیف پر انکو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ وہ بڑی مستعدی کے ساتھ جنتری کو پابندی وقت سے نکال رہے ہیں اگر علمی اور تحقیقی نظر سے نہ دیکھا جائے تو مضامین بھی اچھے اور دلچسپ ہیں صوری و معنوی شان قابل تعریف ہے کیا اچھا ہوتا کہ مولف مضامین کی نگرانی میں بھی کد و کاوش سے کام لیتے تو اور زیادہ جنتری کا معیار بلند ہو جاتا سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد ہم کو حسب ذیل مضامین سے اتفاق نہیں ہے

(۱) شیخ عبدالقادر جیلانی ہرگز سید اور اولاد رسول نہ تھے۔ اکابر علماء نے انکے سیادت کی رد کی تھی۔

(۲) صفحہ ۲۵ و ۳۵ شمر اور حضرت عباسؑ کا مکالمہ غلط ہے کسی ذمہ دار اور غیر ذمہ دار اہل قلم نے اس تفصیل سے واقعہ نگاری نہیں کی ہے اصحاب حسینؑ کا اس محل پر تلواروں کے نام توڑنا افترا ہے۔

(۳) صفحہ ۶۶ پر حضرت خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ہمرتبہ بعض دیگر ازواج کو قرار دینا غلط ہے۔

(۴) صفحہ نقشہ میں تیرہ تیزی کی صراحت گمراہ کن ہے۔

(۵) ۱۰ رمضان کو حضرت خدیجہ کی وفات اور ۷ ار شعبان کو حضرت عیسٰی کی ولادت اور ۱۲ ارشوال کو قتل نعیم تشنۂ ثبوت ہے اگر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے تو اور قابل تعرض مقامات بھی ہوں گے امید ہے کہ مولف آئندہ ایسی علمی کمزوری رہنے نہ دیں گے۔ اس قسم کی خامی سے مولف کو ہرگز بددل نہ ہونا چاہیے کام کی ابتدا ہمیشہ مشکل ہوتی ہے۔

ناظرین الواعظ اس جنتری کو خرید کر ہمت افزائی فرمائیں۔ قیمت ۸/ مع محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:۔ کتبخانہ شاہی فیض باغ لاہور

انعام یکصد روپیہ

(۱) اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہمارے سامنے جو ہماری ان دواؤں کو غیر مفید ثابت کرے تو اُسے مبلغ یکصد روپیہ انعام دیا جائے گا (۲) رجی اور فلکی مزاج جو بہت جگہ سے تھک کر مایوس ہو چکے ہوں آئیں یہاں اور دوام تب دیں جب مکمل آرام آجائے۔ (۳) اگر آپ مزید تسلی کرنا چاہیں تو ہم سے ان لوگوں کے مکمل پتے طلب کر سکتے ہیں جن کو ہمارے دواخانہ کی تیار کردہ ان چیزوں سے مکمل اور مستقل آرام آگیا ہے (۴) اگر ہماری کوئی دوا لکھی ہوئی مرضوں میں مفید ثابت نہ ہو تو تمام قیمت واپس (۵) خدا اور آل محمد کو حاضر ناظر جان کر لکھتے ہیں کہ دوائیں نہایت فائدہ بخش ہو چکی ہیں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

سستی - کمزوری - نامردی اور ضعف باہ کا

واحد علاج

شاہی معجون

اس معجون کے کھانے سے برسوں کی سستی، کمزوری، نامردی دفع ہو جاتی ہے۔ جوانی کی بہار آتی ہے۔ عالم شباب کے جذبات اور ولولوں کو بھڑکاتا ہے۔ انگوں میں سیلابی لہر پیدا کرتا ہے۔ کمزور دبلے انسان کی صحت کو بناتا ہے۔ حجابات آلام سے طوفان زندگی کو نجات دے کر مردانگی ہیبت اور شجاعانہ دبدبہ پیدا کرتا ہے چہرے کی رنگت نکھارتا ہے اور رعنائی تبسم مسکراہٹ اور وجدانہ کیفیات رونما کرنے میں ورثین ہے۔ جن لوگوں کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو یا لڑکوں کی زیادتی ہو انکے مادہ تولید کی اصلاح کرتا ہے اور کھوئی ہوئی طاقت کو واپس لوٹاتا ہے۔ سوئے ہوئے خیالوں کو از سر نو زندہ کرتا ہے دنیا بھر میں اس سے زیادہ خون اور طاقت پیدا کرنے والی کوئی چیز آپکو نہیں مل سکے گی۔ بڑا پیکنگ دس روپیہ۔

شاہی طلاء
سنہ ۱۹۱۸ء

سستی، کمزوری اور لاغری کو دور کرتا ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے عالم شباب کی بدافعالیوں کی وجہ سے ستیاناس کر دیا اور سرد پانی کے استعمال نے باریک شریانوں کو نیم مردہ کر دیا ہو ایسے حالت والوں میں مقامی طور پر برقی اسپرٹ پیدا کرتا ہوا جملہ شکایات کو دور کرتا ہے۔ کسی قسم کا آبلہ یا جلن پیدا نہیں ہوتی مکمل کورس ۸۰ دن پانچ روپیہ نصف پیکنگ ۴۰ دن دو روپیہ آٹھ آنے

دوائی دمہ
سنہ ۱۹۱۵ء

دمہ کے دورہ کو فوراً روکتی ہے۔ ضیق النفس کو دور کر کے تسہیل لاتی ہے سانس کی نالیوں سے بلغم کو دور کر کے ہمیشہ کیلئے دمہ کا خاتمہ کرتی ہے۔ مکمل کورس چالیس دن پانچ روپیے نصف پیکنگ بیس دن کے لیے دو روپیہ آٹھ آنہ

قرص مُر
سنہ ۱۹۲۰ء

حیض کو خوب جاری کرتی ہے ہر مہینے کے درد اور تکلیف کو دور کرتی ہے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے مکمل کورس تین روپیہ نصف پیکنگ ایک روپیہ بارہ آنے

پتہ وطن و خط و کتابت: شاہی دواخانہ منٹگمری (پنجاب)

جناب میر سید باقر داماد علیہ الرحمہ

عالیجناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ مدظلہم پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

آپ کا اسم مبارک سید محمد باقر بن امیر شمس الدین محمد حسینی ہے اصلاً آپ استرآبادی ہیں اصفہان میں توطن اختیار کرنے کے سبب اصفہانی۔ اور آپ میر باقر داماد کے لقب سے مشہور ہیں جس میں داماد آپکے والد کا لقب تھا جس کا سبب یہ ہے کہ آپ کے والد داماد تھے محقق کرکی عالم جلیل جناب شیخ علی بن عبدالعالی کے وہ داماد مشہور ہوئے اپنے والد کے لقب سے داماد کے فرزند بھی داماد مشہور ہوئے وجہ تسمیہ اور القاب کی شہرت میں بسا اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے چنانچہ بعض حضرات کو اس باب میں غلط فہمی بھی ہوئی ہے میرے کرم فرما مولانا عبدالرحیم صاحب مؤلف لباب المعارف العلیہ کو (جو لیپنا دراسلامیہ کالج کے علوم مشرقیہ کے کتبخانہ کی فہرست ہے) میر باقر داماد کے ملقب بہ داماد ہونے کے بارے میں اشتباہ ہوا ہے چنانچہ انھوں نے شاہ ایران کی دختر نیک اختر سے شادی ہونا لکھا ہے حالانکہ اصل سبب وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

میر باقر داماد کا علمی اور عملی پایہ اتنا بلند اور مشہور ہے کہ کسی صاحب علم و انصاف سے مخفی نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ناپسندیدہ عصبیت اور گندیدہ اذاعت کے فن نے خصوصیت سے اس زمانہ میں ایسا عروج پایا ہے جس کی شکار فردیں صاحبان کمال کے بدر کمال پر خاک ڈالنا ہی اپنی لیاقت کا معیار سمجھتی ہیں اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگ جہال اور محدود نظر حلقہ میں جتنی عزت پا جائیں لیکن بالغ نظر افراد اور انصاف پسند علمار کی بزم میں رسائی نہیں پا سکتے علوم و فنون کسی خاص مذہب و ملت کے اجارہ میں نہیں ہوا کرتے اور نہ اُن سے کسی خاص مذہب کی حقیت ثابت ہوتی ہے صلاحیت اور کوشش کے مطابق اہل مذہب اور لامذہب سب کو ان نعمتوں سے مالا مال دیکھا جا رہا ہے اور ہمیں کسی کے مذہب سے چاہے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اس کی علمی بلندی کا اعتراف کرنا اور اس کے تحقیقات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی زیبا ہوتا ہے۔ ارسطو اور نیوٹن مسلمان نہ تھے مگر کیا ان کے تحقیقات سے صرف اس لیے چشم پوشی قابل مدح ہو سکتی ہے کہ یہ مسلمان نہ تھے۔ پھر کیا امام غزالی اور امام رازی کی سنیت کے سبب ان کی علمی بلندی سے انکار کرنا کسی شیعہ کے لئے زیبا ہے ہرگز نہیں اسی طرح کسی کی شیعیت کے سبب اسکے کمالات پر پردہ ڈالنا یا اسکے کمال کو نقص کہنا اپنے نقص کے اظہار کے سوا کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی فرقوں میں شیعہ مذہب کی اقلیت روز روشن کی طرح واضح ہے اور تاریخ کی روشنی میں یہ

امر میں نمایاں تھے کہ یہ جماعت برابر سلاطین اور مادی طاقت رکھنے والے افراد کے سخت ترین مظالم کا شکار رہی ہے۔ لیکن باوجود اسکے اس جماعت نے علوم و فنون کے ایسے مہروماہ پیدا کئے جنکی ضیاباری سے دنیائے علم جگمگا رہی ہے۔ حصہ بقدر جثہ سے کہیں زیادہ تعداد میں علماء اور ماہرین فن اسی قلیل التعداد جماعت میں موجود ہیں۔

ابو تمام۔ ابن سکیت۔ ابن عمید۔ صاحب بن عباد۔ ابن مسکویہ۔ ابن شہر آشوب۔ محقق طوسی علامہ حلی۔ قطب الدین رازی۔ عبدالرزاق کاشی۔ عبداللہ شوستری۔ ابن میثم۔ عبدالجلیل رازی صدرالدین شیرازی۔ بہائی۔ لاہجی۔ طوسی۔ کاشانی وغیرہ ایسے افراد ہیں جنکے فضل و کمال کی روشنی سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں ان کی اہمیت و جامعیت علوم عقلیہ و نقلیہ کی مہارت ناقابل انکار ہے چاہے کوئی شپرہ چشم اسے نہ دیکھ سکے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص مذہب کے علماء کے تفصیلی حالات سے اس مذہب کے افراد زیادہ واقف ہوں اور دوسرے مذہب کے لوگ کم واقف ہوں حالات مفصل نہ لکھ سکیں ایسے لوگ قابل معافی ہیں لیکن دانستہ اخفائے فضل کرنے والے ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتے

جناب میر باقر داماد کی علمی حیثیت کا انکار کر کے ابھی کچھ روز ہوئے ہیں بعض مضمون نگاروں نے اپنی لیاقت کا اظہار کیا ہے لیکن کہیں چاند پر خاک ڈالنے سے چاند چھپ سکتا ہے۔ اگر مضمون نگار کو شیعوں کے کتب رجال دیکھنے کی توفیق نہ ہوئی تھی اور منتہی المقال۔ رجال بحار۔ امل الامل۔ لؤلؤۃ البحرین نجوم السماء۔ وغیرہ نہیں دیکھی تھی تو کم از کم اور علماء کی تحریریں تو پڑھتے یا کسی سے پوچھتے کہ علماء اہلسنت نے میر باقر داماد کو کن الفاظ میں یاد کیا ہے اور ان کے نزدیک ان کا علمی پایہ کتنا بلند ہے۔

صاحب نجوم السماء لکھتے ہیں کہ جناب میر باقر داماد مجمع شرافت و صداقت مرجع کلام و حکمت حامی دین و ملت۔ حادی فقہ و شریعت تھے۔ خاص و عام تمام صاحبان فہم عقلا آپ کے علوم و کمالات و دقائق و افادات کے معترف ہیں آپ کے تصنیفات تحقیقات دقیقہ و تدقیقات انیقہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ انتہیٰ۔

آپ شیخ بہاء الدین عاملی کے ہمعصر تھے اور بڑے جلیل المرتبت اور صاحب فضیلت تھے عربی و فارسی کے شاعر بھی تھے اور متکلم و معقولات کے ماہر بھی۔ ملا صدرا شیرازی جو علمائے حکمت میں مشہور بزرگ ہیں علامۂ داماد کے شاگرد تھے آپ حدت فہم اور جودت طبع میں مشہور ہیں۔ کمسنی میں مشہد مقدس گئے اور وہیں علوم حاصل کئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ترقی عظیم حاصل کی۔

آپ سلطان محمد بن شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں تھے علماء دربار میں شامل ہو کر وہاں کے فاضل سے علمی بحثیں کرتے رہے اور آخر کار علوم و فنون میں سرآمد روزگار ہوئے۔ بقول صاحب تاریخ عالم آرا

عباسی شاہ طہماسپ کے انتقال سے لیکر روز تحریر یعنی ۱۰۲۵ھ تک ایک لحظہ مطالعہ سے فارغ نہ رہے اور اپنے اوقات کا ایک لمحہ بھی بیکار نہ گزارا۔ اور حق یہ ہے کہ آپ کمالات صوری و معنوی کے جامع اور دقائق انفسی و آفاقی کے کاشف ہیں۔ علوم حکمت و کلام اور فنون عربیت اور ریاضی و طب و فقہ و تفسیر و حدیث میں آپ کو درجۂ علیا حاصل تھا آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو عبارت یاد کرلی پھر ہمیشہ یاد رہی طاعت و تقویٰ و عبادت میں درجۂ عالی اور رتبۂ متعالی کے مالک تھے۔ آپ کے اوقات یا تو مطالعہ و مباحثہ میں اور یا عبادت الٰہیہ میں صرف ہوتے۔

صاحب ریاض الشعراء لکھتے ہیں کہ آپ قدوۂ فضلائے عالی مقدار اور زبدۂ حکمائے روزگار ہیں۔ آپ کے علم و فضل کا آوازہ سارے عالم پر چھا گیا ہے۔ آپ کو ثالث المعلمین کہتے ہیں آپ کے تصانیف عالیہ پر فضلائے نامدار اور حکمائے والامقدار کا دارومدار ہے۔

آپ کا فضل و کمال اتنا مشہور ہے کہ محتاج تفصیل نہیں۔

میرداماد کے نانا نے امیرالمومنین کو خواب میں دیکھا کہ اپنی فلاں صاحبزادی کا عقد میر شمس الدین سے کریں کہ اُن سے ایسا فرزند ہوگا جو وارث علوم انبیاء و اوصیاء ہوگا چنانچہ یہ شادی ہوئی اور جناب میر باقر داماد پیدا ہوئے۔

کتاب سلافۃ العصر مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ مولفہ سید علی خاں صاحب مدنی دجبکی مدح دیباچہ کتاب میں محمد امین خانجی مصری کے قلم سے قابل دید ہے اور مولانا غلام علی آزاد کی کتاب مآثر الکرام میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اس کتاب کے صفحہ ۴۸۹ پر جو مدح میر باقر داماد کی درج ہے اسکے بعض فقرات حسب ذیل ہیں۔

طراز العصابۃ وجواز الفضل سہم الاصابہ۔ الرافع باحاسن الصفات اعلامہ فسبد وسند وعلم وعلامہ اکلیل جبین الشرف۔ وقلادۃ جیدہ التا طقۃ السن الدھور بتعظیمہ وتمجیدہ باقر العلم و نحریرہ۔ الشاھد بفضلہ تقریرہ وتحریرہ۔ وواللہ ان الزمان بمثلہ لعقیم وان کان مکارمہ لا یقیم بشہا صدر رقیم۔ وانا بری من المبالغۃ فی ھذا المقال وبرفتی یشھد بہ کل وامق وقال

واذا خفیت علی الغبی فعاذر ان لا ترانی مقلۃ عمیاء

(ترجمہ) آپ قوم کی زینت ہیں میدان فضیلت میں سہم صائب ہیں صفات حسنہ کے نشان بلند کرنیوالے سردار معتمد علیہ اور حسن صفات کے علم اور علامہ ہیں جبین شرف کے تاج نگار شرافت کے گلے کا ہار ہیں آپ کی تعظیم و تمجید میں زمانہ کی زبانیں رطب اللسان ہیں۔ آپ علوم میں بال کی کھال نکالنے والے اور حاذق

کامل ہیں آپ کی تحریر و تقریر آپ کی فضیلت پر گواہ ہیں۔ خدا کی قسم زمانہ ایسا دریگانہ پیدا کرنے سے عاجز ہے آپ کے مکارم کی تحریر کے لئے قرطاس آسمان تنگ ہے اور میں یہ سب کچھ بلا مبالغہ کہہ رہا ہوں میری قسم کے سچے ہونے پر ہر دوست و دشمن شاہد ہے ؎

اگر کوئی غبی مجھے نہ دیکھے تو کیا مضائقہ ہے کہ مجھے دیدۂ کور نہیں دیکھتا ہے۔ ان عدت الفنون فھو شارہا الخ اگر فنون کو شمار کیا جائے تو آپ اس کے مینار ہیں جس سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے۔

اگر آداب کا ذکر کیا جائے تو اس جگہ بھی آپ لوگوں کی امید گاہ ہیں جن کے دامن سے تمسک کیا جاتا ہے اگر کرم کا تذکرہ کیا جائے تو آپ اس کے دریائے شیریں ہیں جس سے لوگ جھک کے پانی پیتے ہیں میدان سیاست کے امیر مملکت ریاست کے کبیر ہیں آپ کی طرف اس طرح لوگوں کا میلان تھا کہ شاہ عباس صفوی کو خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں حملہ نہ کر دیں لیکن آپ کے علم و عمل کی برکت تھی کہ اس طرح بادشاہ وقت ڈرتا بھی رہا اور آپ کو کوئی آسیب بھی نہ پہونچا سکا بلکہ رفتہ رفتہ مخالفت اور بدگمانی حسن ظن و راحت رسانی سے بدل گئی۔

صاحب سلافہ نے آپ کے انشا، بدیع الاسلوب میں اس خط کو نقل کیا ہے جو آپ نے جناب شیخ بہاء الدین عاملی کو لکھا ہے اسکے بعد آپ کا ایک رسالہ جس کا نام خلیعہ ہے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وھی مما یدل علی تال سریرتہ وتقدس سیرتہ یعنی یہ رسالہ آپ کے پاکیزہ ترین باطن اور آپ کی مقدس سیرت پر دال ہے۔

بیشک آپ شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص اشراق تھا آپ کی یہ رباعی صاحب تاریخ عالم آرائے عباسی نے نقل کی ہے ؎

اے ختم رسل دو کون پیرانۂ تست — افلاک یکے ممبرِ پایۂ تست
گر شخص ترا سایہ نیفتد چہ عجب — تو نوری و آفتاب خود سایۂ تست

لیکن اسکے معنی یہ نہ تھے کہ نرے شاعر تھے بلکہ آپ کی تصنیفات علوم نقلیہ و عقلیہ میں نہایت عظیم الشان ہیں یہ دوسری بات ہے کہ جب کسی کی سمجھ میں کوئی کتاب نہ آئے تو وہ اپنی استعداد و لیاقت کا اظہار اسے مہمل کہہ کر کرے۔

آپ کے تصنیفات میں صراط مستقیم۔ حبل متین۔ سبع شداد۔ ضوابط الرضاع۔ شرح استبصار۔ رواشح سماویہ۔ ایماضات۔ تقدیسات۔ قبسات۔ الافق المبین۔ شرح صحیفۂ سجادیہ۔ حواشی کتب احادیث وغیرہ ہیں جو مختلف فنون پر حاوی ہیں۔

صاحب سلافۃ العصر کی غرض تالیف صرف ادبا کی نثر ونظم کے متعلق کتاب لکھنا ہے لہذا آپ نے نثر کے دو نمونے لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ آپ کے علوم عقلیہ کے متعلق صاحب لباب المعارف العلمیہ آپ کی کتاب قبسات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "منطق کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے اس کا مصنف معقولات میں موشگافیوں کے لئے مشہور ہے متعدد کتابیں تصنیف کیں افق المبین وغیرہ اسکی تصنیف ہے"۔

ملا حمد اللہ سندیلی جن کی کتاب اپنی شہرت اور نقد وتحقیق میں انتہا کو پہونچی ہے۔ وہ بار بار جناب میر باقر داماد کو خیر الحقہ بالمہرۃ کہتے ہیں اور یہ فقرہ اتنا مشہور اور اسقدر کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ کسی معقولی کو اس سے ناواقفیت نہیں ہو سکتی۔ سلم کے قول اعلم ان مذہب اہل التحقیق کی شرح میں مولانا حمد اللہ لکھتے ہیں قد ارتضی بہ کثیر من الفحول کالعلامۃ الدوانی والفاضل میرزا جان و بحر العلوم میر باقر داماد اس پر حاشیہ مولوی الٰہی بخش فیض آبادی نے بنام انتباہ لحل حمد اللہ لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں المشہور بالعلم الاول للحکمۃ الیمانیۃ ملاحظہ ہو ص۳۲ مطبع مصطفائی کانپور ۱۲۷۰ھ اسی کتاب کے ص۲۹ پر حمل اولی کے تذکرے میں حمد اللہ لکھتے ہیں فالاکثر من المحققین کالدوانی و باقر العلوم ومن تابعھما ص۵ پر جہاں مولانا حمد اللہ نے خیر الحقۃ بالمہرہ کا فقرہ لکھا ہے اس پر اس کے محشی اسد اللہ پنجابی لکھتے ہیں اختار ھذا لما ھر امرین ص۵ پر قال خیر الحقۃ بالمہرۃ لکھا ہے اسکے چند سطر بعد لکھا ہے سماھا ھذا بحر حقیقۃ اس پر صاحب انتباہ نے بھی آپ کو خیر الحقۃ بالمہرہ لکھا ہے ص۲۳ پر مولانا حمد اللہ آپ کی تحقیق کا احترام ان الفاظ میں کرتے ہیں قال خیر الحقۃ بالمہرۃ فی اثناء کلامہ الذی افاد بہ ھذا التحقیق بحث موجہات میں ص۸۶ پر لکھتے ہیں قد حقق خیر الاحقین بالمہرۃ السابقین فی الافق المبین الخ علاوہ مولانا حمد اللہ نے بار بار آپ کو بحر کہا ہے۔

مولانا عبد الحق کا حاشیہ جو حمد اللہ پر ہے مشہور ہے اس میں ص۹ پر مدقق کہا ہے اسی حاشیہ پر مسئلہ پر حمد اللہ کا حاشیہ نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں فھذا مذھب الباقر الداماد الخ حمد اللہ کی بحث خرطیات میں ہے قال السید باقر العلوم فی کتابہ المسمی بالافق المبین۔

جب مقدم کاذب ہو تو وہ کسی تالی کو مستلزم نہیں ہوتا ہے اس بحث میں صاحب سلم نے بعض کا قول لکھا ہے انہ ثابت اذا کان بینھما علاقۃ وھو الاشھر اس کی شرح میں حمد اللہ نے لکھا ہے وھذا ھو مختار اکثر المحققین کباقر الداماد صاحب مرآۃ الشروح ملا مبین صاحب نے متعلق حکم کے بارے میں اپنی رائے کا اس طرح اظہار کیا ہے قال المصنف فی الحاشیۃ اختلف فی متعلق الحکم ای الایقاع اما الوقوع الذی ھو جزء القضیۃ نفسھا المشھور ھو الاول والتحقیق ھو الثانی

وھو مختار میر باقر داماد و الفاضل المجود الجونپوری اس طرح میدان تحقیق کے شہسوار ملا مبین نے تسلیم کیا مولانا حمد اللہ نے نکتہ ثالثہ میں اتصاف انضمامی و انتزاعی کی بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے قال خیر الحققۃ بالمھرۃ چونکہ اس میں صدر شیرازی کا ذکر ہے محشی نے اس پر لکھا ہے الصدر الشیرازی التلمیذ لباقر العلوم الداماد (چونکہ صدر شیرازی کے متعلق رفع اشتباہ کرنا تھا اس لئے صدر شیرازی جو داماد سے پہلے گذرے ہیں ان کو لکھکر آپ کے شاگرد کو عبارت مذکورہ سے امتیاز دلایا ہے)

شارح سُلم عبد العلی نے صہ۳ پر اپنے مطلب پر استشہاد کے لئے افق المبین کو سند میں پیش کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت واضح ہے۔

قاضی مبارک نے متعدد مقام پر آپ کے لئے لکھا ہے قال المعلم الاول للحکمۃ الیمانیۃ جعل بسیط کی حقیقت پر استدلال کرتے ہوئے قاضی مبارک لکھتے ہیں و بان الوجود الخ اس پر محشی لکھتے ہیں۔ ھذا الاستدلال مما افادہ باقر داماد فی الافق المبین اس طرح آپ کے افادۂ تحقیق کی سند قاضی مبارک و محشی سے واضح ہے۔ مشہور حافظ دراز محشی قاضی لکھتے ہیں الاستدلال الذی ذکرہ باقر العلوم مشہور حاشیہ شوکت الحواشی میں مولانا تراب علی صاحب بھی قال خیر الحققۃ بالمھرۃ فی الافق المبین سے اپنی کمال پسندی کا اظہار کرتے ہیں، القول الوسیط فی العقل المؤلف والبسیط میں حافظ محمد حسن سنبھلی لکھتے ہیں مبد قواعدہ و سید عمائدہ من العمائد عمود الدقیق من اساطین التحقیق و سلاطین النظر الدقیق المجلین الفاقر الوجود والذات باقر العلوم المعضلات و حققہ المتانی ولقد راہ بالافق المبین اور اس کے حاشیہ پر اس کی تصریح اس طرح ہے ملا السید ابا قر الملقب بباقر الداماد الشیعی الامامی سب سے آخر میں ابی الحسنات مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی (جنکی علمی یادگاریں ان کے فضل و کمال پر شاہد ہیں) کی عبارت پیش کرتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ صرف یہی ایک فقرہ موجود ہوتا اور کوئی مصنف نہ لکھتا جب بھی کافی و وافی تھا مولانا کا رسالہ حل المغلق فی بحث المجہول المطلق جو شائع و ذائع ہے اس کے صہ۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اختارہ محقق الصناعہ فی الافق المبین اسکے بعد صہ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں محقق الصناعۃ السید باقر داماد شیرازی یہ چند حوالے بطور نمونہ و تذکرہ ذکر کرکے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ایسے مشہور اور بڑے بڑے حضرات جو علوم عقلیہ میں توغل رکھتے ہیں اور خود اہلسنت ہیں اور ان کو جناب میر باقر داماد کی شیعیت کا بھی علم ہے پھر بھی کمال پسندی اور علم دوستی کا مقتضا جانتے ہوئے جناب میر باقر داماد کا ذکر اس جلالت و احترام سے کرسکتے ہیں مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جنکو کتابوں اور علماء کی تحریر کا پتہ نہیں اور باوجود بے خبری اپنی

مہمل گوئی سے نہیں ختم ملتے۔

آپ نے علامہ بہائی کے والد شیخ حسین سے اجازہ پایا اور آپ کے شاگردوں میں رئیس المتکلمین صدر الدین شیرازی صاحب صدرا و اسفار کے سے عظیم المرتبت ہوئے۔

علم کے علاوہ عبادت و ریاضت میں بھی آپ کا درجۂ علیا اور مرتبۂ قصوی عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہے صفات حمیدہ و صلاح و تقدس میں آپ کو علماء میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ آپ نے مسلسل چالیس برس تک ایک رات بھی بستر راحت کو پیٹھ نہ لگائی اور مدت العمر نوافل شب و ورد ترک نہ ہوئے۔

شاہ صفی صفوی کے ساتھ زیارات عتبات کے لئے تشریف لے گئے اور باب مدینۂ علم کی خدمت میں ابدی قیام کی صورت اختیار کر لی۔ نجف اشرف میں ۱۰۴۱ھ میں انتقال فرمایا قدس اللہ سرہٗ۔

ملا عبد اللہ کرمانی متخلص بامانی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا۔

فغاں از جور ایں چرخ جفا کیش — نکرد گردد دے ہرشاد ناشاد
ز اولاد نبی دانائے عصرے — کہ مثلش مادر ایام کم زاد
محمد باقر داماد کز وے — عروس فضل و دانش بود دلشاد
خرد از ماتمش گریاں شد و گفت — عروس علم دیں را مردہ داماد

ریویو

محاسن اس رسالہ میں ڈاڑھی رکھنے کی حرمت و تعظیم کے سلسلہ میں فاضل مؤلف جناب مولوی سید محمد ہادی سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ نے ایک بسیط بحث کی ہے اور مسئلہ حلق لحیہ پر دہ بلند پایہ مقالات یکجا کر دیے ہیں جو اسی رسالہ کا طرۂ امتیاز ہے ڈاڑھی کو بین الاقوامی حیثیت کسی مؤلف نے آجتک نہیں دی ہے مفکرین یورپ و ایشیا کے نظریات سے مدد لیکر اس کتاب کو اور زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

یہ وہی علمی ذخیرہ ہے جو الواعظ کے گذشتہ دور میں باقساط شائع ہوا ہے اور ناچیز مدیر نے قبل اشاعت اس کو حرف بحرف پڑھ لیا ہے

آخر میں جناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازیپور کے ایک بلند پایہ مضمون کا اقتباس بھی ہے

تقطیع ۲۲×۱۸ ۸۴ صفحات ہیں قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸/

ملنے کا پتہ سکریٹری جمعیت خدام عزا مسجد تحسین علی خاں چوک لکھنؤ

الواعظ بکڈپو

ثبوت خلافت حصۂ اول اس کتاب میں حاجی حرمین الشریفین جناب حکیم ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر کربلائی جعفری اثنا عشری جھنگ سیالوی نے خلافت حضرت علیؑ پر اس قدر تشفی بخش بحث کی ہے جو اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے مؤلف پہلے حنفی مذہب تھے اور تبدیل مذہب کے بعد یہ قلمی خدمت انجام دی ہے قیمت عام علاوہ محصول ڈاک۔

ساز حریت شاعر آل محمد جناب نسیم امروہوی کا نام نامی محتاج تعارف نہیں ہے موصوف نے اس نظم نے واقعۂ کربلا پر کامیاب بحث فرمائی ہے پنڈت برج ناتھ شرغا ایڈوکیٹ کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۸ر علاوہ محصو ڈاک۔

رجال بخاری حصۂ دوم صحیح بخاری کے راویوں کا کچا چٹھا دیکھنا ہو تو یہ کتاب ذمہ دارانہ حیثیت پر فائز ہے اس مفید ترین ذخیرہ کو جناب مولانا مرزا عبدالحسین صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی نے تالیف فرما کر قوم پر ایک احسان کیا ہے اور محققانہ حیثیت سے بتایا ہے کہ صحیح بخاری کے راوی کس ذہنیت کے مالک تھے، ہم کو یقین ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ختم کیے بغیر آپ نہ رہیں گے اور آپ کے احباب بھی آرڈر دینگے بہت تھوڑی جلدیں باقی ہیں۔ قیمت ۱۲ر مع محصول ڈاک۔

مستند حدیث کساء عالیجناب لسان الملۃ مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ مدیر الواعظ کا وہ تازہ شاہکار ہے جو پہلے ایڈیشن میں چھپکر اشتہار دینے سے پہلے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا اور مدتوں شائقین کف افسوس ملتے رہے دوسرا اڈیشن چند اضافات کے ساتھ ۲۲×۱۸ سائز پر خاص اہتمام سے چھپا ہے جس میں روات کے سلسلۂ سند اور اہلبیت عصمت و طہارت کی تعیین اور طہارت کے معنی پر بہت ہی مفید مقالات ہیں اور جابجا فٹ نوٹ میں اہلسنت کی کتابوں سے حدیث کساء کے اجزاء کو ثابت کیا گیا ہے ایسی مکمل حدیث کساء شیعی دنیا میں آجتک نہیں چھپی یہ تحفۂ جلیلہ درحقیقت علماء عراق کی وسعت نگاہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جسکو سامنے رکھکر مؤلف نے اپنے مخصوص رنگ میں تحشی کی زحمت اٹھائی ہے۔ اپنی خصوصیت کے باوجود قیمت صرف ۴ر علاوہ محصول ڈاک تاجروں کو یہ موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے زیادہ تعداد میں خریدنے والے اصحاب کو محصول ڈاک میں کمی [illegible] قیمت میں کوئی رعایت ہوگی۔

ملنے کا پتہ منیجر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

انجمن مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین کی قابل قدر کتابیں

برادر ایمانی السلام علیکم - اس زمانہ پر آشوب میں لا مذہبیت کی تیز و تند ہوائیں قصر ایمانی کو متزلزل کئے ہوئے ہیں اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی بنیادوں پر مثل سابق مضبوط مستحکم کرنیکی ہر سعی امکانی سے دریغ نہ فرمائیں عند اللہ و عند الناس ماجور ہوں اس وقت آپکے لئے یہ ضروری ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب کے ہوتے حالات بنظر غائر مطالعہ فرمائیں اور فہرست منسلکہ میں سے ایک ایک جلد ضرور طلب فرمائیں ادارہ آپکے حکم کی شکریہ کیساتھ تعمیل کرے گا۔

ملنے کا پتہ - مہتمم انجمن مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین نمبر ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
انگریزی تراجم و تصنیف	•	النبوۃ والخلافۃ	۴	مناظرہ معاد و تناسخ	۶/ا	کشف حقیقت	۴ر
ترجمہ قرآن مجید حصہ اول		انسانی قربانی	۲ر	الاعجاز	۶/ا	در تصوف	
غیر مجلد عا ر	عہ	المجاز القرآن	۵ر	فلسفۃ المذاہب	۶/ا	اسلامی بچوں کی	
ترجمہ قرآن مجید حصہ دوم		حقوق نسوان اور		البنی	۶/ا	پہلی کتاب	۶/ا
مجلد	عہ	اسلام	۲ر	خصوصیات اسلام	ا/	قرآن السعدین	۴ر
صحیفہ کاملہ حصہ اول		تحقیق البداء	۶ر	اسلام و جہاد	۳ر	شان صبر	۶ر
مجلد	عہ	رد شہادت	۲ر	قرآن اور بائیبل	۲ر	حقیقت سادات	۶ر
صحیفہ کاملہ حصہ دوم مجلد	عہ	القول الجمیل فی		رد الاباطیل	۶/ا	زیارت مسلمانان عالم	۳ر
المودۃ القربیٰ غیر مجلد	عہ	التوارۃ والانجیل	۸ر	رسالہ متعہ	۶/ا	تجلیات تاریخ اردو	للعہ
ورسی پرافٹ اینڈ خلافت	۸ر	اسلام اور رواداری	۶/ا	سادق عفت	۴ر	ایضاح الاشکال عربی	۴ر
اسلام اٹس پروفٹ اینڈ ٹریڈیشن	عہ	کربلا کا مجاہد	۶/ا	شریعت الاسلام حصہ		ارشاد مفید	عہ
یونٹی آف گاڈ	۲ر	مولود حرم	۶/ا	اول	۳ر		عہ
اسلام ان دی لائٹ آف تھیزم	۱۲ر			شریعت الاسلام حصہ			۱۲ر
امین اینڈ بل کنگ	۲ر	تعلیم اسلام	۳ر	دوم	۴ر		۱۰ر
ٹریجڈی آف کربلا	۶/ا	رسالہ در تحقیق		شریعت الاسلام ضمیمہ			
پریرس	۲ر	متقیل موسیٰ	۶ر	حصہ دوم	۳ر		
اسلام (ان دس)	۲ر	قرآن اور احقاق الحق	۸ر	کارنامہ محرم	۳ر		
مسانہ	۳ر	تنقید [illegible]		اسلامی تحفہ	[illegible]		
صحیفۃ الانوار جلد اول	[illegible]	[illegible] الاتوار جلد دوم	[illegible]	سوانح عمری حضرت مسلم بن عقیل	[illegible]		

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك

الواعظ

مدرسۃ الواعظین

زیر سرپرستی امیر الامراء اسٹار کار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

[illegible] لکھنؤ

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی زینت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات۔
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ شکایات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہوسکتی ہے۔
۶۔ علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام مینیجر ہونا چاہیئے۔
۷۔ شرح قیمت رسالہ والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غرباء و طلبا سے بشرط تصدیق عا

پتہ — دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

---

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

گرانقدر عطیہ

یہ خبر حضرات اہل ایمان اور مخلصین مدرسۃ الواعظین کیلئے نہایت مسرت بخش ہوگی کہ حضور محترم سرکار مہاراجکمار محمد امیر حیدر خانصاحب بہادر دام اقبالہم آف محمود آباد نے مدرسۃ الواعظین کو مبلغ تین ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے جس کیلئے تمام اراکین مدرسۃ الواعظین بے حد شکر گذار ہیں۔

سید محمد تقی زیدی

انچارج مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

انصار دین کا زرین سلسلہ

جملہ اہل اسلام اور حقیقی تبلیغ اسلام کے شائقین میں یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مرکز مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی عظیم الشان خدمات پر نظر کرتے ہوئے کارکنان ادارہ نے مدرسہ کیلئے سرمایہ مستقل جمع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور کام شروع کر دیا گیا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ جو رقم سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہو صرف اس کے منافع کے صرف کرنے کا حق مدرسہ کو ہوگا۔ اصل رقم کا تصرف کسی وقت جائز نہ ہوگا۔ بنابریں بکثرت پرجوش افراد قوم نے عوام کی سہولت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ادارہ عالیہ کے لئے ہر مومن اپنے گھر کے تمام نفوس کیطرف سے کم سے کم فی کس صرف ایک روپیہ مرحمت کر دے انشاء اللہ جس وقت یہ رقم اس حد پر پہونچ جائیگی جو مدرسہ کا سرمایہ مستقل قرار پاتے ہوئے اسکے مصارف کی کفالت کر سکے تو یہ تحریک ختم کر دیجائے گی امید ہے کہ ارباب کرم جلد از جلد اپنے عطایا روانہ فرما کر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے رقم الہ آباد بنک میں سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہوتی ہے قوم کے تمام افراد آواز پر لبیک کہکر اس مقصد کو بہت کچھ مدد پہونچا سکتے ہیں۔

تحویل سابق ۲۷۱۳۷۹۱۱

فہرست اسمائے حضرات معطیان چندہ برائے سرمایہ مستقل

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تعداد رقم	بدست	نمبر شمار	اسمائے گرامی	تعداد رقم	بدست
۲۰	جناب اہلیہ صاحبہ یوسف حسین صاحب [illegible] لکھنؤ	عہ ر	محمد تقی	۲۲	جناب سید عطا حسین صاحب مرحوم والد جناب سید واجد حسین صاحب حسین آباد لکھنؤ	عہ ر	محمد تقی
۲۱	جناب بیگم صاحبہ سلمہا بنت [illegible]	۱ر	۱	۲۳	جناب سید صادق حسین [illegible]	۱ع	[illegible]

انصار دین کا زرین سلسلہ

جملہ اہل اسلام اور حقیقی تبلیغ اسلام کے شائقین میں یہ خبر نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے تبلیغی مرکز مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی عظیم الشان خدمات پر نظر کرتے ہوئے کارکنان ادارہ نے مدرسہ کیلئے سرمایہ مستقل جمع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور کام شروع کردیا گیا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ جو رقم سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہو صرف اس کے منافع کے صرف کرنے کا حق مدرسہ کو ہوگا۔ اصل رقم کا تصرف کسی وقت جائز نہ ہوگا۔ بنا برین بکثرت پرجوش افراد قوم نے عوام کی سہولت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ادارۂ عالیہ کے لئے ہر مومن اپنے گھر کے تمام نفوس کیطرف سے کم سے کم فی کس صرف ایکروپیہ مرحمت کردے انشاء اللہ جس وقت یہ رقم اس حد پر پہونچ جائیگی جو مدرسہ کا سرمایہ مستقل قرار پاتے ہوئے اُسکے مصارف کی کفالت کرسکے تو یہ تحریک ختم کردیجائے گی امید ہے کہ ارباب کرم جلد از جلد اپنے عطایا روانہ فرماکر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے رقم الہ آباد بنک میں سرمایہ مستقل کے نام سے جمع ہوتی ہے قوم کے تمام افراد آواز پر لبیک کہکر اس مقصد کو بہت کچھ مدد پہونچا سکتے ہیں۔

تحویل سابق ۱۱۳۶۱۴

فہرست اسمائے حضرات معطیان چندہ برائے سرمایہ مستقل

نمبر شمار	اسمائے گرامی	[illegible]	[illegible]	نمبر شمار	اسمائے گرامی	[illegible]	[illegible]
۲۰	جناب اہلیہ صاحبہ یوسف حسین صاحب محلہ ... لکھنؤ	عہ ر	محمد تقی	۲۲	جناب سید عطا حسین صاحب مرحوم والد جناب سید اجد حسین صاحب حسین آباد لکھنؤ	عہ ر	محمد تقی
۲۱	جناب بیگم صاحبہ سلمہا بنت جناب ...	۱ر	۹	۲۳	جناب سید صادق حسین صاحب ...	عہ	[illegible]

الواعظ

جلد ۲۸ | بابت ماہ اپریل ۱۹۴۷ء مطابق ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ | نمبر ۴

قوم میں عصرِ جدید کے طلبہ کے لئے تعلیمی کورس کا ناکافی ہونا شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے اور قدیم اسلوب درس تدریس طالبان علم کیلئے دشوار گذار ہے خاص کر ابتدائے تعلیم کی منزلیں اسقدر سخت ہیں کہ اُن کو عام طور پر بچے برداشت نہیں کر سکتے اور ابتدائے تعلیم میں بھی دینیات تو بالکل ہی عام فہم نہیں ہیں جو کتابیں موجود ہیں وہ ایسے غیر مانوس الفاظ پر مشتمل ہیں جو ایک مبتدی کی سمجھ سے باہر ہیں اگر ابتدا مضبوط کر دی گئی تو بچے آیندہ تعلیم کا بار آسانی سے اُٹھا سکیں گے موجودہ دینیات کا یہ حال ہے۔

(۱) مرتد فطری جس کے ماں باپ وقت انعقاد نطفہ مسلمان ہوں باوجود اس کے کافر ہو جائے "یہ مطلب یوں آسانی سے ادا ہو سکتا ہے کہ جس کے ماں کے پیٹ میں آنے کے ساتھ ماں باپ دونوں مسلمان ہوں الخ (۲) کر جسکا طول و عرض و عمق ۴۲ بالشت مکعب ہو" یہ مسئلہ بیان جو شان گہرائی کی لفظیں استعمال کرنے سے جلد بچوں کی سمجھ میں آجائے گا (۳) مسافت جو مقدار سفر باعث قصر ہو" ان جملوں کو اس طرح لکھنے سے بچے جلد سمجھ جائیں گے۔ اتنی دور جانا کہ ہر چوہ رکعتی نماز میں سے دو رکعتیں کم ہو سکیں۔

اس قسم کی کتنی مثالیں ہیں جو دینیات کی پہلی اور دوسری کتب میں موجود ہیں اس سے بہتر تو پہلے کورس تھا جس کی پہلی بسم اللہ قاعدہ بغدادی پھر پارہ عم اور اُردو میں بعدہ مجدی اور بنیاد اعتقاد پڑھا کر طلبہ میں فارسی اور عربی کی طرف میلان پیدا ہو جاتا تھا اُس میں ہرگز یہ خامی نہ تھی کہ کمسن بچوں کی استعداد سے کوئی لفظ بلند ہو جس کے لئے لغت تلاش کرنے کی ضرورت ہو یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ پچاس سال پہلے کے تعلیم یافتہ بچے آجکل کے اطفال سے قابلیت میں دو چند تھے زمانہ حال کے مولفین نے ضرورت کا احساس کیا اور نئے طرز پر کتابیں لکھیں اُن کی توجہ و عنایت کا شکریہ لیکن قلم اُٹھاتے وقت اگر اُنکا اعلیٰ اجلال رخصت ہو جاتا اور تعلیم اطفال میں وہ اپنی اُردو سے جو مدد پہونچانا چاہتے تھے وہ پہونچ سکتے تو ہم اور زیادہ رہین منت ہوتے لیکن رونا ہے تو اس کا کہ بچوں کی ضیافت طبع کا سامان اتبک فراہم نہیں ہوا قدم قدم پر غیر مانوس لفظیں، اجنبی لغات، علمی اصطلاحات جو دل و دماغ کے لئے گراں ہیں۔

دور ماضی میں بعدہ مجدی کو تحفۃ العوام کی طرح جو مقبولیت حاصل ہوئی اُس کا راز یہی تھا کہ شیعی عقائد کے نشر و اشاعت میں عام فہم اشعار فاضل مولف نے مرتب کئے جو لڑکے لڑکیوں کے دل نشین ہو گئے پھر بھی آجکل کی روشنی میں اگر اس کورس کو دیکھتے ہیں تو دوسری قسم کی خامی نظر آتی ہے اور بعض اشعار ایسے ملتے ہیں جو اطفال کے نازک دل و دماغ پر اچھا اثر نہیں ڈالتے اور انکی ذہنیت کے لئے مہیب صورت اختیار کرتے ہیں یہ واقعہ ناچیز مدیر کے ذاتی علم میں ہے کہ بعدہ مجدی میں آثار محشر والے اشعار اور علامات قیامت میں افق سے دھواں (دخان) اٹھنا پڑھکر ایک لڑکے کے دل پر

یہ اثر پڑا کہ دھواں کہیں دھواں بلند ہوتے دیکھتا تھا سمجھتا تھا کہ قیامت آرہی ہے۔

دنیا بڑی حد تک ترقی کر چکی ہے یورپ میں آئے دن جو نئے انداز تعلیم اطفال کے لئے اختیار کئے جا رہے ہیں کیا انکو برتنے کی ضرورت نہیں ہے؟ مصر میں یا ... تعلیم گاہ کی جلی جلد جلد سے کیوں سبق نہیں لیا جا سکتا کسی نے بقراط مشہور حکیم سے پوچھا کہ کیا سبب ہے جو آپ کمسن لڑکوں کے پاس زیادہ بیٹھتے ہیں جواب دیا کہ تر و تازہ شاخوں کو خمیدہ کرنا آسان ہے اور جن شاخوں کی تری زائل ہو چکی ہے ان کو نہ راست کر سکتے ہیں نہ خم (کتاب الاہر خلاق صفحہ ۲۴۵)

اس وقت ضرورت اسی کی ہے کہ ہم اپنے ہر نونہال کو زیور علم سے آراستہ کر دیں اور اُن کے ابتدائی تعلیم کیلئے ایسی دلچسپ اور مفید کتابیں فراہم کریں جو اُن کے ذوق علم کو زیادہ کریں۔ جناب امیر المومنین علی بن ابو طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے التعلم فی الصغر کالنقش فی الحجر (مستدرک نہج البلاغہ مطبوعہ نجف اشرف صفحہ ۷۶)۔ بچپن کی تعلیم پتھروں کے نقش و نگار کی ایسی ہے جسکو زمانہ کے سرد و گرم آب و ہوا مٹا نہیں سکتی۔

ہمیں دیکھکر مسرت ہوئی کہ الواعظ کے قدیم معاون جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب قبلہ الہ آبادی نے مذہبی حیثیت یقیناً ایک محقق کی ہے اس ضرورت کا احساس فرمایا اور دینیات شیعہ کے نام سے بچوں کے لئے عام فہم دینی کتابیں تیار کیا جس پر ہم اسی نمبر میں سلسلہ تبصرہ اظہار خیال کر رہے ہیں اگر شیعہ اطفال کے لئے ایسی ہی کتابیں تیار ہو جائیں تو وہ تعلیم میں بہت کچھ آگے بڑھ سکتے ہیں ؎

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ   سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

مجھے امید ہے کہ مولانا ممدوح مکارم بڑے درجہ کے طلباء کے لئے بھی اپنے قلم حقیقت رقم کو جنبش دیں گے اور سیر حاصل کتابیں لکھکر طلبہ کی علمی ضرورت کو پورا کرینگے بڑے درجہ کے طلبہ کو سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب مرحوم نے شریعت اسلام لکھکر وغیرہ فانی مرد ہو نچایا ہے جسکو زمانہ فراموش نہیں کر سکتا ہم اس خیال کے انسان نہیں ہیں جو بس ایک چراغ کی روشنی کو کافی سمجھکر دوسرے چراغ کو بے نور سمجھیں مادیت کی روز افزوں تاریکی میں جتنی روشنی بڑھتی جائے اسی قدر ایمان کی راہ صاف نظر آئے گی اور مقصد تبلیغ پورا ہو گا۔

کام تحریک ہی سے پورا ہوتا ہے اور تحریک میں طاقت توفیق ایزدی سے آتی ہے ہمارے بچوں کے لئے ایسے سبق کی ضرورت ہے جس سے انہیں سچائی دینداری، بہادری، اطاعت شعاری کا حوصلہ پیدا ہو اور وہ مذہب سے اسی سن میں اس قدر با خبر کر دئیے جائیں کہ مغربی تعلیم اُن کو بے دین بنا سکے اگر اُن کی تعلیم کی جڑیں مضبوط ہو گئی ہیں تو آگے چل کر کوئی طاقت اُن کو سرنگوں نہیں کر سکتی تو شامل بچہ اگر تو لٹریچر اگر اون کے دل نشین ہو گیا تو اس تعلیم سے بیشمار فائدے اُٹھائے جا سکتے ہیں بچپن کے جذبات

کچھ کیا

صاحب میں بچپن کر رہ گزرتے کو دل چاہتا ہے جناب امیر المومنین کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں سے

نَاعَمُلْتُ حَبِيْمَا + مَا بِتُّ الْقَلْبِ جَرِيًّا + أَبْطَلُ الْأَبْطَالِ فَخْرٌ + ثُمَّ لَا أَفْزَعُ شَيْئًا +

میں بچپنے ہی سے بہادر اور دل کا قوی واقع ہوا ہوں۔ اور میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ سچ ہے جسکے دل میں خدا کا ڈر ہوتا ہے وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔

ہمارے بچے ذہنی دنیا سے تعلیم کے بعد نکلتے ہیں اور اُن کے تعارف کے بعد دنیا پہچانتی ہے اور جو لوگ ہمارے حقیقی معلم تھے جن کو قدرت نے ہمارے جگانے کے لئے پیدا کیا ہے وہ عہد طفلی میں شہرت کی منزل تک پہونچ جاتے ہیں۔ ہے

نَحْنُ الْكِرَامُ بَنُو الْكِرَامِ وَطِفْلُنَا فِي الْمَهْدِ يُكَنَّى (حضرت علی علیہ السلام)

شیعہ دینیات میں طلباء کے لئے وہ تمام سہولتیں بہم پہونچانا چاہیئں جو لکھے ہوئے مطلب کو دلنشین کر دیں۔

ریاست خیرپور کا مستقبل

ہمارے ناظرین کرام واقف ہوں گے صوبہ سندھ کی واحد اسلامی ریاست خیرپور کے فرمانروا مذہباً شیعہ ہیں اور میران سندھ کی یادگار ہیں جو ایک زمانہ میں سارے سندھ کے حکمران تھے۔ اعزاز و اکرام کے لحاظ سے یہ ریاست ہندوستان میں خاصی اہمیت رکھتی ہے اور شیعی ریاستوں میں رامپور کے بعد اس کا نمبر ہے۔ مذہبی اعتبار سے شیعان ہند کو اس ریاست سے بھی دلی تعلق ہے اور اسی بنا پر ہم آج شیعان ہند کی ترجمانی کرتے ہوئے اس ریاست کے مستقبل کے متعلق چند سطور لکھنا چاہتے ہیں۔ ریاست خیرپور کے موجودہ فرمانروا ہز ہائینس میر فیض محمد خاں صاحب اپریل ۱۹۳۶ء میں مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوئے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک دن کے لئے بھی عنان حکومت اُن کے ہاتھ میں نہیں دی گئی اور ہم برابر یہی سنتے رہے کہ اُن کی صحت اچھی نہیں اور وہ حکومت کرنے کے اہل نہیں۔ چنانچہ آجتک اس ریاست میں پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کی حکومت چلی آرہی ہے۔ میر صاحب خیرپور کے ایک ہی صاحبزادہ میر علی مراد خاں ولی عہد ہیں اور لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ابھی کم سن اور قانوناً و شرعاً نابالغ ہیں حکومت برطانیہ کے اس اعلان نے کہ وہ جون ۱۹۴۸ء میں ہندوستان کا تخلیہ کر دیگی سیاسیات خیرپور میں بھی ہل چل ڈالدی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ

ہی چند روز کا مہمان ہے تو اس صورت میں اس کا قائم کردہ نظام حکومت بھی زیادہ چل سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، اور نہ یہ درست ہوگا کہ وہ موجودہ نظام حکومت کے سر پر مسلط رہے ۔ ریاستوں کے آئین اور دستوروں کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف ایک ہی صورت صحیح اور درست ہوگی اور وہ یہ کہ ایک ایجنٹ معین کر دیا جائے اور کونسل آف ایجنسی کا قیام ہو ۔ ہماری اطلاعات کے بموجب موجودہ ہز ہائنس کے حقیقی چچا زاد بھائی صاحبزادہ میر محمد علی خان صاحب اس منصب کے ہر اعتبار سے حقدار اور اہل ہیں ۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ ریاست خیرپور میں اس وقت طرح طرح کی سازشیں اور کوششیں حق کو چھپانے کی ہو رہی ہیں مگر ہم کو یقین ہے کہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے معاملہ فہم حکام انگریزی انصاف کے دامن پر دھبہ نہ آنے دیں گے اور مناسب تحفظات کے ساتھ (جن میں والیان ریاست اور ولی عہد کے مفادات کا بھی تحفظ ہو جائے) میر محمد علی خانصاحب کو ایجنٹ مقرر فرما دیں گے ۔

شیعان ہند نہایت بے چینی سے ریاست خیرپور کے مستقبل پر نظر رکھتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ بہت جلد حقدار کو حق مل جائے گا ۔

ریویو

دینیات شیعہ ہر چہار حصہ

مقالہ افتتاحیہ میں تعلیم اطفال کی ضرورت پر ہم مستقل بحث کر چکے ہیں ہماری نظریات ہی کے تحت میں جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب قبلہ الہ آبادی نے یہ دینیات عام فہم رسالے تحریر کئے ہیں جو آجکل کی تعلیمی ضرورت کو یقیناً پورا کر سکتے ہیں پہلا حصہ درجہ اول کے شیعہ طلبہ کے لئے اور دوسرا درجہ دوم کے لئے اور تیسرا اور چوتھا درجہ سوم اور چہارم کے لئے ہے ۔ تجربہ کار مولف نے دینی مفہوم کو تدریجی لحاظ سے بچوں کے سامنے پیش کیا ہے پہلے حصہ کا طرز لہجہ بہت زیادہ نرم ہے اور اس میں اصول دین اور ترکیب نماز کا بیان ہے دوسرے حصہ میں واجبات و منافی ارکان نماز ۔ نماز قضا وغیرہ ذرا تفصیل سے پیش کیا ہے اور تیسرے حصہ میں اصول دین کی پوری تشریح ہے اور نماز کے بقیہ مسائل بیان کر کے فروع دین کو مختصر بیانات میں سمجھایا ہے چوتھے حصے میں سنتی نمازوں کا ذکر اور چہاردہ معصومین کے مختصر حالات

ہیں جن سے مبتدی آنحضرت کی شخصیت اور عظمت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے محترم مؤلف نے اقوالِ ائمہؑ
زریں نصائح بھی درج کئے ہیں اور جابجا مفید اشعار اور دلچسپ نظموں سے کتاب کی افادیت کو بہت بڑھا دیا
ہے۔ منظوم حصہ میں کہیں تو بنیادِ اعتقاد کے حکمت افروز اشعار ہیں اور کہیں قتیل صاحب زنگی پوری کی نظم۔
غرض کتاب ہر طرح مفید ہے سائز ۲۲×۱۸ ۱۶ ۔ ۲۴ پونڈ کا سفید کاغذ اور ٹائٹل میں رنگین کاغذ لگایا گیا ہے
ذی اقتدار مؤلف نے اس گران قدر علمی حدیث کو کورس میں بھی داخل کر دیا ہے۔ سرکاری اور نیم سرکاری مدارس
اور پرائیویٹ اسکولوں کے ٹیچران کو چاہیئے کہ شیعہ بچوں کو دینیات کی تعلیم انہیں رسالوں کے ذریعے دیں حصہ اول
و دوم کی قیمت فی حصہ ۳؍ اور سوم اور چہارم کی قیمت فی حصہ ۶؍ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ :- حبیب بکڈپو ۱۸۵ کرہ الہ آباد

معراجِ سخن

محفلِ شعر و سخن کی وہ شمعیں تو گل ہو چکی ہیں جن کے فیوض کمالات کی روشنی ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھی مرزا
صفی آرزو رفیع موؔدب حلقۂ ادبی کے کلام میں موجود ہیں خدا ان کو رہتی دنیا تک زندہ رکھے ہمارے محترم دوست
جناب سید سرفراز حسین صاحب رضوی خبیر لکھنوی سے جو عصرِ حاضر کے اساتذہ میں ہیں۔ اور اُن کو اسلاف
کی صحیح یادگار رکھنا بجا ہے بڑی وسعت خیال سے کام لیکر ممتاز بک ایجنسی کو اپنا مسدس چھاپنے کی اجازت
دی ہے۔ عام طور پر شعرا اپنی زندگی میں اپنے مراثی چھاپنے کی اجازت نہیں دیتے۔ خبیر صاحب کا یہ
اقدام ادبی ادب نوازی کی بیّن دلیل ہے۔ اس مسدس میں سب سے پہلے خبیر صاحب کا فوٹو ہے جس پر
ایک بہت ہی مناسب شعر درج ہے اس کے بعد مشہور ادیب جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر کے سحر نگار
قلم سے خبیر صاحب کے حالاتِ زندگی اور ان کی خاندانی وجاہت سلسلہ نسب غرض پوری حالاتِ زندگی
اس طرح نذرِ قرطاس کئے ہیں کہ یہ تذکرہ ایک بہترین ادبی شاہکار ہو گیا ہے۔ ان اوراق میں شیعہ قوم کے
بعض ادنیٰ افراد اور اہلِ کمال کے نام بھی نظر آتے ہیں جنکو زمانہ بھول رہا تھا خبیر صاحب نے اِن حالات کو
زندہ کر کے قوم کو ممنونِ احسان کیا ہے اس پیش لفظ کے ساتھ فاضل مشرقیات مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب
کاموتپوری کی تقریظ بھی ہے جس میں اس مسدس کے تعارف کے سلسلہ میں مبحث معراج پر بھی کسیقدر
تبصرہ ہے اور موصوف کے نظریہ کے مطابق جو اشعار میں اُن کی تنقید وصفت کی ہے ہم بھی خبیر صاحب

کی شاعری اور بلند پایہ کمالات کے معترف ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اُنکے ولولہ انگیز اشعار کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں روز عاشور کی قیامت خیز گرمی کے سلسلہ میں مجھے موصوف کے ایک مرثیہ کی بیت یاد ہے

> دلوں سے شعلۂ غم کی لپک نکلتی تھی — جو سانس لیتے تھے بچے زباں جلتی تھی

یہ مرثیہ بھی اسی دل و دماغ کے نتائج افکار کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کا دیکھنے سے تعلق ہے آخر کتاب میں تجبر کے شاگرد رشید محترمی اکمل شاہجہانپوری ہیڈ ماسٹر مدرسہ نورانیہ راج کوٹ کا یہ شعر بھی بہت زیادہ وقار کی حیثیت رکھتا ہے

> خشک ہونٹوں سے حیا تھا کہ یہ کہتے ہیں حسینؑ — ظالمو؟ تین شب و روز کا پیاسا ہوں میں صفحہ ۴۲

ہم ناظرین الواعظ سے سفارش کرتے ہیں کہ اس مرثیہ کو خرید کر اپنی مجلسوں کو زینت دیں اور مرثیہ کے مقدمات اور تکملہ کے مطالعہ سے اپنے تاریخی معلومات میں اضافہ کریں۔
لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت علاوہ محصولڈاک ۵

ملنے کا پتہ:- ممتاز ایجنسی تحاس لکھنؤ

الحسنات رامپور

مسلمان عورتوں لڑکیوں اور لڑکوں کی ذہنی اصلاح کے لیے حال میں ریاست رامپور سے یہ ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے جس کے ایڈیٹر ابو سلیم محمد عبدالحی صاحب بی-ایس-سی-ہیں ہمکو تین نمبر ہوئے اور جستہ جستہ پڑھکر اندازہ ہوتا ہے کہ بمعصر موصوف اپنے اغراض اور مقاصد کی تکمیل میں کامیاب ہو کا زیر نظر پرچہ اپریل کے نمبر میں جو فہرست مضامین ہے وہ مفید ہے:-

احساسات، قرآن کریم، آو عربی پڑھیں، مسلمہ کی دعا، اچھی باتیں، قرآن کیا ہے، پیڑ اور پودوں کی کہانی تمام عنوانات مفید اور دلچسپ ہیں مرقومہ بالا مضامین میں، آؤ عربی پڑھیں، بہت مفید اور دلچسپ مضمون ہے اگر ایسے ہی مضامین نکلتے رہیں تو وہ عربی جسکو جذر اصم سمجھ لیا گیا ہے طلبا کے لئے بہت زیادہ سہل ثابت ہوگی اور عربی بول چال میں کافی مدد ملیگی۔ اسبات کے اظہار میں بھی ہمیں کچھ عذر نہیں کہ محترم مدیر نے تاریخی حقائق کی ترجمانی میں آزادانہ رویہ اختیار کیا ہے مثلاً قرآن مجید کے جمع کے سلسلہ میں انھوں نے صاف لکھدیا ہے۔ کہ بی بی حفصہ کے پاس جو قرآن مجید تھا حضرت عثمان نے اُس کی بہت سی نقلیں کرائیں اور ہر ہر صوبہ میں بھیج دیا اور دوسرے قرآن جو لوگ لکھ رہے تھے ان سب کو منگا کر جلا دیا تاکہ لوگ غلط سلط نہ پڑھیں (الحسنات صفحہ ۸ کالم اسمرکالم)

تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$ سالانہ قیمت ۱۲ قیمت فی پرچہ ۵ ر

عالم نسواں

ہمنا اپنی ادارت کی ابتدائے دور میں یہ چاہتا تھا کہ الواعظ کے صفحات میں عالم نسواں اور بیبیوں کی دنیا ان دو سفید عنادین پر مضامین درج ہوں مگر قوم میں لکھنے والوں کا قحط ہے کسی نے قلم نہ اٹھایا ذیل میں ایک شیعہ خاتون کے حالات کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

شرم آپ حکیم قمرالدین کی دختر نیک اختر ہیں اصل وطن بنارس تھا۔ لیکن مدت سے لکھنؤ میں توطن اختیار کیا فن شعر میں خواجہ وزیر کی شاگرد تھیں عورت ہوکر شعر و سخن میں وہ کمال حاصل کیا کہ پورا دیوان غزلوں کا موجود ہے شیعہ مذہب رکھتی تھیں جیسا کہ شروع کلام سے ہی پایا جاتا ہے۔

ادا ہوا نہیں کچھ حق جو تھا عبادت کا — فقط ہیں تو وسیلہ ہے تری رحمت کا

سنا ہے شور جو عالم میں تیری رحمت کا — امیدوار ہے ہر پر گناہ جنت کا

تو اپنی بندہ نوازی سے بخشدے گا ہمیں — دگرنہ ہم نے کیا کون کام جنت کا

یہ آرزو ہے پڑیں پانچ داغ دل میں مرے — عیاں ہو محشر تو پنجتن کی الفت کا

ایک جگہ اور کہتی ہیں ـــ

دل میں رکھ یاد تو اے شرم علی کی ہر دم — کام آدینگے وہی ترے حمات کے وقت

شرم اوس دین افروز زمانہ کی خاتون تھیں جب بے پردگی کا کوئی نام بھی نجانتا تھا حسب حال کہتی ہیں۔

اجتک مجکو فرشتوں نے بھی دیکھا نہیں شرم — مہر کی طرح سے ہاں نام ہے روشن اپنا

وہ عزادار امام بھی تھیں اور فرزند رسول الثقلین حضرت ابی عبداللہ الحسین روحی فداہ کی سرکار سے انکو قلبی محبت وعقیدت تھی محرم میں جو سیاہ لباس پہنتے ہیں اوسکی وجہ بیان کرتی ہیں۔

بعد قتل شہ دیں ہوگیا تاریک جہاں — یہی باعث ہے محرم کی سیہ پوشی کا

اختر تاباں میں شرم کا ایک فارسی فرد بھی درج ہے۔ ــــہ

قامتش سرو دخش گلفام است — چشم بادام و دو زلفش جام است

کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر

(۲)

(از جناب شیخ تصدق حسین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی لکھنؤ)

بادشاہ موصوف ہی کے عہد میں کسی شخص کا کسی عضو سے محروم کر دینا یا خواجہ سرا بنانا بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔ شاہ اودھ نے ان مخالفتی احکامات کی اطلاع رزیڈنٹ کو ۱۴ر جولائی ۱۸۳۳ء کو کر دی جنھوں نے ۱۸ر نومبر ۱۸۳۳ء کو اُن کے متعلق اپنی گورنمنٹ کو مطلع کر دیا۔ ٹھگوں اور ڈکیتوں کے استیصال و بیخ کنی میں بھی اُنھوں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔[1]

بادشاہ کے عادات و خصائل

سید کمال الدین[2] حیدر جو شاہ نصیر الدین حیدر کے معاصر تھے اُن کے عادات اور خصائل و دیگر امور کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

حضرت شاہ زماں اپنے عہد سلطنت میں حرکات و افعال شباب جوانی سے کبھی فارغ نہ ہوئے سال بھر کے عرصہ میں ہر نئے محل کو دوسرے پر فوق ہوتا تھا اور اِن مصارف عیش و عشرت اور نذر ائمہ معصومین اور رسومات و عزاداری محرم و ایام چہلم و تیاری امام باڑہ بارہ امام علیہ السلام اور اُن سب کی آراستگی اور پوشاک ہندوستانی و انگریزی اور فرمائشات شاہی اور اخراجات محلات معلّٰے میں جسقدر زر اندوختہ جنت آرام گاہ (نواب سعادت علی خان) تھا اور جو مصارف حضرت خلد مکاں (غازی الدین حیدر) سے بچ رہا تھا سوائے آمدنی ممالک محروسہ وہ سب صرف ہو گیا۔ مشہور ہے کہ شیرمال اور باقر خانی خاص نصیر الدین حیدر کے باورچی میاں ممدو کی ایجاد ہے مولانا عبدالحلیم شررؔ نے بھی گذشتہ لکھنؤ میں اسکی تصدیق کی ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ ڈھیلے پائچوں کا پیجامہ و پنج گوشیہ ٹوپی خود بادشاہ کی ایجاد ہے یا اُن کے عہد دولت میں ایجاد ہوئی۔

اس اجمال[2] کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ اپنے تئیں ائمہ علیہ السلام کا شیدا بہزار جان و دل کے ظاہر کرتے تھے۔

---

[1] قیصر التواریخ جلد اول صفحہ [illegible]

[2] وقائع دلپذیر نوشتہ منشی عبدالاحد معاصر شاہ نصیر الدین حیدر

جب کسی امام کی ولادت کا جشن مسرت ہوتا تو شادیانے بجتے اور جو رسمیں ایام ولادت کے لئے مخصوص ہیں وہ چھٹی کے دن تک نہایت تکلف سے ادا ہوتیں۔ ما بعد ہزار خوان ہر قسم کے پر تکلف اور لذیذ کھانوں اور مٹھائیوں کے جن میں ہر قسم کے میوے بھی رکھے ہوتے وہاں لا کر اور اُن پر نذر دلا کر خاص خاص جگہ جیسے بھیجے جاتے اور محل کی خادماؤں کو بھی تقسیم کئے جاتے۔

بادشاہ بیگم نے نصیر الدین حیدر کے جلوس کے پہلے ہی سال یہ حکم جاری کرایا کہ سلطنت کی کل رعایا سیاہ پوش اور عزاداری کی رسم عمل میں لایا کرے اور امام کے چہلم تک شادی بیاہ اور کوئی دوسرا خوشی خرمی کا کام نہ کیا جائے۔ جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کریگا وہ مستوجب سزا ہوگا مگر رزیڈنٹ نے اس حکم کی اجازت نہ دی لیکن بیگم صاحبہ اپنی ضد پر قائم رہیں اور کہا کہ میں نے اپنے ایام اسیری میں اس امر کی نذر مانی تھی اُس کے خلاف کس طرح کروں آخر ہزار دقت بادشاہ نے یہ طے کیا کہ اپنا علم نذر کے لئے میں خود چہلم تک عزاداری کرتا رہوں گا دوسرے بندگان خدا کو اپنے فعل کا اختیار ہے ہماری طرف سے کسی پر جبر نہیں ہے۔

بادشاہ نے شیر دروازہ کے اندر فرح بخش کے قریب ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا جس میں بارہ کمرے نہایت شاندار و سیع تھے یہ مکان **درگاہ دوازدہ امام** کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں زربفت کے پر تکلف شامیانے جن میں آبدار موتیوں کی جھالر ٹنکی تھیں گنگا جمنی ستونوں پر استادہ تھے اور نہایت خوشنما بیٹھک کے جھاڑ جن میں چالیس چالیس شمعدار کنول روشن ہوتے تھے وہاں رکھے تھے فرش بھی نہایت قیمتی بچھا تھا اور قد آدم آئینے لگے تھے۔ ہر کمرے میں طلائی اور نقرئی ضریح رکھی تھی۔ ہر امام کی تاریخ ولادت پر جو کمرہ اُن کے نام موسوم ہوتا۔ اسی طرح ہر امام کی وفات کی تاریخ میں مجلس عزا برپا ہوتی اور ایک بارگاہ پھولوں کی نہایت خوشنما تیار ہوتی تھی۔ شاہی باغوں کے پھولوں کے علاوہ پانچہزار روپئے روز کے پھول عشرہ محرم تک بازاروں سے مول آتے تھے۔ اس زمانہ میں خوشبودار پھول دولتمندوں کو بھی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتے تھے۔ اس بارگاہ کا طول اندازاً سو قدم اور عرض پندرہ بیس قدم سے زیادہ ہوتا تھا۔ اور کبھی پھولوں کے بجائے سنہری و روپہلی مقیش اور بادلے اور ستاروں کی جھالر استعمال ہوتی تھی۔ عطریات سے بھی وہ مکان بسایا جاتا تھا غرضکہ ہر امام کی تقریب ولادت میں چھ دن تک اور ہر امام کی وفات کی تاریخ میں کئی روز تک اور سید الشہدا کی شہادت کے زمانے میں چہلم تک بادشاہ بہ نفس نفیس وہاں کی خدمت صدق دل سے بجالاتے اماموں کی پیدائش کی تاریخوں میں پر تکلف اور لذیذ کھانے مٹھائیاں۔ میوے۔ اور نفیس کپڑوں کے جوڑے تقسیم ہوتے تھے۔ اور وفات و شہادت کے دنوں میں مرثیہ خوانی ہوتی اور شربت۔ مٹھائی

اور میوہ تقسیم ہوتا۔ ان مدات میں چار پانچ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہر سال صرف ہوتے تھے۔ بادشاہ ان امور کے ایسے معتقد تھے کہ محرم کی پہلی تاریخ کو سو پچاس تعزیے در دولت سے عزاخانہ تک برہنہ پا کنکریوں کی زمین پر اپنے سر پر رکھ کر پہونچاتے تھے۔ چہلم تک فرش زمین پر سوتے تھے۔ بادشاہ بیگم۔ قدسیہ محل اور ملکۂ زمانیہ وغیرہ جملہ بیگمات طلائی اور نقرئی طوق اور زنجیریں بادشاہ کی گردن۔ کمر اور پاؤں میں پہناتی تھیں۔ جن کا وزن کئی سیر تک پہونچ جاتا تھا۔ بعد ختم ایام عزا یہ سب نقرہ و طلا انعام میں دیدیا جاتا تھا۔

محرم کے دنوں میں تمام راتیں بیداری میں کاٹتے تھے۔ شام سے صبح تک ہر محل میں خود بدولت مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ غرض چالیس دن بادشاہ کو روتے کٹتے تھے۔ اس طرح نصف سال عزاداری میں گذرتا۔ اُن ایام میں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ کسی دنیاوی کام کا ذکر اُن کے سامنے کر سکتا۔ مرزا رجب علی بیگ سرور بھی جو نصیر الدین حیدر کے ہمعصر تھے واقعات مندرجہ بالا کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے کچھ مزید حالات فسانۂ عبرت میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں:۔ عشرۂ محرم کا یہ حال تھا کہ راہ چلتوں کو مسکرانا محال تھا۔ روز و شب غم اہلبیت میں رونا۔ اربعین تک زمین پر سونا۔ لباس آبی یا سیاہ۔ ہر دم لب پہ نالہ و آہ۔ ہزارہا روپیہ اور رحبان کی لعنت مرثیہ خوان و سید محتاج آب و نان پاتے تھے۔ تحصیل حسنات و ثواب فرماتے تھے۔ دوازدہ امام کی درگاہ صاحب الامر کا غار بنوایا۔ لاکھوں روپئے کا اسباب چڑھایا۔

اپنی مشہور و معروف تصنیف فسانۂ عجائب کے دیباچہ میں بھی وہ بادشاہ کے مذہبی انہاک کے بارے میں حسب ذیل رقمطراز ہیں:۔ دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گرداں کو خواب میں نظر نہ آتی۔ بجز غم حسینؑ شہریار کو غم و اندوہ نہیں۔ کون ہے جو اس زمانے میں شاد و خرم نہیں۔ اربعین تک عزاداری ہوتی ہے۔ خلق خدا ماتم میں روتی ہے۔ لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا ہے۔ روز تولد ہر امام و وفات جگر بندان خیر الانام لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے۔ اسکی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ برطرف ہے۔ بادشاہ کے ایک یورپین مصاحب بھی کا تذکرہ کرتے ہوئے ناقل ہیں:۔ امام باڑہ میں مجالس عزا صبح و شام دو مرتبہ منعقد ہوا کرتی تھیں جنمیں شام کی مجلس زیادہ دلچسپ ہوتی تھی کیونکہ اس میں خوب مجمع ہوتا تھا۔ کہ بادشاہ سلامت ماتمی لباس پہنے اور سر پر موٗر کے پروں کا تاج پہنے ذاکر کے روبرو بیٹھے ہوتے ہیں اُن کے پیچھے ... کے ہمنشین و مستاجر ملازم کثرت سے بیٹھے ہیں جو کہ دو دو کی قطار باندھے۔ گردنیں جھکائے۔ نظریں نیچے کئے اور غمگین صورت بنائے امام باڑہ میں داخل ہوتے تھے۔ محرم بھر اسی طرح کی مجالس عزا امام باڑوں میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ خود بادشاہ سلامت کو اس

ملہ ایک مشرقی بادشاہ کے نجی حالات

قسم کے مذہبی مراسم کے ادا کرنے میں بیحد شغف اور انہماک تھا۔ اربعین تک بادشاہ اپنے ذکور اعزہ یا احباب ہی کے مجمع میں رہا کرتے تھے۔ دعوتیں نہیں دیتے تھے۔ اور عیش و عشرت کے جن سامانوں کے بڑے دلدادہ تھے ان سب کو ترک کئے رہتے تھے اسی طرح انگریزی مذاق کی جتنی چیزیں اُن کو بالطبع مرغوب تھیں اُن سب سے کنارہ کش ہو جاتے تھے۔ بادشاہ سلامت یوں تو بہت محتاط تھے مگر ایک مرتبہ اپنی حکومت و خود مختاری کے زعم میں بزمانہ محرم انگریزی پوشاک اور لندن کی بنی ہوئی جبہ دار ٹوپی پہنے امام باڑہ میں چلے گئے اس پر مسلمانوں نے بہت کچھ نفرین و ملامت کی اور لوگوں نے گردتیں ہلا ہلا کے اور ڈاڑھیاں پھٹکار پھٹکار کے خوب چرچے کئے عہد نصیری کا ایک مقبول عام سوز درج ذیل ہے۔

نرگس کیطرح چشم سوئے دنگراں ہے	بے چین تھی صغرا جو فراق پدری سے
جلد آؤ کہ بستی کا چمن اپنا خزاں ہے	نت اُٹھ یہی کہتی تھی نسیم سحری سے
اے باد صبا مرتی ہوں درد جگری سے	کیو جو ہے تو مرے بابا سے سفر میں

شاہ زماں سلیماں جاہ نصیر الدین حیدر کا عہد حکومت سلطنت اودھ کے شباب کا زمانہ کہا جاتا ہے لکھنؤ بہت ہی آباد رشک گلزار تھا۔ جوان بخت و جواں سال بادشاہ کی رنگین مزاجیوں اور آسودہ حال رعایا کی رنگ رلیوں کے آثار ہر سو جلوہ گر تھے۔ شہر کے بانکے ترچھے عجیب و غریب وضع بنائے ہتیاروں سے آراستہ اونچی بنے ہوئے ہر طرف اینڈتے پھرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا جھگڑنا کشت خون کرنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ دولت و ثروت کے کرشمے ہر سمت نظر آتے تھے مگر تخت نشینی سے قبل نصیر الدین حیدر گرداب مصائب میں مبتلا تھے اور گوناگوں آلام و روحانی کے شکار ہو رہے تھے۔ معتمد الدولہ نے اُن کے پدر بزرگوار غازی الدین حیدر کے کان اُن کے خلاف بھر دئے تھے کہ وہ اور بادشاہ بیگم آپ کو زہر دیکر آپ کی شمع حیات ...... گل کرنے کی فکر میں ہیں۔ بادشاہ پر وزیر کا یہ افسوں پورے طور پر چل گیا اُنھوں نے دونوں ماں بیٹوں کو ایک مکاں میں نظر بند کر کے چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ بحالت اسیری دونوں کو کئی بار زہر آلود خوراک بھی بھیجی گئی تاکہ دونوں کے نخل حیات کو جڑ سے کاٹ کر یہ قصہ ہی ختم کر دیا جائے اور آئے دنوں کے دغدغوں و ولولوں سے ہمیشہ کے لئے نجات ملجائے مگر شہزادہ اور بیگم صاحبہ کے گوئندے بروقت اطلاع کر دیتے جس پر دونوں ماں بیٹے کھانے سے دستکش ہو جاتے اور دونوں کی جانیں بال بال بچ جائیں اِن واقعات سے سلطنت

ہاتھ لگتا تو درکنار نصیرالدین حیدر کو اپنی جان ہی کے لالے پڑ گئے تھے۔ غازی الدین حیدر کے انتقال سے قبل تین برس تک دونوں ماں بیٹے قیدوبند کی سختیاں جھیلتے رہے اور آخر میں نوبت تو یہاں تک آئی چودہ مہینے یک لخت دونوں چنا چبا چبا کر اور گھوڑوں کا پس خوردہ کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے اور حیات مستعار کو قائم و برقرار رکھتے رہے مختصر یہ کہ غازی الدین حیدر کی خفگی اور ناراضگی اور معتمد الدولہ کی سازشوں و فتنہ انگیزیوں سے نصیرالدین حیدر کو اپنے برسر اقتدار ہونے کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی تھی ..... وہ سمجھنے لگے تھے شائد اب یہ ہمائے سعادت غازی الدین حیدر کے نواسہ نواب محسن الدولہ کے سر پر سایہ فگن ہوگا اسی حالت امید و بیم میں اُنھوں نے منت مانی تھی کہ اگر مجکو تخت شاہی نصیب ہوا تو اربعین تک عزاداری کیا کروں گا بعد از رنج گنج مثل مشہور ہے یہ دور ابتلا اس طور پر ختم ہوا کہ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء غازی الدین حیدر چند روزہ علالت کے بعد خلد مکاں ہو گئے جس پر نصیرالدین حیدر کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا اور نظر بندی سے گلو خلاصی ہوئی۔ انگریزوں نے انہیں کو شاہ مرحوم کا بیٹا تسلیم کر کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ صاحب تاج و تخت ہوتے ہی موصوف کھل کھیلے۔ مدتوں کے دبے ہوئے ارمان نکلنے لگے۔ بے غل و غش روپیہ اُڑنے لگا۔ اپنے ہوا خواہوں کو خلعتوں منصبوں وغیرہ سے سرفراز کیا مگر تکلیف اور مصیبت کے وقت جو عہد اُنھوں نے کیا تھا وہ اُن کے دل پر پتھر کی لکیر ہو گیا تھا۔ اس پر مستقل مزاجی سے قائم رہے اور اربعین تک عزاداری کا سنگ بنیاد رکھا اُن کے قبل نواب سعادت علی خاں نے بھی شدید علالت سے چھٹکارا پا کر اربعین ہی تک عزاداری کی تھی مگر یہ اُنکی ذات خاص تک محدود رہی کسی اور نے اُنکی مشابہت اور تقلید نہیں کی اُن کے بیٹے غازی الدین حیدر نے اس طریقہ کو قائم نہیں رکھا بلکہ حسب دستور قدیم صرف امام مظلوم کے سیوم تک عزاداری کرتے رہے نصیرالدین حیدر بادشاہ کے زمانہ میں یہ جدید طریقہ اعیان دولت۔ اراکین سلطنت رؤسا و شرفا میں بھی رائج ہو گیا اس طور پر اربعین تک عزاداری کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔

نصیرالدین حیدر کے عہد حکومت میں پادری ہیبر صاحب (ریورنڈ پادری ہیبر صاحب مجموعہ سیاحت) لکھنؤ میں بھی وارد ہوتے تھے اُنکی تحریر کا مندرجہ ذیل اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ بعض انگریز مورخین نے اودھ کی حالت پست و ابتر ظاہر کرنے میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے پادری صاحب تحریر کرتے ہیں اودھ[1] کے متعلق جو خبریں میرے کانوں تک پہونچ چکی تھیں اُن کا لحاظ کرتے ہوئے ملک میں اسقدر زیادہ زراعت پا کر مجھے بڑی مسرت و حیرت ہوئی کیونکہ اگر وہاں ظلم و ستم کا اتنا دور دورہ ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے

---

[1] چمن بے خزاں حصہ اول

[illegible] ہوتا۔ میں نے زراعت اتنی اچھی حالت میں پائی جس کی مجھکو ہرگز توقع نہ تھی۔ لکھنؤ سے سانڈی تک جہاں میں یہ مضمون مرتب کر رہا ہوں مقبوضات شاہی ویسے ہی سرسبز و شاداب ہیں جیسے کہ کمپنی کے ہیں۔

ذوق سخنوری

نصیر الدین حیدر کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے بادشاہ تخلص تھا۔ لوگ رسماً کہا کرتے ہیں کہ کلام ملوک، ملوک الکلام ہوتا ہے مگر بادشاہ کے کلام میں واقعی زبان کی صفائی۔ خیالات کی پاکیزگی مضامین کی جدت اور تاثیر کی چاشنی تھی۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

غزل

بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یوں روز بہار
اے گل رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار

گل نے کر چاک گریباں یوں کہا رو رو کے زار
چشم گل کو نوک مژگاں کی جگہ ہے نوک خار

مطرب و مینا و ساقی نغمۂ چنگ و رباب
سب مہیا ہیں ولے تیرا فقط ہے انتظار

جو گل رخسار جاناں کی نہ آئی ان کو تاب
چھپ رہے غنچے و گل غیرت سے ہو کر شرمسار

ہے نزاکت سے گراں سرمہ بھی چشم یار کو
بار کاکل سے کمر کیونکر نہ لچکے بار بار

تیرے مقدم کے لئے اے سیمبر گلزار میں
گل گریباں چاک کر آیا نکل بے اختیار

تیغ ابرو دیکھکر آئی ندا اے بادشاہ
لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

معراج

(عالیجناب سید افتخار حسین صاحب رٹائرڈ جج غازیپور)

جہنم کی وسعت - جنت و جہنم کی وسعت کسی نے ٹھیک نہیں تبائی۔ نہ کتاب خدا میں اور نہ احادیث میں۔ کیوں نہیں تبایا میری راے میں وجہ صرف یہ ہے کہ انسان کو تبائی ہی نہیں جاسکتی۔ کتاب جنت میں دکھا چکا ہوں کہ جنت اسقدر وسیع ہے کہ اوسکی وسعت وہم و قیاس میں بھی نہیں آسکتی۔ لوا ب تبانے کا نتیجہ۔ اسی لئے خدا نے جنت کے بابت قرآن میں صرف یہ کہا کہ عرضھا السّموات والارض اس سے کچھ قیاس کر لیجئے ہو ارض و سماوات کا عرض معلوم کرنا انسان کے لئے ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ پس جنت کی وسعت بھی معلوم نہیں کیجا سکتی۔ جہنم کے بابتہ قرآن میں کوئی ذکر نہیں۔ رسول نے معراج سے پلٹ کر کہا کہ انھوں نے ایک آواز سنی جبرئیل نے دریافت کرنے پر تبایا کہ ستر برس قبل ایک پتھر دہانہ جہنم سے گرایا گیا تھا وہ اب تہ کو پہونچا ہے۔ اسکی آواز ہے۔ اس سے کچھ اندازہ وسعت جہنم کا کیا جا سکتا ہے۔ جنت کی طرح اسکی وسعت بھی قیاس سے باہر ہے۔ رسول نے یہ نہیں تبایا کہ جہنم اسقدر وسیع ہے یہ ممکن ہی نہیں ہم نے اعداد کے کچھ نام مقرر کر رکھے ہیں۔ مثلاً کرور ارب۔ نیل۔ سنکھ وغیرہ۔ اس سے ہم اندازہ کرتے ہیں اگر کوئی شے اسقدر وسیع ہو کہ یہ کل اعداد اوسکے ایک خفیف جزو کو بھی نہ تبا سکیں تو کیسے سمجھائی جاوے۔

جنت آرام کی جگہ ہے آسائش کے لئے وسعت کی ضرورت ہے تکلیف کے لئے نہیں۔ اس بنا پر چونکہ جہنم تکلیف کی جگہ ہے اوسکے اس قدر وسیع ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس قدر جنت کے۔ مگر پھر بھی بہت وسیع ہے۔ ہر شے ضرورت کے لحاظ سے وسیع بنائی جاتی ہے۔ جہنم کے لئے کسقدر وسعت کی ضرورت ہے۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ اُس میں کسقدر افراد ہوں گے۔ یہ ماننے کی وجہ نہیں کہ قابل مواخذہ مخلوق صرف اسی دنیا میں ہے اور کہیں نہیں۔ مخلوق ہر سیارہ میں غالباً ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ قابل مواخذہ ہی نہوں۔ اس زمین کو قیاس کیجئے کہ قیامت تک ابتدا سے کتنے انس و جن ہوں گے۔ ایسے ہی دیگر سیاروں کی بابت سوچئے۔ اس زمین کی بابتہ دیکھئے کہ قرآن کہتا ہے کہ زیادہ حصہ جن و انس کا جہنم میں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہی حالت اور سیاروں کی ہے یہ واقعہ ہے کہ نافرمان بندے زیادہ ہیں اور سیارے کتنے ہیں نہیں معلوم بہت سے سیارے بڑے سے بڑے دوربین کی مدد سے بھی ہمکو نظر ہی نہیں آتے۔ جو نظر آتے ہیں اون کا شمار ممکن ہی نہیں۔ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں

جہنم تو بھی بے انتہا وسیع میں ہونا چاہیے ضرور ہونا چاہیے اب ان پر [illegible]
اوس سے کسقدر وسعت جہنم معلوم ہوتی ہے - اس زمین میں قوت جاذبہ ہے - وہ ہر شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور سیاروں میں بھی یہ قوت ہے - کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوت جہنم میں نہو - بہرحال جہنم میں یا تو قوت جاذبہ ہے یا نہیں - فرض کیجیے کہ نہیں ہے - تو پتھر کیسے گرا - لازمی ہے کہ پھینکا گیا - اس لئے کہ اگر قوت جاذبہ نہو تو ریاضی دان اصحاب نبائیں گے کہ کوئی چیز گر ہی نہیں سکتی - جہاں پہ چھوڑدے جاوے وہیں رہیگی - اگر کچھ بلندی پہ ہاتھ اُٹھاکر کوئی چیز چھوڑ دیجیے تو وہ وہیں معلق رہیگی - پس وہ پتھر پھینکا گیا کس رفتار سے گیا - فرض کیجیے کہ جس قوت سے ہم ڈھیلا پھینکتے ہیں اتنی ہے قوت تھی - ڈھیلا جو زور سے پھینکیں وہ فی منٹ ایک میل کی رفتا سے جاتا ہے قوت جاذبہ نہو تیسے بھی رفتار باقی رہیگی پتھر اسی رفتار سے اگر جہنم میں گِرا تو ستر سال میں اوس پتھر نے صرف ۳۶ کرور ۰۰ لاکھ میل کا فاصلہ طے کیا - یہ کم سے کم جہنم کے وسعت ہوے - ایک امر اور قابل لحاظ ہے - جہنم کے طبقات ہیں لفظ جہنم کل جہنم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور ایک طبقہ کے لئے بھی جسکا نام جہنم ہے - اب نہیں معلوم کہ پتھر صرف ایک طبقہ میں ستر برس میں گرا یا کل جہنم طے کیا - نہ یہ معلوم کہ کل طبقات کے وسعت یکساں ہے یا کم زیادہ -

دوسری صورت لیجیے کہ قوت جاذبہ جہنم میں ہے - ہمارا خیال ہے کہ ضرور ہے جب عالم میں ہر جگہ یہ قوت نظر آتی ہے تو جہنم میں ضرور ہونا چاہیے - یہاں یہ پتھر گرایا گیا - گرانے سے اگر قوت جاذبہ نہو تو جیسا عرض کرچکا از روے ریاضی وہ پتھر نیچے گو گرے ہی گا نہیں - اُسکا رواں ہونا اس کی دلیل ہے کہ قوت جاذبہ ہے - قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ لازمی ہے کہ ہر شخص جہنم پر وارد ہو - فاسقین گرجائیں گے اور صالحین گذر جائینگے - اگر قوت جاذبہ نہو تو گرنا ممکن ہے نہیں یہ قول باری تعالےٰ بھی اس کی دلیل ہے کہ جہنم میں قوت جاذبہ ہے - اب اس قوت جاذبہ کے کرشمے دیکھئے - زمین میں جس حد کی قوت ہے اوسکا یہ اثر ہے کہ کوئی شے گرے تو ایک سکنڈ میں ۱۶ فٹ کا فاصلہ طے کریگی - دوسرے سکنڈ میں ۱۶ مضروبہ ۱۶ یعنے ۲۵۶ فٹ تیسرے سکنڈ میں غالباً ۲۵۶ مضروبہ ۲۵۲ - اور نہ کم سے کم ۲۵۶ مضروبہ ۱۶) اس طور سے ہر سکنڈ میں جتنا فاصلہ میں اوس سے قبل کے سکنڈ میں طے کیا ہے اوسکا مربع - اس طور سے ایک منٹ کے بعد لاکھوں بلکہ کروڑوں میل سے زائد کے رفتار فی گھنٹہ ہوگی - اب حساب لگاے کہ ستر برس میں کتنا فاصلہ طے کیا - ایک عرصہ حساب ہی لگانیکے لیے چاہیئے - جو تعداد حاصل ہوگی

اوسکا الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ اب اگر ممکن ہو تو قیاس کیجیے کہ وسعت جہنم کسقدر ہے۔

ایک امر اور ملحوظ رہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ دہانہ جہنم پر کسقدر قوت جاذبہ ہے۔ ممکن ہے روئے زمین سے کم ہو ممکن ہے زیادہ۔ اگر کم ہے تو بھی اس افزونی رفتار جو اوپر بیان کے وسعت جہنم اور کل جہنم کے وسعت بعید از وہم و قیاس ہوگی۔

اگر روئے زمین کی قوت جاذبہ سے زیادہ قوت ہے تو اللہ ہی جانے کہ کسقدر وسعت ہے۔ ہم تو وسعت جہنم قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ رسول کو وسعت جنت و جہنم کا علم تھا۔ ہمکو اشارتاً کچھ بتا دیا۔ صحیح وسعت نہ ہمکو ہمارے موجودہ علم کی حالت میں نہ بتائی جا سکتی تھی نہ ہم اُسے سمجھ سکتے تھے ہم اسوقت اسقدر علوم کے ترقی کے زمانہ میں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وسعت بعید از وہم و قیاس ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔

اب بتاسیے کہ ہم رسول کے علم کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں اور آیا کبھی ترقی کر کے اونکے علم کو پہونچ سکتے ہیں۔ میں تو سمجھ سکتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔

رسول کی لطافت نظر:۔ یورپ میں روحانیت پر کتابیں لکھی گئی ہیں اون سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح جب چاہتی ہیں کہ ہمکو نظر آویں تو نسبتاً کیف جسم اختیار کرتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوے کہ ہماری آنکھیں اونھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ ارواح کی دو حالت ہوتی ہے۔ ایک مجرد روح بغیر کسی جسم کے۔ اور دوسرے مع جسم لطیف جو اس انسانی جسم کے علاوہ ہے۔ وہ لطیف مادی جسم میں بھی ہمکو نظر نہیں آتیں جب تک کیف جسم نہ اختیار کریں۔ یعنی ہماری آنکھیں لطیف مادی جسم کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔

ملائکہ کے اجسام ارواح کے اجسام سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ یعنی ناممکن سا ہے کہ ہم اونھیں دیکھ سکیں حتیٰ کہ وہ کیف جسم اختیار کریں۔ دوربین اور خوردبین نے ہماری بہت مدد کی مگر پھر بھی ہم اجسام لطیف کو دیکھنے کے قابل نہیں ہوے معلوم ہوتا ہے کہ مادی ذرائع سے اجسام لطیف کا دیکھنا ممکن نہیں۔ اسکے لئے روحانی ترقی کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے مادی ذرائع سے اور ترقی کرنے پر دیکھنے کے قابل ہوں مگر اسوقت تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجسام لطیفہ کو ہیں نہیں دیکھ سکتے۔

رسول نے ملائکہ کو معراج میں دیکھا۔ وہ اجسام لطیفہ کو ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے اونکا دیکھ سکنا اس کی دلیل ہے کہ انسان ان مادی آنکھوں سے ترقی کرے تو اجسام لطیف کو دیکھ سکتا ہے۔ مادی ترقی سے ممکن نہیں ہوا تو روحانی ترقی کر کے دیکھے۔ اس طرف انسان نے ابھی کوشش نہیں کی ہے کہ اجسام لطیف کو دیکھنے کی فکر کرے یا کی ہو مجھے علم نہیں۔ اس ترقی کی بھی رسولؐ حد باندھ گئے انسان آنکھوں سے ملائکہ کو دیکھا اور جسم باطن سے خدا کو۔

نظر کی دور بینی کی حد دکھا چکا ہوں کہ عرش سے انتہائے عوالم سے فرش کی طرف دیکھتے ہیں اور علیؑ کو دیکھتے ہیں کہ عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ اس طرح سے دیکھا کہ جیسے کوئی دو چار قدم سے دیکھ سکے یہ دور بینی کی حد تھی۔ لطافت نظر کی یہ حد تھی کہ ملائکہ کے اجسام لطیف کو انھیں آنکھوں سے دیکھا ملائکہ سے زیادہ لطیف کسی کا جسم نہیں۔ پس اسمیں بھی حد ہوگئی کوئی حد درجہ ترقی کرے تو یہاں تک پہونچے گا۔ اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

ضدین کا اجتماع ممکن ہے۔ رسول نے فرمایا کہ انھوں نے معراج میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے کہ اس کا نصف جسم برف کا ہے اور نصف آگ کا۔ نہ برف آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے اور نہ آگ برف کو پگھلاتی ہے۔

لوگوں کی عموماً رائے ہے کہ اجتماع ضدین ناممکن ہے۔ یہاں اجتماع ضدین نظر آرہا ہے پس معلوم ہوا کہ اس کا امکان ہے۔

یا اس کو یوں سمجھئے کہ برودت و حدت ایسی شے ہیں جو ہر جسم کے مسامات میں وہ کیسے ہی خفیف کیوں نہوں داخل ہوجاتی ہیں اور دوسرے سمت اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ باقی آئندہ۔

شیعہ اور اہلحدیث

(از عالیجناب مولانا سید کاظم رضا صاحب متعلم مدرسۃ الواعظین دامت معالیہ)

جناب اڈیٹر صاحب اہلحدیث نے میرے جواب اور اپنے سوال دونوں سے اس لئے نظر موڑلی کہ انکے سوال کا مکمل جواب ہوچکا تھا یعنی انھوں نے حدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم کے شیعہ علیؑ ہونے کا ثبوت مانگا تھا چنانچہ ہم نے حدیث پیش کردی تھی اب ایک دوسرا بہانہ نکالا ہے اور اسکو اپنی اعلیٰ سمجھ خیال کیا ہے گو اُن سے کبھی اس بات کی امید نہیں کہ حق کو حق مانینگے لیکن دوسرے باانصاف حضرات سے امید ہے کہ میری گذارش سے اتفاق کرینگے۔

کسی سے محبت یا کسی پر ایمان یعنے مومن اور مومن بہ کے زمانہ کا ایک ہونا ضروری نہیں اسی بنا پر باوجود سرور کائنات سے چھ سو برس پہلے ہونے کے جیب نجار کو رسول اللہ پر ایمان لانیوالوں میں شمار کیا گیا ہے ملاحظہ کیجئے تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ نولکشور۔ اس قاعدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے

جب ہم آیت (ان من شیعتہ الخ) کی تفسیر دیکھتے ہیں تو ہم حضرت ابراہیم کو حضرت علی کے شیعہ میں پاتے ہیں جیسا کہ ہم پہلی قسط میں نقل کر چکے اب یہ سوال کہ آیت قرآن کے نزول کے وقت لفظ شیعہ محب علی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا یا نہیں اس کا اندازہ آپ خود تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۷۹ سطر ۱۲ تا ۱۹ مطبوعہ مصر سے فرما سکتے ہیں۔

(۱) عن جابر ابن عبد اللہ قال کنا عند النبیؐ فاقبل علیؑ فقال النبیؐ والذی نفسی بیدہ ان هذا و شیعته لهم الفائزون یوم القیامة و نزلت ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خیر البریہ فکان اصحاب النبیؐ اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریہ (۲) واخرج ابن عدی و ابن عساکر عن ابی سعید مرفوعا علیؑ خیر البریہ (۳) واخرج ابن عدی عن ابن عباس قال لما نزلت ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خیر البریہ قال رسول اللہ لعلی هو انت و شیعتك یوم القیامة راضیین مرضیین (۴) واخرج ابن مردویہ عن علیؑ قال قال لی رسول اللہ الم تسمع قول اللہ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خیر البریہ انت و شیعتك و موعدی و موعدکم الحوض اذ جئت الامم للحساب تدعون غر المحجلین جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں خدمت رسول میں حاضر تھا کہ سامنے سے علی آئے سرور کائنات نے فرمایا کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ اور اس کے شیعہ روز قیامت فایزین سے ہوں گے اور آیت ان الذین آمنوا الخ جب نازل ہوئی اصحاب موجود تھے کہ علی نمودار ہوئے متفق اللفظ سب نے کہا (جاء خیر البریہ) خیر خلق آگیا۔

ابن عدی اور ابن عساکر نے ابو سعید سے خبر مرفوع نقل کی ہے کہ علی خیر البریہ ہیں۔

نیز ابن عدی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آیت ان الذین امنوا الخ کے نازل ہونے پر رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا کہ خیر البریہ تم ہو اور تمہارے شیعہ روز قیامت راضیین و مرضیین سے ہوں گے یعنی وہ خدا سے راضی و خوشنود ہوں گے اور خدا اُن سے راضی و خوش ہوگا۔

ابن مردویہ نے علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ نے کہا اے علیؑ کیا تم نے یہ قول خدا نہیں سنا ان الذین آمنوا الخ تم اور تمہارے شیعہ اور میری تم لوگوں کی بازگشت حوض کوثر پر ہوگی جس وقت کہ امتیں حساب کے لئے آئینگی تمہارے شیعوں کو غر المحجلین کہہ کر آواز دی جائیگی۔

یہ چار حدیثیں اہلحدیث ہی کے ہم مذہب عالم کی تفسیر میں ہیں اور حبیب نجار والی روایت بھی

اب ایڈیٹر صاحب سے دریافت کرنا ہے کہ اگر شیعت کی ضمیر احادیث میں علی کی طرف ملے تو اس کے قبول کرنے میں جناب کو کیوں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور کیا اچھا ہوتا اگر اڈیٹر صاحب جناب سرور کائنات سے یہی سوال فرماتے کہ آپ جو شیعہ علی بول رہے ہیں تو اس کے معنی تو کوئی سمجھتا ہی نہیں ہے ایسا کیوں بول رہے ہیں۔

سید کاظم رضا رضوی ۳۱ر مارچ ۱۹۴۷ء

باب الاحادیث

(از جناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان اللہ خلقنا من علیین وخلق ارواحنا من فوق ذالک وخلق ارواح شیعتنا من علیین وخلق اجسادھم من دون ذالک فمن اجل ذالک القرابۃ بیننا وبینھم وقلوبھم تحن الینا۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں خدا نے ہمارے بدن کو مقام علیین سے پیدا کیا اور ہماری روحوں کو اس سے بلند مقام سے خلق کیا۔ . . . . ہمارے شیعوں کی روحوں کو علیین سے خلق فرمایا اور ان کے بدن کو اس سے پست مقام سے پیدا کیا اسی وجہ سے ہمارے شیعوں کے درمیان رشتہ (محبت) ہے اور ان کے دل ہماری طرف مائل ہیں۔

(۲) عن محمد بن مروان عن ابی عبد اللہؑ قال سمعتہ یقول ان اللہ خلقنا من نور عظمۃ ثم صور خلقنا من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ من تحت العرش فاسکن ذالک النور فیہ فلذا نحن خلقا وبشرا نورانیین لم یجعل لاحد فی مثل الذی خلقنا منہ نصیب وخلق ارواح شیعتنا من طینتنا وابدانھم من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ اسفل من ذالک الطینۃ ولم یجعل اللہ لاحد فی مثل الذی خلقھم منہ نصیب الا للانبیاء علیہم السلام ولذالک صرنا نحن وھم الناس وصار سائر الناس ھمجا للنار والی النار۔ محمد بن مروان کہتے ہیں میں نے امام صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ خدا نے ہم کو اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور ہمارے بدن کی تشکیل ایسی مٹی سے فرمائی جسے عرش کے پاس خزانہ کر کے رکھا تھا اور اس نور کو ہمارے بدن خاکی میں ساکن کیا اسی وجہ سے ہم نورانی بشر ہیں ہماری خلقت میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔ اور ہمارے شیعوں کی روحوں کو ہماری طینت سے اور ان کے بدن کو اس خزانہ کی ہوئی طینت سے پیدا کیا

جو ہماری طینت سے او رہے فضل و مکان پست ہے اور کسی کو شیعوں کی خلقت میں شریک نہیں کیا سوائے انبیاء علیہم السلام کے اسی وجہ سے ہم اور وہ لوگ (محترم) انسانوں میں ہیں اور باقی لوگ ذلیل ہیں اور جہنم میں جائیں گے۔

(۳) قال امیرالمومنین ان للہ نھر دون عرشہ ودون النھرالذی دون عرشہ نور نورہ وان فی حافتی النھر روحین مخلوقین روح القدس وروح من امرہ وان للہ عشر طینات خمسۃ من الجنۃ وخمسۃ من الارض ففسر الجنان وفسر الارض ثم قال مامن نبی ولاملک من بعدہ جبلۃ الانفخ فیہ من احدی الروحین وجعل النبی من احدی الطینتین قلت لابی الحسن الاول علیہ السلام ما الجبل فقال خلق غیرنا اھل البیت فان اللہ عزوجل خلقنا من العشر طینات ونفخ فینا من الروحین جمیعا فاطیب بھا طیبا۔

امیرالمومنین فرماتے ہیں خدا کی ایک نہر عرش کے نیچے ہے اور اس نہر کے نیچے اس نے اپنے نور کو روشن کیا اور نہر کے گرد دو روحین خلق کیا ایک کا نام روح القدس ہے دوسرے کا نام اس کے امر کی روح اور خدا کی دس طینت ہیں پانچ جنت کی اور پانچ زمین کی اسکے بعد حضرت نے دونوں طینتوں کی تشریح فرمائی پھر فرمایا جس نبی یا ملک کو خلق کیا ان دونوں روحوں میں سے ایک اس کے بدن میں پھونکا اور ہمارے نبی کو ان دونوں طینتوں میں سے ایک سے خلق فرمایا روای کا بیان ہے میں نے پوچھا یہ جبل کیا ہے آپنے فرمایا ہم اہل بیت کے علاوہ تمام خلقت مراد ہے۔ اسلئے کہ خدا نے ہمکو دسوں طینتوں سے پیدا کیا اور ہم میں دونوں روحین پھونکی گئیں اور کتنی پاکیزہ وہ روحیں ہیں۔

عن ابی الصامت قال طین الجنان جنۃ عدن وجنۃ الماوی والنعیم والفردوس والخلد وطین الارض مکۃ والمدینۃ والکوفۃ وبیت المقدس والحائر۔

ابوالصامت کہتے ہیں جنت کی طینت سے مراد جنت عدن وجنۃ الماوی وجنت نعیم جنت فردوس وجنت خلد کی طینت مراد ہے۔ اور زمین کی طینت سے مکہ مدینہ کوفہ بیت المقدس اور حائر حسینی کی طینت مراد۔

عن ابی جعفرؑ قال للامام عشر علامات یولد مطھرا مختونا واذا وقع علی الارض وقع علی راحتہ رافعا صوتہ بالشھادتین ولایجنب وتنام عینہ ولاینام قلبہ ولا یتثاءب ولا یتمطی ویری من خلفہ کما یری من امامہ واذا لیس درع رسول اللہ کانت علیہ وفقا واذا لیس غیرہ من الناس طویلھم وقصیرھم زادت علیہ شبرا وھو محدث الی ان تنقضی

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں امام کی دس علامتیں ہیں۔ امام پاک و پاکیزہ پیدا ہوتا ہے۔ جب پیدا ہوتا ہے تو دونوں ہتھیلیوں کے بل زمین پر۔ اور کلمۂ شہادت پڑھتا ہو۔ غسل واجب کی ضرورت حالت نوم میں نہیں ہوتی۔ آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے جمائی نہیں آتی۔ انگڑائی نہیں لیتا۔ جس طرح آگے دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے بھی۔ جب وہ رسول کی زرہ زیب تن کرتا ہے تو وہ بہت ٹھیک ہوتی ہے۔ اور جب کوئی اور پہنتا ہے تو خواہ وہ لمبا ہو یا چھوٹا اسکے بدن پر ایک بالشت بڑی ہوتی ہے۔ اپنی حیات بھر ملک کی آواز سنتا ہے مگر اُسے دیکھتا نہیں۔

اختر حسین صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

اعجاز حسینی

موضع ساجھر کلاس ضلع جھنگ میں ایک احاطہ امام مظلوم علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے۔ اور ایک بہت بڑے درخت کے نیچے وہاں مجالس عزا باقاعدگی سے قائم ہوتی چلی آئی ہیں۔ دو چار سال ہوئے۔ ایک زبردست آندھی میں یہ بڑ کا درخت اکھڑ کر گر پڑا۔ اور زمین شگافتہ ہوگئی۔ درخت اتنا بڑا تھا۔ کہ جڑوں کے اکھڑنے سے بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے۔ اور احاطہ امام باڑہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس عظیم الجثہ درخت کے گرنے کی وجہ سے رک گیا۔ جب درخت قطعی طور پر خشک ہوگیا۔ تو متولیان امام باڑہ نے اسے مبلغ تین سو روپیہ کے بدل فروخت کر دیا۔ اور ایک ہندو فقیر نے اسے جلانے کی خاطر خرید کر اور مزدور لگا کر بڑی بڑی شاخیں کٹوا لیں۔ فقط تنا باقی رہ گیا۔ جو بوجہ بہت بڑا ہونے کے فی الحال نہ کاٹا گیا تھا۔ ہندو کا بیان ہے کہ سوتے میں کسی نے اسے تنبیہ کی کہ وہ تنا کٹوانے کا خیال چھوڑ دے اور جس قدر شاخیں وہ کٹوا کر اُٹھا چکا ہے۔ انہی پر اکتفا کرے۔ ورنہ اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔ اسی دوران میں ایک دن اچانک ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ اور گرد اُٹھی۔ لوگ حیران تھے۔ کہ اچانک بڑ کا تنا اٹھنا شروع ہوا۔ اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اور سبز شاخیں پھوٹ کر درخت تین چار سال کے بعد از سر نو زندہ ہوگیا۔ اور تمام گڑھے خود بخود پر ہو کر زمین ہموار ہوگئی۔ آج ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس امام باڑہ میں جا کر اس درخت کی زیارت کر رہے ہیں اور چودھویں صدی کے اس خارق عادت واقعہ سے اپنے ایمان کے شگفتہ کو جلا دیتے ہیں مجھے یہ واقعہ بیسیوں آدمیوں نے سنایا ہے میں اپنی علالت طبع کی وجہ سے فی الحال خود نہیں جا سکا۔ انشاء اللہ العزیز جس وقت سفر کے قابل ہوتا ہوں۔ خود جا کر جملہ تفصیلات حاصل کرونگا۔ کاش کہ مسلمان اس واقعہ سے ہی معصومین علیہم السلام کا عرفان حاصل کر سکیں۔

خادم قوم سید غلام عباس تقی از عباس پور، رضاکار لاہور ۱۶/۴/۴۴

مدرسۃ الواعظین کی تبلیغی جدوجہد میں عظیم الشان کامیابی

بلتستان میں فرقہ وارانہ اختلاف کا خاتمہ

للّٰہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست ✻ آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

ایک مدت سے ملک بلتستان کے اہل حدیث اور شیعوں کے درمیان اختلافات کا سلسلہ جاری تھا جس کی نوبت بارہا مقدمہ بازی تک پہونچی۔ حال میں بھی اہل حدیث کے جانب سے معززین شیعہ کے برخلاف ایک مقدمہ دایر تھا۔ یہ مقدمہ جس نتیجہ تک بھی پہونچتا۔ بہرحال باہم بدمزگی اور کشمکش کا قائم رہنا۔ اور اس کے تلخ نتائج کا ظاہر ہوتا رہنا تا دیر لابد ضروری تھا جو دونوں فریق کے تباہی و بربادی کے باعث ہوتا۔

مگر الحمد للّٰہ کہ ہندوستان کے واحد ممتاز ادارہ مدرسۃ الواعظین کے ایک مبلغ شمس المتکلمین فخر الواعظین سیف المبلغین الفاضل الکامل عالیجناب مولنٰا مولوی میرزا یوسف حسین صاحب فاتح قادیان ادام اللّٰہ ظلہ العالی علے رؤس الانام الے یوم القیام نے جو چھ ماہ سے اس ملک میں تشریف فرما ہیں۔ ہر ممکن طریقہ سے کچھ ایسی کوششیں فرمائیں۔ جن سے فریقین کے دلوں سے کدورتیں مٹا دیں۔ اور ہر دو فریق کو ایک جگہ جمع ہونیکا موقع بخشا۔ اور الحمد للّٰہ کہ یہ مصالحت بہترین نتیجہ تک پہونچکر کامیاب ہو گئی۔ اور مدعی نے مقدمہ داخل دفتر کرا دیا۔ اور فریقین اس پر صمیم قلب سے خوش اور راضی اور شکر گذار ہیں۔

اس نیک مقصد میں ہمارے ضلع کے افسر اعلیٰ عالیجناب لشیشر ناتھ صاحب وزیر وزارت بہادر لداخ۔ اور عالیجناب ٹھاکر سہدیو سنگھ صاحب تحصیلدار اسکردو اور عالیجناب پنڈت شریکول ڈلو صاحب انسپکٹر ضلع لداخ۔ اور عالیجناب ڈاکٹر غلام رسول صاحب اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات نے جو کوششین اور مدد فرمائی ہے وہ کسی طرح نہیں بھلائی جا سکتی ہم تہ دل سے ان سب حضرات کے شکر گذار ہیں۔ اور ہمیشہ دعا گو رہیں گے۔ (ضرورت ہوئی تو اصل صلحنامہ کی نقل ہدیۂ ناظرین کی جائیگی)

سید علیشاہ بازارہ اسکردو

الواعظ اس سرزمین پر اختلافات کی جو آگ بھڑک رہی تھی اسکو گل کرنے میں جناب مولانا جواد حسین صاحب قبلہ واعظ اور جناب مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ واعظ نے متحد ہوکر اسکردو کا دور دراز سفر اختیار کیا اول الزکر بزرگ اپنے مفید مشوروں کے بعد واپس ہوئے اور جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب نے استقلال کیا تھا قیام کیا الحمدللہ کہ آپ کو خدا نے آج یہ روز مسرت دکھایا ہم اپنے محترم واعظ کو اس کامیابی پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور اسوقت کے منتظر ہیں کہ وہ فائز المرام وطن تشریف لائیں اس سلسلہ میں اسکردو کے وہ فریقین بھی مستحق شکریہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم تک لانے میں کوشش بلیغ کی اور خدا نے انکے خلوص ارادوں کو پورا کیا۔

کتاب الدعا

حرز حضرت آمنہ صلوات اللہ علیہا

جناب آمنہ کا نام نامی مسلمانوں میں کون نہیں جانتا قدرت نے جب نور نبی صلعم کی حاملہ قرار دیا تو خاتون محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتف غیبی کہ رہا ہے کہ آپ کی شکم میں ساری کائنات کے سردار کا جلوہ ہے جب یہ بچہ پیدا ہو تو اسکا نام محمد رکھئے گا۔ توریت میں اسکا نام احمد ہے اور اس نوشتہ کو نومولود کے (گلے یا بازو میں) لٹکا دینا حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوئے تو سرہانے ایک آہنی تختی پر دعا لکھی ہوئی دستیاب ہوئی:

بِاسْمِ اللّٰهِ اَسْتَرْعَيْكَ رَبَّكَ وَاَعُوْذُكَ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ وَكُلِّ خَلْقٍ رَائِدٍ فِيْ طُرُقِ الْمَوَارِدِ لَا يَضُرُّهُ فِيْ يَقْظَةٍ وَلَا مَنَامٍ وَلَا فِيْ ظَعْنٍ وَلَا فِيْ مَنَامٍ سَجِيْسَ اللَّيَالِيْ وَاٰخِرَ الْاَيَّامِ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ وَحِجَابُ اللّٰهِ فَوْقَ عَادِيَتِهِمْ

(مہج الدعوات علامہ سید بن طاؤس) اطفال کی حفاظت کے لئے اس حرز کو آہنی تقطیع پر کندہ کرکے گلے میں ڈالے یا کم از کم کاغذ پر لکھکر تعویذ بنائے

خبر ہے سید الشہداء کا سفر۔

عالیجناب سید زوار حسین صاحب رضوی کربلائی اطلاع دیتے ہیں کہ حسب دستور ۸ ۲ رجب سنہ ۱۳۶۶ھ کو کربلائے دیانت الدولہ مرحوم لکھنؤ سے ٹھیک ۵ بجے جلوس اٹھ جائے گا مومنین مقامی و غیر مقامی شرکت فرماکر سرفراز فرمائیں۔

سیرت سجادیہ

از قلم جناب سید راغب حسین صاحب رضوی ہلوری منیجر رسالہ الواعظ

سورۂ کہف میں یکبارگی اس آیۂ مبارکہ پر نگاہ پڑی **و جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا** روئے زمین پر جتنی اشیاء خداوند عالم نے خلق کی ہیں وہ اس کی زینت کے لئے ہیں اور اس طرح گویا بندوں کے سامنے زمین ہی کو درس عبرت بنایا گیا ہے حالانکہ ہر منظر قدرت انسان کو صراط مستقیم تک پہونچا سکتا ہے جیسے ستاروں کی جگمگاہٹ آسمان کی زینت ہے گوہر آبدار انتھاہ سمندروں۔ جواہرات سربفلک پہاڑوں اور بے شمار پتیاں و شاخیں اشجار عالم کی زینت ہیں بالکل اسی طرح یہ لاتعداد اشیاء جو زمین پر عالم وجود میں ہیں محض زمین کی رونق کو دوبالا کرنے کے لیے ہیں تاکہ اس سے ان نیکوکار بندوں کا امتحان لیا جائے جو اپنے تئیں واقعاً عمل صالح بجالاتے ہیں اس دنیائے عمیق میں اگر کیسا ہی عاقل ہو یہ جاننا چاہے کہ اشیاء خلق شدہ کتنے ہیں اور وہ اشیاء جو باعث زینت ہیں کس قدر ہیں تو اس کا زاویہ نگاہ ہرگز کسی اطمینانی محور پر نہیں پہونچ سکتا۔ یہ تو وہی جان سکتا ہے جس نے اپنے ید قدرت سے چیزیں بنائی ہوں۔

قدرت کی اشیاء کو چھوڑ کر انسانوں نے بھی لاتعداد اشیاء بنائیں اور ان کی زینتوں کے محل بھی منضبط کئے جیسا کہ شاہد و محسوس ہے۔ دنیا نے عاقل و فرزانہ۔ زاہد و عابد سب کچھ بنائے اور نہ جانے کتنی ہستیاں عالم وجود میں امتیازی شرف بھی حاصل کر چکیں جیسے گوتم۔ مرقس۔ لوقا وغیرہ مگر یہ لوگ اسی بساط کے لائق منتخب کئے گئے جیسا کہ دنیا میں ہر قوم و جرگہ کرتا آیا ہے۔ زہد کی مثالیں دنیا نے دیکھیں زاہد نام رکھ دیا عبادت کے مرقعوں کو دیکھکر عابد ہونے کا سرٹیفکٹ پیش کر دیا مگر غور کرنے کی ضرورت ہے دنیا کے کسی مذہب نے تمام بنی نوع کی عبادتوں کا سرچشمہ نہیں پیش کیا ہاں اگر تمامی عبادت کی زینت دیکھنا ہو تو اقلیم امامت کے چوتھے مسند نشین امام زین العابدین ابن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں کا معائنہ کیجئے انہوں نے نہیں بلکہ غیروں نے نہیں نہیں تمام دنیا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ علیؑ کے بعد عبادت انھیں کے پوتے کے حصے میں آئی ہے بایں جہت دنیا نے پکار کر کہدیا **انت زین العابدین** یہ وہ امتیازی شرف تھا جو اس سے پہلے کسی مذہب میں کسی بزرگ کو نصیب نہیں ہوا۔

آپ کی سیرت عبادت اور عبادت جزو سیرت بنگئی تھی بایں جہت علامہ محمد ابن طلحہ شافعی عالم اہلسنت نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف مطالب السئول ص۲۶۲ مطبوعہ بمبئی میں تحریر فرمایا ہے کہ عین حالت نماز میں ندائے ہاتف نے حضرت سجاد کو زین العابدین کے نام سے پکارا اور علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ مطبوعہ مصر میں جناب سرور کائنات کی حدیث پیش کر دی ہے کہ حضور نے فرمایا اے جابر ہمارے حسینؑ سے ایک فرزند علی ہو گا جب قیامت میں زین العابدین کہکر پکارا جائے گا تو میرا وہی فرزند علی کھڑا ہو گا اور جب اس کے بیٹے محمد بن علیؑ سے تم ملنا تو میرا اسلام کہدینا اللہ اکبر ان دونوں حدیثوں سے ظاہر دیا ہے کہ حضرت سجاد علیہ السلام کی عبادت بارگاہ الٰہی و رسولؐ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ نظر التقات قدرت ایک بہت بڑی چیز ہے خداوند عالم فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اللہ کے نزدیک مکرم وہ بندہ ہے جو فرض شناس ہو اس نظریہ کے تحت امام چہارم کی سوانح حیات پر غور کرنا چاہیئے یہ وہ حقائق ہیں جن سے دوست و دشمن سب آگاہ ہیں اور تاریخی واقعات بالکل اسی طرح شہادت دینے کے لیے تیار ہیں۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک خانۂ کعبہ میں حج کرنے آیا اژدہام کثیر تھا۔ ناگاہ حضرت سید العابدین تشریف لائے لوگ آپ کو راستہ دیتے چلے گئے جس طرف آپ گذرتے تھے لوگ نہایت احترام و ادب سے ہٹ جاتے تھے بادشاہ وقت ہشام کو انتہائی حسد پیدا ہوا اور بطور تجاہل عارفانہ پوچھا یہ کون ہے فوراً فرزدق شاعر جو اس کے سامنے کھڑا بول اُٹھا، اگر تو نہیں جانتا تو سنجان یہ وہ صاحب مرتبہ بزرگ ہیں جن کو دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے" اس کے بعد اس نے ایک پورا قصیدہ حضرت کی شان میں اسی کثیر مجمع کے سامنے جس کے چند قابل نوٹ جملے اس مختصر ترین مضمون میں تحریر کرتا ہوں"

" یہ خدا کے فضل بندہ کا بیٹا ہے یہ پاک پرہیزگار اور مشہور سردار ہیں۔ قریش کہتے ہیں کہ ایسا صاحب فضیلت ہے کہ عرب و عجم میں ایسا کوئی نہیں۔ اے بادشاہ اگر تو ناواقف ہے تو جان لے فاطمہ کا راج دولارا اور رسول کی آنکھوں کا تارا ہے۔ تیرا انکار کہ یہ کون ہے انکو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتا کیونکہ تمامی عرب و عجم معلوم کرلیں گے کہ تو نے کس صاحب فضیلت و شرف بزرگ کے پہچاننے سے انکار کیا ہے"

ہشام اس معرکۃ الآرا قصیدہ کو سنکر آگ بگولا ہوگیا مگر مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع میں کچھ بول نہ سکا البتہ فرزدق کو اسی پاداش میں مقام عسفان میں قید کر دیا عربیت نواز اہل قلم ادباء نے اس قصیدہ کو مکمل طور پر نقل کیا ہے۔

عطیہ اہلبیت کا معیار مسکینوں اور یتیموں کی خبر لینے والے امام کو جب معلوم ہوا کہ بیچارہ فرزدق صرف ہماری قصیدہ خوانی کے جرم میں مقید کر دیا گیا تو بے چین ہو گئے اپنے مقام سے اُٹھے اور بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس روانہ کئے اور کہلایا کہ اگر میرے پاس اور درہم ہوتے تو یہ تمہاری اور مدد کرتا یہ سُنکر فرزدق حیران و ششدر رہ گیا اس نے کہلایا کہ یا حضرت میں نے آپ کی قصیدہ خوانی طمع زر میں نہیں کی بلکہ اسکو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتا تھا حضرت نے وہ رقم بجنسہٖ پھر واپس کر کے کہلایا کہ اے فرزدق تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اہلبیت نبوت کسی قسم کا کوئی عطیہ دیکر واپس نہیں لیتے فرزدق کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور تب اس نے امام کا عطیہ سر آنکھوں پر رکھا۔

واقعۂ کربلا سے پہلے اس گوشہ نشین امام کا آغاز یہ تھا کہ جناب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب نے شب ضربت وصیت کی تھی یہ دادا کے زمانہ کی صلاحیت مزاج تھی اور باپ کے سامنے کمسنی ہی میں یہ شوق عبادت تھا کہ حج کے راستہ میں پیادہ ابراہیم ادھم کو ملے اور خضر نبی نے معانقہ کیا۔

بائیس سال کا سن عین جوانی کرب و بلا سا مقام اور شدید مرض۔ اس کے بعد وہ واقعات جو اگر پہاڑوں پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتے انسان جب عنفوان شباب میں ہوتا ہے تو غضب خودداری۔ شوکت و شان اور جوش و ولولہ کی امنگیں زیادہ ہوتی ہیں جو کہ رفتہ رفتہ حالت پیری میں مبدل ہو جاتی ہیں لیکن جوانی میں ان قوتوں میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے بڑھاپے میں تکالیف با آسانی جھیلی جا سکتی ہیں کیونکہ بیشتر جذبات کا خاتمہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، مگر جوانی میں مصائب کا برداشت کر لینا گویا لوہا چبانا ہے۔

یہ صرف امام زین العابدینؑ ہی کی قوت ارادی کا معجزہ تھا جس نے عین حالت جوانی میں وہ مصائب برداشت کر لیے جنہیں سوچکر دماغ انسانی عاجز ہو جاتا ہے کہ صرف ایک نحیف شخص سے اتنے کثیر مصائب کا سامنا کیسے کیا۔ دیکھئے بعد واقعۂ کربلا ماں بہنوں بچوں کے ساتھ اسیر ہونا اور پھر مجمع عام میں مخدرات کا کھلے سر تشہیر ہونا اور ایسے دیکھنا یہ مرتبہ کا امام تھا جسے [illegible] رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہاں اگر آپ کا بڑھاپا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ قوتوں کے [illegible] طاقت صبر و حلم میں اضافہ فطرتاً ہو گیا ہوگا مگر جوانی کے مصائب ہیں بائیس منزلوں میں قافلہ کے ساتھ مقام۔ راستہ کی تکالیف۔ شمر و خولی کے تازیانے کھانا پیدل مسافت کو طے کرتے ہوئے صاحبزادیوں میں معاذاللہ مجرمانہ طور سے ان سینوں پر چھپوں کیا تم کھڑے ہونا یہ امام ہی کا دل تھا۔

پہلی مجلس کا پہلا ذاکر شام کی قید میں عرصہ گذر گیا اور امام باپ کو بھی جی بھر کر نہ رو سکے۔ ایک دن محفل یزیدیہ میں محض سید سجاد کو سبک کرنے کے لیے ایک واعظ نے امام حسینؑ کی شان میں تذلیل آمیز جملے استعمال کر کے یزید کی تعریف کی جب وہ اپنا بیان ختم کر چکا تو امام نے فرمایا اے یزید اگر اجازت دے تو ہم بھی اس محفل میں کچھ بیان کریں فوراً ممانعت کی گئی مگر حاضرین نے اصرار کیا اور کہا یزید اجازت دے ہم ان کی زبان سے کچھ سننا چاہتے ہیں بہرحال اجازت ہوئی امام جن کے پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں منبر پر تشریف لے گئے اور اس طرح گویا ہوئے۔ "ایہاالناس!
جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ خوب پہچان لے کہ میں حسینؑ بن علیؑ کا بیٹا فاطمہ زہرا کا نور عین ہوں میں اس کا پارۂ جگر ہوں جو مکہ و منیٰ کا مالک ہے میں اس کا بیٹا ہوں جو صاحب صفا و مروہ ہے میں خدا کے رسولؐ کا فرزند ہوں میں اس کا جگر بند ہوں جو ظلم و ستم سے شہید ہوا جس کا سر پس گردن سے کاٹا گیا جو پیاسا ذبح ہوا لوگوں خدا نے ہمارا امتحان لیا ہے"

جب حضرت نے یہانتک بیان کیا تو حاضرین رونے لگے یزید مخوف ہوا اور موذن کو حکم دیا کہ فوراً اذان کہے اس نے اذان کہنا شروع کی۔ اللہ اکبر کی آواز سنکر امام نے فرمایا بے شک خدا عظیم و بے مثال ہے جب اس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو امام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں سوائے اس معبود یکتا کے لیکن جب موذن نے کہا اشھد ان محمد رسول اللہ تو حضرت نے فرمایا اے یزید بتا یہ محمدؐ کس کے جد تھے اگر تو کہے کہ تیرے تو تو بالکل جھوٹا ہے اور اگر کہے کہ ہمارے تو ذرا بتا دے کہ تو نے ہمارے اوپر یہ مظالم کیوں کیے خدا کی قسم وہ وقت بہت قریب ہے جبکہ وقت حساب کہا جاتا ہے وہاں ہم اور تم حساب کے لیے کھڑے کیے جائیں گے اور تب سچے اور جھوٹے کا فرق نمایاں ہو جائے گا۔ یہ وہ الفاظ تھے جو سامعین کے قلوب پر تیر و نشتر کا کام کیے بغیر نہ رہ سکے اور مجمع میں ایک غیر معمولی رنج کے اثرات و کیفیات پیدا ہونے لگے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ لوگ زین العابدینؑ کی حسرت آمیز تقریر سنکر مضطرب ہو کر زور زور سے رونے لگے مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ حالات امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پہلی مجلس تھی جو ظالم کے مجمع عام میں برپا ہوئی اور سامعین وہ تھے جو یزید پلید کے ہمنوا کہے جا سکتے ہیں اس بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مجلس کا سب سے پہلا ذاکر و مقرر امام زین العابدینؑ تھے جو کہ بر سر عام حضرت رسول ختمی مرتبت کو اپنا اور صرف اپنا گردان رہے ہیں آج مظلوم شیعہ جو ذاکرین اور بنائے مجلس امام مظلوم کرتے ہیں وہ اسی خانوادۂ رسالت کی مظلوم ہستی جناب سید سجاد علیہ السلام کی تاسی ہے ان ہی کے بتائے ہوئے راستے پر ہم مجلس قائم کر کے حسینی

پرروتے ہیں اور ثواب آخرت کے امیدوار ہیں۔

کارنامہ سیفی کارنامے منظر عام پر نہ آسکے البتہ قلمی کارنامے آج بھی موجود ہیں جنھیں دیکھکر بہت کچھ دنیا نے سبق حاصل کیا مگر فسوس مسلمانوں کا طبعی جمود اس سے اپنا لائحۂ عمل نہ بنا سکا آپ کا علمی شاہکار **صحیفہ کاملہ** جو اپنی نوعیت کی انمول کتاب ہے دیکھنے کے لائق ہے دنیا اگر ہزاروں پلٹے کھائے تو ایسا علمی آرگن نہیں پیدا کرسکتی آج جبکہ علمی شغف حاصل کرنے والے میدان ترقی میں گامزن ہیں ضرورت ہے کہ اس شاہکار کو بطرز جدید منظر عام پر لایا جائے تاکہ ماضی کے کارنامۂ علمی کو نظر حیرت سے دیکھکر سراہا جائے جو لوگ عربی زبان کی وجہ سے بوجہ ناواقفیت مطالعہ نہیں کرسکتے وہ آئیں اور ہندوستان کے سب سے بڑے تبلیغی مشن مدرسۃ الواعظین سے اس علمی شاہکار کا انگریزی ترجمہ حاصل کر کے مطالعہ کریں اور خیال کریں کہ اس تبلیغی ادارے نے کتنی اہم خدمت انجام دی ہے۔

اس عالم باعمل لیڈر قوم کی سوانح اور تعلیمات کو اپنا نصب العین بنانا ہر صاحب دل کا فرض عین ہے جو کہ مرتے وقت تین بار الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، الصلوٰۃ کہکر رہی بقا ہوا۔

مسلمان اور تلوار

مدیر الواعظ کے قلم سے

اہل اسلام کو اسلحہ رکھنے کی اجازت کا جائز مطالبہ اخبارات میں نظر آرہا ہے اور شائد ہی کوئی ایسا سادہ لوح ہو جو اس احتجاج کو صحیح نہ سمجھے، مسلمان اپنی حیات نوعی کے تقریبًا ہر دور میں غیر مسلم دشمنوں کے نرغہ میں گھرے رہے اس لیے اُن کو ضرورت ہوئی کہ مدافعت پر ہمہ وقت تیار رہیں اور اُن کے بچے ہی تلواروں میں کھیل کر بڑے ہوئے۔ بقول انیسؔ کانوں کو بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار

صرف مسلمان ہی دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہم نے دین وآئین کے تحفظ میں بڑی سے بڑی قربانیاں کیں نارِ نمرود کا مقابلہ کیا قیدخانوں میں یوسف بنکر زندگی بسر کی زہر ہلاہل کے تلخ گھونٹ خوشگوار جام سمجھکر پیے تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے مگر کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب تلواروں کے قبضے اُن کے ہاتھ سے چھٹے ہوں سب سے پہلے عیسائی حکومت نے اسلحہ پر قبضہ کرکے بے دست وپا کیا اور جبکہ برٹش راج رخصت ہو رہا ہے تو آلات حرب کا مطالبہ بالکل صحیح ہے ایک مسلمان کے لیے تلوار کوئی اجنبی چیز نہیں ہے جو لوگ مسلمانوں کے

اس سوال کو تشنہ ثبوت سمجھتے ہیں میرے نزدیک ان سے زیادہ اسلامی سیرت سے کوئی بے خبر نہیں ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان چاند دیکھکر تلوار دیکھتے ہیں، ان کے ساتھ سفر میں تلوار رہتی ہے وہ نماز جمعہ میں آٹھویں دن منبر پر خطبہ تلوار ہی پر تکیہ کر کے پڑھتے ہیں۔ عیدین میں ان کا خطبہ فطر و اضحی تلوار ہی پر ہوتا ہے وہ جب دنیا سے گذرتے ہیں تو تلوار ہی خلف اکبر کے حصہ میں آتی ہے ذیل کے عبارتوں سے اثبات مطلوب ہو سکتا ہے۔

تلوار اور رویت ہلال فاضل سید مظفر حسین خاں مرحوم اعمال ماہ صیام میں تحریر فرماتے ہیں۔

"گفتہ اند کہ نزد رویت ہلال این ماہ باید نظر نمود بقرآن یا باہل علم یا بہ شمشیر یا بعیال"

(اوراد المومنین ووظائف المتقین جلد اول ص۱۷۹ مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲ھ)

تلوار اور سفر امام جعفر صادق نے اپنے حکمت افروز ارشادہ میں حضرت لقمان کی وصیتیں ان کے فرزند سے بیان فرمائی ہیں اور آداب سفر کے سلسلہ میں معصوم کی ہدایت ہے یا بنی سافر بسیفک و خفک وعمامتک و حبالک وسقائک (جنۃ الواقیہ کفعمی علیہ الرحمہ)

اے فرزند سفر جو کرنا تو تلوار اور موزہ اور عمامہ اور رسی اور مشکیزہ ضرور ساتھ رکھنا۔

تلوار اور خطبۂ امام جناب علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب مرحوم شوستری احکام جمعہ میں تحریر فرماتے ہیں

"وقتیکہ امام بر سر منبر رود بر شمشیر یا عصا یا کمان تکیہ زند" (ص۳۱۹ معراج المومنین کتاب الصلوٰۃ فارسی)

علامہ شیخ محمد حسن نجفی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شمشیر پر تکیہ منصوص ہے جناب ممدوح تحریر فرماتے ہیں

وان یکون معتمداً علی شیٔ من قوس او عصیٰ او سیف او نحو ذالک للنصوص والاعتبار (جواہر الکلام شرح شرائع الاسلام ص۴۲۶ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ)

امام جمعہ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ کسی پر مثل کمان یا عصا یا تلوار یا مثل اس کے تکیہ کیے ہو۔

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے سفر و حضر ہر حالت میں تلوار رکھنا ضروری ہے۔

تلوار اور ترکہ مر نے جانے کے مال و اسباب میں بھی اسلامی لحاظ سے اگر تلوار ہو تو اس کا استحقاق صرف بڑے لڑکے کو ہے اور اصطلاح فقہا میں اس کو حبوہ کہتے ہیں کتب فقہ میں ہے:۔ فی حسن حریز

السابق اذا ھلک الرجل فترک بنیہ فللاکبر السیف والدرع والخاتم والمصحف (جواہر الکلام ص۲۸۵ کتاب المیراث)

جب کوئی شخص مر جائے اور چند فرزند چھوڑے تو بڑے لڑکے کے لیے اس کی زرہ اور تلوار اور انگوٹھی اور قرآن شریف مخصوص ہے۔

تلوار اور دعائے فتح سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کہتے ہیں عن الصادق لما انہزم جیش النبی ہبط جبرئیل علی النبی ومعہ ہذہ الکلمات وامرہا ان یجعلہا فی سنان رمحہ فلم ینہزم جیش النبی بعدہا قط وقال الصادق احب ان یکون فی قائم السیف المومن او تحت خاتمہ او تحت عمامتہ لیامن من طوارق اللیل والنہار (امان الاخطار فی الاسفار کتبخانہ ممتاز العلماء طاب ثراہ)

امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ جب لشکر اسلام (کسی لڑائی میں) پسپا ہوا تو جبرئیل امین آسمان سے اُترے اور یہ چند کلمات ان کے ساتھ تھے اور پیغمبر خدا صلعم سے عرض کیا کہ ان کو نیزہ کی بوڑی میں رکھ لیجئے اس تعویذ کے بعد پھر لشکر اسلام نے شکست نہیں اُٹھائی امام جعفر صادق فرماتے تھے کہ میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ (وہ تعویذ) مومن کے قبضہ شمشیر اور انگوٹھی کے زیر نگین یا عمامہ میں رہے تو ارضی و سماوی بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔

اس کے بعد وہ دعا نقل کی ہے جو ہم گزشتہ نمبروں میں کسی پرچہ میں نقل کر چکے ہیں اس حکم امام سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے لیے تلوار ہاتھ میں رہنا ضروری ہے۔

آج سکھ لوگ چار چار فٹ لمبی تلواریں لیے پھرتے ہیں۔ پبلک سیفٹی ایکٹ اور دفعہ ۱۴۴ وغیرہ قانون سکھوں کو نہیں روک سکتے۔ کیونکہ انھوں نے حکومت سے مذہبی حیثیت سے ہر وقت ہتھیار بند رہنے کی اجازت حاصل کر لی ہے۔ حالانکہ قانوناً سکھوں کو صرف ۶۔ انچ لمبی کرپان رکھنے کی اجازت ملی تھی۔ وہ اس اجازت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں ادھر مسلمان از روئے قانون لکڑی لیکر بھی فساد کے ایام میں آزادانہ چل پھر نہیں سکتے۔ درآنحالیکہ مذہبی ہدایات کے ماتحت مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کا سامان ساتھ رکھنے کا حکم ہے انھوں نے اپنی غفلت سے اس مذہبی حکم کو ترک کر دیا ہے اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان مل کر آواز اُٹھائیں تاکہ حکومت ان کو اس جائز حق سے محروم نہ رکھے۔ اگر بالفرض کسی مصلحت کے پیش نظر حکومت مسلمانوں کو اجازت نہ دے تو کم سے کم سکھوں پر بھی یہ پابندی لگا دے کہ وہ فساد کے ایام میں لمبی لمبی تلواریں لے کر نہ چلا کریں اگر حکومت نے اتنا بھی نہ کیا تو مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔

یہ مطالبہ کوئی سیاسی مطالبہ نہیں ہے بلکہ خالص مذہبی حق ہے جسکے حاصل کرنے میں اسوقت مسلمان آگے بڑھے ہیں برٹش حکومت کو وہ منظر یاد ہوگا جب وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لباس میں برسر اقتدار تھی اور ادھر کے مسلمانوں میں ہر شخص شمشیر بکف تھا تلواریں فاؤنٹن پن کی جگہ (بقیہ دیکھو صفحہ پر)

تعزیہ آگ سے صاف بچ گیا

۱۱ اپریل ۱۹۳۶ء کو محلہ شہباز پور متصل محل۔ قصبہ سہسوان ضلع بدایوں میں کئی مکان سقوں کے واقع ہیں چنانچہ ایک سقہ کے مکان میں آگ دوپہر کے وقت لگ گئی ہوا کافی تیز تھی جس میں دو سو مکان نذر آتش ہو گئے کئی درخت بھی جل گئے چنانچہ ان ہی سقوں کے مکان سے ملا ہوا ایک درخت نیب کا ہے جس پر بعد چہلم شہدائے کربلا کے ایک تعزیہ سقوں نے رکھ چھوڑا تھا چنانچہ آگ لگ جانے پر کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں کی جب آگ بجھا دی گئی اور نیب کے درخت پر نظر پڑی تو درخت کی کل پتیاں اور دو شاخ بھی ختم ہو چکی تھیں ابتک اسی شکل میں درخت موجود ہے مگر تعزیہ بحمد اللہ ویسا ہی اسی درخت پر بے داغ ملا اور موجود ہے میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا اور حلفی شہادت میں دیرہا ہوں

سید علی جواد کاظمی عاصی۔ محلہ کھنڈسانی بدایوں

لباس کی زینت سمجھی جاتی تھیں اور حفاظت نفس کا بھی ایک ذریعہ تھا جبکہ انگریزوں کی قوم کی حکومت جو امن و امان کا گہوارہ تھی رخصت ہو رہی تھی تو ہم اپنے اس حق کو لیکر رہیں گے جو ہم نے عارضی طور پر بے ضرورت سمجھکر گورنمنٹ کو دیدیا تھا آجتک ہمکو ضرورت نہ ہوئی اور اب ضرورت ہمکو مطالبہ پر مجبور کرتی ہے۔

یہ شبہہ کسی کے دل میں نہ ہونا چاہیئے کہ جس حق کو ہم نے برٹش گورنمنٹ کے سپرد کر دیا تھا اب اس کو طلب کرنا بے معنی اور غیر ضروری ہے۔ تلواریں ہمارے قبضہ میں رہیں اور آج بھی ہیں ہندوستان کے طول و عرض میں کتنے خطیب ایسے ہیں جو شمشیر پر تکیہ کر کے خطبہ پڑھتے ہیں اگر ہمارا یہ رویہ صرف مسجد کے نمازیوں کو گواہ بنائے اور اغیار اس سے بے خبر ہوں تو ہم اُن کو ماتمی جلوس اور ایام عزا کے ہر مجمع کیطرف ایک نظر کرنے کی تکلیف دینگے کوئی ذوالجناح کسی ماتمی جلوس میں نہیں نکلا جس میں تلوار حائل نہ ہو

یوپی کے یوم غم پنجاب کے مظاہرہ اہم اس دعوےٰ کی مستقل دلیل ہیں علاوہ اسکے قمع کا ہر ماتمی دستہ ہمارے ذوق شمشیر زنی کا کھلا ہوا ہے اور ملک کی ہر شاہراہ پر چلنے والے بے شمار لوگوں کو بتاتا ہے کہ تلواریں ہمارے قبضہ میں ہیں اور ہمنے اپنے آبائی شیوہ کو ایک لمحہ کیلئے بھی رخصت نہیں کیا کیا سکھ اپنی کسی مذہبی کتاب سے تلوار کے مواقع استعمال اسطرح بتا سکتے ہیں جسطرح ہمنے نذر قرطاس کئے ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ اس موضوع پر پھر قلم اُٹھائینگے ہندوستان کے مسلم جرائد نے ملک کے ہر گوشہ سے تائیدی آواز بلند کی ہے اور ہمیں مسرت ہے کہ مدینہ اہلحدیث نے ۲۵ جمادی الاول کی اشاعت میں اس مطالبہ کو جائز مطالبہ خیال کیا ہے معاصرین سے قوی امید ہے کہ وہ اپنی اور اپنے آراء احباب کو حکومت کو متوجہ کریں

رجسٹرڈ نمبر ۳۵۹

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك

الواعظ

رسالہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی امیر الامرا سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلما جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

(مطبوعہ الواعظ سنٹرل پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی زینت
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیم و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالہ شبہات
(۱۲) انکشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۴ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے
۶۔ علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷۔ شرح قیمت رسالہ ۲ روپیہ سالانہ ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ، غربا اور طلبا سے بشرط تصدیق عہ

پتہ دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

جلد ۲۸ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء مطابق ماہ جمادی الاخری سنہ ۱۳۶۶ھ | نمبر ۵

الواعظ

۵ مئی ۱۹۴۷ء

کیا ساردا ایکٹ پر ہندو عامل نہیں ہیں؟

آج سے ۱۹ سال پہلے کمسنی کی شادی کے خلاف ہندوؤں میں جب آواز بلند ہوئی اور سارداابل گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش ہوا تو ملک میں جو ہیجان پھیلی تھی وہ ہمیں یاد ہے بدقسمتی سے اُس وقت بھی مسلمانوں میں دو گروہ پیدا ہوگئے، خواجہ حسن نظامی نے اپنے مخصوص انداز سے بل کا ساتھ دیا اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس مذہب سوز قانون کی سخت ترین مخالفت کی۔ ہمارے ہاتھ میں اس وقت شیعہ انٹرمیڈیٹ کالج لکھنؤ کے ہفتہ وار آرگن الصراط لکھنؤ کی عنان ادارت تھی اور ہم نے اپنی پوری طاقت سے ثابت کیا تھا کہ یہ اقدام صرف مداخلت فی الدین ہی نہیں ہے بلکہ اقوام ہند کی فطری آزادی پر ایک ضرب ہے وہ مسلمان جو اس قانون کے زہریلے اثرات سے واقف ہو چکے تھے اُن سے کیا توقع تھی کہ وہ اس تجویز کو ایکٹ کی صورت میں آجانے کے بعد سر تسلیم خم کر دینگے۔ اخبار دیکھنے والے حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمان تو مسلمان سارداایکٹ بن جانے کے بعد بنارس کے پنڈتوں نے احتجاج کیا ناگپور کے مہا مہوپادھیائے اننت دسو دیو داپو شاستری نے بطور پروٹسٹ اپنا خطاب واپس کر دیا جو گورنمنٹ نے موصوف کے تعلیمی اور مذہبی و قومی خدمات کے صلہ میں عطا کیا تھا شاستری جی کے نزدیک سارداابل کا پاس ہونا ہندو شاستروں کی توہین تھا۔

گذشتہ ۱۰ اپریل کو پھر اس فتنۂ خوابیدہ کو اسمبلی میں پنڈت ٹھاکر داس بھارگو نے بیدار کیا اور ہندو لڑکیوں کی شادی کا ایک بل پیش کیا جو درحقیقت سارداایکٹ کی ترمیم ہے موصوف نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ ایکٹ بالکل غیر موثر ثابت ہوا برابر ۱۴ برس کی عمر کے اندر شادیاں ہورہی ہیں اس بل میں جرم کی سزا کو ایک ماہ سے ۳ ماہ تک کر دیا گیا ہے۔

کسی معاشرتی حق کے تحفظ میں مجلس قانون ساز سے فریاد صدا رجہ لسشمکہ بہتر ہے اگر ہندو والدین کو کمسنی کے عقد کا حق حاصل ہے تو آپ روکنے والے کون تھے اور آج جھنجلا کے سرا کیوں پٹوا رہے ہیں اور اگر حق حاصل نہیں ہے تو جس والدین کو آپ کے رشی روک نہ سکے وہ بزور قانون بھی نہ رکے گی۔

ہندوؤں کی مسلمہ کتاب سیتا رتھ پرکاش سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں کمسنی کی شادی کا عام رواج تھا اور ان میں قوانین مذہب پر نقد و تبصرہ کی کمیٹیاں بیٹھنے سے پہلے اس قسم کا رشتہ عموماً ہوتا تھا پراشری اور شیگھر بودھ میں یہ شلوک لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ۔

لڑکی آٹھویں سال میں گوری نویں سال روھنی دسویں سال کنیا اور اس کے بعد رجسولا نام سے موسوم ہوتی ہے دسویں سال تک بیاہ نہ کرنے سے رجسولڑکی کے ماں باپ اور بڑا بھائی یہ تینوں اس کو دیکھ کر دوزخ میں گرتے ہیں"۔ (سیتا رتھ پرکاش ص۱۰۱ بار چہارم مطبوعہ گیلانی پریس لاہور)

شریمتی آریہ پراو نیشک پرتی ندھی سبھا نے مرقومہ بالا شلوک کی تاویل میں جو طائل تقریر کی ہے اس کو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا اور یہ فیصلہ اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے کہ دس برس گزرنے پر شادی میں دیر نہ ہونا چاہیئے

شیعی نظریہ یہی مسلک مذہب امامیہ کا بھی ہے اور ایک شیعہ کو مختار بنایا گیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو کمسن لڑکی کا عقد کر سکتا ہے۔ محمد بن یعقوب عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن علیی عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ قال من سعادۃ المرء ان لا تطمث ابنتہ فی بیتہ

(وسائل الشیعہ)

(بحذف اسناد) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ انسان کی نیک بختی اس امر میں ہے کہ اس کی لڑکی اسکے گھر میں بلوغ کی حد تک نہ پہونچنے پائے کہ شوہر کے سپرد کر دے"۔

صحابۂ رسول کا عمل بی بی عائشہ ام المومنین کا عقد حضرت رسول اکرم کے ساتھ اسی آئین کے تحت میں تھا۔

عن الزهری عن عروۃ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت سبع سنین و زفت الیہ وھی بنت تسع سنین ومات منھا وھی بنت ثمان عشرۃ

(صحیح مسلم مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۸ھ ج۱ ص۴۵۶)

زہری نے عروہ کی زبانی اور اس نے ام المومنین سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا اُن کو سات برس

کمسنی میں عقد میں لائے اور نویں برس ان کو حضرت ابوبکر نے رسول کے گھر بھیجدیا اور جب رسول نے دنیا چھوڑی تو ان کا سن صرف اٹھارہ برس کا تھا۔

نودی شارح مسلم نے اس عمل پر لکھا ہے **هذا صريح في جواز تزويج الاب البكر الصغيرة بغير اذنها لانه لا اذن لها والجد كالاب عندنا** (شرح مسلم للنودی)

یہ دلیل صریح ہے باپ کے لیے بیاہ دینے میں چھوٹی لڑکی دوشیزہ کے بغیر اس کے اذن کے اس لیے کہ اس عمل پر لڑکی کا اذن کوئی چیز نہیں اور باپ ہی کی طرح دادا کو بھی حق حاصل ہے ہمارے نزدیک یہی وہ مذہبی حقوق تھے جکے تلف ہونے پر حق نواز ہندو مسلم نے صدائے احتجاج بلند کی تھی جسکو حکومت نے نہ سنا مگر حکم شریعت اپنے مقام پر باقی رہا اور خدا کا شکر کہ خود ہندو مقرر نے اعتراف کیا کہ کسی کا عقد برابر ہو رہا ہے اور ہندوؤں نے اپنے اس جائز حق کو نہیں چھوڑا۔

وہ سادہ لوح ہندو جو اس مذہبی مداخلت کو نصرت دین سمجھتے ہیں وہ لڑکے اور لڑکی کے ۱۸ برس اور ۱۶ برس کی عمر تک کے بن بیاہے رہنے سے قطع نسل کا جو بار پڑتا ہے اس پر مطلق غور نہیں کرتے گاندھی جی کے پیرو اور منھ پر ڈھاٹا باندھنے والے جو سمجھتے ہیں کہ ڈاکو کا لے لطیف جسم والے ہوا کے کیڑے منھ کی بھاپ کی گرمی سے مرجاتے ہیں اور پاپ ہوتا ہے اس پاپ کا کوئی جواب نہیں دیتے۔

آل انڈیا مجالس حسین ڈائرکٹری ۱۳۶۲ھ

بلا تفریق مذہب و ملت ہندوستان کے جملہ عزاداران حضرت امام حسین کو اطلاع دیجاتی ہے کہ مجلسوں کے اعلان کے سلسلے میں کاغذ کی کمیابی اور اخراجات طباعت کی زیادتی کی وجہ سے بانیان مجالس کو جو پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے آیندہ ہمیشہ یکم محرم سے ۸ ذی الحجہ تک ہندوستان کے ہر گوشہ میں برپا ہونیوالی چھوٹی بڑی مشہور وغیر مشہور وقتی اور سالانہ مجلسوں کا اشاعت و اعلان عام کے لئے کارپوریشن ہذا کے اعلیٰ تعلیمیافتہ و تجربہ کار ڈائرکٹروں کی نگرانی میں ہزارہا روپے کے خرچ سے ایک خوشنما اور دیدہ زیب مجموعہ اعلان مجالس موسوم بہ آل انڈیا مجالس حسین ڈائرکٹری ہر سال بڑی تعداد میں شائع کی جایا کرے گی۔ بانیان مجالس کو اطلاع دیجاتی ہے کہ سال آیندہ کی مجلسوں کا اعلان اس عظیم الشان ڈائرکٹری میں شائع کرانے کے لئے تفصیلات مفت طلب فرمائیں۔

پبلسٹی ڈائرکٹر

سنٹرل ٹریڈنگ کارپوریشن۔ بالا پرشاد بلڈنگ۔ بیلا روڈ۔ دہلی

امیر معاویہ کی سیاسی و مذہبی زندگی

از جناب مولانا سید اختر حسین صاحب صدر الافاضل مدیر الواعظین

روی ابن الجوزی باسنادہ عن الحسن البصری انّہ قال اربع خصال کن فی معاویۃ لو لم یکن فیہ الا واحدۃ لکانت موبقۃ۔

ابن جوزی نے اپنے اسناد سے حسن بصری سے روایت کی ہے۔ حسن بصری کہتا ہے کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک ہی ہوتی تو وہی اسکی ہلاکت کے لئے کافی تھی جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) خلافت کو تلوار کے زور پر حاصل کرنا بغیر مشورہ کے حالانکہ صحابہ میں صاحبان فضیلت موجود تھے

(۲) اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانا حالانکہ وہ شرابی تھا اور ریشم پہنتا تھا اور طنبور بجاتا تھا۔

(۳) زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی بنالینا درآنحالیکہ رسول کی حدیث ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر لڑکا عورت کے شوہر کا ہوگا اور زنا کرنیوالے کے لئے پتھر ہے۔

(۴) جناب حجر اور انکے ساتھیوں کا قتل کرنا (تاریخ ابو الفداء جز ا صفحہ ۱۸۶)

مگر حسن بصری کو معلوم نہیں ہے یا معلوم ہے مگر چھپایا ہے کہ معاویہ نے جو کچھ کیا ہے اپنے ولی نعمت حضرت عمر کی مذہبی و سیاسی شعبدہ کاریوں کو سامنے رکھکر کیا ہے مگر حسن بصری حضرت عمر کے معاملہ میں خاموش ہیں شائد درۂ عمریہ سے ڈر گئے اور معاویہ کے علم سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کے خلاف زہر اگل دیا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ معاویہ کے متعلق ہے وکان حلیماً حازماً داھیۃ عالماً بالسیاسۃ الملک (ابو الفداء جز صفحہ ۱۸۶) معاویہ حلیم پختہ کار بڑے چالاک اور ملک کی سیاست سے واقف تھے لہذا صرف ان کے ہر فعل کو سیاسی یا مذہبی غلطی نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کے حالات کو ان کے پیران پیر واولیائے نعمت کے حالات سے ملائیے تو واقعہ کی اصلیت معلوم ہو جائے گی جسکو تھوڑی سی تحقیق کے بعد بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ آئیے حضرت عمر کی سیاسی سوجھ بوجھ اور اسکے جو نتائج برآمد ہوئے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں مگر نہایت اختصار سے ورنہ تفصیل میں پوری کتاب ہو جائے گی۔

حضرت عمر کی سیاست کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو انھوں نے اپنی زندگی میں انجام دی دوسری وہ جو اپنے دور میں دماغ سے نکال کر اپنے بعد کیلئے چھوڑ گئے مگر دونوں کا مقصد تھا کہ حضرت علی اور انکی اولاد سے مخالفت اور

ان کو کبھی خلافت نہ ملے اور در پردہ عمل رسول کی مخالفت اور شریعت میں دخل دینا۔ چنانچہ وہ
اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہر سمجھدار شخص جانتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے غور کیجئے اور جس کو
تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسکی ابتدا بعد رسولؐ عمل کر کی گئی جس کی نوعیت یہ ہے کہ سقیفہ میں بنی
ہاشم اور حضرت علیؑ کو مدعو کئے بغیر ان کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور انصار کو یہ کہکر خاموش
کر کے کہ خلافت قریش کے لیے ہے اور جلدی سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا حالانکہ اسکی حقیقت
امیرالمومنین نے نہج البلاغہ میں یہ فرماکر کھولدی احتجوا بالشجرۃ واضاعوا الثمرۃ درخت
سے احتجاج کیا مگر اس کے پھل کو ضائع کر دیا۔ اس کے بعد بیعت کے لئے حضرت علیؑ کے ساتھ زیادتی
کرنا دروازہ پر لکڑی آگ جمع کر دینا عدم بیعت کی صورت میں قتل کا ارادہ کرنا۔ رسول کی میراث جناب
سیدہ سے چھین لینا حضرت ابوبکر سے اپنے استخلاف کا انتظام کر لینا اپنے دور حکومت میں احکام
شریعت میں زیادتی و کمی کرنا۔ تراویح کو جاری کرنا الصلوٰۃ خیر من النوم کا حکم دینا۔ نماز
جنازہ چار تکبیر پر ختم کرنا مغیرہ ابن شعبہ پر باوجود ثبوت جرم زنا حد نہ جاری کرنا بلکہ ابوبکرہ اور اس کے
ساتھیوں پر تہمت کی حد جاری کرنا۔ (ابوالفداء وغیرہ)

اپنے بعد شوریٰ کا انعقاد اور اسکے ممبران کا انتخاب اور شرائط کا معین کرنا تاکہ خلافت حضرت علیؑ
تک نہ پہونچ سکے۔ اور صرف یہ نہیں کہ شوریٰ میں حضرت علیؑ کو خلافت نہ ملے بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف
کو خصوصی اختیار دیکر در اصل عثمان بلکہ بنی امیہ کی طرف خلافت کی باگ ڈور ڈالدی خصوصیت
سے عبدالرحمٰن کا اپنی طرف سے یا شوریٰ کی تجویز پیدا کرنیوالے کی طرف سے سیرت شیخین کی شرط
کا اضافہ کرنا۔ چنانچہ اس چال کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کو خلافت نہ مل سکی اب چھوڑیئے ان باتوں
کو جنکو حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں کیا جو سیرت شیخین پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوئیں جیسے
وہاں فدک عام مسلمانوں کے لئے تھا اور یہاں خصوصیت سے مروان کو دیدیا گیا نتیجہ میں اصل
وارث دونوں جگہ محروم رہے۔ جناب ابوذر اور عبداللہ بن مسعود کے ساتھ زیادتیاں اس لئے کہ حضرت
عثمان کے سامنے مالک بن نویرہ کا قتل اور حضرت ابوبکر وغیرہ پر جو زیادتیاں ہوئیں موجود تھیں
بہر صورت حضرت عمر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے کہ خلافت کو حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد
سے دور کر دو۔ انھوں نے اپنے بعد خلافت کو بنی امیہ کے ہاتھوں میں دیکر اطمینان حاصل کر لیا
یہ ایک اتفاقی سی بات کہنا چاہیے کہ حضرت عثمان کی متواتر غلطیوں کی وجہ سے ایسی فضا پیدا
ہوگئی جو حضرت علی کو انکی اہلیت کی وجہ سے خلافت دلا سکی حالانکہ وہ خلافت آپ کو جس نازک

اور غیر اطمینانی حالت میں بھی ظاہر ہے۔

ہاں تو حضرت عمر نے خلافت کو بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدیا ایک تو شوریٰ کی صورت میں حضرت عثمان کو دوسرے اپنی زندگی میں یزید بن ابی سفیان کی جگہ معاویہ کو شام کی گورنری دیکر اور حضرت عمر سمجھتے تھے کہ معاویہ کا دماغ ایسا ہے جو میرے مافی الضمیر اور مقاصد کو کامیاب بنانے میں کامیاب ہوسکتا ہے بلکہ معاویہ بعض حالات میں حضرت عمر سے آگے تھے ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر اپنی خلافت کے دوران میں شام گئے معاویہ جوان سے ملنے آتے تو شام کو لباس کچھ ہوتا تو صبح کو کچھ اور جسکو خلافت مآب نے ناپسند کیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ صبح کو تمہارے مکان سے نکلنے کے قبل تمہارے دروازے پر ضرورت مندوں کا ایک مجمع لگا رہتا ہے معاویہ نے برجستہ یہ کہا کہ بات یہ ہے کہ غیر اسلامی سلطنت روم وغیرہ یہاں سے قریب ہے اس لئے میں نے یہ کیا ہے کہ وہ شوکت اسلام دیکھکر مرعوب ہوں اور حملہ کا ارادہ نہ کریں مگر آپ جیسا حکم دیں عمل کیا جائے اس جواب کے بعد حضرت عمر کیا رائے دیتے اور دیکھا کہ یہ تو مجھکو بھی چرکا دیرہا ہے لہذا یہ کہا کہ میں کیا کہوں میں تو تم کو قائل کرنا چاہتا ہوں مگر تم مجھے کو رستہ بتاتے ہو۔

(طبری ج ۶ ص ۱۸۴)

اس لئے آپ نے معاویہ کو شام کی گورنری دیدی اور اس کا استحکام عثمان کے زمانہ میں بخوبی ہوگیا اور ایسا کہ دنیا نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں زیادہ لشکر و دولت کے ساتھ نکلے اور جنگ کی اور اپنی اسی چالوں اور عمر عاص کی مکاریوں سے فائدہ اٹھاکر سلطنت بزور شمشیر حاصل کرلی۔

اب جو کچھ معاویہ نے کیا وہ کوئی نئی چیز نہیں کہی جاسکتی نماز جمعہ بدھ کو پڑھا دی تو بشر و اعمل سیرت شیخین نماز جنازہ میں تکبیر کی کمی اور تراویح کی بدعت اور الصلوٰۃ خیر من النوم اور تحریم متعہ کی مثالیں موجود تھیں۔ جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تو مالک بن نویرہ کی مثال موجود تھی۔ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنادیا تو ابوبکر کا عمر کو خلیفہ بنانا سامنے تھا۔ خلافت بزور شمشیر حاصل کرلی تو سقیفہ کی کاروائی اور سعد بن عبادہ کا کچلنا اور بزور قوت ابوبکر کی بیعت کرانا بھولے نہ تھے۔ زیاد بن ابیہ کو بھائی بنالیا تو مخالفت حکم شریعت کے لحاظ سے پہلے خلفاء کی سیرت موجود تھی۔

ہاں کچھ ایسی کمزوریاں اور برائیاں معاویہ میں نئی ضرور تھیں جن کی بنا پر بھی وہ شان و غلاظت طبع نہ ہونیکی وجہ سے بھی بدنام اور رسوا ضرور ہوئے اور رد عمل ضرور ہوا جیسے احد کے میدان سے نہر کھدواتے وقت یہ حکم دیدیا کہ شہداء احد کو کہیں اور لیجا کر جس کا رد عمل یہ ہوا کہ سفاح کے زمانہ میں عبداللہ نے معاویہ بن ابن سفیان و یزید بن معاویہ وغیرہ کی قبر کھدوا ڈالی۔

حضرت علی سے علانیہ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ معاویہ باطل پر تھا اور جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا اور عام طور سے اسکی شکایت رہی چنانچہ خلفاء بنی عباس میں سے مہدی کے زمانہ میں ابو عبداللہ شریک بن عبداللہ قاضی تھے ان کے سامنے معاویہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا کہ وہ حلیم نہیں کہا جا سکتا جو حق سے جاہل اور حضرت علی سے جنگ کرے ۔

آج دنیا شیعوں پر الزام لگاتی ہے کہ وہ تو صحابہ کو گالی دیتے ہیں مگر معلوم ہونا چاہیئے کہ شیعہ ان پر جو لعن کے مستحق ہیں لعنت کرتے ہیں گالی نہیں دیتے۔ البتہ گالی اگر دیکھنا ہو تو آؤ ہم دکھائیں تاریخ میں تصریح ہے۔

فکان معاویۃ وعمالہ یدعون لعثمان فی الخطبہ یوم الجمعۃ ویسبون علیا ویقعون فیہ ۔ (ابو الفدا ج ۱ ص ۱۸۶)

معاویہ اور ان کے عمال جمعہ کے خطبہ میں عثمان کے لئے دعا کرتے اور حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے تھے"

اس کا سلسلہ دو چار برس نہیں رہا ملاحظہ ہو

کان خلفاء بنی امیہ لیسبون علیا رضی اللہ عنہ من سنۃ احد واربعین وھی السنۃ اللتی خلع الحسن فیھا نفسہ من الخلافۃ الی اول سنۃ تسع وتسعین اخر ایام سلیمان بن عبد الملک فلما ولی عمر ابطل ذالک ۔

خلفا بنی امیہ حضرت علی کو ۴۱ھ سے لیکر ۹۹ھ تک برابر (معاذاللہ) گالیاں دیتے رہے مگر جب عمر بن عبدالعزیز برسر اقتدار ہوا تو اس کو روک دیا۔

خدا بھلا کرے عمر بن عبدالعزیز کا جس نے اس مذموم سلسلہ کو ختم کیا ۔ یاد رہے کہ اتنی مدت تک حضرت علی پر گالیاں نہیں پڑ رہی تھیں بلکہ من سب علیا فقد سبنی مشکوٰۃ ص ۵۶۵ کے بمصداق اس کے نشانہ رسول اللہ بھی بنے ہے۔

یہ زمانہ کا اندھیر ہے کہ شیعہ تبرا کریں تو مجرم ہوں مگر شام کا حاکم حضرت علیؑ کو ناسزا کلمات سے یاد کرے تو خلیفہ مانا جائے۔

ابھی بہت سی چیزیں تھیں مگر اس لئے کہ طول نہ ہو جائے مضمون یہاں ختم کیا جاتا ہے بمصداق تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت

انشاءاللہ پھر کبھی

کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر لکھنؤ

الجناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ

فارسی کے یہ چند اشعار تذکرہ آفتاب عالمتاب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

مرحبا اے سندی عالم عالم دہبی ۔ ماہ برج عجمی شاہ سریر عربی

چو نسا یند جبیں بر در تو جن و ملک ۔ سرورجملہ رسولی و شہ جملہ نبی

اصل نور تو بود فرع ز انوار خدا ۔ بعد ایزد ز تو زیباست خواج طلبی

بوئے لطف برساں بادشہم را بدماغ ۔ اے گل تازہ رنگیں چمن مطلبی

اُن کی یہ غزل بہت مشہور ہے ۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے ۔ کہ ساقی لئے ساغر مشکبو ہے

سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری ۔ جدہر دیکھتا ہوں ادہر تو ہی تو ہے

جتاؤں میں کیا اپنا حال پریشاں ۔ عیاں زلف دلدار سے مو بمو ہے

چلو تب فرہاد بیدرد ناحق کو ۔ مگر آب شیریں سے لازم وضو ہے

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا ۔ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

ستایا ہے ناحق ہمیں تو نے ظالم ۔ یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے

کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں ۔ نہ بخیے کے قابل نہ جائے رفو ہے

شفق بن کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر ۔ کسی کشتۂ بے گنہ کا لہو ہے

عبث مجھکو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی ۔ زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے

اگر اب کی بولا شب وصل جاناں ۔ چھری اور مرغ سحر کا گلو ہے

ہے سایۂ پنجتن بادشہ پر ۔ خداوند عالم نگہبان تو ہے

جب[1] قدسیہ محل نے زہر کھا کر اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کر دی اور بادشاہ بیگم کو معلوم ہوا کہ بادشاہ

لہ تذکرہ خمخانۂ جاوید ۔ سلہ قیصر التواریخ جلد اول

ان کی جدائی میں بے حد بے چین و بے قرار ہیں تو ماں کی مامتا جوش میں آئی اور چاہا کہ اپنے ہجراں نصیب اور غم زدہ بیٹے کے دل پر تسکین و تالیف کا پھاہا رکھیں چنانچہ وہ بغرض تعزیت روزمرہ کی پوشاک میں تشریف لے گئیں اور بادشاہ کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ تمہارا دم سلامت ہے تو قدسیہ محل سے بہتر و افضل عورتیں تمہاری خدمت میں آئیں گی مگر ان کلمات سے بادشاہ اور نمک بر جراحت ہوئے اور شکایتاً فرمایا کہ آپ نے ماتمی لباس کیوں نہیں پہنا اگر آپ کو مجھ سے دلی الفت ہوتی تو میری شریک ماتم ضرور ہوتیں بیگم صاحب نے فرمایا میں سیاہ پوشاک پہنکر صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کا سوگ مناتی ہوں اور کسی کے لئے نہیں پہنتی۔ میں جانتی ہوں کہ سلطنت کے بدخواہوں نے تم کو میری طرف سے منحرف کر دیا ہے۔ یہ گفتگو سنکر بادشاہ بیگم برداشتہ خاطر ہو کر چلی آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے بیگم صاحب کے ساتھ بہت ناروا برتاؤ کیا۔ اور انھیں مجبور کیا کہ مکان مسکونہ کا تخلیہ کر کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو جائیں آخر کار بہت توہین مجادلہ و مقابلہ و خون خرابہ کے بعد موصوفہ مع مناجان الماس باغ چلی گئیں اور بادشاہ کے انتقال تک وہیں مقیم رہیں

اولاد کی تمنا بادشاہ کے کوئی اولاد[1] نہ تھی اسلئے ملکۂ زمانیہ کے مادر چلو بیٹے محمد علی عرف زینب کو کیواں جاہ کا خطاب عطا کر کے عرصہ تک اپنا بیٹا اور ولی عہد ظاہر کرتے رہے بلکہ ان کی شادی بھی اپنی ہما ہمی سے کی یعنی نواب محمد حسن خاں خلف نواب سعادت علی خاں کی بیٹی سے کر دی اس کے بعد مرزا رفیع الدین حیدر محمد مہدی فریدوں بخت عرف مناجان مسماۃ سکھ چین مخاطب بہ افضل محل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کو بھی اپنا بیٹا ظاہر کرتے رہے مگر ۱۸۳۲ء میں اُن کی دل نواز بیوی قدسیہ محل کے حاملہ ہونے کی خبر مشہور ہوئی بادشاہ ان ہی کے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا چاہتے تھے چنانچہ ۱۸۳۲ء میں کیواں جاہ اور مناجان دونوں کو رزیڈنٹ کے روبرو ناجائز قرار دیدیا بلکہ مناجان کے پسر ناجائز ہونے کے اشتہارات بھی شہر کے نمایاں مقامات پر چسپاں کرا دیے۔ تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد جب قدسیہ محل کے حمل کی خبر بے بنیاد ثابت ہوئی تو اولاد کی آرزو میں شاہ قطب اعظم ایک حنفی المذہب صوفی بزرگ کے ہاتھ پر باصرار[2] بیعت کی تاکہ اُن کی دعاؤں کی برکت سے گو ہر مراد حاصل ہو جائے مگر اولاد کی نعمت اُن کے مقدر میں نہ تھی شاہ صاحب کی دعائے نیم شبی بھی کام نہ آئی۔

مزاجی حالت بقول مصنف دربار اودھ، بادشاہ حسن پرست، زود رنج، تمسخر پسند، اور مغلوب الغضب تھے جس پر عتاب نازل ہوا اُس کی سفارش کی کوئی بات نہ سُنی۔

---

[1] وقائع دلپذیر [2] تفصیلات کے لئے دیکھئے تواریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ چہارم صفحہ ۱۳۰ [3] تواریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۲۱۵

جس طرح اودھ کے اول تین فرمانروا اپنی شجاعت اور متانت کے لئے۔ نواب آصف الدولہ اپنے جود و سخا کے لئے نواب سعادت علی خاں اپنے تدبر و سیاست کے لیے شہرۂ آفاق تھے اسی طرح نصیرالدین حیدر اپنے قہر و غضب کے لئے مشہور تھے۔

حلیہ نصیرالدین حیدر کے ایک مصاحب کے بیان کے بموجب اُن کے چہرے کی رنگت سبز سیب کی ایسی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سر کے بالوں۔ ٹھیکوں اور مونچھوں کی کالی کالی رنگت اُن کے رخساروں پر بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ آنکھیں چھوٹی چمکدار اور سیاہ تھیں بدن چھریرہ اور قد میانہ تھا[۱]

مشاغل تفریح شاہ موصوف کی تخت نشینی کا پہلا نمایاں کام یہ تھا کہ مطربان دولت سامان عیش و نشاط جمع کرنے میں مصروف و منہمک ہو گئے ارباب نشاط کے ایکسو طائفہ جو سرآمد چکلہ تھے ملازم ہو گئے مرزا رجب علی بیگ سرور بھی اس بارے میں مزید روشنی ڈالتے ہوئے فسانۂ عبرت میں تحریر کرتے ہیں "سو طائفہ شہر کا چیدہ اور سو دیہات کا پسندیدہ تھا۔ پہر دن رہے یہ سب حاضر ہوتے ۲۵، ۲۵ طائفہ نے ایک رنگ کے جوڑے عنایت سرکار پہنا و راسی میل کے گنے معلوم ہوتا تھا کہ چمن رواں ہے گلوری گز بھر جس کا عرض و طول جہاں نے تراش کر کھلائے مصالحہ برابر پائے"[۲]

نصیرالدین حیدر ہی کے عہد دولت میں ایک فرانسیسی دلکشا کے مقام پر ایک غبارہ میں بیٹھکر آسمان کی طرف اُڑا اور بادلوں میں نظروں سے غائب ہو گیا پھر کبوتروں کی چوٹی پر جو شہر سے پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر ہے زمین پر اُترا چودہ ہزار روپیہ انعام میں پائے۔[۳]

بادشاہ خاصہ میز کرسی پر اپنے انگریز مصاحبوں کے ساتھ تناول کرتے کھانے کے بعد دلبستگی کا کچھ سامان ضرور ہوتا تھا کبھی بھانڈ اپنے ہنر دکھاتے کبھی مسخروں کی لطیفہ بازی، کبھی کٹھ پتلی کا ناچ، کبھی بٹیروں، تیتروں اور مرغوں کی لڑائی۔ خاص خاص موقعوں پر رمنہ میں ہاتھی۔ اونٹ گینڈے اور بارہ سنگھے وغیرہ بھی لڑائے جاتے تھے[۴]

انتقال بادشاہ سبب ظاہری علالت مزاج ضعف قوت، سقوط اشتہا، عارضہ شباب جوانی تھا، حکیم مرزا علی خاں معالج تھے۔ ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۳۷ء جمعہ کا دن تھا۔ اُس روز سب طرح سے اچھے تھے شام کو فضل النساء خانم (دھنیا مہری) نواب روشن الدولہ کے یہاں سے آب زلیبز لائی اُسے نوش فرمایا اس کے بعد کر یلے کھائے جو دایہ مہربان (جعفری خانم) لائی تھیں کچھ رات گئے

۱؎ Private Life of an Eastern King ۲؎ فسانۂ عبرت ۳؎ تاریخ اودھ جلد چہارم ۴؎ Private Life of an Eastern King ۵؎ قیصر التواریخ جلد اول۔

آرام کیا۔ اس کے بعد بیدار ہوئے۔ فرمایا مجھے سردی سے لرزہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ رضائی اوڑھا دی گئی دو ساعت کے بعد بیہوشی رہی۔ چار گھڑی رات گئے روح[1] جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔ شہر بھر کو نواب روشن الدولہ دہنیا اور ڈنوی دونوں کہاریوں پر زہر دینے کا گمان ہوا دوسرے دن بروز شنبہ بعد دوپہر اپنی ہی کربلا میں دفن ہوئے۔ پہلے امام باڑہ شاہ نجف میں حضرت خلد مکاں غازی الدین حیدر کے پہلو میں دفن کرنے کی تجویز ہوئی تھی مگر حاضرین نے کہا زندگی میں باپ سے کب موافقت تھی جو اس کا لحاظ کیا جائے چنانچہ کربلا سے نو تعمیر مدفن قرار پائی راجہ بختاور سنگھ نے چاہا کہ مقام ضریح میں قبر کھودیں مگر مرزا محمد علی داروغہ تعمیر کربلا نے کہا پہلے میرا سر کاٹ لو پھر قبر کھودنا۔ اس کے بعد راجہ نے پشت ضریح پر جو مسجد کا مقام ہے قبر کھدوائی بقول سید کمال الدین حیدر بیاور بدتر ہوا کیونکہ مقام ضریح پر جگہ حضرت امام حسینؑ تھی اور وہ خانۂ خدا مگر کسی نے اس کا خیال نہ کیا۔

جنازہ حسب آئین شاہانہ اٹھایا گیا۔ اقربا ملازمین۔ اراکین دولت سب جنازہ میں شریک تھے۔ جیتے جی ابوالنصر قطب الدین سلیمان جاہ سلطان عادل نوشیرواں زماں حضرت شاہ زماں نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی لقب تھا مرنے کے بعد خلد منزل کہلائے۔

دس برس پانچ یوم تک مرحوم کے سر پر تاج شاہی جگمگاتا رہا۔ نواب سعادت علی خاں نے اپنے انتقال پر چودہ کرور روپیہ خزانہ میں چھوڑے تھے۔ اس میں سے قریب نصف کے غازی الدین حیدر نے صرف کئے جو باقی بچے وہ شاہ مرحوم نے مع آمدنی سلطنت اپنی رنگ رلیوں اور دیگر امور میں خرچ کئے چنانچہ انکی رحلت پر صرف ستر لاکھ روپیہ خزانہ سے برآمد ہوئے جن میں ترپن لاکھ روپے قدسیہ محل کے متروکہ والے بھی شامل تھے۔ فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق نے شاہ مرحوم کی تاریخ وفات کہی۔

دہ سال پنج روز حکومت نمود شاہ
۱۲۵۳ھ

بونصر قطب دیں وسلیمان روزگار — دردا بہ خلد رفت ازیں دار بے مدار
سال وفات خواست چو عقل دقیقہ یاب — گفتا خرد کہ از غم تجسم کن شمار

دیگر

آہ ازیں چرخ سخت بے تمکیں — کہ مدارش نہ جز بر کژ کیں
وے سرا کہ بر فلک می سود — کرد امروز جا بقعر زمیں
بسلش با مرارت آغشتہ — نوش عیشش بہ نیش غم آگیں
سرگذشت شہنشہ ماضی ست — جائے عبرت بچشم آخر بیں

---

[1] سفرنامہ سلیمن صاحب بزبان انگریزی

بیں شہ را کہ دے ہیاری بخت	بود باصد شکوہ تخت نشیں
گشت امروز تختۂ تابوت	مرقد خسرو نصیر الدین
حیف بر نوجوانی شاہ است	ورنہ انجام ہر کس ست ہمیں
آخر کار سال تاریخش	گفت واثق شد آں بخلد بریں

استفسار

جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ واعظ و مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

سوال ۱۲ ۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے روضوں یا قبروں پر چڑھاوا چڑھانا فی سبیل اللہ یا اُن کی قبروں پر جانور ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۱۲ ۔ اولیاء اللہ یعنی نبی یا امام اور بزرگان دین کی قبروں پر چڑھاوا چڑھانا یا خیرات کرنا جائز ہے ۔ البتہ ان کی قبروں پر ان کے نام پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ۔ ہاں خدا کے نام پر اور خدا کے لئے صرف اس مقام کے احترام کا خیال کر کے ذبح کرنا جائز ہے ۔

سوال ۱۳ ۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سلسلۂ امامت کیوں نہیں جاری ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں یہ سلسلہ کیوں جاری ہوا ؟

جواب ۱۳ ۔ امامت کا دار و مدار نسب یا اولاد ہونے پر نہیں بلکہ صلاحیت قابلیت اہلیت علم و عمل عصمت و طہارت اور انتخاب الٰہی پر ہے ۔ چونکہ یہ خصوصیات حضرت امام حسین علیہ السلام کی خاص اولاد اور نسل میں بدرجۂ اتم و اکمل پائے گئے ۔ اس لئے وہی منجانب اللہ امام قرار پائے ۔ اس سے امام حسن علیہ السلام کی توہین نہیں ہوتی اور نہ انھیں اس کی شکایت ہے ۔

سوال ۱۴ ۔ اہلسنت کے چار امام کون کون ہیں ان کو کس نے امام بنایا ۔ اور کیونکر وہ چار مصلوں کے مالک بنے اور کس زمانہ میں ایسا ہوا ۔

جواب ۱۴ ۔ اہلسنت کے چار امام یہ ہیں: ابو حنیفہ ۔ امام شافعی ۔ امام مالک ۔ امام احمد بن حنبل اہلسنت کے نزدیک خلیفہ یا امام کے لئے یہ قانون نہیں ہے کہ اس کا انتخاب یا تقرر خدا کے حکم سے ۔ بلکہ ان کے نزدیک جس کو لوگ خلیفہ یا امام کہنے لگیں وہ ہو جاتا ہے خواہ جس ذریعہ سے ہو ۔

مذکورۂ بالا چاروں امام بنی عباس کے زمانہ میں گذرے ہیں ۔ مذکورہ اماموں سے پہلے اہلسنت کے

مختلف بااثر لوگ قرآن و حدیث پر رائے زنی کر کے اس پر عمل کرتے تھے۔

سب سے پہلے امام ابوحنیفہ نے اپنی رائے کے مطابق احکام شریعت کو مرتب کیا اور وہ ان کا فتویٰ کہلایا چونکہ وہ بادشاہ وقت کی حکومت کے قاضی مقرر تھے اس لئے عوام الناس میں ان کی شہرت ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ اس لئے عوام اہلسنت میں ان کو اپنے زمانہ کا امام کہا جانے لگا۔ ان کے بعد ان کے شاگرد ابویوسف اور محمد وغیرہ نے ان کے فتووں کو اور زیادہ فروغ دیا۔

اس کے علاوہ ابوحنیفہ کا بادشاہ سے خاص رشتہ بھی تھا۔ یعنی ان کی بیٹی حنیفہ بادشاہ کی بیوی تھیں بیٹی کی شہرت کی وجہ سے ان کی کنیت ابوحنیفہ ہوگئی اور وہ اس کنیت سے پہچانے جاتے ہیں ورنہ اُن کا اپنا نام نعمان بن ثابت تھا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد امام شافعی کو فروغ ہوا۔ اور وہ اپنے زمانہ کے بادشاہ کے دربار کے قاضی مقرر ہو گئے انھوں نے بہت سے فتوے امام ابوحنیفہ کے خلاف دیے اور حکومت کے اثر کی وجہ سے بہت سے لوگ انکے مقلد ہو کر ان کو اپنے زمانہ کا امام کہنے لگے اور کچھ لوگ پھر بھی امام ابوحنیفہ کے مقلد رہے۔ اسکے بعد اسی طرح امام مالک کا دور شروع ہوا اور یہی بات اپنے عہد میں امام احمد بن حنبل کو حاصل ہوئی۔ چونکہ ان چاروں نے ایک دوسرے کے خلاف فتوے دیے ہیں اس لئے ہر ایک اپنی راہ اور اپنے زمانہ کا امام یعنی پیشوا کہلایا۔ اور چونکہ چاروں کے مقلد کسی نہ کسی ملک میں ہر زمانہ میں رہے اس لئے چاروں اپنے اپنے مقلدوں کی جماعت میں امام کہلائے۔ نیز اس کے بعد جو علماء پیدا ہوئے انھوں نے ان ہی چار اماموں میں سے کسی ایک کا راستہ اختیار کیا اور پانچواں راستہ نہیں نکالا۔ یعنی پانچویں قسم کے فتوے نہیں دیے اسلئے یہی چار امام کہلائے اور آجکل اہلسنت اس کو کہتے ہیں جو ان چار میں سے کسی ایک کا مقلد ہو۔ یہ بھی اتفاقات زمانہ میں سے ایک بات تھی۔ ورنہ یہ نہ کوئی اصول عقلی ہے۔ اور نہ من جانب اللہ ہے۔ بلکہ حکومت وقت کی طاقت اور اُن کی جرأت نے یہ شکل بنا دی۔

چونکہ اس کے بعد ہر زمانہ میں ان چاروں کے مقلد موجود رہے اور ہیں۔ اور خصوصاً حج کے وقت خانہ کعبہ کے گرد مسجد حرام میں ہر فرقہ کو اپنے طریقہ پر نماز ادا کرنا تھی اور مسجد حرام کو کسی ایک فرقہ کے حصہ میں نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس لئے تقسیم عمل کی صورت میں اس زمانہ کے بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے امام اور اُنکے مقلدوں کے نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک ایک جگہ منتخب کر دی تاکہ نماز میں گڑبڑ اور اختلاف نہ ہو۔ اور اُس جگہ پر ایک نشانی لگا دی۔ وہی مخصوص مقام ایک ایک امام کے مصلے کہلائے جہاں وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ اب جب سے سعودی حکومت برسر اقتدار ہوئی ہے اس نے سب مصلے کھود ڈالے اور نشانیاں مٹا دی ہیں

اور ہرایک کو حکم ہے کہ جبرًا وہابی مولویوں کے پیچھے نماز ادا کریں خواہ دل میں کوئی عقیدہ رکھتے ہوں اس لئے اب وہاں کوئی مصلی نہیں ہے

سوال ۱۵: ختنہ جو سنت ابراہیمی ہے کیا بلوغ کے بعد اسلام قبول کرنے والے کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اور اگر ضروری ہے تو خلفاء کیوں بے ختنہ رہے۔ آنحضرت نے کیوں نہ ان کا ختنہ کرایا۔ اگر کوئی نو مسلم ختنہ نہ کرائے تو اس کا ذبیحہ وغیرہ جائز ہے یا نہیں۔

جواب ۱۵: ختنہ ہر مسلمان کے لئے ضروری و لازمی ہے بلوغ سے قبل ماں باپ پر لازم ہے کہ اولاد کا ختنہ کرائیں۔ ورنہ بلوغ کے بعد خود مرد بالغ پر لازم ہے کہ اپنا ختنہ کرائے خواہ مسلمان پیدا ہو کر جوان ہو یا کفر سے اسلام قبول کرے حضرت سرور کائنات کا کام ہدایت کرنا سمجھانا تھا نہ کہ کسی کو کسی کام پر مجبور کرنا۔ جیسا کہ آیۂ انک لست علیھم بمصیطر (اے رسول تم انکے ذمہ دار نہیں ہو) اس پر شاہد ہے۔ اسلئے اگر حکم اسلام کے باوجود خلفاء ثلاثہ نے اپنا ختنہ نہیں کرایا تو وہ خود اس کے ذمہ دار تھے۔ جیساکہ وہ حکم اسلام کے خلاف میدان جنگ سے فرار وغیرہ کے ذمہ دار ہیں۔ بہرحال اس قسم کا جرم کرنے والے مجرم اور خطاکار ہیں مگر کافر نہیں اس لئے ان کے ہاتھ کا ذبیحہ اگر باشرائط ہو تو حرام نہیں ہے۔

اے صل علیٰ صل علیٰ حیدرِ کرار

از نتیجۂ فکر اکمل منشی کامل شاہجہانپوری مدرس اعلیٰ مدرسۂ نورانیہ راجکوٹ تلمیذ حضرت خبیرؔ لکھنوی

زندوں کے لئے ابر سخا حیدرِ کرار　　مُردوں کے لئے آبِ بقا حیدرِ کرار

اک آن میں ادنیٰ کو بنا دیتے ہیں اعلیٰ　　اے صل علیٰ صل علیٰ حیدرِ کرار

کعبہ میں قدم رکھتے ہیں دوشِ نبوی پر　　ہے شانِ خدا شانِ خدا حیدرِ کرار

انجم میں چمک شمع میں لو۔ چاند میں ہے ضو　　ہیں جلوہ گر و جلوہ نما حیدرِ کرار

اک شعر کے بدلے میں دو عالم کی سعادت　　کر دیتے ہیں شاعر کو عطا حیدرِ کرار

الطاف میں بخشش میں نوازش میں کرم میں　　ہیں سب سے فزوں سب سے سوا حیدرِ کرار

اللہ رے اخلاق کہ دشمن کے لئے بھی　　اللہ سے کرتے ہیں دعا حیدرِ کرار

اے مونس ہر نوعِ بشر ہادیِ برحق ...　　اے آئینۂ صدق و صفا حیدرِ کرار

ہے دردِ ترا اکملؔ مغموم کا درماں
اے دردِ دو عالم کی دوا حیدرِ کرار

جناب محمد تقی مجلسی علیہ الرحمہ

گذشتہ شمارہ میں علامہ محمد باقر مجلسی طاب ثراہ کے مختصر حالات ناظرین الواعظ کے لئے قلمبند کئے گئے تھے اور ضمناً جناب علامہ کے والد بزرگوار کا اجمالی حال نذر قرطاس کیا تھا تاکہ جناب علامہ کی خاندانی وجاہت پر تیز روشنی پڑے اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے بجائے اسکے کہ ہم عنان قلم آگے بڑھائیں جناب علامہ کے والد کا حال کسی قدر شرح وبسط سے پیش کرتے ہیں۔

ولادت سرزمین اصفہان وہ علم خیز خطہ ہے جس نے ہدایت کے سرچشمہ جاری کئے اور ایسے ایسے تابندہ چراغ روشن کئے جن کی ضیاباری کا سلسلہ صبح قیامت تک رہے گا جناب ممدوح اسی مبارک سلسلہ کی ناموفرد تھے ان کے فیوض سے علمی دنیا مالا مال ہے اور علماء بڑی تعداد میں ان ہی کے میکدۂ فضل کے جرعہ نوش ہیں ۱۰۰۳ھ میں ولادت ہوئی محمد تقی نام رکھا گیا اور مبدء فیاض سے اس مولود نے رفتہ رفتہ وہ غیر معمولی کمال حاصل کیا جسے معاصرین میں بلند مرتبہ پر پہونچا دیا اور آپ کی شہرت ملا آخوند محمد تقی کے لقب سے ہوئی۔

والدین اور خاندان آپ کا ننہیال اور ددھیال دونوں طرف سے اصفہانی النسل تھے والدہ آپکی زیور تقدس و معرفت سے آراستہ تھیں اور ملا درویش محمد صفہانی کی نسل سے تھیں جو شہید ثانی کے افاضل تلامذہ میں تھے۔ اور والد ماجد آپ کے اصفہان کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور سب سے پہلے مجلسی آپ کے نام کے ساتھ رکھا گیا اس تسمیہ کے متعلق اہل تحقیق کہتے ہیں کہ ان کے نام کے بعد مجلسی بطور تخلص لکھا جاتا ہے نجوم السماء میں ہے۔

ملا مقصود علی رحمہ اللہ صاحب کمال و معرفت اور مرد مقدس تھے شعر خوب کہتے تھے ان کا تخلص ملا مجلسی، تھا معلوم ہوا کہ آپ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور فردوسی، خاقانی وغیرہ شعراء عجم کی طرح مجلسی تخلص رکھا تھا جسے اسقدر شہرت ہوئی کہ آپ کی اولاد کے ہر شخص کے نام کے ساتھ لکھا جانے لگا"

ہمیں افسوس ہے کہ آج کوئی تذکرہ ایسا نہیں جس میں ان مقدس شعراء کے نتائج افکار موجود ہوں امتداد زمانہ اور اہل زمانہ کی بے قدری نے ایسے خزانے فنا کر دیے اگر یہ مجموعۂ پند و نصائح جو اہل علم کا کلام تھے موجود ہوتے تو تصانیف شیعہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہوتا۔ آپ کی اولاد میں مدتوں دولت علم باقی رہی اور نسل شریعت میں بہت سے افراد ایسے گذرے جو کار ہدایت انجام دیتے رہے آپ کی اولاد احفاد میں ملا حیدر علی بن عزیز اللہ اصفہانی اور قاضی ابو الشرف اور ماموں ملا محمد قاسم وغیرہ بلند مرتبہ فضلا میں سمجھے جاتے تھے

کمال علم آپ کے تبحرِ علمی کو فاضل اجل ملا حیدر علی مجلسی نے یوں بیان کیا ہے۔
علامہ فہامہ محمد تقی بن مقصود علی مجلسی فاضل و عالم و محدث و پرہیزگار و ثقہ تھے۔"
تعلیم باپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانا شروع کی ابھی کچھ زیادہ سن نہ تھا کہ آپ کے والد مقصود علی مجلسی کو سفر درپیش ہوا اور وہ آپ اور آپ کے برادر عینی ملا محمد صادق کو علامہ اخوند ملا عبداللہ شستری کی خدمت میں لائے اور دونوں صاحبزادوں کی تعلیم پر توجہ دلائی۔ جناب اخوند نے نہایت محنت سے پڑھانا شروع کیا۔ اور تعلیم میں اس قدر توجہ کی کہ ملا مقصود علی مجلسی کی عدم موجودگی اور سفر کا ملال دل سے جاتا رہا اور ہمارے ممدوح کا تقرب یوماً فیوماً استاد کی بارگاہ میں بڑھتا گیا اسی دوران میں پہلی عید آئی اور آپ کو شفیق استاد نے سامان عید کا سامان مہیا کرنے کے لئے مرحمت کرنا چاہے آپ نے عذر کیا کہ والدہ کی اجازت کے بغیر میں نہیں لے سکتا۔ اس جواب کے بعد آپ نے اپنی والدہ سے عرض کیا اور انھوں نے آپ کی عادت بگڑنے کے خوف میں اس احسان کی ضرورت محسوس نہ کی اور اپنی دو کانات کے کرایہ سے آپ کی ضرورتوں کو پورا کیا۔ ملا عبداللہ شوستری نے اس غیرت کی تعریف کی اور آپ کو دعا دی۔
جناب موصوف کے اساتذہ میں علامہ بہاء الدین عاملی کا نام نامی بھی ہے انھیں ارباب کمال کے فیوض سے آپ کی تکمیل ہوئی اور ۵۰ سال کی طویل مدت تحقیق احادیث و اخبار میں صرف کی۔ کتاب لوامع کے آخر میں آپ نے اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔
خواب میں امام زماں کی زیارت جناب ممدوح نے اپنی بعض کتابوں میں چند خواب بھی نقل کئے ہیں جو ان کے بلندی مرتبہ کی شہادت دیتے ہیں ان میں یہ خواب کسی طرح فروگذاشت کے قابل نہیں ہے جو فاضل جلیل مولانا محمد علی اعلی اللہ مقامہ نے نجوم السماء میں تحریر فرمایا ہے:-
منجملہ اسکے وہ خواب ہے جو بنابر ذکر سند صحیفہ کاملہ سجادیہ نقل کیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام نے کسی شخص سے اس صحیفہ کے حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی اور اخوند نے عالم رویا میں اس شخص سے کتاب لیکر جو دیکھا تو صحیفہ کاملہ پایا بیدار ہو کر کچھ نہ پایا صبح تک بارگاہ صمدیت میں تضرع و زاری کرتے رہے اس شخص کے تفحص میں تھے کہ اسی دن اثنا جستجو میں تعبیر خواب ظاہر ہوئی اور ایک اصفہانی کے ہاتھ سے صحیفہ کاملہ شہید اول علیہ الرحمہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ملا انداز تحریر بتاتا تھا کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی خواب میں زیارت ہوئی تھی مؤلف کہتا ہے کہ یہ نسخہ صحیفہ کاملہ کا جو شہید علیہ الرحمہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس وقت تک ممتاز العلماء سید محمد تقی مجتہد العصر دام اللہ ایامہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور راقم سطور بھی اسکی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ اس صحیفہ مبارکہ کو کسی شخص نے عہد جناب غفرانمآب مولانا السید دلدار علی طاب ثراہ

میں لکھنو میں لاکر فروخت کرنا چاہا اور اس کے خصوصیات پر اتفاق سے کوئی واقف نہ ہوا یہانتک کہ آپ کی خدمت میں اسے پہونچایا اور بکثرت قرائن سے واضح ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے (ترجمہ از کتاب نجوم السماء جلد اول صلا چاپ لکھنؤ ۱۳۰۳ھ)

اس واقعہ سے جناب ممدوح کے اجلال پر کافی سے زیادہ روشنی پڑتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ امام عصر عجل اللہ ظہورہٗ کے نزدیک اس کا اہل آپ کے معاصرین علماء میں آپ کے سوا کوئی نہ تھا۔

اس کے متعلق اپنے ذاتی تحقیقات پیش کر چکے ہیں۔

وفات حسرت آیات ستر سال کی عمر ۱۰۸۱ھ میں جناب علامہ کی رحلت واقع ہوئی اور یہ آفتاب علم و کمال گوشۂ قبر میں غروب ہوا۔ آپ کے نواسہ ملا محمد سعید اشرف خلف ملا صالح مازندرانی نے اپنے کلیات میں مادۂ تاریخ اس طرح نظم کیا ہے:۔

گفت در تاریخ ہجرانش دل حسرت نصیب   وعدۂ دیدار یارب جنت الماوٰی بود

تصانیف یہ وہ باب ہے جس کی تفصیل میں طول کا مرتسنگ راہ ہے آپ کو بھی ایک کثیر التصنیف ہستی سمجھنا چاہیے۔ تصانیف میں حدیقۃ المتقین اور شرح صحیفۂ کاملہ اور لوامع صاحب قرانی اور روضۃ المتقین کے نام مشہور ہیں موخر الذکر دونوں کتابیں من لایحضرہ الفقیہ کی قابل قدر عربی و فارسی کی شرح ہیں ان کی شان تصنیف یہ ہے کہ پہلے من لایحضر کی عربی شرح روضۃ المتقین کی صورت میں لکھکر بادشاہ وقت شاہ عباس ثانی کے سامنے پیش کی اور بادشاہ موصوف نے فارسی شرح کی فرمائش کی تاکہ نفع عام ہو اس وقت من لایحضر کی شرح فارسی میں فرمائی اور لوامع صاحب قرانی نام لکھکر بادشاہ کے نام پر معنون کی بظاہر یہ شرح حد اختتام تک پہونچنے نہ پائی بھی کتاب آج تک کتب خانوں میں موجود ہے نیز آپ کے تصانیف سے ایک فارسی تفسیر کا پتہ چلتا ہے۔

آپ کی اولاد میں تین صاحبزادے حد کمال تک پہونچے پہلے صاحبزادے کا نام نامی ملا عزیز اللہ تھا اور مجھلے ملا عبداللہ کہے جاتے تھے اور چھوٹے ملا محمد باقر مجلسیؒ تھے جنھوں نے اپنے علم و فضل سے دنیائے اسلام میں غیر معمولی شہرت حاصل فرمائی۔

احفاد میں بھی آپ کا علم و فضل درجۂ کمال پر تھا چنانچہ آپ کی چار صاحبزادیوں میں ایک علامہ محمد صالح مازندرانی کو منسوب تھیں یہ وہی بزرگوار ہیں جنھوں نے اصول کافی کی شرح فرمائی ہے دوسری دختر فاضل جلیل ملا محمد علی استرآبادی کو منسوب ہوئیں اور تیسری علامہ میرزا محمد حسن شیروانی کو بیاہی گئیں اور چوتھی فاضل متبحر منیر کمال الدین کے عقد میں آئیں جن کی تصنیف سے شرح شافیہ ہے۔

ان حضرات نے مدتوں مذہب کی خدمتیں انجام دی ہیں اور دمان میں کی ہر فرد علمائے شیعہ میں نامور تھی۔

امراض قومی کا کیا علاج ہے

جناب ماسٹر سید محمد احمد صاحب حسینی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ جوبلی نارمل اسکول لکھنؤ

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد ‏ ‏ ‏ وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

عجیب کشمکش میں ہوں اگر کھری کھری کہتا ہوں تو لوگوں کی خفگی کی کچھ حد نہ رہے گی۔ کیونکہ حق بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔ اور نہیں کہتا ہوں تو قوم کی حالت زار دیکھی نہیں جاتی۔ بہرحال فیصلہ یہی کیا کہ خاموش نہ رہوں۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ مذہب صرف مکمل اخلاق کا نام ہے حضرت رسول اللہ نے خود فرمایا کہ میں اسی لئے بھیجا گیا کہ اخلاق کی مکمل تعلیم انسانوں کو دوں۔ بہ نص قرآن مجید رسول اللہ اخلاق کے عظیم ترین درجے پر فائز تھے۔ جب ہی تو آپ کو دوسروں کی تعلیم کا حق بھی تھا۔ حضرت رسول اللہ اور ائمہ طاہرین نے اپنے اپنے دور میں زندگی کے ہر چیز میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی یعنی قولاً و فعلاً جو کہا اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جتنے انبیا رگذشتہ زمانے میں آئے سب نے یہی کوشش کی کہ لوگوں کے اخلاق درست ہو جائیں۔ قوم عاد و ثمود و لوط پر ان کی بداخلاقیوں کی وجہ سے عذاب بھی نازل کیا گیا سب کچھ ہوا مگر حضرت انسان کی مثال چوب خشک کی ہے جس کا سیدھا کرنا دشوار ہے بس اسی کا رونا ہے۔ کہ شیعہ تمہاری اخلاقی حالت بہت ہی خراب ہے جو نکو اور بیدار ہو۔ اپنے اخلاق کو درست کرو سچے معنوں میں شیعہ بنو ورنہ تم کو شیعہ کہنے کا حق نہیں ہے۔ صرف زبانی دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہیں شیعہ ہونا تو بہت بڑی چیز ہے تم مسلمان تک باقی نہیں رہے ہے۔ حضرت رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جسکی نہ زبان سے نہ ہاتھ سے کسی کو نقصان پہونچے ذرا اپنے نفوس کا جائزہ لو کہ دن رات تمہارا کیا رویہ ہے۔ اپنے اعزہ کے ساتھ اپنے احباب کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ۔ اپنی اولاد کے ساتھ اپنی قوم کے ساتھ کیا برتاؤ ہے۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تمہارے ہادی مکمل انسان تھے اور صفات الہیہ کے مظہر تھے۔ ان حضرات کا مقابلہ حضرت آدم سے لیکر حضرت قائم تک کوئی فرد بشر نہیں کر سکتا اور تم اپنے کو ان مکمل انسانوں کا شیعہ کہتے ہو۔ آخر کس مناسبت سے۔ صرف یہ کہ زبان سے اعتقادات کا اقرار کر لیتے ہو مگر صحیفۂ عمل بالکل صاف نظر آتا ہے۔ جو جس کا ہوتا ہے اس کے صفات کم و بیش اسمیں ضرور پائے جاتے ہیں مگر تم میں تو محمد و آل محمد کے صفات حمیدہ کی بو باس تک نہیں۔ افسوس صد افسوس

تم ان حضرات کو اپنا کہہ کے ان کے ذوات مقدسہ کی سخت توہین کرتے ہو تم میں اپنی خود غرضی مادہ پرستی بے حسی بے انتہا بڑھ گئی ہے غیبت اور احکام خدا کے خلاف کرنے میں دلیری بے حد ترقی کر گئی ہے تمہاری ہر بات اب صرف رسمی رہ گئی ہے سب کی روح رخصت ہو چکی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خرابی کے وجوہات یہ ہیں

(۱) مغربی تہذیب و تمدن کا عالمگیر اثر (۲) اپنی تہذیب و تمدن کی طرف سے بے حسی و تغافل۔

یہ مسلمہ ہے کہ جسکی سلطنت ہوگی اسی کی زبان لباس تہذیب پھیل جائے گی مگر اس کے قبول کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جن کی تہذیب و تمدن یا تو اس سے اصلاً پست ہوگا یا (۲) اپنے اعلیٰ تمدن و تہذیب سے تغافل و بے حسی ہوگی۔ یہ بڑے مضبوط دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی اسلام کا تمدن و تہذیب و اخلاقی معیار دیگر مذاہب سے بے حد بلند ہے۔ کیوں صرف اسلئے کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ تمہارا دین آج پورا اور مکمل کر دیا اور نعمتیں بھی سب تمام یعنی پوری کر دیں اور دین اسلام سے راضی بھی ہو گیا تو حسب ارشاد رب العزت جب یہ تین خصوصیات دین اسلام میں ہیں یعنی دین اسلام کا مکمل ہونا، نعمتوں کا تمام ہونا۔ دین اسلام سے راضی ہونا۔ یعنی اب اس میں کوئی کمی نہیں رہ گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس اسلام کا جو آج ان تین خصوصیات کا حامل ہے، تہذیب و تمدن و اخلاق کا معیار بہت بلند اور مکمل ہوگا۔ تو جو لوگ اس اسلام کے پیرو ہیں ان کو تو دوسرے مذاہب سے یا دوسرے قوموں کی تہذیب و تمدن کا شکار ہو کر اپنی بلند اور اعلیٰ تہذیب و تمدن و اخلاقی معیار کو بھول نہ جانا چاہیئے۔ اور سلطنت وقت کی تہذیب و تمدن اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ انھوں نے تو مغربی تہذیب کا شکار ہو کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ اپنی تہذیب و تمدن اس سے پست ہے اور یہ بہت بڑا شرمناک مظاہرہ ہے اور قومی ذلت ہے۔ انفرادی تو خیر ہے ہی۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اپنی تہذیب و تمدن بمقابلہ دوسروں کے پست ہیں۔ اب اس تعرذلت میں گرنے کی صرف دوسری وجہ ہے یعنی اپنے اعلیٰ تمدن و تہذیب اور اخلاقی معیار سے تغافل و بے حسی بے شک یہی وجہ ہے اور صرف یہی وجہ۔ اسکے واحد ذمہ دار بچوں کے والدین یا سرپرست ہیں۔

ہماری تعلیم اگر ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہو اپنے فرائض کا احساس ہو قومی ترقی یا تنزلی کا درد ہو۔ اپنے بچوں کے اخلاق درست ہونے کا خیال ہو تو شروع ہی سے وہ یہ رویہ اختیار کریں کہ بچوں کو خدا و رسول قرآن مجید کی صرف عبارت پڑھنے کی تعلیم یعنی دینیات کی تعلیم دیں وہ اپنے بے مثل رہبروں کے سوانح ان کو پڑھائیں اور رفتہ رفتہ ایسی کتابیں پڑھائیں جن سے بچے اپنے اخلاق درست کر سکیں۔ اپنے خدا رسول و ائمہ کو پہچانیں ان کے ارشادات پر عمل کر سکیں۔ کم از کم ۶ برس سے لیکر ۹ برس تک یہ تعلیم بچوں کو دی جائے۔

اس کے بعد اختیار ہے جہاں چاہیں انہیں پڑھوائیں سنگ بنیاد ان کا مضبوط ہو جائے پھر انگریزی مدارس میں پڑھوائیں۔ بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ کم از کم نوے فیصدی ایسے بچے ہوتے ہیں جن کو دینی تعلیم بالکل نہیں دیجاتی بلکہ انگریزی مدرسوں میں تیسری درجہ میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ یہی لوگ آگے بڑھکر دوسروں کی تہذیب کا شکار ہو جاتے ہیں بے حسی کا تو یہ عالم ہے کہ قوم شیعہ کے لیے دینیات کی کوئی مناسب کتاب بھی میسر نہیں مجھے اپنی لڑکیوں کے لئے ضرورت پڑی تو تمام جگہوں میں تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سوائے مولانا فرمان علی صاحب کی کتاب کے کوئی اور کتاب نہیں۔ مولانا فرمان علی صاحب کی کتابوں کو دیکھکر افسوس ہوا۔ کتاب کے مضامین کا عجیب عنوان ہے کسی اصول کے ماتحت نہیں کیا کہا جائے۔ میں نے ایک مجتہد صاحب سے اس بے ربطی کا تذکرہ کیا تو یہ جواب ملا کہ بچے آگے بڑھکر وہ باتیں سمجھ لیں گے جو پانچ برس کے سن میں پڑھی نہیں یہ جواب ناکافی ہے۔ بچوں کو تدریجی دماغی ترقی دینی چاہیئے ان کی عقل کا رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ بڑھنا مسلمہ حقیقت ہے۔ افسوس ہے کہ کسی صاحب کو یہ توفیق نہ[1] ہوئی کہ مختلف عمر کے بچوں کے لیے مناسب طریقے سے اصول کا خیال رکھتے ہوئے دینیات کی کتابیں لکھدیں بہر حال جب اس مشکل میں پڑا تو خود ہی میں نے پانچ حصوں میں ایک دینیات کی کتاب لکھی اور قبلہ وکعبہ جناب مفتی احمد علی صاحب کو دکھاکر ضروری اصلاح کے بعد چھپنے کو دی۔ اس کے علاوہ قرآنی قصص پر بھی میں نے قلم اٹھایا ہے اور ہر قصہ کے آخر میں اس کے اخلاقی اور تمدنی معاشرتی نتائج لکھے ہیں۔

میں اہل قلم حضرات سے اور علمائے کرام سے ملتمس ہوں کہ ان قصص کے نتائج کو ملاحظہ فرماکر ان کے رائے عالی میں جو اور بھی مفید نتائج ہو سکتے ہوں اور جن کا احساس میرے دماغ نے نہیں کیا وہ سب میرے پاس بھیجدیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کر دیا جائے۔ غرض اس کتاب سے میری یہ ہے کہ جو بچے اور بچیاں جنکو قصے اور کہانی کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے وہ ان قصوں کو پڑھیں۔ ان کا دل بھی بہلے گا وقت بھی کٹے گا۔ اور قرآنی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

بہر حال غرض یہ ہے کہ بچوں کو ابتدا میں دینی تعلیم دینا ضروری ہے پھر اس کے بعد اپنے ارادہ دیجئے

---

[1] مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ مقیم بلتستان نے تعلیم اطفال پر بہت مفید کتابیں لکھی ہیں جو عرصہ ہوا لاہور میں چھپکر شائع ہوئی ہیں اور حال میں الہ آباد سے جو کورس شیعہ دینیات کا شائع ہوا ہے اس پر الواعظ نے گزشتہ نمبر میں ریویو کیا ہے۔ ادیٹر

سوانح حیات ان کو پڑھائے جائیں تاکہ ان کی زندگی سے وہ سبق لیں اور ان کے اخلاق درست ہوں۔ نوق صاحب بلگرامی مرحوم کی کتابیں شہدائے کربلا کے سوانح حیات خرید کر پڑھوانا چاہیئے اس تعلیم کے بعد اطفال کو اسکول میں داخل کریں مگر لڑکیوں کو ہرگز اسکول میں نہ داخل کریں ورنہ پھر وہ ایک شریف باحیا۔ باعصمت فرض شناس عورت نہیں نکل سکتی۔ تعلیم نسواں اگر اپنے گھروں پر معلمات کے ذریعہ سے ہو تو کیا کہنا قرآن مجید۔ کچھ حساب تاریخ ہندوستان دنیا کا جغرافیہ تھوڑی فارسی اور سب کے آخر میں لکھنے پڑھنے بھر انگریزی گھر ہی پر پڑھا دی جائے تو وہ ایک اچھی ماں۔ ایک اچھی بیوی اور بہترین گھر کی مالکہ بن سکتی ہیں۔

سینا پرونا اور کھانا پکانا تو ضمناً اس تعلیم میں شامل ہی ہے گھر کے سب کام کرنا چاہیئے نوکر موجود کیوں نہ ہو۔ ان کو ایسی عورتوں کے حالات بتانا چاہیئے جو اپنی سیرت کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ جناب سیدۂ عالم کے حالات خاص طور سے بتانا چاہیئے پردہ ضرور کرنے کی تاکید کرنا چاہیئے۔ یعنی اپنے کو سر سے پیر تک ڈھانک لے۔ دن ہو یا رات۔ اگر شدید ضرورت ہو تو باہر برقعہ میں نکلے بے پردہ سواری پر نکلنے سے باپردہ پیدل چلنا بہتر ہے۔ البتہ تفریحاً ادھر سے اُدھر پھرنا بے ضرورت ہے۔ عورت کے لئے اس کا گھر اصل میں تفریح گاہ ہے۔ وہ چکی پیسے گھر کا سب کام کرے۔ اس میں کافی ورزش ہو جائے گی۔ مکان صاف اور کھلا ہوا ہو تو تندرستی اچھی رہے گی۔ عورت اپنی غرض خلقت پر خیال کرے وہ یہی کہ مرد کی شریک زندگی ہے اس غرض کو کما حقہٗ پورا کر دے۔ مرد کی برابری کا خیال نہ کرے۔ مرد اسکے حاکم ہیں اور اس پر فضیلت رکھتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

از ایم۔ اے اکمل منشی کامل شاہجہانپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ نورانیہ راجکوٹ قوم بوہریر

حضرت یونس علیہ السلام ایک عظیم المرتبت نبی تھے جنکے واقعات زندگی کا اہم ترین باب یہ ہے کہ آپ شکم ماہی میں رہ کر پھر باہر نکلے تھے۔ کوفہ میں دریائے فرات کے کنارے پر ایک عظیم الشان قبہ اس مقام پر بنا ہوا ہے جہاں آپ شکم ماہی سے باہر نکلے تھے اور موصل کے قریب نینوا میں ایک خوبصورت قبر بنی ہوئی ہے جہاں آپ دفن ہوئے تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مسلمہ کتاب میں مندرج ہے اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

مختلف انبیاء کے متعدد صحائف کا مجموعہ عہد عتیق کہلاتا ہے اس مجموعہ میں بعض انبیاء کی کتابیں شامل ہیں

ان میں حضرت یونس علیہ السلام کا صحیفہ بھی شامل ہے جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ شہر نینوا جاؤ اور لوگوں کو ڈراؤ ملاحوں کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کشتی ڈوب جائے گی اپنے اپنے معبودوں کو پکارنے لگے اور جو چیزیں بار تھیں وہ سب سمندر میں ڈالدیں تاکہ وزن کم ہونے سے محفوظ رہے۔

حضرت یونس علیہ السلام سو رہے تھے ناخدا آپ کے پاس پہونچا اور کہا اٹھئے آپ بھی دعا کیجئے پھر سب نے خیال کیا کہ یہ بلا کس کے سبب آئی ہے قرعہ ڈالکر اس کا پتہ لگائیں۔ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ حضرت یونسؑ نے کہا میں خدا سے بھاگا ہوں اس لئے یہ بلا آئی ہے تم مجھے بلا تامل دریا میں ڈالدو۔ انھوں نے حضرت یونس کو دریا میں ڈالدیا اور طوفان رک گیا کشتی تھم گئی۔

حضرت یونس علیہ السلام دریا میں ڈالے گئے تو ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں پہونچکر خدا کے حضور میں دعا مانگی اور تضرع کے ساتھ مناجات کی، اللہ جل جلالہٗ نے آپ کی دعا مستجاب کی اور تین دن کے بعد حسب فرمان الٰہی مچھلی نے آپ کو کنارہ پر اگل دیا اس کے بعد پھر حضرت یونسؑ پر وحی الٰہی نازل ہوئی کہ نینوا جاکر لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نینوا تشریف لے گئے اور وہاں منادی کی کہ ۴۰ دن کے بعد نینوا برباد ہو جائے گا اس ہولناک پیشین گوئی کو سنکر سب باشندوں نے خدا پر اعتقاد کیا اور ٹاٹ کے کپڑے پہنے بادشاہ نے بھی شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا لباس پہنا اور بادشاہ اور ارکان دولت کی طرف سے حکم ہوا کہ سب لوگ روزہ رکھیں اور خدا کے حضور میں تضرع وزاری کریں اور اعمال بد سے باز رہیں امید ہے کہ خدائے تعالیٰ قہر نازل نہ کرے اور ہمیں بخشدے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے حضرت یونس کو رنج ہوا خدا نے اپنے رحم و کرم سے قہر کو ٹال دیا اور شہر سے باہر ایک جھونپڑا بناکر اس میں قیام کیا اور اسکے سایہ کے نیچے اپنی نشست قرار دی۔ خدائے تعالیٰ نے وہاں ایک درخت پیدا کیا جس کے سایہ میں آپ رہنے لگے لیکن ایک کیڑا درخت کو ایسا لگا کہ وہ خشک ہوگیا گرم ہوا چلی جس سے حضرت یونسؑ کو بڑی تکلیف ہوئی اور غش آگیا، خدائے تعالیٰ نے پوچھا کہ تو اس درخت کے خشک ہوجانے سے مغموم ہے جسکو نہ تو نے اگایا نہ تو نے اسکے لئے کوئی محنت کی تو کیا میں اتنے بڑے شہر پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ آباد ہیں اور اس میں مویشی بھی بکثرت ہیں رحم نہ کروں۔

مندرجۂ بالا سطور میں ہم نے حضرت یونسؑ کا مختصر حال لکھدیا ہے جو آجکل مرقعہ اور عیسائیوں اور یہودیوں کی مسلمہ بائبل میں درج ہے۔ اب ہم ذیل میں اسلامی تاریخوں کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

یونس علیہ السلام بن متی، متی باپ کا نام ہے وفات موسیٰ کے آٹھ سو برس کے بعد شہر موصل کے مقام
دجلہ کے اس پار قصبۂ نینوا میں نبی بناکر بھیجے گئے، اور باوجودیکہ اہل نینوا کی فرمائش کے موافق آگ کو پانی میں
ڈبوکر سلگتا ہوا باہر نکال کر اور لکڑی اور ایندھن کے بغیر سلگاکر بطور معجزے کے دکھلا بھی دیا مگر پھر بھی
۳۳ برس کی نبوت اور تبلیغ میں صرف دو آدمی مسلمان ہوئے۔ جب قوم کے ایمان سے مایوس ہوگئے
تو عذاب کی بددعا کی اور تیسرے دن عذاب آنے کی خبر دیکر مع مسلمانوں کے شہر سے باہر چلے گئے جب وعدہ
عذاب کے مقررہ وقت پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو وہ لوگ شہر سے باہر نکل کر توبہ و استغفار کرنے
لگے آخر ان کی بیقراری اور بال بچوں اور ضعیف عورتوں کی آہ و زاری پر اللہ پاک نے رحم فرمایا اور وہ آیا
ہوا عذاب ٹل گیا (یہ دنیا میں ایک ہی واقعہ ہے کہ عذاب اپنے آثار کے نمودار ہونے کے بعد رد کا گیا)
تو ندامت کے مارے حضرت یونسؑ نکل کھڑے ہوئے جب کشتی میں سوار ہوگئے تو کشتی بھنور میں چکر کھانے
لگی اہل سفینہ میں ہل چل پڑی اور یکے بعد دیگرے تین مرتبہ قرعہ انکے نام نکلا اور مچھلی نے نگل لیا، اسوقت اندھیری
رات دریائی اور مچھلی کے پیٹ در پیٹ اندھیروں میں اور بہ گریہ وزاری، لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من
الظالمین" پڑھتے رہے چنانچہ تین یا سات یا چالیس روز کے بعد شام کے وقت مچھلی نے بحکم خدا دریا
کے کنارے اُگل دیا اور کدو کی بیل کا سر پر سایہ ہوا بکری نے دودھ پلایا، جب بدن میں قوت آئی تو
اپنی قوم میں واپس آئے یہ لوگ عذاب کے ٹلتے ہی سنبھل گئے تھے اور اپنے روحانی باپ کی تلاش میں لگے
ہوئے تھے۔ جب ان کو دیکھا تو پاؤں پکڑ لیے اور عزت کے ساتھ بستی میں لائے کچھ دنوں حضرت یونس
علیہ السلام اپنی قوم کے تشرعا بدو زاہد مسلمانوں کو ساتھ لیکر جبل صیہون میں جا ٹھہرے اور عبادت میں مشغول
ہوئے۔ وہیں وفات پائی مزار میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ کوفہ میں ہے اور بعض لکھتے ہیں کہ ایک
قصبہ ہے حلول واللہ اعلم۔ ہم نے اوپر بائیبل اور اسلامی تاریخ کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے ان کتب کے
مطالعہ سے عصمت انبیاء کے خلاف شبہات پیدا ہوتے ہیں اسلام نے ان حالات کو نگاہ اعتبار سے نہیں دیکھا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ۴ مختلف مقامات پر مذکور ہے جن کے پڑھنے سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ حضرت یونسؑ نبی مرسل تھے ہم طوالت کے خوف سے وہ آیتیں درج نہیں کرتے واقعۂ یونسؑ سے
جو افادی پہلو دنیا کے سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) خدا نے اپنے رحم و کرم سے عذاب کو برطرف کیا (۲) حضرت یونسؑ
شکم ماہی میں جانے کے بعد بھی یاد خدا سے غافل نہیں ہوئے (۳) دوسرے مسافروں کے تحفظ میں وہ اپنی قربانی پر تیار
ہوگئے اور کشتی سے اتر جانے میں عذر نہ کیا (۴) ثابت ہوا کہ محافظ حقیقی نے شکم ماہی میں اُنکی حفاظت کی۔
(۵) جانوروں پر انبیاء و اولیاء کا گوشت حرام ہے (۶) حضرت یونسؑ کی دعا لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

[illegible]

معرفت نفس

عالیجناب سید حسین علی شاہ صاحب نقوی زاد مجدہ از دکن

قال عز اسمہ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انس کو مگر (صرف) اس لئے کہ میری عبادت کریں۔ آیۂ وافی ہدایہ میں جسکو ہم خلقت انسان کی علت غائی کہہ سکتے ہیں لفظ لیعبدون کی تفسیر جملہ مفسرین نے لیعرفون کی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل شئی اسی آیہ کا اتباع ہے اور اگر کبھی کسی نے اس سے ذرا سا بھی انحراف کیا تو اس کے یہی معنی ہونگے کہ ایسے شخص نے اپنی خلقت کی علت ہی کو نہیں سمجھا اور ایسے شخص کو ہولاً مخلوق خدا کہلانے کا بھی استحقاق نہیں پیدا ہوسکتا مگر نہ اوری تیری بندہ نوازی کہ تو اس نا فہمی پر بھی ایسے بندوں کو محض اس خیال سے کہ آخر یہ بندے تو میرے ہی ہیں اور میرا کام رزق دینا ہے دنیا میں بہت زیادہ رزق اور خوشحالی بھی دیتا ہے چنانچہ فرعون اور قارون اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

اول الذکر کو تقریباً چار سو سال تک باوجود دعوائے خدائی کی نہ صرف رزق کثیر بلکہ ایک بادشاہت تک دی جس میں زبرجد تک کی کانیں تھیں لیکن بالآخر اس کا اسی دنیا میں جو حشر ہوا اس سے تمام دنیا واقف یعنی مع اپنی تمام قوم کے ڈوب گیا۔

آخر الذکر نے بوجہ تعلیم علم کیمیا بے حد دولت پائی تھی جسکے باعث وہ بہت مغرور اور سرکش ہوگیا تھا۔ مگر جناب موسیٰ علیہ السلام سے سرتابی کے باعث وہ اپنے عالی شان محل و سازو سامان قیمتی زمین میں زندہ دھنس گیا اسی طرح شداد کا بھی حشر ہوا کہ جب اس نے خدا کے مقابلہ میں بہشت بنائی جو کئی برسوں میں تیار ہوئی اور جسپر لاتعداد روپیہ خرچ ہوا تو جب وہ افتتاح جنت کرنے کے لئے اس کے دروازہ پر پہونچا تو ملک الموت نے بغیر داخلہ بہشت اسکی روح قبض کرلی۔

ان تینوں کے دنیاوی حشر بالا کے علاوہ انکو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی دولت و مال بعض وقت انسان کے دونوں جہان کے خسارہ کا باعث ہوجاتا ہے۔ دولت تو عطیہ خدا ہے لہذا اپنی فلاح دارین کے خیال سے اس کا صرف ایسا ہونا چاہئے کہ جسپر شعر ہذا صادق آئے۔

درویش صفت باش کلاہ تتری دار

تب ہی تو کہتے ہیں :- اسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو۔ معز حضرات ہندی کی پرانی مثل ہے "جیسی کرنی ویسی بھرنی۔" اللہ قرآن کریم میں بھی آج سے چودہ سو سال قبل اہل دنیا کو باآواز دہل کہہ رہا ہے "لیس للانسان الا

ماسعیٰ ، یعنی جتقدر انسان (جس میں ترقی کرنے کا مادہ درگاہ احدیت سے ودیعت کیا گیا ہے) کوشش کرے گا اسکو اسی قدر ملے گا اور اگر کوئی شخص کوشش ہی نہ کرے تو اسکو کسی شئی کے حاصل کرنے کا استحقاق بھی نہیں ہو سکتا۔ اس استحقاق پیدا کرنے کی اہمیت انگریزی کے اس جملہ سے بھی روز روشن کی طرح ارباب دانش پر ظاہر ہو جاتی ہے (First deserve and then demand.) یعنی پہلے استحقاق پیدا کرو پھر کسی چیز کی خواہش یا مطالبہ کرو اور سچ پوچھو تو مزہ تو اسی میں ہے کہ استحقاق پیدا کیا جائے ورنہ مصداق (و تعرف الاشیاء باضدادہا کسی شئی کی پہچان اس کی ضد ہی سے ہو سکتی ہے) مزہ کی ضد کیا ہے سب لوگ کہدینگے کہ بے لذت یا تلخ اور ہمارے خیال میں تو کوئی بھی فرد انسان یعنی اشرف مخلوقات اپنی علو مرتبت معطیۂ رب الارباب کے تحت اسکو اپنی ہتک خیال کرے گا کہ اس کی زندگی تلخ یا بے مزہ گذرے (فافہم)

پس اس مختصر سی بحث سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے کہ استحقاق کا پیدا کرنا انسان کے لئے جزو لاینفک کا حکم رکھتا ہے۔

اب ہم پھر اپنے اصل موضوع یعنی "معرفت نفس" پر آتے ہیں وہ یہ کہ پیغمبر اسلام کا قول ہے ما عرفناک حق معرفتک۔ بظاہر تو آیۂ شریفہ عنوان اور پیغمبر صلعم کے ارشاد بالا میں ایک حد تک ضد کا پہلو نکلتا ہے مگر اس پہلو کو آنحضرت نے کیا خوبی و خوش اسلوبی اور آسان طریقہ سے حدیث ذیل میں بیان فرما کر نکال دیا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ پس معلوم ہوا کہ معرفت نفس بعینہ معرفت خدا ہوتی ہے۔ لہذا معرفت نفس کا حاصل کرنا صد درجہ لازم و ضروری ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم یہاں پر حکیم اسلام حضرت علی علیہ السلام کے معنی خیز اور سبق آموز اشعار جن سے انسان کی اصل حقیقت اور اس کے اندرونی ہر قسم کے مادے اور اسکی صلاحیت روز روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے درج ذیل کریں۔

دواءک فیک و ما تشعر ؛ و داءک منک و لا تبصر
و انت الکتاب المبین الذی ؛ باحرفہ یظہر المضمر
و تزعم انک جرم صغیر ؛ و فیک انطوی العالم الاکبر

انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تیرا علاج تجھی میں ہے جس کا تجھے شعور نہیں ہے اور تیرے امراض بھی تیرے ہی سبب سے پیدا ہوتے ہیں جن کی تجھے سوجھ بوجھ نہیں ہے جسکے حروف سے پوشیدہ کا ظہور ہوتا ہے، تو اپنے آپ کو چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے، حالانکہ ایک عالم تجھ میں سمایا ہوا ہے۔"

ان اشعار سے ہر صاحب دل مسلم پر انسان کی اندرونی حالت اور اس کی دقتی اصلاح یا امداد تو بظاہر ایسا ہے کہ جاذب قلوب مومنین ہوکر ہر وقت ان کو اپنی بلند مرتبت کے علی حالہ قائم رکھنے کے لیے بدل راغب و مائل کر سکتا ہے اور اگر اس سے کماحقہ استفادہ کیا جائے تو حضرت انسان بہت سے گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ انسان تین قسم کے ہیں یعنی انسان طبیعی ۔ انسان نفسی۔ انسان عقلی چنانچہ قرآن مجید کی آیۂ ذیل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے قال عز وجل وکنتم ازواجا ثلثۃ فاصحب الیمین ما اصحب الیمین واصحب المشئمۃ ما اصحب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئك المقربون یعنی اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جو سابقون سے استماع موعظہ کرتے ہیں اور انکا نفس انکی طبیعت پر غالب ہے اور وہ لوگ حق و باطل میں فرق کرکے ان کے (سابقون) فرمان کی اطاعت کرتے ہیں۔ انسان نفسی ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔ چنانچہ اہل جہنم کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں فقط انسان طبیعی ہی ڈالا جائے گا بقولے لوکنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحب السعیر۔ یعنی اگر ہم بھی انسان نفسی اور عقلی کی تربیت کرتے تو آج اہل جہنم سے نہ ہوتے۔ چنانچہ آیۂ مذکورۂ بالا میں خدائے رحمٰن نے بوجہ عالم الغیب ہونے اہل جہنم کے قول تک کو ذکر کرکے ہم تمام کے کان کھول دئے ہیں کہ اے میرے بندو تمکو لازم ہے کہ اپنے نفوس کو حتی الوسع پاک و صاف رکھکر اس کو بالآخر نفس مطمئنہ بنا کر میرے بندے بنکر میرے بہشت میں داخل ہو جاؤ پس معلوم ہوا کہ داخلۂ جنت کے لیے اس کا بندہ بننے کی ضرورت اور تاوقتیکہ انسان نفس کو نفس مطمئنہ نہ بنائے وہ اصولاً اُس کا بندہ بھی نہیں کہلا سکتا۔ اسی بندگی اور اطمینان نفس کو بموجب ارشاد نبوی بعینہ معرفت خدا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص نے رسول خدا سے دریافت کیا کہ خدا بروز قیامت ہم سے کیا دریافت کرے گا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کہیگا میں بیمار تھا اور تو نے مجھے نہ دیکھا۔ بندہ عرض کرے گا کہ تو تو خود شافیٔ مطلق ہے بھلا میں کیسے تجھکو دیکھتا۔ اسپر خدا ایک بیمار شخص کو بتلا کر کہے گا یہ بیمار تھا تو نے اس کو نہ دیکھا اگر تو اسے دیکھتا تو گویا مجھے دیکھتا۔ اسی طرح سے خدا بھوکے پیاسے اشخاص کو بتلا کر ارشاد کرے گا کہ اگر تو ان کو کھانا یا پانی پلاتا تو گویا مجھے کھلاتا اور پلاتا۔ مگر چونکہ تو نے اس کی بھوک اور پیاس کا دفیعہ نہ کیا گویا تو نے مجھے نہ کھانا کھلایا اور نہ پانی پلایا گمراہ کو راہ راست پر لانے کی بھی قرآن میں ہدایت دی گئی ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ جب تم گمراہ کو دیکھو تو اسکی ہدایت کیا کرو ورنہ تم پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہوا ہے کہ جب میری امت میں گمراہی پھیلے تو تم کو ہدایت کرنی چاہیئے ورنہ تم ملعون ہو مفصلۂ بالا ارشاد ربانی اور حدیث نبوی سے تو عالم اسباب کی حقیقت ظاہر ہوکر ہر ذی فہم اور صاحب

مقدست مسلمان کو مستحقین کی ہر قسم کی جائز اعانت اور رعایت کی طرف بہ دل راغب کرتی ہے۔ چونکہ خدا شے پاک جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اس لئے حضرت انسان کو کار اجرائے بندگان خود کے لئے (جن سے اُس کو بمقابلہ و الدین دنیا، کو نہ زیادہ محبت ہے اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا بندہ بھی اس سے محبت کرے بقولے حدیث قدسی یا ابن آدم انا وحقی علیک محبا فبحقی لک لی محبا یعنی اے ابن آدم تم تجھے اپنے اس حق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پس میں تجھے اسی حق کی قسم دیتا ہوں کہ تو بھی مجھ سے محبت کر) بحیثیت اپنے نمایندے کے اپنے غریب بھائیوں کی اعانت کا حکم دیتا ہے۔

بقولے حدیث قدسی المال مالی والفقراء عیالی والاغنیاء وکلائی یعنی مال میرا مال ہے اور فقرا میرے عیال ہیں اور دولتمند لوگ اس دنیا میں میرے نمایندے ہیں۔

حضرات! یہ ہیں صاف اور صریحی احکام ربانی در بارۂ ادائی حقوق عباد۔ خدا واقعی غفور الرحیم ہے مگر اپنے گناہوں کی حد تک نہ کہ عدم ادائی حقوق العباد کے لئے اگر خدا ان سے بھی درگذر کرے تو اس کے عدل میں فرق آجاتا ہے۔ اس سے تو اس امر کا بھی صاف پتہ چل جاتا ہے کہ جبتک بندہ اپنے حقوق کو نہ بخشے خدا بھی نہیں بخشے گا۔

پس ہم تمام پر واجب و لازم ہے کہ ہر وقت و ہر آن حقوق العباد کی ادائیگی میں حتی الوسع کوتاہی نہ برتیں۔ کاشکہ اہل دنیا بالعموم اور اہل اسلام (جن کے لئے خود خدائے پاک نے دین اسلام پسند کیا ہے (رضیت لکم الاسلام دینا) بالخصوص ہر دو احادیث قدسی بالا پر بھی امکانی حد تک عمل کرتے تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں دوسرے ہی رنگ کا ہر جگہ جلوہ ہوتا یعنی ہر فرد بشر ہمیشہ ادائی حقوق العباد کو اپنا نصب العین قرار دے کر مستحقین کی حتی الوسع جائز امداد اور گمراہوں کو راہ راست پر لا کر ایسی زندگی بسر کرتا جو مقصود خداوندی تھی ہمارے ہادیان طریقت نے تو بذات خود صدہا ایثار برت کر ہم لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہمیشہ کے لیے روشن کر دی ہے۔

ہم یہاں پر حکیم اسلام حضرت علی علیہ السلام کے صرف ایک ہی ایثار کا ذکر کرتے ہیں، وہ یہ کہ ایک مرتبہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا بیمار ہوئیں اور جناب امیرؑ سے کہا کہ یا ابوالحسن میرے واسطے انار لائیے۔ جناب امیر علیہ السلام کہیں سے انار لیکر گھر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص نے گھر سے نکلنے کی وجہ آنحضرت سے دریافت کی تو مولائے متقیان نے حقیقت حال اس سے بیان کر دی جس پر اس شخص نے عرض کیا کہ مولا میری بیوی بھی بیمار ہے اگر آپ اس کے لئے بھی انار مرحمت فرمادیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ مولا نے کونین و دختر رسول پر اُسکی بیوی کو ترجیح دیتے ہوئے انار اُس شخص کو دیکر خالی ہاتھ گھر لوٹے۔ اس میں تو کلام

نہیں کہ اس قسم کا ایثار تو ان ہی مقدس و معصوم ہستیوں کا حصہ تھا مگر تاہم بحیثیت ادنیٰ غلام علی ابن ابی طالب ظرفی حد تک ایثار برتنے کی ہماری بھی تو کچھ ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر ہم لوگ بھی اسی ظرفی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں تو بہت ممکن بلکہ گمان غالب ہے کہ ہماری دیکھا دیکھی دیگر دردمند دل حضرات بھی ہماری دیکھا دیکھی اپنے فرض انسانیت کو بطفیلہ ادا کر کے قوم کی نکبت و افلاس کا قلع قمع کر کے دونوں جہانوں میں انشاء اللہ سرخرو ہوں گے۔

محترمی پنڈت ویاس دیو صاحب مصر ایڈووکیٹ دہلی نے الواعظ محرم نمبر میں اپنے پُرمغز مضمون، "حسینیت اور دنیاوی مذاہب" کے ضمن میں علاوہ اور نصیحت آموز باتوں کے کیا خوب اور دل کو لگنے والی بات فرمائی ہے "کہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حسینؑ کی ذات ابھی یقیناً محتاج تعارف ہے"۔ بات تو در اصل یہی ہے اور ہمارے نزدیک تو یہ ہمارا قومی مرثیہ ہے۔ حضرات! اس شہید اعظم کو جس نے اپنی تمام زندگی بھر اپنے تئیں ہر طرح کی انسانی فرائض بدرجۂ اتم ادا کر کے تمام دنیا کو سبق دیا اور کھلے الفاظ میں بتایا کہ جب کبھی حق و باطل کو باہم نبرد آزما دیکھو تو تم کو چاہیئے کہ حق کا دامن ہرگز نہ چھوڑو چاہے تم کو اس کے لئے اپنی جان عزیز ہی دینی پڑے اگر دنیا کے لوگ بالعموم اور اہل اسلام بالخصوص اس سبق حسینی پر اپنی امکانی حد تک عمل کریں تو ہر ذی فہم شخص حقوق العباد کی ادائیگی اور پیروی حق کو اپنا طرۂ امتیاز بنا کر عالم اسباب کی علت غائی کو سمجھ کر خود کو اس مصرع کا مصداق بنائے۔ عبادت بجز خدمت خلق نیست

اب ہم خاص اسلامی عقیدے سے حسینؑ کی معرفت کی اہمیت پر عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ خواجہ اجمیری رح نے حسینؑ کو بناء لا الٰہ کہا ہے۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ اصل شئی توحید باری تعالیٰ ہے۔ اور اسی کو اہل اسلام کلمہ کہتے ہیں اور بالعموم ہر مسلمان یہی کہتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ پڑھنا نصیب ہو مگر حضرات تاوقتیکہ تمام چیزوں کی نفی نہ کی جائے اسی کلمہ کے آخری ٹکڑے یعنی "الا اللہ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا اس آخری حصہ کو شرمندۂ معنی کرنے کے لئے ہر مسلمان پر شرعاً واجب ہو جاتا ہے کہ الٰہ کے مطلب کو سمجھ کر حتی الوسع ان تمام چیزوں کی نفی کرے جو اسکی راہ میں مانع و مزاحم ہو سکیں یعنی اتباع خواہش نفس۔ سرکشی۔ تکبر و غرور (فافہم)

پس معلوم ہوا کہ حسین علیہ السلام کی معرفت کوئی بچوں کا کھیل یا آسان بات نہیں ہے بلکہ اس کو تو ہم نہایت کٹھن اور مشکل تک بالکل بجا طور پر کہہ سکتے ہیں وجہ ظاہر اور سمجھنے کی بات ہے کہ وہ یہ کہ چونکہ نفی مطلق کے بغیر کوئی شخص اَلّا اللہ کو کما حقہ سمجھ نہیں سکتا اور حسینؑ نے بدرجۂ کمال نفی مطلق کر کے خواجہ اجمیری کی عقیدتمندانہ زبان سے انکو (حسین) بناء لا الٰہ کہلوایا ہے۔ لفظ بناء کے معنی جڑ کے ہیں اور کسی درخت کو حقیقی معنوں میں

بارآور کرنے کے لیئے اسی جڑ کی کمال حفاظت کی بالعموم تاکید بھی کی جاتی ہے چنانچہ انگریزی میں بھی اسکو کیا خوبی اور خوش اسلوبی سے کہا گیا ہے۔ Take care of the root and the branches will take care of themselves
یعنی جڑ کی حفاظت کرو شاخیں خود اپنی حفاظت کرینگی۔

پس جبتک ہم لوگ اپنی امکانی حد تک نفی نہ کرینگے ہم لوگ حسین کی ذات بابرکات کی معرفت سے صورۃً و شرعاً قاصر و مقصر رہیں گے۔ بالعموم اہل اسلام نے نفی مطلق کرنے کی اہمیت کو کماحقہٗ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اگر ایسا بتوفیق ایزدی کیا جاتا تو پھر اہل اسلام میں ہمدردی امداد باہمی مہر و مروت اور حسن سلوک کے سوا کسی اور شئی کا جلوہ ہی نہ ہوتا اور تب اہل اسلام ان صفات پر عامل ہو کر بحیثیت مبلغ اسلام (ہر مسلم حتی الامکان بحکم محکم خدا تبلیغ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے ملاحظہ ہو ہمارا مضمون "تبلیغ یا محبت دینی" شائع شدہ رسالہ برہان بابت ماہ جون و اگست ۱۹۴۶ء) دیگر مذاہب کے محققین اور جویائے صداقت کو بھی حسینیت کا سبق دے سکتے جو بحیثیت انسان سازی اور محسن انسانیت کا مترادف ہے۔
ہمارے اس خیال کی کیا خوب آنریبل سر جارج تامس چیف جج نے اپنی مملو بصداقت رائے میں تائید فرمائی ہے

"حسین نے دوسروں کے لئے اور حق و انصاف کی بے بہا خوبیوں کو باقی رکھنے کے لیے اپنی زندگی قربان کر دی لیکن ان کی لافانی روح ساری دنیا میں کروڑوں انسانوں کے دلوں پر اب بھی حکمرانی کر رہی ہے"۔

(ماخوذ از البرہان ماہ دسمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۰)

یہ بیش بہا رائے تو ایسی ہے کہ جس سے تمام اہل دل مسلم حضرات بمصداق "خذ ما صفا و دع ما کدر" اچھا خاصہ سبق حاصل کر کے دریائے معرفت حسینؑ میں اپنی امکانی حد تک غوطہ لگا کر اپنے قلوب کو بفضلہ اور ان ہی حسین کی باطنی توجہ سے پاک و صاف کر سکتے ہیں فہو المراد و ہو المستعان۔ پس معلوم ہوا کہ موجودہ زمانہ کے ماحول کے پیش نظر جس کا ایک حرف کی صراحت بھی ہمیں تو لرزہ براندام کر دیتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ بعض مسلمان حضرات فی زمانناً نماز جیسے ستون دین کو گراتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ بالخصوص ایسے حضرات جو سید کہلاتے ہیں ان کو تو بطور خود ٹھنڈے دل سے اپنے لمحات فرصت میں غور کرنا چاہیئے کہ محرم میں جن مجالس عزا میں یہ حضرات شریک ہوتے ہیں وہ کس کی یادگار میں قائم کی جاتی ہیں۔
تمام لوگ متفق ہو کر کہدینگے کہ یہ مجلس مولائے حسین ہے جس نے تیروں کی بارش میں نماز ظہر ادا کی بقول "وہ غل ہوا اس کو امام دو جہاں کہتے ہیں"، جنکے سامنے ہی تکبیر اذاں کہتے ہیں

آخر وہ حضرات نماز میں واصل بحق ہوئے تو کیا ایسے امام کو زبان سے مفترض الطاعۃ کہنا ہی کافی ہو سکتا ہے؟ ہم تو باتباع ارشاد ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمۃ اعملی۔ اعملی۔ اعملی۔ بدرسول خدا کے ادنیٰ غلاموں کے غلام ہونے کی حیثیت سے ادباً عرض کرینگے کہ عمل اور عمل صالح کی بدرجہ اتم ضرورت اور نماز سے بڑھ کر کوئی اور عمل خدا کے نزدیک زیادہ مقرب نہیں ہے اور روز محشر سب اول اسی کی پرسش کی جائے گی۔

روز محشر کہ جانگداز بود　　　اولیں پرسش نماز بود

بقول جناب مصر اصاحب کہ "حسینؑ کی ذات ابھی یقیناً محتاج تعارف ہے" اصولاً وفرعاً بالکل بجا ودرست ہے۔ جب ایسا ہے تو کیا ہم لوگوں پر اُن حسینؑ کا تعارف (جو معرفت خدا پر منتج ہوتا ہے) جس نے دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں سے بڑھ کر ہر قسم کے مصائب وآلام اپنے بچوں اور اصحاب کی قربانی اور بالآخر اپنی شہادت سے بطیب خاطر قبول کیا۔ اور جس کی شفاعت کے ہم سب متمنی بھی رہتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں کہ ہمارا حشر محمد وآل محمد کے ساتھ ہو واجب نہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے خیال میں تو کوئی بھی فرد انسان بالعموم اور مسلم بالخصوص اس کا جواب نفی میں نہ دیگا بلکہ اپنے دل سے کہے گا کہ یقیناً واجب۔ پس جب کسی شئی کا وجوب ثابت ہوا تو اُس سے عہدہ برآ ہونے کے لیئے اس کے مقدمات یا مبتدا پر عمل بھی واجب ورنہ مبتدا کے بغیر خبر کا حاصل ہونا اصولاً تحصیل حاصل ہے۔ جہانتک بتوفیق ایزدی ہو سکا ہم نے معرفت نفس پر سطور بالا حوالۂ قلم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ معزز دوستو! زبانی جمع خرچ سے نہ کبھی کوئی کام چلا ہے نہ چل سکتا ہے۔ ضرورت عمل اور عمل صالح کی ہے۔ تیرہ سو سال سے اہل دنیا حسینؑ کے کارہائے نمایاں کو سنتے آرہے ہیں اور تقریباً ہر ہوشمند مسلمان ان واقعات سے ہر سال واقف ہوتا رہتا ہے جو محرم کے ابتدائی ایام میں گذرے اور جو دربار ابن زیاد و یزید میں رونما ہوئے ان تمام سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے کہ حق ہی کو ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ یزید کو بظاہر تو فتح ہوئی مگر کون شخص آج ایسا ہے جو یزید کو اچھا کہتا ہو۔

جناب امام زین العابدینؑ اور جناب زینب وام کلثوم علیہم السلام نے تو بلا خوف تردید و نیوی جلال کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے یزید کے فعل لعین یعنی قتل حسینؑ کو سراسر منافی اسلام کہا۔ خدا کے برگزیدہ بندگان کسی زمانہ میں بھی حق گوئی سے باز نہیں رہے۔ پس ہم لوگوں کو بھی اصولاً و فرعاً حد تک گمان حق کرنے کی سعی تا مشکور نہ کرنے کی جرأت نہ کرنی چاہیئے ورنہ معاذ اللہ ہماری اس قسم کی حق پوشی احکام خدا کے سراسر منافی ہوگی جاء الحق وزہق الباطل۔ اگر بندگان خدا اُس کو دل سے قادر مطلق رزاق حقیقی وجمیع امور انسانی

کو اس کے احکام سے روگرداں کر سکے۔ ہم اس مضمون کو مولانا محمد علی مرحوم کے شعر پر ختم کرتے ہیں :-

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

خدائے پاک ہم تمام کو اپنی امکانی حد تک اسلام کے باقی رکھنے کی توفیق سے بحق محمدؐ و آل محمدؐ موفق فرمائے۔

قصیدۂ قلق مرحوم لکھنوی

ہوا آغاز و انجام اس طرح سے نظم خلقت کا
نبیؐ مقطع رسالت کا علیؑ مطلع امامت کا

کرے کیا وصف انساں اُسکی اوج کاخ عزت کا
فلک زینہ ہے جسکے بارگاہ عرش رفعت کا

جو ذات پاک ختم المرسلیں ہی مطلع اوّل
تو حیدرؑ حسن مطلع ہے بیاض نظم قدرت کا

روا ہے بے خود ان عشق حیدرؑ کو اُدھر سجدہ
نجف ہے قبلۂ ایماں ادب داں محبت کا

فضائے عالم قدسی رواق پاک رکھتا ہے
کہ جبرئیل امیں جاروب کش ہی صحن قدرت کا

وہ گل ہے گلشن صنع الٰہی کا میرا مولا
کہ مرغ سدرہ اک بلبل ہے جسکے باغ قدرت کا

ہوئے مفلس غنی تیرے کرم کے دور میں ایسے
طمع کا نام دل سے پھر گیا ارباب حاجت کا

دیار شرع ہے آباد بند و بست سے تیرے
تمہی عہدہ ہے سلطان رسولاں کی وزارت کا

پڑی جب درمیاں دم میں نکالا حق کو باطل سے
یہ اک ادنیٰ سا جوہر ہے تری تیغ عدالت کا

علیؑ مرتضیٰ کو زیب ہے شان ید اللّٰہی
کہ وہ ایک پنجۂ دست و کار کن ہے دست قدرت کا

جہاں اُسکی بدولت نقد ایماں سے ہوا فائز
کہ تھا وہ سینۂ بے کینہ گنجینہ ہدایت کا

مدرسۃ الواعظین کے پہلو میں جو جدید عمارت ہنندہ حضرات تعمیر کر رہے ہیں اُس کے روبرو ایک قدیم پیپل کا درخت تھا جس کی ٹہنیاں روشنی کے ستون اور بجلی کے تاروں سے ٹکراتی تھیں حکومت نے گذشتہ اپریل میں اس درخت کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیا اور الحمد للہ کہ کوئی بدمزگی پبلک میں پیدا نہیں ہوئی۔

رپورٹر

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب پنشنر جج غازی پوری

ملک پر تو شیشہ کا تانبہ کا یا کسی اور شئی کا ہو اُس میں برف رکھئے یا آگ تھوڑی دیر کے بعد دیکھیں گے کہ گلاس کے باہر سردی یا گرمی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مسامات میں سے برودت یا حرارت داخل ہو کر دوسری طرف پہونچی۔ اور پہونچی تو اپنا اثر دکھائے گی۔ اور مسامات میں سے نفوذ نہ کر سکے تو دوسری سمت کچھ بھی اثر نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی عالم میں ایسی ہو جس میں برودت یا حرارت اثر نہ کر سکے اور وہ فرشتہ کے جسم کے دونوں حصہ کے درمیان میں ہو اور اسوجہ سے برف کا اثر آگ پر اور آگ کا برف پر نہیں ہوتا تھا۔ اور اس فرشتہ کے دکھلانے سے یہ مقصود ہو کہ ایسی شئی بھی عالم میں ہے۔ کوشش کر کے دریافت کرو اور اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ یا یہ غرض رہی ہو کہ روحانیت سے اس کا امکان ہے۔ روحانیت میں ترقی کرو۔ تو ضدین کو مجتمع کر سکتے ہو۔ خاص خاص جو چھوٹی کی باتیں تھیں وہ اوپر دکھائیں۔ اور یہی چند باتیں معراج میں بتائی گئیں۔ جو انسانی زندگی کے لئے کار آمد ہیں۔ ان میں سے ایک یہ اجتماع ضدین تھا۔ اور لیجئے۔

خدا نے پیدا کیا ہے وہ رزق دیگا۔ رسول نے سدرۃ المنتہیٰ پر ایک درخت دیکھا کہ اُس میں خوردنی اشیاء پیدا ہوتی ہیں اور کہا گیا کہ یہ اطفال کے لئے ہے۔ عرب اولاد مفلسی کی وجہ سے مار ڈالتے تھے یہ بتایا گیا کہ خدا نے پیدا کیا ہے وہ رزق دیگا۔ اس کی فکر نہ کرو۔ واقعی خدا خالق ہے اور اسے سب مانتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کوئی شئی بنائیں اور اس کے قیام کے لئے جو ضروری شی ہے اس کی فکر نہ کریں۔ اگر ایسا کریں تو یہ حماقت پر دال ہے۔ پس یہ کیسے گمان کر سکتے ہیں کہ خدا نے پیدا کیا مگر وہ رزق نہ دے گا۔ مگر اسکے معنی قوت لایموت کے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہم کو تعیش کا سامان ملے۔ یہ خدا پر ہرگز فرض نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ چاہتے ہو تو سعی کرو۔ قرآن میں صاف صاف ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ یہ بغیر کوشش کے نہیں ملنے کا۔ یہ قوت لایموت میں نہیں شامل ہے نہ یہ خدا پر فرض ہے اور نہ اس کا اُس نے وعدہ کیا ہے۔ اُسے خوش کرو سعی کرو۔ ممکن ہے وہ دے۔ اگر اس کی مصلحت ہو۔

روح کی پرورش کی ضرورت ہے۔ معراج میں رسول سے خدا نے کہا سبوح قدوس ربنا رب الملٰئکۃ والروح۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح کی پرورش خدا کرتا ہے۔ اور روح کی پرورش کی ضرورت ہے

ایسی ہی ملائکہ کی حالت ہے پس ملائکہ اور روح حاجت سے مستغنی نہیں ہیں۔ پرورش کی محتاج ہیں یہ نہیں معلوم کہ
انھیں کس قسم کی پرورش کی ضرورت ہے مگر ہے ضرور۔

اس سے کم سے کم دو سبق ملتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب ملائکہ اور روح سب اپنی پرورش کے لئے خدا کے
محتاج ہیں تو حضرت انسان کیا چیز ہیں جو نہوں۔ ملائکہ اور روح میں زیادہ قوت ہے انسان میں۔ تجربہ اور عقل
تو یہی کہتی ہے کہ ملائکہ اور روح میں زیادہ قوت ہے۔ جب ان میں زیادہ قوت ہے اور خدا کے محتاج ہیں
اور اس سے مستغنی نہیں ہیں تو انسان کیا چیز ہے جو مستغنی ہو۔ کسی انسان کو وہ کسی درجہ پر مادیت یا روحانیت
میں ہو یہ خیال ہی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ خود۔ کوئی اُسے دیتا نہیں ہے۔ یا خدا سے وہ
مستغنی ہے اور خدا کی اُسے حاجت نہیں ہے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ روح اور ملائکہ خدا کے محتاج ہیں۔ لہٰذا انھیں ہرگز الوہیت کے درجہ پر نہیں ملنا چاہیئے
خدا اسی کو مانو جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ اُس سے زیادہ کوئی قوی نہو۔ کوئی اُسے روک نہ سکے کسی اور کے لئے
مجبور نہ کر سکے۔ اور اگر یہ صورت نہیں ہے تو ایسے کو خدا ماننا اور اُس کی پرستش کرنا عبث ہے۔ اگر جو
اس سے قوی ہے اس کا یہ محتاج ہے ناخوش ہوا تو یہ جو قوی نہیں ہیں اور محتاج ہیں ہم کو ہرگز کوئی فائدہ
نہیں پہونچا سکیں گے بلکہ ممکن ہے کہ مجبور ہو کر نقصان پہونچا دیں۔ پس ملائکہ اور روح کی ہرگز پرستش زیبا
نہیں ہے۔ صرف خدا کی پرستش کرنی چاہیئے۔ نہ کہ اور کسی کی وہ کوئی کیوں نہ ہو۔

خدا کی رحمت غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ اوپر جو الفاظ درج کئے ہیں وہ کہنے کے بعد
خدا نے یہ بھی فرمایا کہ سبقت رحمتی علی غضبی میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ یہ بھی
واقعہ ہے کہ لوگ کس قدر خدا کی نافرمانی کرتے ہیں پھر بھی وہ فوراً سزا نہیں دیتا۔ مہلت دیتا ہے۔ یہ رحم نہیں
تو اور کیا ہے۔ اگر وہ فوراً سزا دے اور گناہوں سے درگزر نہ کرے تو کوئی بھی ایسا ہے جو سزا سے بچے۔ لیکن اگر
کوئی گناہ کیا ہے تو اس حکم کے بموجب اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ توبہ و استغفار کرو۔ اپنے اعمال
کی اصلاح کرو۔ ممکن ہے اس کی رحمت جوش میں آئے۔ اور وہ معاف کر دے یہی قرآن میں بھی ہے لاتقنطوا
من رحمۃ اللہ اسکی رحمت سے مایوس نہو لیکن خدا کا غضب بھی ہے۔ رحمت پر نازاں نہ ہو۔ اس حد
تک مسلسل نافرمانی و معصیت کا ارتکاب نہ کرو کہ اُس کا غضب جوش میں آئے اگر غضب جوش میں آگیا تو پھر پناہ
نہیں کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔

خدا کے ہو تن ہو جاؤ تو ہر رفعت میسر ہے۔ حضرات شیعہ کے یہاں روایت ہے
کہ رسول نے معراج میں ہر آسمان پر ایک خاص قصر دیکھا اور کہا گیا کہ جانا بنی ہاشم میں سے ایک کا ہے

آخر میں بتایا گیا کہ یہ قصور حضرت علیؑ کے لئے ہیں۔

میں غور کرنے سے یہ سمجھا ہوں کہ اس سے بھی ایک خاص سبق ہے۔ معراج سے بہت سے سبق دیے گئے ہیں جیسا دکھاتا چلا آرہا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ حضرت علیؑ کا ایسا کون تھا جس نے اپنے کو راہ خدا میں ہر طرح سے وقف کر رکھا تھا۔ اپنی جان، اپنا مال، اپنی اولاد سب وہ راہ خدا میں دینے کو تیار تھے۔ خدا کی راہ میں اُنھیں کسی بات میں کوئی عذر نہیں تھا مال سے کبھی انھوں نے دریغ نہیں کیا آپ ہر طرح کی تکلیف اُٹھائی مگر خدا کی راہ میں دینے میں مطلق پس و پیش نہ تھا۔ گھر بھر کو تین روز سے فاقہ ہے سوائے پانی کچھ نہیں پیا نہ کھایا مگر کھانا سامنے ہے سائل سوال کرتا ہے اٹھا کر دیدیا جاتا ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ کوئی صاحب ایسا کر سکتے ہیں۔ مشکل سے مشکل موقع ہو۔ سخت سے سخت جنگ ہو۔ سب کو پس و پیش ہو مگر علیؑ ہمیشہ کیسا ہی قوی دشمن کیوں نہ ہو اُس سے راہ خدا میں جہاد کے لئے سب سے آگے موجود جان کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

غرضکہ علیؑ ہمہ تن ہر وقت خدا کے لئے تھے کسی شئی سے مطلق دریغ نہ تھا ایک دو آسمان پر قصر ہوتا تو کوئی بات نہ تھی ہر آسمان پر علیؑ کے لئے قصر ہونا کیا معنی۔ کوئی بات ہے میں تو اس کے یہ معنی سمجھتا ہوں کہ اگر ہمہ تن خدا کے ہو جاؤ کسی شئی سے اس کی راہ میں دریغ نہ کرو تو عالم میں کوئی رفعت ایسی نہیں ہے جو تمہارے لئے میسر نہ ہو سکے اور تمہارے لئے موجود نہ ہو۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہمہ تن اُس کے ہو جاؤ۔ محض زبان سے نہیں دل سے۔ تو پھر کوئی شئی ایسی نہیں جو خدا تم کو نہ دے۔

طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہ دو۔ معراج کے واقعات بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے جو بات خدا نے رسولؐ سے کہی وہ یہ تھی کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ خدا کسی نفس کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ خدا نے اپنا قاعدہ بتایا۔ قرآن میں بھی اسکی آیت موجود ہے جتنی شرعی باتیں ہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس حالت میں کریں یا نہ کریں۔ صرف یہ دیکھو کہ اسکے کرنے کی طاقت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ واجب واجب ہے ضرور کرو۔ اگر طاقت نہیں ہے تو کوئی واجب واجب نہیں ہے ترک کر سکتے ہو۔ نماز روزہ۔ جہاد حج۔ زکوٰۃ انفاق وغیرہ سب کے لیے یہ قاعدہ ہے۔

یہ نہایت زریں اصول ہے۔ اگر کسی کو اُسکی وسعت سے زیادہ تکلیف دو گے تو نتیجہ کیا ہوگا۔ یا تو وہ کام چھوڑ بیٹھے گا کرے ہی گا نہیں یا کسی طرح کرے گا تو نہایت بددلی سے۔ ممکن نہیں کہ خلوص باقی رہے۔ جب خلوص باقی نہ رہا تو بات کیا ہوئی۔

استفسار

از قلم حقیقت رقم جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ و مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ مقیم اسکردو تبت

سوال ۱ ۔ میت کے لئے قبر کس طرح کھودی جائے مشرق و مغرب یا جنوب و شمال اور میت کا سر کس طرف ہونا چاہیئے اور پیر کس جانب ہوں ۔

جواب ۱ حکم شریعت یہ ہے کہ قبر میں میت قبلہ رو ہو۔ سر داہنی طرف اور پیر بائیں طرف ۔ قبلہ مکہ معظمہ میں واقع ہے جس کا نام خانۂ کعبہ ہے اسکے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال ہر طرف آبادی ہے ۔ اسلئے اہل مغرب کا قبلہ جانب مشرق ہوگا اور اہل مشرق کا قبلہ جانب مغرب ہوگا اور اہل شمال کا قبلہ جانب جنوب اور اہل جنوب کا قبلہ جانب شمال ۔ اسی طرح ان چاروں جہتوں کے درمیان گوشوں کا قبلہ اسکے بالمقابل گوشہ کی طرف ۔ ہندوستان کسی قدر تفاوت کے ساتھ خانۂ کعبہ کے مشرق میں واقع ہے اسلئے اس کا قبلہ جانب مغرب اسی تفاوت کے ساتھ ہوگا جس قدر تفاوت سے جو ملک واقع ہو ۔

ہندوستان کی ہر قبر جنوب و شمال کھودنا چاہیئے ۔ میت کا سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف میت کا سر و سینہ اس طرح کروٹ سے ہونا چاہیئے کہ منھ قبلہ کی طرف ہو ۔ یہ وہ حکم شریعت ہے جو تمام کتب حدیث سے ثابت ہے ۔

البتہ غسل کے وقت میت کا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف ہونا چاہیئے ۔ تب وہ رو بقبلہ سمجھا جائے گا ۔

سوال ۲ ۔ قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر اذان دینا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں ۔

جواب ۲ ۔ قبر پر اذان دینے کا حکم شریعت سے ثابت نہیں ہے نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے ۔ البتہ یہ ایسا فعل بھی نہیں ہے جسے حرام کہا جا سکے ۔ ہاں تلقین پڑھنا سنت ہے ۔

سوال ۳ ۔ میت کے ساتھ قبر میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے یا نہ ۔ اور آیا وہ میت کی مغفرت کا وسیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں ۔

جواب ۳ ۔ میت کے ساتھ قرآن مجید قبر میں رکھنا جائز ہے ۔ اور اگر میت میں اپنے اعمال کی بدولت وسیلہ کی مدد سے مغفرت کی اہلیت اور قابلیت ہو تو قرآن مجید اس کی مغفرت کا وسیلہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن اس سے کسی کافر یا منافق یا بے انتہا بداعمال کو فائدہ نہیں ہو سکتا ۔

سوال ۷۴۔ نماز قضا والدین کس پر واجب ہے اور کس طرح۔

جواب ۷۴۔ نماز قضا والدین بڑے لڑکے پر واجب ہے خواہ خود ادا کرے یا اجرت دیکر دوسرے شخص سے ادا کرائے۔ اور یہی صورت روزہ کی ہے۔ جو نمازیں یا روزے ماں یا باپ سے قضا ہو گئے ہوں وہ بقیہ اسی طرح جیسے نماز پنجگانہ یا روزے ادا کیے جاتے ہیں ادا کئے جانا چاہئے۔ صرف نیت میں اسقدر فرق ہے کہ اگر بڑا لڑکا خود ادا کرے تو یہ نیت کرے کہ وہ قضا والد یا والدہ ادا کرتا ہے اور اگر اجرت پر قضا پڑھنے والا قضا پڑھے تو یہ نیت کرے کہ وہ قضاء میت ادا کرتا ہے۔ اس کی تفصیل احادیث میں درج ہے۔

سوال ۷۵۔ اگر اپنی نمازیں غفلت میں قضا ہو گئی ہوں تو وہ کس طرح ادا کی جائیں۔

جواب ۷۵۔ اپنی قضا نمازوں کے ادا کرنے کی صورت میں ہے کہ اولاً حساب کرے کہ اس کی گزشتہ عمر میں کتنی مدت کی نمازیں اور کون کون سی نمازیں کس کس قدر قضا ہوئی ہیں۔ اگر مکمل حساب نہ معلوم ہو سکے تو زیادہ سے زیادہ قضاؤں کا تخمینہ کرے۔ اس کے بعد قضاء کی ترتیب کے ترتیب کے ساتھ یومیہ نمازوں کی طرح ادا کرے۔ البتہ نیت میں قضاء ظاہر کر دے۔ نیز قضا کی نمازیں جسقدر جلد ممکن ہو ادا کرے اور ہمیشہ ادا کا ارادہ رکھکر حتی المقدور زیادہ سے زیادہ نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

سوال ۷۶۔ نماز میت کی کیا نیت کرنا چاہیئے۔

جواب ۷۶۔ اگر میت کا نام معلوم ہو تو دل میں نام لیکر نیت کرے کہ فلاں شخص کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ۔ اور اگر نام معلوم نہ ہو تو یہ نیت کرے کہ اس میت حاضر کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ۔

سوال ۷۷۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کس نے پڑھے۔

جواب ۷۷۔ نکاح کے وقت اس ناکح یا منکوحہ کو وکیل مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو خود صیغۂ نکاح جاری نہ کر سکتا ہو یا اس کی قرأت درست نہ ہو یا صیغوں کا مطلب نہ سمجھتا ہو، ورنہ صیغۂ نکاح فریقین (ناکح و منکوحہ) خود جاری کر سکتے ہیں اسلئے سرور کائنات کو کسی دوسرے نکاح خواں کی ضرورت ہی نہ تھی وہ خود عالم علم لدنی تھے۔ انھوں نے اپنے نکاح کا صیغہ خود جاری فرمایا۔

سوال ۷۸۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔ اور کس طرح پڑھائی گئی۔ اور کیا نیت کی گئی اور کیا دعا پڑھی گئی۔

جواب ۷۸۔ آنحضرت کی نماز جنازہ چند بنی ہاشم اور ان اصحاب نے ادا کی جو شیعیان امیر المومنین

علیہ السلام تھے۔ نماز حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پڑھائی اور وہی سنت کی گئی جو میت پکر تا چاہیئے
جو دعا پڑھی گئی وہ کتب تاریخ میں مسطور ہے۔

سوال ۹ٓ۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اسی طرح اُن کی اولاد میں
ہر امام کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تا امام یازدہم۔

جواب ۹ٓ۔ نماز جنازہ پڑھانے کا حق اسُ وارث شرعی کو ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو یا سے ہوتا ہے
جسے اہل سمجھکر اجازت دے۔

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ ان کے فرزند اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام نے پڑھائی۔
اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے پڑھائی۔ اس کے بعد ہر امام کی
نماز جنازہ اس کے اس فرزند نے پڑھائی جو امامت کا وارث تھا تا اینکہ امام یازدہم کی نماز جنازہ امام دوازدہم
نے پڑھائی۔

سوال ۱۰ٓ۔ حضرت امام آخرالزماں امام مہدی علیہ السلام کس سنہ اور کس ماہ اور کس تاریخ میں ظہور فرمائینگے
اور کس تاریخ و ماہ و سنہ میں فوت ہوں گے اور کون نماز جنازہ پڑھائے گا۔

جواب ۱۰ٓ۔ سوال کا ہر جزو علم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ البتہ
یہ معلوم ہے کہ جب خدا کی مرضی ہوگی ضرور ظہور فرمائینگے اور وفات پائینگے۔

ایک دلچسپ مکالمہ

امام مالک اعلم تھے یا امام ابو حنیفہ

عطیہ جناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین

قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن ایھما اعلم صاحبنا او صاحبکم یعنی ابا حنیفہ
ومالکاً قال قلت علی الانصاف قال نعم قال قلت فانشدک اللہ من اعلم بالقرآن
صاحبنا او صاحبکم قال اللھم صاحبکم قال قلت فانشدک اللہ من اعلم بالسنۃ
قال اللھم صاحبکم قال قلت فانشدک اللہ من اعلم باقاویل اصحاب رسول اللہ
المتقدمین صاحبنا او صاحبکم قال اللھم صاحبکم قال الشافعی فلم یبق الا
القیاس والقیاس لا یکون الا علی ھذہ الاشیاء۔

امام شافعی نے بیان کیا کہ محمد بن حسن نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہمارے امام ابو حنیفہ زیادہ عالم تھے یا تمہارے

امام مالک امام شافعی نے کہا کہ انصاف سے پوچھتے ہو محمد نے کہا ہاں امام شافعی نے کہا اچھا تم کو خدا کی قسم ابو حنیفہ قرآن کے زیادہ عالم تھے یا مالک محمد نے کہا مالک پھر امام شافعی نے پوچھا کہ خدا کی قسم سنت کا علم کس کے پاس زیادہ تھا محمد نے کہا امام مالک کے پاس پھر شافعی نے کہا تم کو خدا کی قسم ہو متقدمین اصحاب کے اقوال کو زیادہ کون جانتا تھا محمد نے کہا امام مالک اسوقت شافعی نے فیصلہ کن بات کہی کہا کہ اب صرف قیاس رہ گیا کہ کس کا قیاس زیادہ درست ہوگا تو معلوم ہونا چاہیے کہ قیاس کا دار و مدار انھیں قرآن و سنت و اقوال اصحاب پر ہے لہذا جو ان کا زیادہ عالم ہوگا اسی کا قیاس بھی صحیح ہوگا۔ (ابوالفداء ج ۲ صفحہ ۱۴۰)

نوٹ:- جب معلوم ہو گیا کہ امام مالک اعلم تھے بمقابلہ امام ابو حنیفہ کے تو یاد رکھئے کہ امام مالک نماز میں ہاتھ کھولنے کا حکم دیتے ہیں اور ابو حنیفہ باندھنے کا لہذا سمجھئے کہ کس کا قول درست ہوگا۔

راقم ک۔ ف۔ پانی پت کرنال (دراسات اللبیب صفحہ ۳۴۴)

گلدستہ عقیدت

مداح سبط اصغر جناب سید علی اطہر صاحب مرغوب از نینی تال

ابنساط قلب مضطر راحت جاں السلام
مایۂ اسرار وحدت نور عرفاں السلام

ماہتاب آسمان دین و ایماں السلام
آفتاب شرع و زیب عرش یزداں السلام

افتخار آدم و عیسیٰ و ایوب و شعیب
لذت درد دل پر یاس و حرماں السلام

معنی ذبح عظیم و فدیۂ راہ خدا
سالک راہ وفا شاہ شہیداں السلام

حامل بار شہادت خامس آل عبا
لوح پر اسرار کے نقش نمایاں السلام

سلک تسلیم و رضا کے گوہر یکتا حسین
اے شہید راہ حق اے تشنہ جاں السلام

یادگار میر خیبر ضیغم شیر خدا
ہیبت انداز دلیراں و مرد میداں السلام

نغمہ ساز حقیقت داعی راہ بقا
یاور دین خدا فخر بزرگاں السلام

عاشق ملت غریق لجۂ صدق و صفا
لنگر ارض و سما کشتی ایماں السلام

لخت جان سیدہ نورنگاہ مصطفیٰ
علت غائی کن تفسیر قرآں السلام

یوسف مصر شہادت دلبر پیغمبراں
ناظم شیرازۂ دین پریشاں السلام

ہمت افزائے جوان و شہیدان وفا
یاور و ناصر توانائی بیکساں السلام

اختر تابندۂ چرخ امامت مہر دیں
سرو گلزار نبی شمع شبستاں السلام

حرز جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا

کتب دعا میں وہ مناجاتیں اور حرز، ادعیہ نمازیں موجود ہیں جو اولیائے ملت نے اپنے اضطراب انگیز اوقات میں پیش کر درگاہ مستجاب الدعوات سے شرف قبولیت حاصل کیا انکے بقا میں ہمارے لئے دو افادی پہلو ہیں

(۱) ان کی یادگاروں میں ہمیشہ قائم سے ہے ماہ رمضان میں پچھلے (سحر) کے وقت دعائے ادریس اور شب برات میں دعائے خضر (دعائے کمیل) اور پندرہ[۱] رجب کو عمل ام داؤد اور طلب حاجت کے وقت نماز جعفر طیار وغیرہ۔

(۲) زمانہ کی کشمکش اور ابناء وطن کے ہاتھوں انسان کو جن مصائب کا سامنا ہو ان سے نجات دینے کے لیے ایک کامیاب آلہ پاس ہے۔ جو اہل ایمان کو مدد دے سید بن طاؤس علیہ الرحمہ نے حضرت خدیجہ کبریٰ کا حرز با ایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا اللہ یا حافظ یا حفیظ

اس حرز کا پڑھنا یا تعویذ بنانا دونوں طرح دشمنوں سے حفاظت اور وفات ارضی و سماوی سے تحفظ کے لئے کافی ہے مرد و عورت اس سے برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں خصوصاً صنف نازک کے لئے اس کا ورد نہایت مناسب ہے۔

[۱] علمائے اہلسنت نے بھی عمل ام داؤد کا تذکرہ کیا ہے علامہ ذکریا قزوینی ماہ رجب کے حال میں رقمطراز ہیں وفی الخامس عشر یوم ام داؤد وصلواتہا التی تستجاب (ص ۱۲۰ عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات عربی برحاشیہ حیوۃ الحیوان چھاپہ مصر)

لاکھ پردوں سے بھی ہوتا ہے ترا جلوہ عیاں — حجت حق تیسرے ہادئ دوراں السلام
سرمۂ چشمانِ مشتاقانِ دیدارِ جمال — مرہم زخم دل بیمار ہجراں السلام
لمحہ لمحہ آپ کے عز و وقار بڑھ کر بن گیا — امتیاز اک درمیان کفر و ایماں السلام
السلام اے داروئے ہر درد بیمارانِ غم — مقصد دل سے قریں نزد رگ جاں السلام

ماضی و مستقبل مرغوب ہے مولا مرے
اک نگاہ لطف تیری تیرا داماں السلام

رجسٹرڈ نمبر ۳۵۹

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی امیر الامراء سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

(مطبوعہ الواعظ مدرسۃ الواعظین پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
اکتشافات جدیدہ و حقایق اسلام
(۱۲) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱۔ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲۔ خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۲ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئیے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہوسکتی ہے۔
۶۔ علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام مینیجر ہونا چاہئیے۔
۷۔ شرح قیمت رؤسا و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق ۱ر

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہئیے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہئے۔

انعام یکصد روپیہ

دیسے کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہمارے سامنے جو ہماری ان دواؤں کو غیر مفید ثابت کرے تو اسے مبلغ یکصد روپے انعام دیا جائے گا (۲) وہی اندرونی مزاج جو بہت جگہ قسم کھوکھو کر مایوس ہو چکے ہوں آئیں یہاں اور دوام تب دیں جب مکمل آرام آجائے (۳) اگر آپ مزید تسلی کرنا چاہیں تو ہم سے ان لوگوں کے مکمل پتہ طلب کر سکتے ہیں جن کو ہمارے دواخانہ کی تیار کردہ ان چیزوں سے مکمل اور مستقل آرام آگیا ہے (۴) اگر ہماری کوئی دوا لکھی ہوئی مرضوں میں مفید ثابت نہو تو تمام قیمت واپس (۵) خدا اور آل محمدؐ کو حاضر ناظر جان کر لکھتے ہیں کہ دوائیں نہایت فائدہ بخش ہو چکی ہیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین

سستی۔ کمزوری۔ نامردی۔ اور ضعف باہ کا واحد علاج

[illegible]

شاہی معجون

اس معجون کے کھانے سے برسوں کی سستی، کمزوری نامردی دور ہو جاتی ہے۔ جوانی کی بہار آتی ہے۔ عالم شباب کے جذبات اور ولولوں کو بھڑکاتا ہے۔ امنگوں میں سیلابی لہر پیدا کرتا ہے کمزور دبلے انسان کی صحت کو بناتا ہے۔ حجابات آلام سے ملفوف زندگی کو نجات دیکر مردانگی ہمت، شجاعت، دبدبہ پیدا کرتا ہے چہرے کی رنگت نکھارتا ہوا رعنائی، مسکراہٹ اور وجدانہ کیفیات رونما کرنے میں درشیں ہے، جن لوگوں کے ہاں اولاد نہوتی ہو یا لڑکوں کی زیادتی ہو انکے مادہ تولید کی اصلاح کرتا ہے اور کھوئی ہوئی طاقت کو واپس لوٹاتا ہے سوئے ہوئے خیالوں کو از سر نو زندہ کرتا ہے دنیا بھر میں اس سے زیادہ خون اور طاقت پیدا کرنیوالی کوئی چیز آپ کو نہیں ملے گی۔ بڑا پیکنگ دس روپیہ

شاہی طلا ۱۸۵۵ء

سستی کمزوری اور لاغری کو دور کرتا ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے عالم شباب کی بداعتدالیوں کیوجہ سے ستیاناس کر دیا اور سرد پانی کے استعمال نے باریک شریانوں کو نیم مردہ کر دیا ہو ایسے حالات والوں میں مقامی طور پر برقی اسپرٹ پیدا کرتا ہوا جملہ شکایات کو دور کرتا ہے۔ کسی قسم کا آبلہ یا جلن پیدا نہیں ہوتی۔ مکمل کورس ۸۰ دن پانچ روپیہ نصف پیکنگ ۴۰ دن دو روپیہ آٹھ آنہ

دوائی دمہ ۱۹۱۵ء

دمہ کے دورہ کو فوراً روکتی ہے ضیق النفس کو دور کر کے تسہیل لاتی ہے سانس کی نالیوں سے بلغم کو دور کر کے ہمیشہ کیلئے دمہ کا خاتمہ کرتی ہے۔ مکمل کورس چالیس دن پانچ روپیہ نصف پیکنگ ۲۰ دن کے لیے دو روپیہ آٹھ آنہ

قرص مُراعف ۱۹۲۰ء

حیض کو جاری کرتی ہے ہر مہینے کے درد اور تکلیف کو دور کرتی ہے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔ مکمل کورس تین روپے نصف پیکنگ ایک روپیہ بارہ آنہ

پتہ خدا یار تاجر شاہی دواخانہ ۱۳ منٹگمری دہلی

الواعظ

جلد ۲ | بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء مطابق ماہ رجب ۱۳۶۶ھ | نمبر ۶

الواعظ

بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء

عرض حال

پہلا موقع ہے کہ اس اشاعت میں الواعظ کے محدود صفحات ناکافی ہونے سے مقالہ افتتاحیہ کو روک لینا پڑا جس کا دلی افسوس ہے جو علمی مقالات ناظرین کرام کے سامنے آ رہے ہیں ان میں زیادہ تر وہ بلند پایہ مضامین ہیں جو مدیر اہلحدیث کے خبر غدیر سے انکار پر معزز اہل علم نے سپرد قلم فرمائے ہیں دفاعی حیثیت سے ان مضامین کا اس نمبر میں چھپنا لازمی تھا ضرورت ہوئی تو اڈیٹر کیطرف سے بھی ہمعصر موصوف کے انتباہ پر کچھ عرض کیا جائے گا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حدیث غدیر مولود کعبہ کی سب سے بڑی منقبت کی حامل ہے اسی لئے مرقومۂ بالا موضوع پر ماہ رجب کے پرچہ کی ترتیب عین مقصود ہے اسیوجہ سے اڈیٹوریل مضمون کے ساتھ ساتھ بعض محترم نامہ نگاروں کے مضامین بھی درج نہیں ہو سکے جو انشاءاللہ العزیز آئندہ نمبروں میں شائع ہونگے۔

ہاں خوب یاد آیا مولوی فضل الرحمٰن صاحب سنی عالم کا بھی ایک مضمون موصوف کے اصرار کی بنا پر ہم نہایت دیانت کے ساتھ شائع کر رہے ہیں جو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے موضوع پر ہے چونکہ اس موضوع میں خود شیعی نظریہ کی تائید ہے اس لئے جواب کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

معراج کا مضمون جو مسلسل دو سال سے چھپ رہا تھا اس نمبر میں ختم ہو رہا ہے۔ آئندہ اگر کسی طولانی مضمون کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا تو اس کا ضرور لحاظ رکھا جائے گا کہ کتابت اس طرح ہو کہ ہر اشاعت سے اسکو علیحدہ کر کے یکجا کیا جا سکے اور صفحات میں بجائے الواعظ کے صفحات کے اصل کتاب کے مسلسل صفحات ہونگے اور کوشش کی جائے گی کہ ہر قسط میں سلسلہ مضمون کے اختتام کا بھی لحاظ

ہو تاکہ مفہوم پر ضرب نہ آئے۔

الواعظ سوائے ذمہ دار اہل علم کے عام اہل قلم کو قلمی تعاون کی زحمت نہیں دیتا پھر بھی بعض مضامین معیار سے بہت پست آجاتے ہیں تو اڈیٹر کو ایک مصیبت کا سامنا ہوتا ہے مضمون نگار چاہتے ہیں کہ ان کے مقالات درج الواعظ ہوں اور صحافت کا وقار کہتا ہے کہ ہرگز درج نہ کرو اڈیٹر کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کا سامنا لازم ہے یا وہ مضمون نگار صاحب کے غصہ کو برداشت کرے یا غیر شیعہ مذاہب کی نکتہ چینی کے جواب پر تیار رہے لہذا کہنہ مشق حضرات کے علاوہ جو صاحب قلم اٹھائیں وہ اپنے شہر کے کسی مسلم الثبوت عالم کو مضمون دکھالیں یا اڈیٹر کو اجازت دیں کہ اسقام دور کرنے کی تکلیف اٹھائے ورنہ ہماری مجبوری واضح ہے۔

مع تبصرہ

ہمعصر صدق لکھنؤ نے ۸ا اپریل کی اشاعت میں معاصر سرفراز مورخہ ۱۰ اپریل سے ایک نوٹ "بلا تبصرہ" کی سرخی سے شائع کیا تھا جسکو دیکھکر اس بات کا اندازہ ہوا کہ صدق خواہ مخواہ شیعیت کو نگاہ حسد سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج کو گہرا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے تازہ نمبر میں ایک اور نوٹ نظر سے گزرا جسمیں جمعیت علمائے اسلام کے ایک رکن نے ایک لیگی عالم کی تنبیہ میں لکھا ہے کہ:۔

مسلم لیگ کے اس طرز عمل پر نوٹس لیا جائے کہ عام طور سے مسلم لیگی نوجوان اپنی ٹوپی میں ایسا لاکٹ آویزاں کرتے ہیں جس میں مسٹر جناح کی تصویر بنی ہوئی ہے انکو بتلایا جائے کہ تصویر بنانا اور بنوانا دونوں حرام اور تصویر کو ٹوپی یا لباس میں لگانا بھی حرام ہے، صدق لکھنؤ جلد ۱۲ ع ۵۹ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۴۶ء)

اگر کوئی احتیاط نواز شیعہ عالم ایسا کہتا تو بعید نہ تھا مگر تعجب یہ ہے کہ سُنّی یہ فتوی دیتے ہیں جو ہماری آنکھوں نے تو ابتک اُنکے یہاں کہیں نہیں دیکھا اہلسنت کے ائمہ حدیث میں بخاری و مسلم جو چوٹی پر کی کتابیں ہیں اُنکے تصریحات اور بی بی عائشہ حضرت ام المومنین جو حق گوئی اور صداقت پرستی کی اوتار سمجھی جاتی ہیں اُنکی سیرت تو اسکے بالکل خلاف ہے تصویر وہ بلا ہے کہ وہاں بھی اس نے پیچھا نہیں چھوڑا تصویر ام المومنین کے گھر کی رونق اور اُنکی زندہ دلی اور شگفتگی کا مرقع ہے اور اُن کا یہ اسوۂ حسنہ ان کے تمام چاہنے والوں کے لئے نمونۂ عمل ہے صدق کو اپنا فتویٰ واپس لینا چاہیئے۔

ایران میں مذہبی چہل پہل

[illegible] ایران جہاں کفر و الحاد تیزی سے پھیل رہا تھا اور دور پہلوی میں مذہب کا نام لینا بھی جرم تھا خدا [illegible] اب پھر دین اور دینیات کا چرچا ہے اور یہاں بحث و یہاں سال تا میدار اعلیٰ اللہ ملکہ و سلطنتہ

سریر سلطنت پر قدم رکھتے ہی مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور ملک کے طول و عرض میں جا بجا مجلسیں محافل، نماز جماعت، مواعظ ہونے لگے اور اسلامی مدارس میں تعلیم اہلبیت شروع ہوگئی۔

ایران میں دینی تباہی کا آغاز صنف نازک کی بے پردگی سے ہوا اور رفتہ رفتہ اس بلا نے مذہبیات پر پورا قبضہ حاصل کر کے طہران کو رشک پیرس کر دیا تھا تجدد کی یہ تیز ہوا رُک کر اصلیت بے نقاب ہو گئی اور ہم کو یہ دیکھکر دلی مسرت ہے کہ اس ایران سے پھر پردہ کی حمایت میں آواز بلند ہوتی ہے اور مدیر دنیائے اسلام اپنے جریدۂ علمیہ کے صفحۂ اول پر زیر لوح جلی قلم سے لکھتا ہے۔

"و آقاے خالص زادہ منکر حجاب را واجب القتل میداند" ایرانی مجتہد پردہ کے مخالف کو قتل کر دینا واجب سمجھتے ہیں ان کا فتویٰ بھی ہے کہ منکر حجاب کافر و مرتد خون او مباح است "پردہ کو عورت کے لئے غیر ضروری سمجھنے والے مرتد ہیں اور اُن کا خون معاف ہے۔

اس قسم کے دینی مضامین ایرانی اخبارات میں برابر نکل رہے ہیں اور سیرت ائمہ معصومین علیہم السلام پر زبردست مقالات سپرد قلم کئے جا رہے ہیں۔ ۱۳ جمادی الاولی کی اشاعت میں ایک مقالہ امام زین العابدینؑ کے حال میں اور دوسرا جناب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی سیرت پر ہے جسکے خاتمہ میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں کے لئے معصومۂ عالم سے بہتر کسی خاتون کی سیرت نہیں ہے

اس نمبر کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوا کہ بسلسلہ تاریخ وفات صدیقہ طاہرہ تین روز تک میدان محمدی اور بازارچہ سعادت میں مجلس سوگواری منعقد ہوئی۔

از مرگ یگانہ دخت پیغمبر پاک	ایں ہفتہ بود جہاں مذہب غمناک
زہرہ کہ بہ یازدہ گہر بودی درج	چوں در خوشاب شد نہاں در دل خاک

دعائے صحت

مداح آل پیمبر حضرت ثمر لکھنوی جو انجمن موئد العلوم و شعبۂ تبلیغ کے سرگرم کارکن اور محافظ دفتر ہیں ایک ماہ سے زیادہ ہوا کہ گوناگوں امراض کا شکار ہو کر بستر مرض پر ہیں اور ضعف و ناتوانی بڑھتی جاتی ہے قارئین کرام موصوف کے دینی و قومی خدمات کا لحاظ کر کے دعا کریں کہ خداوند عالم شفا عطا فرمائے۔

مدرسۃ الواعظین میں الحاج عبدالرسول صاحب کی تشریف آوری

۲۸ مئی [illegible] کو خوجہ جماعت ممباسا افریقہ کے ممتاز رکن جناب سیٹھ عبدالرسول صاحب ہمراہ جناب تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ اور جناب یٰسین مرزا صاحب سکریٹری انجمن قائم آل عبا کی معیت میں تشریف لائے اور اپنا قیمتی وقت صرف فرماکر نہایت محبت و اخلاق

اور دینی جدوجہد سے مدرسہ کے تمام شعبوں کا معائنہ کیا اور انجمن مؤیدالعلوم کے انگریزی اردو مطبوعات خرید فرمائے اور شعبۂ تعلیم کے سادات طلبہ کے لئے ایکصد روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب پرنسپل مدرسہ اور جناب تاج العلماء نے اپنے معزز مہمان کو شکریہ کے ساتھ رخصت کیا۔

مسلمان اور تلوار

عالیجناب مولانا سید شفیق حسین صاحب نقوی امروہوی

اسلامی روایات اور تواریخ سے باخبر حضرات اس کو بخوبی جانتے ہیں کہ جسطرح قرآن پر مسلمانوں کا ایمان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اسی طرح تلوار کے متعلق بھی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ بھی ذوالفقار نام کی بحکم خدا آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ جس کو امام محمد ابن جریر طبری کی طرح دیگر مورخین و محدثین نے بھی بیان کیا ہے۔ اور جس طرح قرآن کریم کے نزول کی پیشین گوئیاں ہر آسمانی کتاب میں موجود ہیں۔ اسی طرح ذوالفقار کی نسبت بھی دوسری آسمانی کتابوں میں بشارتیں موجود ہیں۔ چنانچہ عیسائی حضرات کے عہدنامۂ جدید کے مکاشفہ میں بھی اسکی خبر دیدی تھی کہ ذوالفقار یعنی سیف دو دھاری تلوار والا آئیگا۔ دیکھو مکاشفہ Revelation باب دوم۔ آیۂ دوازدہم و شانزدہم۔ اور قرآن کریم نے اپنے سورۂ حدید کے تیسرے رکوع میں اسکو بیان کیا ہے کہ جس سے خدا و رسول کی مدد کرنے والا مدد کرتا ہے اور کرے گا۔ یہ دو وجود مقدس قرآن و ذوالفقار ہیں کہ جو بظاہر رسول اسلام پر نازل ہوئے۔ اس صورت میں جس طرح قرآن کو اپنے پاس رکھنے کا فریضہ ہر مسلمان پر ہے۔ اسی طرح تلوار رکھنا بھی ہر مسلم و مومن کے لئے ضروری ہے۔ اور خصوصًا ایسے وقت میں کہ جب مسلمانوں کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر اس وقت علمائے اسلام نے اسکے فتوے دیئے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے اسوقت اپنے پاس تلوار رکھنا اشد ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکھ صاحبان کو مذہبی حیثیت سے کرپان رکھنے کا حق ہے اور اسوجہ سے حکومت ہندان کو اس کی اجازت دیئے ہوئے ہے کہ وہ کرپان لیکر بلا تکلف بازاروں میں گشت کریں۔ تو اسی حیثیت سے مسلمان بھی اس کا مذہبی حق رکھتے ہیں کہ انکی ہر فرد کو تلوار رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اور اگر اسکی اجازت نہیں دیگئی تو حسب فتاوائے علمائے یہ صریحًا مداخلت

فی الدین ہوگی کہ جو کسی طرح صحیح نہیں مانی جاسکتی۔ اس لحاظ سے ہم حکومت ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد مسلمانوں کے اس حق کو ادا کرے۔ اور اسلامی اخبارات و نمایندگان قوم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی اشاعتوں اور تقریروں میں اس مطالبہ کو اسوقت تک دہراتے رہیں جبتک مسلمانوں کا یہ حق انکو نہ مل جائے۔

تیرہ رجب کی اسلامی عید

رجب کا چاند نکلتے ہی شہر میں عید میلاد کے انتظامات شروع ہو جاتے ہیں اور الحمد للہ کہ امسال بھی بسلسلہ ولادت حضرت امیر المومنین علیہ السلام شہر کے ہر حصہ میں مسرت کے مظاہرے ہوئے یوں تو محلہ وار مساجد پر محافل فضائل اور قصیدہ خوانی ہوئی لیکن مرکزی اجتماعات میں مولود حرم اور مسجد تحسین علی خاں کا چراغاں بہت زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اول الذکر میلاد جناب سید محمد تقی صاحب انچارج دفتر مدرسۃ الواعظین کے زیر انتظام ۱۲ رجب کو امام باڑہ ناظم صاحب مرحوم میں منعقد ہوا امامیہ بازار میں چراغاں اور جابجا خوشنما پھاٹک نصب کئے گئے تھے اولاً جناب تاج العلما مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ دام ظلہ نے نماز مغربین پڑھائی پھر مختصر قصیدہ خوانی کے بعد خطیب محترم جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ پروفیسر جامعہ سلطانیہ نے اپنے مخصوص انداز سے فضائل بیان فرمائے۔ اور حاضرین سے خراج تحسین و آفرین حاصل کیا ہر شخص انجمن کے

پرجوش کارکن سید محمد تقی صاحب کے حسن انتظام کا مداح تھا۔

مسجد تحسین کے میلاد اور چراغاں میں وکٹوریا اسٹریٹ اور سیکرٹری روڈ اور بازار چوک میں حسب معمول کثرت سے گھر گھر روشنی ہوئی راستہ کے خوشنما پھاٹک اور دیدہ زیب کتبے سامان آرائش اور ہندو مسلم ہجوم میں راہ سے گذرنا دشوار تھا مسجد کے پھاٹک اور صحن میں الکٹرک لائٹ سے وہ خوشنما منظر تھا جسکے دیکھنے کا ہجوم محفل شروع ہونے سے پہلے تھا اولاً نماز مغربین لسان الملۃ مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے پڑھائی اور وقت مقررہ پر قصیدہ خوانی شروع ہوئی جس میں شہر کے نامور شعراء کے بعد جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ امام جمعہ نے فضائل بیان کئے اور نصف شب کو محفل ختم ہوئی۔

شہر میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ امسال لکھنؤ کی سول لائن یعنی شاہ نجف کے شاہی زیارت گاہ میں جو محفل میلاد اور چراغاں وقف کی طرف سے بڑے پیمانہ پر منعقد ہوتا تھا وہ امسال ٹرسٹیان اور جدید سکریٹری صاحب تخفیف میں لے آئے اور یہ عظیم الشان محفل بطور مسمیٰ منعقد ہوئی۔ شہر کی مغربی اور قدیم آبادی میں مسرت کا مظاہرہ جس پیمانہ پر بھی ہو ویسا مفید ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ انگریزی آبادی میں مفید ہو سکتا ہے ایسے مذہبی رواسم کی ادائیگی اس حصہ شہر میں ہونے سے غیر مسلم حضرات بھی متاثر ہو سکتے ہیں تعجب ہے کہ وقف نے ہزاروں روپیہ کا سرمایہ موجود ہونے کے باوجود اس خالص مذہبی اور ایمانی جشن کا وقار ختم کر دیا۔ سید محمد متقی

(بقیہ مضمون ص) بن یوسف الکنجی الشافعی فی کتابہ المسمی بکفایۃ الطالب هکذا ذکرہ الشیخ محی الدین النووی وقال ابو بکر النقاش انها نزلت فی بیان الولایۃ لعلی اخرجه ابی حاتم ابو نعیم فی کتاب ما نزل من القرآن فی علی)

ترجمہ۔ ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آیت بلغ غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے اسکو امام ابو الحسن واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں لکھا ہے اور حافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف شافعی نے اپنی کتاب کفایت الطالب میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین نودی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی اور ابو بکر بن مردویہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت بیان ولایت علی بن ابی طالب میں نازل ہوئی اسکو ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے اور ابو نعیم نے اپنی کتاب ما نزل من القرآن فی علی میں تحریر کیا ہے۔

(۲) عن عبد اللہ بن مسعود قال کنا نقرء علی عهد رسول اللہ یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالته (اخرجه الواحدی فی تفسیرہ والرازی فی التفسیر الکبیر ونظام الاعرج فی تفسیر النیسابوری والحافظ ابن الکثیر فی الحلیۃ وابن مردویه وعینی فی شرح البخاری والسیوطی فی الدر المنثور)

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم سرورِ کائنات کے زمانہ میں اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے کہ یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالته (اے رسول لوگوں تک اس چیز کو پہنچا دو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے کہ بہ تحقیق کہ علی تمام مومنین کے مولی ہیں اور اگر تم نے نہ پہنچایا تو گویا اسکی رسالت کا کوئی کام بھی انجام نہیں دیا) اسکو واحدی نے اپنی تفسیر میں امام رازی نے تفسیر کبیر میں نظام الاعرج نے تفسیر نیشاپوری میں حافظ ابن کثیر نے حلیۃ میں ابن مردویہ نے اور عینی نے شرح بخاری میں علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں بیان کیا ہے۔

(۳) عن ابن عباس قال نزلت هذہ الایۃ یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب (اخرجه الواحدی فی اسباب النزول والثعلبی فی تفسیرہ)

یہ روایت ابن عباس سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یاایہا الرسول الخ غدیر خم کے دن علی ابن ابیطالب کے متعلق نازل ہوئی (اس کو واحدی نے اسباب النزول میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے)

(۴) عن البراء بن عازب قال فی قولہ تعالیٰ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ای بلغ من فضائل علی نزلت فی غدیر خم فخطب رسول اللہ ثم قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ یا علی اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ (اخرجہ ابونعیم والثعلبی)

براء بن عازب کہتے ہیں کہ پروردگار عالم کے اس قول یاایہا الرسول الخ میں یہ فرمایا ہے کہ فضائل علی میں سے بعض فضائل کی تبلیغ کر دیجئے اور یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی ہے پس سرورکائنات نے ایک خطبہ پڑھا اسکے بعد فرمایا جس کا میں مولا ہوں اسکے علی بھی مولا ہیں پس عمر نے کہا مبارک ہو مبارک اے علی کہ تم میرے بھی مولا ہوگئے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہوگئے (اسکو ابونعیم اور ثعلبی نے نقل کیا ہے)

یہ چند روایات میں نے ارجح المطالب سے نقل کر دیے ہیں جنمیں مصنف نے بہت علماء کے حوالجات بھی دیدیے ہیں اس کے بعد آیۃ ملا یعنی الیوم اکملت لکم دینکم کے ذیل میں بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں جنکو طول کے خیال سے ترک کرتا ہوں اگر مدیر یا سائل کو دیکھنا ضروری ہو تو ملاحظہ کر سکتے ہیں

اسکے بعد بھی اگر مدیر صاحب آیت مذکورہ واقعۂ غدیر کے ساتھ مخصوص ہونے سے انکار کریں تو سوائے ہٹ دھرمی یا تعصب کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "یہ خیال تمام آیات قرآن کے خلاف ہے" لیکن افسوس کہ ان آیات میں سے جنکے خلاف ہے ایک بھی آنجناب نے تحریر نہیں فرمائی بلکہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام لیا جو وقت وہ ان آیات کو پیش کرینگے اس وقت اس کا جواب بھی حاضر کر دیا جائے گا ابھی تو کوئی آیت معرض بحث میں ہے نہیں جسکا جواب دیا جائے۔

آپ لکھتے ہیں کہ "کیونکہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا حکم آیا ہے وہاں سارا قرآن مراد ہوتا ہے کوئی خاص حصہ نہیں"۔

میں مدیر صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ سورہ برأت پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو فرمائیں کہ جب اسکی تبلیغ کا حکم ہوا تھا تو اس سے سارا قرآن مراد لیا گیا تھا یا صرف یہی سورہ

اگر سارا قرآن مراد لیا گیا تھا تو اس کا ثبوت مدیر کے ذمہ ہے اور اگر صرف یہی سورہ مراد لیا گیا تھا تو مدیر کا دعویٰ غلط ہوتا ہے فافہم۔

آپ فرماتے ہیں "کہ ایسا کہنا شیعہ کی ایجاد ہے" بندہ پرور اگر یہ شیعہ کی ایجاد ہے تو اس سے زائد سُنی کی ایجاد کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ شیعوں سے زائد اس واقعہ کو سنیوں نے نقل کیا ہے جن میں سے چند حوالے پیش کئے گئے اور وقت ضرورت کثیر حوالے دیے جا سکتے ہیں میں مدیر صاحب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انکو غلط فہمی ہے یہ شیعہ یا سنی کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اصل واقعہ ہے جسکو ہزارہا اہل تسنن اور اہل تشیع نیز دیگر اقوام نے بھی نقل کیا ہے جسکا انکار آفتاب نصف النہار کے انکار سے کم نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ کہنا کہ "یہ شیعہ کی ایجاد ہے" درحقیقت خود مدیر صاحب کی ایجاد ہے کہ اصل واقعہ کو غلط ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے اور منہ کی کھاتے ہیں۔

آخر میں آپ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں ایک ایسی مضحکہ خیز دلیل پیش کی ہے جسکا دلیل سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں جسکو دیکھکر ایک معمولی عقل والا انسان بھی مدیر صاحب کا مضحکہ اُڑانے اور آپ کی فراست کی داد دینے کے لئے تیار ہے۔ آپ فرماتے ہیں "کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو حضرت علیؑ اپنی خلافت کے زمانہ میں خم غدیر کا وقف بحال کیوں نہ کرتے اگر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہی صحیح نہیں" مدیر صاحب کو کون سمجھائے کہ اس واقعہ کی صحت و عدم صحت اور وقف کے پلٹانے سے کیا تعلق ہے اس سے اسکو کیا نسبت کوئی لگاؤ نہیں کوئی ربط نہیں معلوم نہیں یہ اقسام ادلہ میں سے کونسی قسم ہے انکے نزدیک اسکی صورت بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ رسول کریم مکہ معظمہ میں پیدا ہی نہیں ہوئے اسلئے کہ اگر پیدا ہوئے تو بعد فتح مکہ پھر کیوں نہ وہیں رہنا شروع کر دیا۔

لیکن چونکہ واپس نہیں ہوئے لہذا آنحضرت وہاں پیدا ہی نہیں ہوئے واہ کیا اچھی دلیل ہے اور کتنے بافہم دلیل پیش کرنے والے۔

سبحان اللہ چونکہ اس سے زائد لکھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں لہذا مضمون کو فی الحال یہیں پر ختم کرتا ہوں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

آیۂ بلغ کے متعلق بعض شبہات اور انکے جوابات

جناب مولانا سید ظہیر حسین صاحب باروی فخر الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

آیۂ بلغ قرآن مجید کی ان آیات میں سے ہے جن سے قطعی طور پر حضرت علیؑ کی فضیلت و خلافت پر روشنی پڑتی ہے۔ بکثرت محدثین و مفسرین اسلام نے اپنی کتابوں میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے آپ کی ولایت پر خاص طور سے استدلال ہوتا ہے۔

اور کوئی وسیع النظر انسان اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا اور نہ اتنے اکابر مفسرین و محدثین اسلام کے تصریحات کی تکذیب کی جا سکتی ہے جس کی تفصیل ذیل میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن خدا برا کرے تعصب کا کہ بعض اہلحدیث حضرت علیؑ کی فضیلت سننا نہیں چاہتے اور اپنی تنگ ذہنیت کی بنا پر تمام علماء کے اقوال و بیانات کا انکار کر بیٹھتے ہیں

ابھی اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۷ جمادی الثانیہ ۸۲ھ جو امرتسر سے نکلتا ہے میرے پیش نظر ہے جس میں مدیر اخبار نے آیۂ بلغ کے متعلق ایک حیرتناک اور لایعنی اعتراض فرمایا ہے جس سے انکی علمیت و قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور ایسا مغالطہ دینا چاہا ہے جسے دیکھکر اہل علم انگشت بدنداں ہیں قرآن و حدیث سے اس طرح ناواقفیت کا ثبوت ملتا ہے جو دامن علم و فضل کے لئے دا

یہ تحریر ذیل میں اس کا جواب ہے جو رسالہ الواعظ میں مولانا سید صابر حسین صاحب وا ع مدرسۃ الواعظین کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور باوجودیکہ اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے کتب اہلسنت کے حوالے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ آیۂ بلغ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور حوالے اس میں درج بھی ہیں لیکن ہمارے محترم مدیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ سب روایتیں شیعوں کی ایجاد ہیں ذرا مدیر صاحب ارشاد فرمائیں کہ "حبیب السیر" بھی کیا شیعوں کی کتاب ہے؟ اور اس کا حوالہ کیا شیعہ کتاب کا حوالہ سمجھا جائے گا۔ اگر علم رجال سے کچھ بھی واقفیت ہوتی تو ہرگز ایسی غلطی سرزد نہ ہوتی۔ لیکن جہاں تحقیق و انصاف سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے وہاں اسکا سوال ہی بیکار ہے بہر حال معترض نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ" میں عام قرآن کی تبلیغ مراد ہے اس سے ولایت علیؑ مراد لینا عمومات قرآن کے خلاف ہے کیونکہ "ما انزل الیک" عام ہے۔

ارباب علم اس اعتراض پر جس قدر انگشت بدندان اور خندہ ریز ہوں کم ہے۔ غالباً مدیر اہلحدیث کو یہ پتہ نہیں کہ قرآن میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جنکے الفاظ عام ہیں لیکن انکی مراد خاص ہے اور ان کا نزول مخصوص افراد کے لیے ہے جنکی توضیح ہم بعد میں کرینگے ابھی ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود لفظ "ما انزل الیک" کا اطلاق جہاں کل قرآن پر ہوا ہے وہاں بعض قرآن اور ایک خاص سورہ پر بھی ہوا ہے ملاحظہ ہو۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم تفیض من الدمع (پ ۷)
جبکہ سنا ان لوگوں نے اس چیز کو جو رسول پر نازل ہوئی تھی تو انکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

مفسرین اہلسنت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت ہجرت حبشہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جعفر طیار نے بادشاہ حبشہ کے سامنے سورۂ مریم کی تلاوت کی نیز اسکے بعد کچھ لوگ انکے ساتھ رسالتمآب کی خدمت میں آئے اور آنحضرت نے انکو چند آیتیں پڑھکر سنائیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اس واقعہ کو تمام مفسرین مثلاً رازی، بغوی، نیشاپوری، خازن بغدادی وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں تحریر فرمایا ہے اسی طرح اکابر مورخین مثلاً صاحب روضۃ الاحباب وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے غرض واقعۂ ہجرت حبشہ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے۔

اب ذرا ناظرین اور خاصکر مدیر اہلحدیث ملاحظہ فرمادیں کہ اس آیت میں "ما انزل الی الرسول" کا اطلاق سورۂ مریم پر ہوا یا نہیں جو قرآن کا ایک جزو ہے اور باوجود لفظ عام ہونے کے مراد خاص شئی ہے۔ کیا کوئی تاریخ و حدیث پر نظر رکھنے والا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ بادشاہ حبشہ کے سامنے جعفر طیار نے کل قرآن پڑھا تھا اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "ما انزل الی الرسول" سے جس طرح تمام قرآن مراد ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا ایک جزو یا خاص حکم بھی مراد ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس سے صرف جہاد کا حکم مراد لیا ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔
پھر کیا وجہ ہے کہ آیۂ بلغ میں لفظ ما اگرچہ عام ہے لیکن اس سے خاص ولایت علیؑ کا حکم نہ مراد لیا جاسکے جبکہ بکثرت و متواتر روایات و احادیث صرف اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں۔
لفظ ما کے تحت میں جس طرح تمام قرآن آسکتا ہے اسی طرح ہر حکم جو منزل من اللہ ہو اُس پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اس کے لیے کل قرآن کی تخصیص نہیں ہے "ما آتاکم الرسول فخذوہ" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جب رسول بحیثیت مجموعی کچھ پیش کریں تو اسے اختیار کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو بھی رسول تمہارے پاس لائیں عام اس سے کہ وہ ایک ہی حکم کیوں نہ ہو اسے اختیار کرو تو اس کے

تحت میں ایک حکم بھی داخل ہے۔

غرضکہ ما انزل ایک زیادہ سے زیادہ عام و مجمل ہے اس میں ہر وہ حکم داخل ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہو بحث صرف تعین مراد میں ہوگی جس پر کوئی دلیل و قرینہ قائم ہوگا وہی مراد ہوگا چونکہ آیۂ بلغ کا ولایت علیؑ کے لئے نازل ہونا اور غدیر خم کے موقع پر اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر کا من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہنا متواتر روایات سے ثابت ہے لہٰذا اسی سے بلغ ما انزل الیک کے مقصد کی تعین ہوگی۔ ان سب روایات کے حوالے ذیل میں انشاء آرہے ہیں۔

جس کے دلائل بعد میں آئیں گے خلاصہ یہ کہ عام بول کر خاص مراد لینا قرآن کے خلاف ہے نہ اصول فقہ کے بلکہ ،، ما من عام الا وقد خص ،، اصول فقہ کا مشہور مقولہ ہے لہٰذا کسی عام لفظ سے خاص مراد لینا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

لطف یہ ہے کہ محترم مدیر نے جن آیات کو پیش کیا ہے ان میں ایک آیت یہ بھی ہے ،، و ما انزل من قبلک ،، اس کے بعد آپ رقمطراز ہیں کہ ،، ان آیات میں اور ان کے علاوہ اسی قسم کی دوسری اور آیات میں تمام قرآن مجید مراد ہے ،، سبحان اللہ کیا کہنا قابلیت کا ،، ما انزل من قبلک ،، سے قرآن مراد لینا جناب ہی کے ذہن رسا کا کمال ہے کیا قبل پیغمبر اسلام موسیٰ و عیسیٰ پر جو نازل ہوا تھا وہ بھی قرآن ہی تھا۔ یہ ہے آپ کا تبحر علم اور وسعت نظر، گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ؎ کار طفلاں خراب خواہد شد۔

بہرحال ہم اپنے مدیر محترم کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بکثرت آیتیں موجود ہیں جن کے الفاظ عام ہیں لیکن ان سے مراد خاص حکم اور خاص افراد ہیں مثلاً ،، والذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ ،، یا ،، والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ہم المتقون ،، یا ،، افمن کان مومنا کمن کان فاسقا ،، اور ،، افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فہو علی نور من ربہ ،، یا ،، اما الذین قست قلوبہم ،، ان تمام آیات میں الفاظ عام ہیں اور مراد مخصوص افراد ہیں۔ مدح کی آیتوں میں علیؑ و حمزہ وغیرہ مراد ہیں۔ اور فاسق سے مراد ولید بن عقبہ اما الذین قست قلوبہم سے ابو لہب اور اس کی اولاد مراد ہے حوالے کے لئے دیکھئے در منثور سیوطی۔ مناقب ابن مغازلی شافعی۔ حلیۃ الاولیا حافظ ابو نعیم اصفہانی۔ اسباب النزول واحدی۔ ارجح المطالب۔ ینابیع المودۃ وغیرہ۔ پھر اگر ما انزل الیک میں بھی لفظ عام ہو لیکن مراد ولایۃ علی ہو تو اس میں کیا اشکال ہے۔ ما انزل الیک کا اطلاق صرف جمع پر ضروری نہیں ہے بلکہ ہر منزل من اللہ حکم پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

عام آیات کی شان نزول جس طرح مخصوص ہو سکتی ہے اسی طرح آیہ بلغ ما انزل الیک بھی ولایت علیؑ کے لیے مخصوص ہو سکتا ہے آیات کے مخصوص موارد کا انکار کون کر سکتا ہے ورنہ صدہا آیات کی شان نزول کا انکار کرنا پڑ جائے گا۔

اگر بالفرض آیہ بلغ میں ما انزل الیک سے عام قرآن کی تبلیغ مراد ہو صرف ولایت علی مراد نہ ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے حکم خدا کی تعمیل کی اور اس وقت قرآن کی تبلیغ کی یا نہیں کی جمہور مفسرین اہلسنت جنکے حوالے آپ آیندہ ملاحظہ فرمائینگے متفق ہیں کہ آیہ بلغ کے غدیر خم میں نازل ہونے کے بعد پیغمبر نے علیؑ کو بلند کرکے فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ، پس اگر مدیر محترم کا خیال صحیح مان لیا جائے تو آنحضرت نے معاذ اللہ حکم خدا کی نافرمانی کی اور باوجود حکم خدا عام ہونے کے آپ نے مخصوص ولایت علی کا اعلان فرمایا۔ کیا اسے کوئی عاقل تسلیم کر سکتا ہے۔ بظاہر ہمارے محترم مدیر پیغمبر اسلام سے زیادہ بلغ ما انزل الیک کا مطلب سمجھ سکتے ہیں آنحضرت تو اس آیت کے نزول کے بعد ولایت علی کا اعلان فرمائیں لیکن مدیر اہلحدیث اس فعل کو بہ نگاہ غضب و اعتراض دیکھتے ہیں۔ حقیقت میں جن کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ پر حرف آجائے نبوت پر دھبہ لگ جائے لیکن حضرت علی کی خلافت ثابت نہ ہونے پائے ان سے بجز اسکے اور کیا امید ہو سکتی ہے۔

اب ہم ان تمام حوالوں کو پیش کرتے ہیں جن سے آیہ بلغ کا درباب ولایت علیؑ نازل ہونا ثابت ہوتا ہے مگر خطرہ یہ ہے کہ کہیں وہ ان حوالوں کو پھر شیعوں کی کتاب کا حوالہ نہ کہدیں اکثر مفسرین و محدثین اہلسنت نے یہی لکھا ہے کہ آیہ بلغ ولایت علی کے بارے میں ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو

نزلت ھذہ الآیۃ فی ولایۃ علی فاخذ رسول اللہ بیدہ فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ وامر اللہ النبی ان یبلغ فی علی۔

یہ آیت علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے رسول نے اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہا خدا نے حکم دیا تھا کہ علی کے بارے میں اعلان کردیں۔

(تفسیر ثعلبی و کفایت الطالب محمد بن یوسف گنجی شافعی)

امر اللہ محمداً ان ینصب علیا للناس فخبرھم بولایتہ فتخوف رسول اللہ ان یطعنوا فی ذالک ما وحی اللہ الیہ ھذہ الایۃ فقام بولایتہ یوم غدیر

(شواہد التنزیل ابو القاسم حسکانی)

عن ابن مسعود نزلت ھذہ الایۃ یوم غدیر خم فی علی بن ابی طالب

نزلت ھذہ الآیۃ فی بیان الولایۃ لعلی۔

(درمنثور سیوطی، مناقب ابن مردویہ، کتاب مانزل من القرآن فی علی و مناقب خوارزمی، اسباب النزول واحدی)

نزلت فی فضل علیؑ بن ابی طالب۔ تفسیر نیشاپوری و خصائص نسائی۔ سیرۃ حلبیہ، مودۃ القربیٰ ہمدانی، ینابیع المودۃ، عینی شرح بخاری و ارجح المطالب ان تمام کتب اہلسنت میں صراحتًا مذکور ہے کہ آیہ بلغ کا نزول غدیر کے موقع پر ولایت علی کے بارے میں ہوا عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابوسعید خدری، براء بن عازب جیسے اکابر صحابہ کرام کی شہادتوں کے بعد کیسے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ان کے اقوال کو تسلیم نہ کرنا صحابہ نوازی کے خلاف ہے اس لیے یہ تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ بلغ ما انزل الیک سے مراد اعلان ولایت علیؑ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آیہ بلغ کا علیؑ کے متعلق نازل ہونا اور اس سے آپ کی خلافت پر استدلال ہونا اس طرح مشہور بین الفریقین بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ کسی صاحب علم کو انکار کی ہمت نہیں ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو تفاسیر و احادیث و تواریخ اسلام سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ یہ واقعہ حد تواتر تک قطعی ہو چکا ہے لہذا آفتاب پر خاک ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں ہم یہاں صرف چند حوالے آیہ بلغ کے اور باب ولایت علیؑ نازل ہونے کے متعلق پیش کر دیے گئے ورنہ اگر سب کا احصار کیا جائے تو مستقل ایک تصنیف ہو جائے اہل نظر کے لئے اتنا ہی کافی ہے اس قدر متواتر اور معتبر روایات کے بعد بھی کوئی نہ مانے تو یہ اسکی عقل و فہم کا قصور ہے ورنہ ماعلینا الا البلاغ۔ البتہ ہم یہاں اتنا سوال کرنے کے حقدار ہیں کہ مذکورہ بالا کتب کے حوالے بھی کیا شیعوں کی ایجاد ہے کیا یہ کتابیں بھی شیعوں کی کتابیں ہیں یا اکابر اہلسنت کے زور قلم کا نتیجہ ہیں پھر انکے بعد بجز تسلیم کرنے کے کیا چارہ ہے۔ یہ تمام بحثیں سابق میں علماء کر چکے ہیں اور آیہ بلغ کے متعلق تمام شبہات کے جوابات دیے جا چکے ہیں اس لئے اس قصۂ پارینہ کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہمارے لائق مدیر نے چلتے چلتے اک غضب آمیز نگاہ شیعوں پر یہ بھی ڈالی ہے کہ "شیعوں نے تمام قرآن پر قبضہ جما رکھا ہے ہر آیت کو اپنے ائمہ کے اوپر چسپاں کر دیتے ہیں" غالباً مدیر کو یہ پتہ نہیں کہ یہ حق جملہ انکی زبان قلم پر خود بخود آ گیا بےشک شیعوں کا قبضہ قرآن مجید پر ہے اور ہونا بھی چاہیے قرآن مجید علیؑ و اولاد علیؑ کے گھر اترا [illegible] ہی وارث تھے وہ بزبان پیغمبر تھے، انا مدینۃ العلم و علی بابہا کی حدیث علی ہی کی شان میں پیغمبر

سے ارشاد فرمائی قرآن کی بیشتر آیات انھیں کی مدح میں نازل ہوئے وہ آیات قرآن کے صحیح مصداق [illegible]
تفسیر سے واقف تھے علوم قرآن اہلبیت رسول ہی کے سینے میں ہیں وانہ ابن یفترقا کی حدیث الثقلین
کی شان میں ہے پھر وہ جو کچھ ارشاد فرمائیں اور جس آیت کا نزول جس کے متعلق فرمائیں وہ بجا و
درست ہے اعلے اگر آیات سے مدح ائمہ مقصود ہے تو اس میں خلل کیا اگر یہ غرض خلفا کو حاصل نہ ہوسکا
تو اس محرومی قسمت پر غصہ کیسا؟

یہ تاویل قرآن ہے جس کا علم بجز راسخون فی العلم دوسروں کو حاصل نہیں ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ
والراسخون فی العلم کا مصداق یہی لوگ ہیں اگر اطمینان نہو تو ذرا ان تالیفات کا مطالعہ کیجئے۔ خصائص
نسائی، ما نزل من القرآن فی علیؑ، ارجح المطالب ینابیع المودۃ، مودۃ القربیٰ علامہ ہمدانی وغیرہ اسکے
بعد معلوم ہوگا کہ کس قدر آیات مطابق روایات اہلسنت مدح ائمہ طاہرین میں نازل ہوئے ہیں۔ اپنے
منہ میاں مٹھو بننا آسان ہے لیکن مقام تحقیق میں وہی بات مسلم ہوگی جو بین الفریقین ثابت ہو،
ذرا کوشش فرماکر انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا یا علی مع القرآن یا من عندہٗ علم الکتاب یا انا القرآن الناطق
وغیرہ جیسی حدیث و آیت کسی شیعی روایت و کتاب سے خلفاء ثلاثہ کے لیے بھی ثابت فرما دیجئے جس طرح
کہ ہم نے اپنے دعویٰ کی تائید میں اہلسنت کے کتب کے حوالے پیش کیے ہیں کیا جناب امام احمد بن حنبل
کی وہ حدیث بھول گئے ما جاء لاحد من الصحابۃ ما جاء لعلی بن ابی طالب (ینابیع)

جتنی روایتیں فضائل علی میں رسول سے منقول ہیں اتنی کسی صحابی کے لئے وارد نہیں ہوئی ہیں
اتنی جامعیت کمال کے بعد صرف سلطنت کا نام خلافت الٰہیہ رکھ لینا یہ جناب ہی کا طرۂ امتیاز ہے
ہمارے ہاتھ میں تو دین و دنیا دونوں ہیں۔ آخر میں ہم اپنی توجہ مدیر محترم کے اس شعر کی جانب منعطف
کرکے مضمون کو ختم کر دینا چاہتے ہیں جو موصوف نے شیعوں کی جانب بطور طعن منسوب فرمایا ہے۔ آپ
فرماتے ہیں   دشنام بمذہبے کہ جائز باشد   مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

شیعہ بیچارے تو صرف تبرا کرتے ہیں جو علاوہ فطری شے ہونے کے قرآن میں بھی جابجا مذکور ہے
اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا یا فلما تبین انہ عدو للہ تبرأ منہ۔ اگر یہ دشنام ہے تو قرآن کا [illegible]
ایسے بچے ہیں میرے خیال میں ہمارے دوست نے اس کا صحیح مصداق نہ سمجھا انھیں چاہیے کہ
اس کے مصداق اس مشہور فقرہ کی روشنی میں تلاش کریں "کان ابوبکر سبابا" [illegible]
دشنام [illegible] شعر کا فاعل [illegible] مذہب و اہل مذہب کی حقیقت معلوم [illegible]
[illegible]

محاکمہ بر مکالمہ

کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کی مفصل بحث

گذشتہ نمبر میں ایک مختصر مضمون شائع ہوا تھا جس میں فاضل مضمون نگار نے بتایا تھا کہ امام مالک اعلم تھے اور وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔ اس مقالہ علیہ کو دیکھکر مبارک پور کے مولوی محمد فضل الرحمٰن صاحب نے مندرجۂ ذیل مضمون بغرض اشاعت بھیجا ہے اور اصرار کیا ہے کہ درج الواعظ ہو ہم دیانت کے ساتھ اس مضمون کو درج کرتے ہیں اور مولوی صاحب سے صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ الواعظ کے نوٹ میں دو باتوں کا دعویٰ تھا ایک امام مالک کی اعلمیت دوسرے ان کا ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا اور خدا کا شکر کہ وہ دونوں دعوے آپ کو بھی تسلیم ہیں لہذا اپنی جگہ یہ ثابت ہے کہ الواعظ نے جو دعویٰ کیا تھا وہ بے بنیاد نہیں ہے۔ اڈیٹر

الواعظ بابت مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ میں ایک مضمون بعنوان ایک دلچسپ مکالمہ، امام مالک اعلم تھے یا امام ابو حنیفہ؟ نظر سے گذرا۔ فاضل مضمون نگار یہ ثابت کرنے کے بعد کہ امام مالک امام ابو حنیفہ سے اعلم تھے ارقام فرماتے ہیں "جب معلوم ہو گیا کہ امام مالک اعلم تھے بمقابلہ امام ابو حنیفہ کے تو یاد رکھئے کہ امام مالک نماز میں ہاتھ کھولنے کا حکم دیتے ہیں اور ابو حنیفہ باندھنے کا لہذا بتلایئے کہ کس کا قول درست ہوگا؟" جواباً عرض ہے کہ اولاً تو ہمارا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ اعلم بالکتاب والسنۃ ہی کیوں نہ ہو مگر اس کا قول و فعل ہمارے لیے حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ اس کا قول یا عمل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول یا عمل کے خلاف ہو امام مالک اگرچہ اعلم ہیں مگر چونکہ ان کا عمل اس مسئلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے یعنی امام مالک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھ باندھکر نماز پڑھنا ثابت ہے لہذا فعل رسول پر عمل کیا جائے گا اور امام مالک کا عمل چھوڑ دیا جائے گا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلے ہاتھ نماز پڑھنا ثابت نہیں نہ سند صحیح سے اور نہ سند ضعیف سے [illegible] روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے [illegible]

تاکہ خفیف سا ارسال ہوجائے پھر ہاتھ باندھ لیتے۔ جبکہ بعض علماء کا مذہب ہے کہ تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دیتے ہیں پھر باندھ لیتے ہیں۔

ثانیاً۔ امام مالک نے اپنے موطا میں عنوان مقرر کیا ہے وضع الیدین احدیہما علی الاخری فی الصلوٰۃ یعنی نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنا اور اسکے تحت میں پہلے عبدالکریم ابن ابی المخارق البصری کا یہ اثر ذکر کیا ہے کہ انہ قال من کلام النبوۃ اذا لم تستحی فاصنع ماشئت ووضع الیدین احدیہما علی الاخری یعنی الیمنیٰ فی الصلوٰۃ الخ یعنی انھوں نے کہا کلام نبوت سے ہے کہ تجھے حیا نہیں تو تیرا جو جی چاہے کر اور نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا پھر سہل بن سعد الساعدی کی یہ حدیث ذکر کی ہے قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنیٰ علی ذراعہ الیسریٰ فی الصلوٰۃ الحدیث یعنی انھوں نے کہا لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے کیونکہ صحابہ کو حکم دینے والے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے قال الحافظ ھذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الامر لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہیٰ۔ پس امام مالک کا اپنی کتاب میں اثر اور حدیث مذکور کا ذکر کرنا شاہد ہے کہ آپ ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے کے قائل و عامل تھے اور امام مالک سے جو تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام مالک سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے۔ کذا ذکرہ العینی فی شرح الھدایہ عن مالک۔

ثالثاً۔ اس مسئلہ میں امام مالک سے تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور ان میں بھی کئی طرح کا اختلاف ہے

احداھا وھی المشھورۃ عنہ انہ یرسل یدیہ کما نقلہ صاحب الھدایۃ والسرخسی فی محیطہ وغیرھما عن مالک وقد ذکر العلامۃ ابو محمد عبداللہ الشاشی المالکی فی کتابہ المسمیٰ بعقد الجواھر الثمینۃ فی مذھب عالم المدینۃ والزرقانی فی شرح الموطا ان ارسال الید روایۃ ابن القاسم عن مالک وزاد الزرقانی ان ھذا ھو الذی صار الیہ اکثر اصحابہ

پہلی روایت جو مشہور ہے یہ ہے کہ امام مالک ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے اسی کو نقل کیا ہے صاحب ہدایہ اور سرخسی نے اپنی کتاب محیط میں اور [illegible]

[illegible]

[illegible] امام [illegible] سے ارسال ذکر کیا ہے علامہ ابو محمد [illegible]
[illegible] کتاب عقد الجواہر الثمینہ میں اور زرقانی نے شرح موطا میں یہ
ذکر کیا ہے کہ ہاتھ کھولنے کی روایت ابن قاسم کی ہے امام مالک سے۔ اور زرقانی نے
اتنا زیادہ کیا ہے کہ اس طرف امام مالک کے اکثر اصحاب گئے ہیں۔

الثانیة فقد تقدمت۔ دوسری روایت اوپر گزر چکی کہ امام مالک سینہ کے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے۔

الثالثة انه تخییر بین الوضع والارسال تیسری روایت وضع (ہاتھ باندھنے) اور ارسال (ہاتھ کھولنے) کے درمیان تخییر کی ہے۔ (یعنی ہاتھ باندھے یا کھلا رکھے)

وذکر فی عقد الجواهر وشرح الموطا انه قول اصحاب المالك المدنیین (کذا فی تحفة الاحوذی) اور ذکر کیا ہے عقد الجواہر اور شرح موطا میں یہ قول ہے امام مالک کے مدنی اصحاب کا۔

دیکھئے ان روایات میں کس قدر تفرقہ اور تضاد ہے۔ اور جبتک یہ متحقق و متعین نہ ہو کہ امام مالک ہاتھ کھلا رکھنے کا حکم دیتے تھے فاضل راقم مضمون کا یہ قطعی فیصلہ فرما دینا کہ وہ امام مالک نماز میں ہاتھ کھولنے کا حکم دیتے تھے یہ غیر مناسب ہے۔ ع دعوی بلا دلیل قبول حرز نہیں۔

اور بالفرض امام مالک نے ہاتھ کھولنے کا حکم دیا ہو تب بھی اس پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ فعل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قابل عمل ہوگا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة

تکملہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ جس روایت میں ارسال کا ذکر ہے وہ محمول ہے اس پر کہ آنحضور بعد تکبیر خفیف ارسال فرماتے پھر ہاتھ باندھ لیتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مزید بحث یہاں تلخیص الحبیر (للحافظ ابن حجر) سے نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

عن الغزالی روی فی بعض الاخبار انه کان یرسل یدیه اذا کبر واذا اراد ان یقرء وضع یده الیمنی علی الیسری الطبرانی من حدیث معاذ ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان اذا کان فی صلوته رفع یدیه قبال اذنیه فاذا کبر ارسلهما ثم سکت وربما رأیته یضع یمینه علی یساره الحدیث وفیه الخصیب بن جحدر کذبه شعبة والقطان تنبیه قال الغزالی سمعت بعض المحدثین یقول هذا الخبر انما

[illegible] وحبانه يرسل يديه الى صدره [illegible] يرسل [illegible]
الى الصدر حكاه ابن الصلاح فى مشكل الوسيط

امام غزالی سے منقول ہے کہ بعض روایت میں ہے کہ آنحضور ارسال ید فرماتے جب تکبیر کہتے اور قراءۃ فرماتے تو داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے تھے۔ طبرانی میں معاذ کی حدیث ملتی ہے کہ آنحضور جب نماز میں ہوتے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے بالمقابل اپنے دونوں کانوں کے پس جب تکبیر کہتے تو ارسال فرماتے اور دیکھا میں نے اکثر آپ اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے اس کی سند میں خصیب بن جحدر واقع ہے جس کی شعبہ اور قطان نے تکذیب کی ہے۔ امام غزالی نے کہا میں نے بعض محدثین سے سنا فرماتے تھے یہ حدیث یوں ہے کہ آں حضور اپنا ہاتھ لمبا کرتے تھے اپنے سینہ تک۔ اور یوں نہیں ہے کہ آں حضور اپنے دونوں ہاتھوں کو لٹکا دیتے پھر ان کو سینہ تک اٹھاتے۔ اسکو ابن الصلاح نے مشکل الوسیط میں ذکر کیا ہے۔"

غور کیجئے یہ روایات قائلین ارسال ید کے کہاں تک کارآمد ہیں؟

ہم نے کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کی مفصل بحث اور اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا جو عمل ہے اسکی تفصیل وضاحت سے لکھدی ہے۔ جو عام حضرات وصاحب مذاکرہ کے لیے باعث تسکین ہوگی انشاء اللہ۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین واٰلہ الطیبین الطاھرین

راقم محمد فضل الرحمن عفی عنہ، از مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

عزیز صاحب ایرانی کا جواب

لفافہ موصولہ، رسیٔ میں جناب والا نے جو استفسارات کئے ہیں اسکا جواب خط میں بہ دیں جنہوں نے سے براہ راست روانہ نہیں ہوا مجبوراً الواعظ کے ذریعہ سے مطلع کیا جاتا ہے کہ جو روایات آپ نے غیر کتب سے پیش کئے ہیں وہ کس صفحہ اور کس جلد میں ہیں جبکہ آپ نے خود ملاحظہ کئے ہیں تو مکمل حوالہ دیکر ہمیں پیش کیجئے اور یہ بتائیے کہ جس کتاب کا آپ حوالہ دے رہے ہیں وہ کس سنہ کی چھپی ہے تاکہ ہم غور کریں میں وقت ضائع نہ ہو۔ الواعظ

تین سو روپیہ کا انعامی معمہ Rs 300

صحیح حل کرنے والوں کے درمیان دو سو روپیہ اور ایک اور دو غلطی کرنے والوں کے درمیان سو روپیہ تقسیم ہوگا فیس داخلہ ایک حل کے لیے ۸ ر دو حل کے لئے ۱۲ ر اور تین حل کے لئے صرف ایک روپیہ۔

۲۸ جون ۱۹۴۸ء تک تمام حل دفتر شمیم بکڈپو مراد آباد میں آجانا چاہئیں۔

۳۰ جون ۱۹۴۸ء کو بوقت شام دفتر نور مراد آباد میں تمام حل کھولے جائیں گے اور انعامات کا تعین ہوگا۔ جولائی کے پہلے ہفتہ میں انعامات روانہ ہوں گے اصلی حل وہی سمجھا جائے گا جو ہمارے پاس محفوظ ہو

بتائیے وہ کیا چیزیں ہیں جنکے اشارے اشعار ذیل میں ہیں (کل معمے ۱۰ ہیں)

۱۔ ... بدمغزی زمانہ کی کیا دشمن جاں نکلی
جب منھ کو ذرا کھولا گرمی سے زباں نکلی

۲۔ سر کو ہلا ہلا کے بناتا ہوں میں مکاں
پھر اس میں دفن ہوتا ہوں قسمت کی خوبیاں

۳۔ مرا دل موم کا ہے اور بدن سارا ہے پتھر کا
میں بے مغز ہوں اور طاقت دہندہ آپکے سر کا

۴۔ اندھیرے نے دنیا کے گو سب کو چھپا ڈالا
پر رات میں چمکا ہے قسمت کا مری تارا

۵۔ زندہ مردہ کو لیکے پھرتا ہے
مردہ قے کرتا زندہ پیتا ہے

۶۔ سرخرو ہوتے ہیں وہ میرا کلیجہ چاب کر
کیسے خوش ہوتے ہیں وہ دانتوں میں مجھکو داب کر

۷۔ چوپایہ بنکے پہلوئے انساں میں جا ملی
سوتا نہیں سُلاتا ہوں انسان کو ہر گھڑی

۸۔ دوہری زبان رکھتا ہوں پر بات ایک ہے
جو میرا قدرداں ہے وہی مرد نیک ہے

۹۔ ہے ناک میں نکیل مگر جانور نہیں
سینے میں ہے کمال یہ رہنے کو گھر نہیں

۱۰۔ ہم نے دیکھا ہے ایسا حسن حسیں
نام کو بھی جس میں دروازہ نہیں
گنگا جمنی بہتی ہیں نہریں سدا
کون ہے جو روک دے ان کو ذرا
اک پری مہ جبیں در توڑ کر
آتی ہے باہر پئے سحر نظر

تمام خط و کتابت بنام ندیم نقوی منیجر شمیم بکڈپو مراد آباد سے ہونی چاہیے۔

آپ کے نام وی۔ پی آتا ہے

جن حضرات کی خدمت میں الواعظ نمونہ کے طور پر جاری ہے اور انھوں نے اس وقت تک نہ تو چندہ مرحمت کیا اور نہ خریداری سے انکار کیا ان حضرات سے گزارش ہے کہ اس نمبر کے ملاحظہ کرتے ہی اپنا سالانہ چندہ للعہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں ورنہ جولائی کا پرچہ بذریعہ وی۔ پی حاضر ہوگا اور للعہ مرحمت کرنا اخلاقی فرض ہوگا۔　منیجر

قصیدہ

عالیجناب خان بہادر سید احمد علی صاحب رئیس پٹنہ

زیک نور پیدا نبیؐ و علیؐ — بہم ہر دو شیدا علیؐ و نبیؐ
در و شہر حکمت علیؐ و نبیؐ — مہ و مہر رفعت علیؐ و نبیؐ
دو خور تدبّر علیؐ و نبیؐ — دو بحر تبحّر نبیؐ و علیؐ
جہاں بخش و آقا علیؐ و نبیؐ — جہاں بخش و مولیٰ نبیؐ و علیؐ
دو ابر دُر افشاں نبیؐ و علیؐ — دو مہر درخشاں علیؐ و نبیؐ
وصی و پیمبر علیؐ و نبیؐ — حفی و غضنفر نبیؐ و علیؐ
دو مشکوٰۃ ایماں نبیؐ و علیؐ — دو مصباح ایقاں علیؐ و نبیؐ
امین و مکرّم نبیؐ و علیؐ — امیر و معظم علیؐ و نبیؐ
دوتا گنج عرفاں علیؐ و نبیؐ — دوتا کنز غفراں نبیؐ و علیؐ
مقدم موخر نبیؐ و علیؐ — مفخّم موقّر علیؐ و نبیؐ
دوتا ظلّ رحمت علیؐ و نبیؐ — دوتا ابر نعمت نبیؐ و علیؐ
کُہِ حلم و رفعت نبیؐ و علیؐ — یم جود و بذلت علیؐ و نبیؐ
دوتا شاہ کیہاں علیؐ و نبیؐ — دوتا ماہ رخشاں علیؐ و نبیؐ
مُعلّم مُفصّل نبیؐ و علی — متمّم مکمّل علیؐ و نبیؐ
صفا را دو گوہر علیؐ و نبیؐ — علا را دو اختر نبیؐ و علیؐ
تضرّع ذو الاحساں نبیؐ و علیؐ — رفیع و فلک شاں علیؐ و نبیؐ
دو ناز افاخم علیؐ و نبیؐ — دو فخر اعاظم نبیؐ و علیؐ
دو محض متانت نبیؐ و علیؐ — دو عین عدالت علیؐ و نبیؐ
مفکّر مدبّر علیؐ و نبیؐ — مبشّر مذکّر نبیؐ و علیؐ
چہ محمود و حامد نبیؐ و علیؐ — چہ مشہود و شاہد نبیؐ و علیؐ
دو محبوب آدم علیؐ و نبیؐ — دو مخدوم عالم نبیؐ و علی
علیم از فیوض علیؐ و نبیؐ — بود مدح خواں نبیؐ و علیؐ

کربلائے نواب عظمت الدولہ لکھنؤ

از جناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ

یہ کربلا منصور نگر کے قریب محلہ مہدی گنج میں واقع ہے۔ اس میں صرف ایک عالیشان امام باڑہ بنا ہوا ہے جس میں عریض و طویل شہ نشین اور دالان کے علاوہ بغلی درجے بھی تعمیر ہیں۔ راقم السطور نے اولاً اس کربلا کو پانچویں فروری ۱۹۴۳ء کو دیکھا تھا۔ اس وقت امام باڑہ کی حالت بہت خراب تھی چھتیں کھلی پڑی تھیں اور پوری عمارت مرمت طلب تھی صرف چہار دیواری ثابت تھی۔ اس کے بعد ۸ رجولائی ۱۹۴۵ء کو دوبارہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ امام باڑہ کی چھتیں پاٹ کر اندرونی جانب سرکاری بھی کرا دی گئی ہے صرف تھوڑا سا بغلی حصہ قابل مرمت رہ گیا ہے۔ امام باڑہ کے سامنے وسیع صحن ہے جس میں تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ صحن کی حدبندی کے لیے سامنے کی طرف اور دونوں پہلوؤں میں پختہ دیواریں بھی بنی ہیں۔ احاطہ کے اندر امام باڑہ کے مقابل جانب ایک مسجد بھی کسی خانم صاحبہ کی ۱۸۵۳ء کی تعمیر کردہ موجود ہے جس کی تاریخ تعمیر "منزل دین" ہے۔ مسجد میں ایک قطعہ تعمیر بھی لگا ہوا ہے مگر بوجہ بوسیدگی پڑھا نہیں جا سکا۔

شہ نشین پر ایک چوبی ضریح رکھی ہوئی ہے جو اودھ الکٹرک کمپنی لکھنؤ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مقدس کے اندرونی حصہ سے مشابہ کر کے تیار کی تھی۔ اور لکھنؤ کی ایک نمائش میں بغرض ہدیہ رکھ دی گئی تھی۔ اس ضریح کی شبیہ بھی ۱۳۵۲ھ میں اخبار سرفراز کے محرم نمبر کے سرورق پر شائع ہو چکی ہے۔

کربلا کے باہری جانب بھی کچھ اراضی پر تعزیے دفن ہوتے ہیں اور اس کی مرمت شکست و ریخت و دیگر امور کے لیے کافی آمدنی کی جائداد بھی وقف ہے۔ مجھو کا غذی کا قدیم تعزیہ اکیسویں صفر کو اسی کربلا میں جاتا ہے اور فقیر کا تعزیہ بھی ۲۰ر صفر کو یہیں دفن ہوتا تھا۔

اس کربلا کو ابتداءً جناب صفوۃ العلماء سید محمد باقر صاحب مجتہد نواب منصف الدولہ شریف الملک بہادر نے تعمیر کرایا تھا آپ جناب مولوی سید محمد صاحب سلطان العلماء کے فرزند اور حضرت غفرانمآب جناب مولوی سید دلدار علی صاحب نصیر آبادی کے پوتے تھے۔

پورا شجرۂ خاندان حسب ذیل ہے۔

[1] غفرانمآب جناب مولوی سید دلدار علیصاحب ابن مولوی سید محمد معین صاحب

(۱) مولوی سید محمد صاحب (سلطان العلماء) (۲) مولوی سید علیصاحب (۳) مولوی سید حسین صاحب (۴) مولوی سید مہدی صاحب (۵) مولوی

مولوی سید محمد باقر صاحب (مصنف الروضہ) سید حسین صاحب عرف میرن صاحب

سید محمد جعفر صاحب امید قمر النسا بیگم صاحبہ (سید العلماء علیین مکان)

سید محمد کاظم صاحب جاوید بدر النسا بیگم صاحبہ مولوی سید محمد تقی صاحب (ممتاز العلماء)

(لاولد فوت ہوئے) (منسوبہ شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب) شمس العلماء مولوی سید محمد ابراہیم صاحب

(۱) مولوی سید محمد تقی صاحب (۲) مولوی سید ابوالحسن صاحب (۳) صاحبزادی

(۱) مولوی سید محمد صاحب عرف میرن صاحب (۲) مولوی سید آغا مہدی صاحب مدیر الواعظ

(حیات) (حیات)

حضرت امجد علی شاہ جو ۱۶ مئی ۱۸۴۲ء سے لیکر ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء تک فرمانروائے اودھ رہے اور امور دینداری خدا پرستی اور پابندی صوم و صلواۃ میں اپنے آبائے کرام پر سبقت لے گئے تھے۔ جنکو انگریز مورخوں[2] نے یوں ظاہر کیا کہ ان کے مزاج میں بمقابلہ حکومت و سیاست مذہبیت و مولویت کا عنصر غالب تھا مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم بھی "گذشتہ لکھنؤ" میں امجد علیشاہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ وہ بڑے ثقہ اور متقی اور پرہیزگار تھے۔ مناہی سے بچتے اور امور شریعت کی پوری پابندی کرتے اور کوئی کام بغیر جناب قبلہ و کعبہ کی اجازت کے نہ کرتے۔

موصوف[3] نے بوجہ حسن عقیدت و خلوص نیت محکمۂ قضا سلطان العلماء و سید العلماء کے اختیار میں دید یا تھا ان ہی دونوں مجتہدوں کی تحقیقات اور تجویز سے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ اہلسنت کے عدالتی مقدمات کے تصفیہ کے لئے بھی مفتی تمام قلمرو میں انھیں دونوں کی رائے سے مقرر ہوتے تھے۔ بادشاہ کے یہاں سے قریب ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی زکوٰۃ نکلتی تھی وہ بھی انہی دونوں بھائیوں کے حوالے کردی جاتی تھی اس کی تقسیم بھی ان ہی دونوں صاحبوں کی تجویز اور مشورہ سے ہوتی تھی۔ سلطان العلماء کے مشورہ سے ایک مدرسہ دینیہ بھی بڑے پیمانہ پر جاری کیا گیا تھا جس میں طلاب کو معقول وظائف ملتے تھے اور

---

[1] اولاد جناب غفرانمآب کے حالات الواعظ کے ابتدائی جلدات میں بزمانہ ادارت حضرت عزیز مرحوم چھپے ہیں۔ [2] قیصر التواریخ [3] قیصر التواریخ [4] سوانح عمری محمد کاظم

کھلا درس دیتے تھے بادشاہ[1] سلطان العلماء کو بڑے قبلہ و کعبہ کہتے تھے۔ ان کے بعد اور سب لوگ بھی اُنکو بڑے قبلہ و کعبہ کہنے لگے آپ کا وہ شہرہ و اقبال ہوا کہ حضرت امجد علی شاہ آپ کے دولتخانہ پر بھی تشریف لیجاتے تھے اور نہایت انکسار و تواضع سے پیش آتے تھے۔

محکمۂ عدل و انصاف کے علاوہ بادشاہ نے محکمۂ آبکاری بھی آپ کے حوالہ کر دیا تھا جسپر شیخ گوہر علی مشیر نے اپنے مخصوص شوخیانہ انداز میں یہ شعر کہا

جناب قبلہ و کعبہ کو آبکاری ہے — شراب جو نہ پئے اندنوں وہ ناری ہے

سلطان العلماء کے بیاہتا بیوی سے چار فرزند حسب ذیل تھے (۱) سید محمد باقر صاحب (۲) سید محمد صادق صاحب (۳) سید محمد مرتضیٰ صاحب (۴) سید عبداللہ صاحب۔ ان میں سید محمد باقر صاحب سب سے بڑے تھے مابقی اولاد دوسرے بطنوں سے تھی حضرت امجد علی شاہ نے تاجپوشی پر سلطان العلماء کے پسر اکبر مولوی سید محمد باقر صاحب کو خطاب "منصف الدولہ" عطا کر کے انھیں عدالت دیوانی و فوجداری کا مہتمم مقرر کیا تھا۔

منصف الدولہ کی ولادت بقول مصنف ورثۃ الانبیاء بمقام لکھنؤ ۱۲۱۳ھ میں ہوئی مگر خاندان اجتہاد کے اراکین اس پر یکزبان ہیں کہ انکی وفات بعمر ساٹھ سال ۱۲۷۶ھ میں ہوئی جیسا کہ لوح مزار کے اشعار سے ظاہر ہے اس حساب سے ان کا سال پیدائش ۱۲۱۶ھ ہوتا ہے نہ کہ ۱۲۱۳ھ جیسا کہ مصنف مذکورالصدر نے ظاہر کیا ہے۔

صاحب تذکرۃ العلماء بھی منصف الدولہ مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ وہ مرحوم جامع معقول و منقول و حاوی فروع و اصول و سخی تھے۔ عزاداری میں انہماک تھا اور جب راہ میں تعزیہ ملجاتا تھا تو اس پر ضرور کچھ چڑھاتے تھے بلکہ اکثر شہر کے عزاخانوں پر جاکر ہر مذہب والے کے تعزیہ پر چڑھاتے تھے ذہانت و ذکاوت طباعی تو آپ کی خاندانی وراثت تھی اور جناب علیین مکان اور سلطان العلماء سے تلمذ تھا۔

مصنف مذکور ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں "جناب جاوید صاحب فرماتے تھے کہ لکھنؤ حیدری گنج کی کربلا میں مسجد[2] و کنواں وغیرہ آپ ہی نے (یعنی منصف الدولہ نے) بنوائی تھی جو اب نواب عظمت الدولہ بہادر کی کربلا مشہور ہے تعزیوں پر چاندی سونے کے پھول چڑھاتے تھے

---

[1] تاریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ پنجم

[2] مسجد پر تاریخ تعمیر جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دو منزل دین " لگی ہوئی ہے جو اس امر کا ناقابل انکار ثبوت

سنی ایسے تھے کہ حضرت فردوس منزل امجد علی شاہ نے آپ کو بیش قیمت دوشالہ یہ کہہ کے عنایت فرمایا کہ میری خوشی یہ ہے کہ یہ آپ کے پاس رہے وہ قبول فرمالیا مگر آپ نے ایک مومن کو دیدیا کہ اُنکی لڑکی کی شادی تھی اور ان کے یہاں سامان شادی نہ تھا۔"

علم کلام میں ان کی بہت ممتاز حیثیت تھی۔ صاحب تصانیف تھے۔ تشئید المعانی اُنکی مشہور کتاب ہے جو عہد شاہی میں طبع ہوئی تھی۔ علم طب میں بھی موصوف کو کافی دستگاہ تھی۔ زمانہ شاہی میں پانچسو روپیہ تنخواہ مقرر تھی شریعتکدہ سرائے معالیخاں سے قریب اس سڑک پر تھا جو وکٹوریہ پارک سے کاکوری کو گئی ہے۔ بوجہ سادگی و منکسر المزاجی مکان خام رکھا تھا جس پر کھپریل پڑی ہوئی تھی مگر محلسرا کے نام سے مشہور تھا۔ مکان مذکور کرا ملن روڈ (Crammelin Road) نکلنے پر سڑک میں آگیا جائے سکونت سے قریب ہی محلہ سرائے معالیخاں میں موصوف نے ایک امام باڑہ اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی امامباڑہ تو اب باقی نہیں ہے مگر مسجد بطور ان کی یادگار کے بہت بوسیدہ حالت میں ابتک موجود ہے اور اہل دنیا کی غفلت و لاپرواہی کا رونا رو رہی ہے۔

یہ دونوں عمارتیں اُس سڑک کے بالکل نکڑ پر داہنی جانب واقع ہیں جو سرائے معالیخاں سے نواز گنج کو گئی ہے۔ عشرہ کے دن موصوف سر و پا برہنہ کربلا کو جاتے تھے۔ اُن کا تعزیہ ۸ر صفر کو اُٹھتا تھا اور ۲۸ر صفر کو حضرت امام حسنؑ کا تابوت بڑے تزک و احتشام سے اُٹھاتے تھے۔ سبز تابوت پر سبز شاہی شامیانہ بھی ہوتا تھا۔ ۸ر صفر کے تعزیے میں مستورات بھی شریک ہوتی تھیں۔ ہر سواری کے اُترتے وقت عورتیں منھ ڈھانکتی تھیں اور جبتک کہ حاضری کے خوان کربلا سے نہ آجاتے کوئی کھانا نہ کھاتا۔

عید بقرعید کو جو خلعت آتا تھا وہ نہایت بیش قیمت ہوتا تھا چنانچہ سید محمد کاظم ملازم مدرسہ سلطانیہ بھی اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں: ۔

بروز ہائے اعیاد کہ خلعت بجناب اجتہاد مآب عنایت می شد بہتر از خلعت وزارت مع فیل و اسپ و شمشیر و پالکی وغیرہ آنہا می بود و بہ مقتضائے حسن عقیدہ و دینداری بادشاہ خودگاہ گاہ بخانہ جناب

ہے کہ یہ خانہ خدا ۱۲۷۱ھ میں تعمیر ہوا جس کو ۶۵ سال کا عرصہ گذرا۔ چونکہ معتمد الدولہ ۱۲۴۶ھ میں اب سے نوے سال قبل یعنی تعمیر مسجد سے ۲۵ سال قبل رحلت کر چکے تھے اسلئے ہم جاوید صاحب کا یہ بیان صحیح تسلیم کرنے سے بالکل قاصر ہیں کہ مسجد معتمد الدولہ کی تعمیر کردہ ہے ہمیں اس کا بھی افسوس ہے کہ تاریخ العلماء کے جیسے ذمہ دار مصنف نے اس بیان کو آنکھ بند کر کے بغیر جانچ و تحقیق کے کتاب میں درج کر دیا جس سے اتنی بڑی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ تصدق حسین

مجتہد العصر تشریف فرما می شدند"

ایک دوسرے مقام پر تقسیم زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت اقدس و اعلیٰ بہ لحاظ کمال پابندی شرع زکوٰۃ مال خود کہ زیادہ از سہ لکھ روپیہ می شد ہر سال برآوردہ بخدمت جناب مجتہد العصری فرستادند کہ بہ محتاجین و مساکین تقسیم فرمایند در آں ایام بر دولت خانہ جناب قبلہ و کعبہ ازدحام خلائق و ہجوم خواص و عوام بیرون از حد حساب و شمار می شد۔ پیش دروازہ تمام شارع عام بر از مرد ماں می شد و مستورات بسواری سوار شدہ می آمدند ہر یکے بہ مطلوب خود ہا میرسید و احدے محروم و مایوس نمی گردید چوں دراں ہجوم عوام اکثر کسانیکہ مستحق نمی بودند میگرفتند لہذا در سال دیگر تجویز شد کہ بہ شہادت مقربین کسانیکہ استحقاق گرفتن زکوٰۃ داشتہ باشد در ماہ برائے انہا معین شود پس ہر یکے از مخصوصان قبلہ و کعبہ اسمائے عزیزاں ۔ دوستاں اہل جوار خود در فرسے نوشتہ پیش نمود اسمائے انہا در دفتر سرکاری نوشتہ تنخواہ برائے ہر کسے علیٰ قدر حال جاری گردید کہ ماہ بماہ می گرفتند"

منصف الدولہ کو بیر شدی پور ضلع رائے بریلی تحصیل سلون کے رئیس میر امیر علی صاحب کی صاحبزادی خیر النساء بیگم منسوب تھیں جنکے بطن سے صرف ایک صاحبزادے سید محمد جعفر صاحب امید تھے۔ ان کی وضع قطع اس زمانہ کے شرفا کی تھی یعنی سر پر چوگوشیہ ٹوپی گلے میں انگرکھا۔ ایک ایک کلی کا غرارہ دار پائجامہ اور پاؤں میں گھیتلا جوتا۔ یہ بڑے ظریف الطبع ذہین میر انیس کے معاصر تھے۔

۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۸۷۶ء میں صرف ایک صاحبزادے سید محمد کاظم صاحب جاوید صاحب کو چھوڑ کر انتقال کیا۔ جاوید صاحب بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ نواب بہادر حسین خاں انجم نے انکی شان میں کہا ہے۔

اس عہد میں بس ہیں پانچ شاہان سخن ۔۔۔ حقا کہ انھیں کے دم سے ہے شان سخن

جاوید و عروج و عارف و اوج و رشید ۔۔۔ یہ پنجتن پاک ہیں ایمان سخن

راقم السطور نے حضرت جاوید کو اپنے عنفوان شباب میں دیکھا تھا۔ چہرہ گول اور سر پر پٹے تھے رنگت کھلتی ہوئی سانولی۔ ہاتھ پاؤں گداز خط بنا ہوا سر پر چوگوشیہ ٹوپی گلے میں انگرکھا اُسکے نیچے ڈھیلے پائچوں کا پائجامہ۔ پیروں میں بکسوے دار جوتا یا قل سلیپر استعمال کرتے تھے انھوں نے لاولد انتقال کیا۔ منصف الدولہ کی صاحبزادی قمر النساء بیگم زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب ابن سید العلماء کو منسوب تھیں موصوفہ نے کربلائے معلیٰ میں ۱۹ رجب ۱۲۸۶ھ کو انتقال کیا

یہ قطعہ تاریخ قمری سال وفات کو ظاہر کرتا ہے

لقد هاجرت قمر النساء تشوقا	الی مشهد السبط الشهید تعزیة
فضت نحبها فی کربلاء مریضة	فکان کما نتوی بها من اقامه
اقامت بقبر من بقاع شریفة	ببهجتها فاقت حدائق جنه
بدت مثل بدر فی سماء غصانها	عواها فسوف فی زمان انار له
فدا غیبت قلنا تحبین لسؤلهم	اذا استنبؤا من عام تلك السر زیه ۱۲۹۵

موصوف کی نواسی بدرالنساء بیگم شمس العلماء مولوی سید محمد ابراہیم صاحب سے کدخدا ہوئی تھیں جیساکہ اس قطعہ سے واضح ہے

خلف الصدق سید العلماء	بلاد و دیار می نامد
پسر اوست سید ابراہیم	بہ بساط عروسی آرامد
یا الٰہی مدام بادۂ عیش	بایاغ سروران نامد
شب چوں آں ماہ کدخدا گردید	ابتدایش بخیر انجامد
کردسالش رقم دبیر فلک	مشتری زاں بعقد مہ آمد

عربی کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریب ۱۸ ذی الحجہ کو قرار پائی تھی۔

ولد المجتهد محمد التقی	خلافه بجباته متفرج
هو لیلة العید الغدیر مناکحه	ارخت فی ذی حجه متزوج

یہ تاریخ کیواں شاعر نے نظم کی ہے۔

منصف الدولہ نے ۱۰ رجمادی الاخری ۱۲۷۶ھ مطابق ۶ ردسمبر ۱۸۵۹ء کو اپنے والد کے سامنے اس دار ناپائدار کو خیرباد کہا اور امامباڑہ غفرانمآب کے وسطی درجہ میں دفن ہوئے۔ اس سے قبل برادر خورد سید العلماء بھی داغ مفارقت دے چکے تھے جس سے موصوف کو صدمۂ عظیم ہوا تھا۔ سنگ مرمر کے لوح مزار پر یہ اشعار کندہ ہیں

عالی نسب والا حسب باقر لقب	رفت و شور ماتمش از ماہ تا ماہی شدہ
زیں بلا کز آسمان نیلگوں چوں می چکد	می تواں گفتن کہ رنگ شرع دین کاہی شدہ
خستہ شد زیں درد طبع قبلۂ ارباب دیں	گرچہ دردم لیک دل را زیں غم آگاہی شدہ
بودکم گو یا غم جاں سوز علیین مکاں	کز سر نوایں سروساماں جاں کاہی شدہ

سال تاریخ وفات اکبر اولاد او — منصف الدولہ سوی دارالبقاء راہی شدہ

مفتی میر عباس صاحب نے بھی یہ تاریخ وفات نظم کی

بازایں چہ شیون است کہ دل میرود ز دست — بازایں چہ تازہ نالہ دریں کہنہ گنبد است

بیمار گشتہ مجتہد العصر از الم — در فراق اکبر اولاد بے حد است

شد فوت چونکہ بسملہ دفتر خرد — مجلس برائے فاتحہ خوانی بنا شد است

تاریخ بزم تعزیتش از سر ادب — رسم عزائے باقر آل محمد است

۱۲۷۶

راقم مضمون کو اپنے محب محترم داخلاق مجسم جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب کی عنایت ونوازش سے منصف الدولہ بہادر کی عکسی تصویر بھی دیکھنے میں آئی جس کی عکاسی اصغر جان صاحب فوٹو گرافر مرحوم مشہور الدولہ واقع قیصر باغ نے موصوف کی قلمی تصویر سے کی تھی قلمی تصویر روز وفات بنائی گئی اس وقت سن شریف ساٹھ سال کا تھا اس شبیہ میں موصوف گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں بائیں جانب تکیہ پر استخارہ کے لئے کتھا رکھا ہے جسکے برابر ہی اگالدان ہے ایک طرف بینی پاک ہے سامنے کی جانب رحل پر قرآن شریف ہے۔

رنگت گوری سر کے بال اور ڈاڑھی مونچھیں بالکل سفید لبیں کتری ہوئی ہیں۔ چہرہ چوڑا چکلا شاندار اور بھرا ہوا۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ پیشانی چوڑی اعضا متناسب ڈاڑھی کتروال کے حدود سے کچھ یوں ہی سی بڑھی ہوئی۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی۔ گلے میں انگرکھا جسپر سے دو شالہ اوڑھے ہوئے ہیں۔

یہ کربلا جلد ہی نواب عظمت الدولہ کے قبضہ میں آگئی۔ کتب تواریخ سے یہ پتہ تو مطلق نہیں چلتا کہ یہ منتقل کس سنہ اور کن حالات میں ہوئی البتہ منشی رام سہائے تمنا اپنی تصنیف "افضل التواریخ" مطبوعہ ۱۸۷۹ء میں صرف اسقدر تحریر کرتے ہیں کہ :-

"اس کربلا کو جو عرصہ سے انقلاب زمانہ کی بدولت ویران پڑی تھی نواب عظمت الدولہ کوشش کرکے اپنے اختیار میں لائے اور بصرف کثیر اس کو آراستہ کیا۔ علاوہ عشرہ محرم کے چہلم کے بعد تک ہزار ہا تعزیے اس کربلا میں دفن کرنے کو آتے ہیں روشنی کا انتظام نہایت عمدہ ہوتا ہے سقہ ہائے آبکش ہر سو واسطے چھڑکاؤ اور تسکین تشنگان ماتم سائر گشت کرتے ہیں تقسیم حصہ جات پلاؤ شیر مال وغیرہ بقدر اندازہ ومناسب خوب ہوتی ہے۔ سڑک جدید منصور نگر سے کربلا کے پھاٹک تک ممدوح کی کوشش سے درست ہوئی ہے۔ ڈیوڑھی ان کی عالیشان لب سڑک مابین محلہ

فرنگی محل و گھڑیالی کے واقع ہے شان مکان عظمت مکیں سے ظاہر ہے۔

عظمت الدولہ[۱] معظم الملک سید محمد رضا خاں انتظام جنگ اور معزالدولہ احتشام الملک سید محمد تقی خاں بہادر اسد جنگ دو سگے بھائی معتمد الدولہ مرزا ابوالقاسم خاں جنرل فوج کے بیٹے تھے جنکو شاہ غازی الدین حیدر کی بیٹی نواب زہرہ بیگم منسوب تھیں۔

معزالدولہ کی شادی حضرت امجد علی شاہ کی بیٹی سلطنت آرا بیگم سے ۱۱؍ مئی ۱۸۴۸ء کو بزمانہ شہریاری جانعالم واجد علی شاہ ہوئی تھی۔ تمنا صاحب اُنکی بابت افضل التواریخ میں لکھتے ہیں :-

"وہ عظیم الشان زندگی بسر کرتے ہیں جو دستور خاندانی ہیں اُن کی پابندی دل سے کرتے ہیں سرکار انگلشیہ میں اُن کا اعزاز درجہ اعلیٰ پر قائم ہے۔ سرکاری درباروں میں بڑی عزت کیساتھ طلب کئے جاتے ہیں۔ پابندی عقائد مذہب کا بھی بڑا خیال ہے۔ حسن اخلاق اُن کا شہرہ خاص و عام ہے۔"

نواب عظمت الدولہ[۲] کی شادی بھی ۱۱؍ مئی ۱۸۴۸ء کو آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کی بیٹی نواب سپہر آرا کبریٰ بیگم سے ہوئی تھی جو سلیماں محل سے تھیں مگر عظمت الدولہ کے والد مرزا ابوالقاسم نے شادی میں شرکت نہیں کی وہ قبل ہی سے ناخوش ہوکر عتبات عالیات کو روانہ ہو گئے تھے۔ ان کو یہ نسبت پسند نہ تھی اور اپنے بیٹے کی شادی اپنے اقربا میں کرنا چاہتے تھے مگر ان کی بیوی نے ان کا کہنا مانا کئی برس تک مجاور رہے زیارت مشہد مقدس سے بھی مشرف ہوئے۔ اخراجات کی تکلیفیں بھی برداشت کیں سرکاری پنشن وہیں بھیجی جاتی تھی خود غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے جو کچھ بچتا تھا سب مجاوروں کو محتاجوں اور ہندوستانی مسافروں کی نذر کر دیتے تھے کئی مکانات بھی خریدے تھے جن میں زائرین قیام کرتے تھے۔ جبتک زندہ رہے اسی طرح زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ زائرین اُنکے بہت شکر گزار آتے تھے انھوں نے اسی دیار حبیب میں اپنا نقد حیات بھی تصدق کر دیا بعد طوفان غدر ۱۸۵۷ء جب انگریزوں کی دوبارہ عملداری ہوئی تو کپتان کارنیگی (Capt. Carnegy) نواب عظمت الدولہ کی کئی لاکھ روپیہ کی مالیت کا کل سازوسامان لیکر چلے گئے۔ موصوف اسوقت صرف لنگی باندھے بیٹھے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ پہننے کے کپڑے تک نہ چھوڑے نواب نے اپنا گھوڑا ماموں کے ہاتھ ہزار روپیہ کو فروخت کیا اور تب کپڑے نصیب ہوئے مابعد نواب نے سرکار میں متواتر عرض حال کیا مگر کچھ سماعت نہوئی۔

[۱] تحفۃ التواریخ

[۲] تحفۃ التواریخ

نواب عظمت الدولہ نے اپنے بیٹے نواب افتخار الدولہ فخرالدین علی خاں عرف نواب بنے صاحب کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی ہاتھی پر سے بکثرت روپیہ لٹایا گیا نواب بنے صاحب کی بیٹی نواب سکندر آرا آمنہ بیگم مرزا جمشید قدر عرف نواب بنے صاحب کو منسوب تھیں۔

۲۰ مئی ۱۹۳۹ء کو انتقال کیا اور کربلائے عظمت الدولہ میں سپرد خاک کی گئیں۔ اُنکی ذریت لکھنؤ میں موجود ہے۔

امراض قومی کا علاج

گذشتہ سے پیوستہ

عالیجناب ماسٹر سید محمد احمد صاحب حسینی لکھنؤ

ہمارے مدرسے لکھنؤ میں دو دینی تعلیم گاہیں اور ایک انگریزی تعلیم گاہ ہے یعنی سلطان المدارس مدرسۂ ناظمیہ اور شیعہ انٹر کالج ان کے علاوہ بنارس اور امروہہ میں بھی مدرسے ہیں۔

ان درسگاہوں میں جدید قسم کی کتابیں طلبہ کے کورس میں داخل کی جائیں افسوس ہے کہ ان میں جسمانی صحت وورزش کا کوئی انتظام ہی نہیں۔ اگر فٹ بال کی مناسب نہیں ہے تو پرانے کھیل اور ورزش کا انتظام ہونا چاہئے جیسے کشتی لڑنا لکڑی چلانا ڈنڑ مگدر۔ ماہوار وزن ہر لڑکے کا لیا جائے اگر ڈاکٹر نہ سہی تو کوئی حکیم آکر سب لڑکوں کا طبی معائنہ کرے۔ اُن میں تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے مدرسین راحت رسانی کے خوگر اور وقت پر مدرسہ میں پہونچیں ان کی آزادی کا اثر طلبہ پر بھی پڑتا ہے حاضری میں سختی کی جائے مدرسۂ ناظمیہ ہو یا سلطان المدارس وہاں بچوں کو قرأت سکھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے نماز جو تعلیم دینی کا اصل مفاد ہے جب بچے نہ صحیح طور پر نہ پڑھ سکیں تو اُن سے کیا توقع کی جائے۔

ایران و مصر و عراق کے اخبارات و رسائل کیوں نہ منگائے جائیں کتب خانہ تو شاید ہی ہو کتب خانہ اعلیٰ پیمانے کا یا ادنیٰ سہی مگر ہو تو اس میں نئی کتابیں رسالے وغیرہ منگائے جائیں اور لڑکوں کو مجبور کیا جائے کہ پڑھیں ان کو مضمون نگاری اور تقریر کی مشق کرائی جائے۔ کورس میں ایک انگریزی ضرور داخل کی جائے۔ ایک ماسٹر رکھا جائے جو انگریزی اور معمولی حساب جغرافیہ اور تاریخ عالم اور تمدن اور معاشیات پڑھائے ہر درجہ بہ منٹ ان ماسٹر صاحب سے پڑھے بہت سے لڑکے ان ہی مدارس کے اب انگریزی زبان کا صرف امتحان دینے لگے ہیں۔ اب منتظمین اور اعلیٰ

مدرسین کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ تمام خرابیاں عربی مدارس سے دور ہونا چاہیئے۔ ان کے علاوہ ہر مدرسے میں ایک درجہ صنعت و حرفت کا بھی ہونا چاہیئے ایک مدرس ہو تو مختلف صنعت و حرفت لڑکوں کو سکھائے۔

ایسا اگر نہیں ہوگا تو شیعہ ہمیشہ قعر مذلت میں پڑے رہیں گے وہ دوش بدوش دوسری اقوام کے نہیں چل سکیں گے۔

شیعہ انٹر کالج میں برائے نام ایک مولوی صاحب دینیات کے مقرر ہیں۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ غریب اکیلے ہی رہتے ہیں کبھی کوئی آ گیا تو پڑھا دیا میرے خیال میں اگر پرنسپل صاحب یہ قید لگا دیتے کہ ہر درجے میں ترقی وہی لڑکا امتحان میں پائے گا جو دینیات میں پاس ہوگا۔ تو بہت بہتر ہوگا۔ اسکے علاوہ گاہے گاہے مشہور مقررین کا دعظ پند بھی ان کو سنوانا چاہیئے۔ سیرت ائمہ اور رسول خدا پر تقریریں ہونا چاہئیں۔ معلم صاحب ہر جمعہ کو معاد و معاش و تمدن اسلام پر تقریریں کریں۔ مہینہ میں ایک مضمون مقرر کر کے مختلف لڑکوں سے تقریریں کرانا چاہئیں جبتک نقوی صاحب پرنسپل تھے یہ باتیں کسی حد تک جاری تھیں چونکہ موصوف کو خود مذہب کا بہت درد تھا خود بھی اچھے مقرر تھے۔ اسلامی تاریخ اور اسلامی تمدن شیعی نقطہ نگاہ ان طلبا کو ضرور بتانا چاہیئے صنعت و حرفت کی کمی تو شاید پوری ہو جائے اس لئے کہ نواب صاحب رام پور نے کافی روپیہ جمع کر لیا ہے اور عنقریب ہی اس کا انتظام ہونے والا ہے

نہ تعلیم نہ تربیت نہ دین کے نہ دنیا کے اسی لئے جدھر سینگ سمائے ادھر گھس گئے۔ یہ تو لکھنؤ کے مدارس کا حال تھا۔ دیگر مقام پر جو مدارس ہیں ان کے حالات اگر کوئی صاحب لکھیں تو بڑا اچھا ہو تاکہ ان سے کہا سنا جائے جو نکالا جائے۔

عزاداری شیعوں کو جس پر بڑا ناز ہے وہ عزاداری ہے اور چند آنسو بہا کر نجات پانا ہے میں اس کا قائل ہوں کہ عزاداری اور گریہ باعث نجات ہے مگر تنہا عزاداری اور گریہ ہی نہیں بلکہ عمل صالح کی شرط پوری کرتے ہوئے باعث نجات ہے ساری غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ اصل فلسفہ شہادت ہی نہ صحیح طور سے بیان کیا جاتا ہے اور نہ لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ۔ کربلا میں حق اور باطل کی جنگ تھی اور امام حسینؑ نے مع اپنے اعزا و اصحاب خون بہا کر حق کو ہمیشہ کے لئے کامیاب اور ثابت کر دیا۔ اسلام کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا۔ ظاہر ہے کہ امام حسینؑ نے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی آپ کے پاس تھا سب قربان کر دیا ظاہر ہے خداوند عالم بھی اس عمل خیر کا اجر یوں ہی دے گا کہ وہ

ذکرِ حسین کو معراجِ کمال تک پہونچا دے۔

اگر ہم اسلئے عزاداری کرتے ہیں اور روتے ہیں کہ جنت ملے تو کریم کے دربار سے جو کچھ بھی فیصلہ ہوگا مگر بظاہر ہم کسی اجر کے مستحق نہیں عزاداری اگر ہم صرف رسمی طور پر کرتے ہیں اور سب کی دیکھا دیکھی رسماً ہم رو بھی دیتے ہیں تو ہرگز نہ ہم عزادار ہیں نہ باکی۔ نہ کسی اجر کے مستحق ہیں ہاں اگر ہم صحیح معنوں میں عزادار ہیں اور حضرت کو مستحق گریہ سمجھ کر ہم روتے ہیں اور ان اہم امور کی یادگار قائم رکھنا اپنا مقصدِ حیات قرار دیتے ہیں اور حق کی فتح کے لئے ایک عبدِ خالص کی قربانیاں یاد کرکے روتے ہیں تو بے شک ہم نے بحیثیت ایک غلام کے اپنے آقا کی ساتھ وفاداری کی امیدوار ہیں کہ کریم آقا ہمیں بھولے گا نہیں اور خوش ہو کر ہمیں بھی انعام دیدے یعنی جنت جس کا وہ سردار ہے۔

ہم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ امام حسین نے کیا کیا اور کیوں اور کس طرح کیا"

اور کیوں ہم آپ پر روئیں، جب اس عنوان سے آپ عزاداری کرینگے اور روئیں گے تو بے شک آپ نے حقِ عزاداری ادا کیا ورنہ سب رسمی عنوان ہے جس میں خلوص کا پتہ نہیں عزاداری تو مظاہرہ غم ہے۔ لہٰذا ذرا غم کی شان رکھئے آپ کی ہر رسم و عنوان سے مظاہرہ غم ہو۔ زرق برق پوشاک کو اتار کر ماتمی لباس زیبِ جسم کیجئے اور سراپا غم ہو جائیے۔ یعنی کوئی غیر دیکھے تو چلا اٹھے کہ کیا مصیبت ان غریبوں پر پڑی کیوں رو پیٹ رہے ہیں جواب میں کہا جائے کہ اپنے امام کے واقعاتِ شہادت کو یاد کرکے رو پیٹ رہے ہیں جب یہ بات پیدا ہو جائے تو آپ عزادار اور باکی کہے جا سکتے ہیں۔

آپ کی عزاداری اور گریہ کے امام محتاج نہیں۔ جسکی راہ میں قربانی دی ہے یعنی خداوند عالم اس کا فرض ہے بحیثیت خدا کے کہ اس لاجواب بندے کی یادگار قائم رکھے۔

دشمنوں کی انتھک کوششوں کے باوجود ذکرِ حسینی باقی اور قائم رہے یہ وہی قدرتی انتظام ہے جسکے خلاف کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ یاد رکھو کہ حقیقی عزاداری یہ ہے کہ تم سب ان اصول اور اعمال و اخلاق پر کاربند ہو جسکے قائم کرنے کے لیے حضرت نے جان دی۔ اسوۂ حسینی پر چلو تو اپنے کو حسینی کہہ کر رو پیٹ لو۔

تم خلوص سے غم کا مظاہرہ کرنا نفیس کے خلاف سمجھتے ہو ماتم کرنا، ننگے پاؤں چلنا، رونا ایسے بھائی ایک غزدہ کی ادا ہی جدا ہوتی ہے۔ سچ کہو جب تمہارے گھر میں کوئی مرتا ہے تو کیا تمہارا اظہارِ غم اور اسکے سلسلے میں جتنی باتیں ہوتی ہیں سب بے اختیاری نہیں ہوتیں۔ کیا

ہونٹ پکھ شامل ہوتی ہے۔

کیا نوحہ و بکا گانے کی دھنوں میں کرتے ہو کیا تمہارا رنج و غم "وآمد ہے یا آورد"

کیا تمہارے احباب اگر گا کر تم کو رنج و غم کا الفاظ میں بر سہ دیں تو خوش ہوگے۔ کیا تمہارا رنج و بکا رسمی ہوگا یا پر خلوص بس ان باتوں کا مجھے جواب دو اور انصاف کی نظر اپنی مایۂ ناز عزاداری و گریہ و نجات پر ڈالو اگر تم ایک انصاف پسند دل رکھتے ہو اور صحیح عقل و فہم و ادراک کے مالک ہو تو صاف کہدو گے کہ بھائی سچ کہتے ہو ہماری تمام تر باتیں رسمی ہیں۔

خلوص بہت کم ہے آخر ان کے وجوہ کیا ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ وجوہ ہیں۔

(۱) ہماری معاشرت و تعلیم کا مغربیت میں جذب ہوجانا (۲) ہمارے علماء کی تعلیم پر عمل نہ کرنا (۳) انتہا پسند ذاکروں کی غلط ترجمانی

اگر بچپنے میں ہمکو دینی تعلیم دیجائے۔ اپنے دینی پیشواؤں کے کارنامے اور اخلاقی و معاشرتی اور تمدنی زندگی سے انکی واقف ہیں اور ان ہی امور میں ان حضرات کے نقش قدم پر چلیں تو ہم انسان بنجائیں ہماری خامیاں دور ہوجائیں۔ ہمکو ضرور دوسروں کی زبان پڑھنا چاہیئے۔ ان کے تمدن و تاریخ سے واقف ہونا چاہیئے صنعت و حرفت و سائنس جو کچھ بھی فی زمانہ رائج ہے ضرور سیکھنا چاہیئے اور ان میں ہمانتک ترقی کرسکیں کرنا چاہیئے شریعت مانع نہیں ہے البتہ اپنے اصول، اپنی تہذیب و معاشرت و تمدن ترک کرکے دوسروں کا نہ اختیار کرنا چاہیئے اختیار تو جب ہم کریں جب ہم سے دوسروں کا تہذیب و تمدن اچھا ہو۔ البتہ جو اچھی باتیں دوسروں کی ہیں انکو ہم ان سے لےلیں تو کوئی برائی نہیں۔ مگر میں پھر کہوں گا کہ ہم سے زیادہ اچھی باتیں دوسرں میں نہیں ہیں ہمیں چونکہ اپنی اچھی باتوں کا علم نہیں اسلئے دوسروں کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں نوکری لباس معاشرت ہم وہ اختیار کرسکتے ہیں جس میں شرع کے خلاف کچھ نہ ہو

مثلاً ہم نوکریاں ریل۔ تعلیمات۔ ڈاکخانہ۔ کلرکی وغیرہ کرسکتے ہیں۔ اس میں شریعت کے احکامات کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ ڈپٹی کلکٹری۔ فوج۔ منصفی۔ پولیس۔ آبکاری۔ یہ سب نوکریاں روا نہیں۔ اس میں توانین کافر کے مطابق اسلامی شریعت کے خلاف فیصلے اور کام کرنا پڑتا ہے اور کافر کی مدد کرنا ہوتی ہے۔

اگر تم نے ان مسلمات مذہب شیعہ کو اپنے بچوں کو سمجھا دیا تو وہ تعلیم سے فارغ ہوکر اسی لائن میں جائینگے۔ جو حدود شرع میں ہے اور مکمل عزادار بن سکیں گے ان کے ہر آنسو میں معرفت امام کی

جھلک ہوگی اور ہر آہ میں صحیح ہمدردی کا جذبہ ہوگا عزاداری کے موقع پر ہمکو اہلبیت حسین کی تصویر ہو جانا چاہیئے۔ جنھوں نے مکمل سوگ رکھا۔

(باقی آئندہ)

واقعۂ غدیر سے مُدیر اہلحدیث کا صاف انکار

اور

جواب میں ایک انوکھا استدلال

از عالیجناب مولانا سید صابر حسین صاحب زیدی الواسطی اعلیٰ اللہ مقامہ لکھنؤ

اگرچہ اسکے قبل میرا ایک مختصر سا مضمون واقعہ غدیر پر مشتمل مارچ ۴۷ء کے الواعظ میں شائع ہو چکا ہے جس کے بعد فوراً ہی دوبارہ اپنے قلم اٹھانا اور مزید روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن جس طرح کسی نابینا کو روز روشن میں انگلی پکڑ کر منزل مقصود تک پہونچایا جاتا ہے اسی طرح بسا اوقات کسی بے بصیرت کو انوار الٰہیہ کی ضیا پاش شعاعوں کے باوجود مکرر و سہ کرر ان انوار کی چھوٹ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آکر راہ حق و صواب حاصل کرے اور صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

اس وقت میرے سامنے مارچ ۴۷ء کے الواعظ کا دوسرا صفحہ کھلا ہوا رکھا ہے جس میں ایک شخص مسمی بہ محمد عثمان خریدار نمبر ۱۴۷۶ "اخبار اہلحدیث" کا مدیر اہلحدیث سے واقعۂ غدیر کی صحت و عدم صحت کا سوال اور مدیر مذکور کا وہی کہنہ و فرسودہ جواب مگر ایک نئے اور انوکھے استدلال کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے جسکو میں ناظرین کی دلچسپی کے لیئے اصل اخبار سے منطبق کرنے کے بعد اپنے اس مضمون میں بھی حرف بحرف نقل کیئے دیتا ہوں تاکہ دوسری جگہ تلاش کرنے کے باعث مضمون کی بدمزگی کا سبب نہ بن جائے۔

س ۲۲۳۔ رسالہ الواعظ لکھنؤ میں پڑھا ہے کہ حضور انور محمد مصطفےٰ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر فرمایا ۱۸ ذیحجہ کو مقام غدیر خم پر پہونچے تو آنحضرت پر وحی نازل ہوئی یاایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ تبلیغ یہ تھی کہ حضرت علیؑ ابن ابیطالب نبیؐ کے جانشین اور خلیفہ ہیں جب یہ تبلیغ ہو چکی تو آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا اتری

کیا یہ بات الواعظ کی ٹھیک ہے یا نہیں (محمد عثمان خریدار اہلحدیث نمبر ۱۴۶۷)

جواب ۲۲۳ - یہ عقیدہ جو اس روایت میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ حضرت علی سے مخصوص ہے یہ خیال تمام آیات قرآنیہ کے خلاف ہے کیونکہ جہاں کہیں تبلیغ قرآن کا یہ حکم آیا ہے وہاں سارا قرآن مراد ہوتا ہے کوئی خاص حصہ نہیں ایسا کہنا شیعہ کی ایجاد ہے اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ خم غدیر کا وقف بحال کیوں نہ کرتے اگر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ واقعہ ہی صحیح نہیں - اللہ اعلم

(الواعظ بابت ماہ مارچ ۳۷ء / منطبق شدہ اخبار اہلحدیث ۲ دسمبر ۳۶ء)

سبحان اللہ کیا جواب ہے ع عالم کو جھوٹا کر دیا بس ایک جواب نے

یہ ہے وہ سوال اور اس کا جواب جو مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری مدیر اخبار اہل حدیث نے بذریعہ اخبار سائل کو دیا ہے اگرچہ میرا گذشتہ مضمون ہر صاحب عقل و فہم کے نزدیک واقعہ کی صحت سائل کی تسکین قلب اور مدیر صاحب کی دروغ بانی کے ثبوت کے لئے کافی تھا تاہم جواب دیکھ کر دل نے کروٹ بدلی طبیعت نے چاہا کہ اس کا وہ دندان شکن مگر مختصر جواب دیا جائے کہ مدیر صاحب پھر کبھی انکار نہ کر سکیں۔

میرا خیال ہے کہ مدیر صاحب کا یہ جواب ان تین امور سے کسی ایک پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

اول یہ کہ سائل کی نظر میں راہ حق پوشیدہ رکھنے کی کوشش ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معقول جواب پاکر وہ منزل ضلالت سے ہٹکر صراط مستقیم پر پہونچ جائے اور اپنی ایک فرد کم ہونے کے علاوہ کچھ مالی نقصان کا بھی سبب بنے لیکن اس صورت میں اگر سائل صاحب عقل و ہوش اور طالب حق ہے تو مدیر صاحب کا وہ جواب اسکے لیے ۲ دسمبر ۳۶ء سے قیامت تک کافی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ منزل مقصود تک پہونچکر رہے گا۔

دوم۔ یہ کہ مدیر صاحب کی طرف اہلبیت رسالت سے تعصب کی نسبت دی جائے بظاہر یہ بھی بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول کا کلمہ پڑھکر انکے اہلبیت سے اتنا تعصب رکھیں کہ انکی اتنی بڑی فضیلت کو اس طرح پوشیدہ رکھنے کی ناکام کوشش کریں یعنی چہ۔

سوم اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے جیسا کہ مدیر صاحب الواعظ نے موصوف کے جواب پر نوٹ دیا ہے کہ وہ غیر تو غیر اپنے مذہب کی کتب تفاسیر و احادیث و تواریخ وغیرہ سے بھی نابلد ہیں کاش کہ مدیر اہل حدیث نے کچھ سوچ سمجھ کر جواب دیا ہوتا انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے اس جواب سے تنہا علمائے اہلسنت اور ان کے عائد احادیث ہی کی تکذیب نہیں بلکہ اس میں خود سرکار کائنات

جناب رسالتمآب کی بھی تکذیب و توہین ہے۔

مدیر صاحب کو اس موقع پر لازم تھا کہ اگر دوسرے مذاہب کی کتب مبنی انکی مصلحت کے خلاف اور منشا میں ٹھیس لگانیوالی تھی تو اپنے ہی مذہب کی مستند کتابیں ملاحظہ فرماکر جواب دیا ہوتا۔ تو شاید ایسے امر عظیم کے مرتکب نہ ہوتے کہ اپنے تمام علما کو جھٹلایا خود اپنے لئے دروغ بانی کا تمغہ حاصل کیا رسول پر اتہام رکھا۔

بہرحال گذشتہ مضمون میں میں صواعق محرقہ مصنفہ ابن حجر مکی، مدارج النبوۃ مصنفہ شاہ عبدالحق دہلوی تاریخ حبیب السیر مصنفہ علامہ غیاث الدین ہروی کی اصل عبارتیں نقل کرچکا ہوں جنکے دوبارہ نقل کرنے کی اب ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ انکے علاوہ دوسرے کتب کی بعض عبارتیں پیش کرتا ہوں جنکو مدیر صاحب کے جواب سے منطبق کرنے کے بعد موصوف کے مبلغ علم پر کافی روشنی پڑتی ہے اور ظاہر ہو جائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں ملاحظہ ہو محمد ابن خاوند شاہ تحریر فرماتے ہیں۔

چوں حضرت نبوی از مناسک حج فارغ گشت چند روزے در مکۂ شریفہ اقامت فرمودہ عنان عزیمت بجانب مدینۂ مکرمہ معطوف گردانیدہ بعداز قطع منازل بغدیر خم کہ از نواحی جحفہ است رسیدہ دراں مرحلہ نزول فرمودہ درآں موضع نماز پیشین گذارد و روئے باصحاب آورد الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم آیا نیستم من اولیٰ بمومناں از نفسہائے ایشاں وبعو لے فرمود کہ گویا مرا بعالم بقا می خوانند و من اجابت کردم معلوم شما باد کہ من درمیان شما دو امر عظیم می گذارم کہ یکے از دیگر اعظم است قرآن واہلبیت من بہ بینید کہ بعد از من چگونہ وبچہ کیفیت باں دو امر سلوک خواہید کرد و رعایت آں دو امر بچہ نوع بجائے خواہید آورد آں دو امر از ہم متفرق نخواہد گشت تا در کنار حوض کوثر بمن رسید بعد ازاں بزبان معجز بیاں گذرانید کہ بدرستیکہ خدائے تعالیٰ مولائے من ست و من مولائے مومناں انگاہ دست علی را گرفتہ فرمود من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ وادار الحق معہ حیث کان۔ راقم حروف گوید کہ محصل انچہ درکتاب اعلام الوریٰ وربیع الابرار دریں باب مسطور و مذکور شدہ اینست کہ حضرت مقدس نبوی در وقت مراجعت از مکہ چوں بغدیر خم رسید فرمود تا زیر درختاں آنموضع را صفا دارند و پالانہائے شتراں را جمع کردہ بزبر یکدیگر نہادند آنگاہ باشارت آنحضرت بلال مؤذن ندا کرد کہ الصلوٰۃ جامعہ و بروایتے

ندا کر د حی علی خیر العمل (چونکہ بلال نے حی علی خیر العمل کے ذریعہ لوگوں کو غدیر خم میں جمع کیا تھا بہت ممکن ہے کہ آج مسلمانوں نے اسی وجہ سے اس فقرہ کو اذان سے خارج کر دیا ہو کہ اس کے ذریعہ امیرالمومنین کی خلافت کا اعلان ہوا تھا جو آپ کے نظریہ کے خلاف ہے) خلق مجتمع گشتہ رسول اللہ بر بالائے آن پالانہا برآمد و علی نیز باآں سرور برآں موضع برآمدہ در پہلوئے راست او بایستاد و حضرت ختمی پناہ بزبان خجستہ شکر و سپاس حضرت عزت کشود و خلائق را نصیحت فرمود و از مرگ خویش ایشاں را خبر دادہ فرمود کہ مرا بدار بقا میخوانند و زود باشد کہ اجابت کنم واز میان شما روم و درمیان شما دو چیز میگزارم کہ اگر دست برآں زنید گمراہ نشوید و آں دو چیز کتاب خدائے است و عترت من و ایں ہر دو از یکدگر جدا نہ شوند تا بر لب حوض کوثر بمن رسند آنگاہ فرمود کہ اے گروہ مردم کیست اولی بشما از نفسہائے شما مجموع جواب دادند کہ خدائے عزوجل و رسول او۔ فرمود کہ ہر کہ من بدو اولی ام از نفس او علیؑ بدو اولی است از نفس او و دست علی را گرفتہ از پالانہائے شتر برداشت چنانچہ قدم امیر برسر زانوئے پیغمبر رسید: فرمود ہر کرا من مولائے اویم علیؑ مولائے او است بار خدایا دوست دار آنرا کہ او را دوست دارد و دشمن دار آنرا کہ او را دشمن دارد و یاری دہ آں کس را کہ او را یاری دہد و مخذول گرداں آنکس را کہ او را مخذول دارد (روضۃ الصفا و سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء ج ۲ ص ۱۷۵ نولکشور)

مجھے افسوس ہے کہ مدیر اہلحدیث نے یہ جواب دیا مگر بظاہر آنکھوں پر پٹی باندھکر اور کتب علمائے اسلام کو پس پشت ڈالکر۔

بڑی حیرت تو اس امر کی ہے کہ مدیر کے ایک ہموطن عبیداللہ امرتسری نے ارجح المطالب میں بھی اس واقعہ کو بڑے زور میں لکھا ہے کاشکہ موصوف کہیں دور نہ جاتے اور اس کتاب ہی کو ملاحظہ فرما لیتے تو شاید جواب کا رُخ پلٹ جاتا مگر افسوس کہ وہ اپنے وطن کی اتنی مہتم بالشان چیزوں سے بھی ناواقف معلوم ہوتے ہیں لہذا میں مدیر مذکور کی اطلاع اور سائل کی تسکین قلب کے لیے انکی عبارت بھی نقل کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

باب آیت نمبر ۱۱ ص ۴۷ ارجح المطالب

(۱) عن ابی سعید الخدری قال نزلت ھذہ الآیۃ یاایھا الرّسول بلغ ما انزل الیک من ربک، یوم غدیر خم۔ (اخرجہ الامام ابوالحسن الواحدی فی کتابہ المسمیٰ باسباب النزول وقال الحافظ ابوعبداللہ محمد

بقیہ مضمون ص ۹ پر ملاحظہ ہو)

معراج

عالیجناب سید افتخار حسین صاحب ریٹائرڈ جج غازی پور

(آخری قسط)

یہ سبق انسانوں کے لیے روزمرہ زندگی کے لئے بھی ہے۔ کوئی ہمارا ماتحت ہے اگر اس کی طاقت سے باہر کوئی کام اس کے سپرد کرینگے تو وہ یا تو کرے ہی گا نہیں یا نہایت بد دلی سے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ کام ٹھیک نہ ہوگا خراب ہوگا۔ بعض اصحاب اور بعض گورنمنٹ کے عمال اس کا لحاظ نہیں کرتے اور کام ٹھیک طور سے نہیں ہوتا۔ زندگی کی ہر شاخ میں اس قاعدہ پر عمل ضروری ہے۔ بعض وقت اس کے خلاف کرنے سے نہایت سخت نقصان پہونچتا ہے اور ناقابل تلافی۔ آج کل جنگ ہو رہی تھی۔ کسی کو اس کی طاقت سے باہر کام دیا اور وہ نہ کر سکا۔ وقت پر کام نہ ہوا یا ٹھیک طور سے نہ ہوا تو کس قدر سخت نقصان کا احتمال ہے ممکن ہے کہ اس کی تلافی ممکن ہی نہ ہو۔ اور خدا جانے کیا کیا مصیبت نازل ہو۔ جو خدا کے بتائے ہوئے قاعدہ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہوگی۔

اس قاعدہ کو ہر شخص کو ہر شعبۂ زندگی میں ہمیشہ برتنا چاہیئے۔

جسقدر عمل اوتنی ہی جزا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کے ساتھ خدا نے یہ بھی فرمایا کہ لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت یعنی ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اس نے اپنے عمل سے حاصل کیا اس پر (موخذہ) وہی ہے جو اس نے اپنے عمل سے حاصل کیا ہے۔ جو کیا ہے اوسیکی سزا و جزا ملے گی۔ کم نہ زیادہ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی عمل کسی وجہ سے نہیں کر سکے تو اس کا صلہ نیک مل جائے۔ جو خود کیا ہے اس کا صلہ ملے گا۔ دوسرے کے کسی فعل کی وجہ سے صلہ نہ ملے گا۔ الا یہ کہ اس کی تمہاری کسی طور سے شرکت ہو۔ یا تم کو کسی طور سے اس کا استحقاق ہو۔ مثلاً کسی نے ہمارے مال سے اور ہماری اجازت سے کوئی عمل نیک کیا تو اس میں ہماری شرکت ہوئی ہم کو بھی صلہ ملنا چاہیئے اور ملے گا۔ یا اگر کوئی شخص کوئی شئی ہمکو ہبہ کر دے تو ہمکو حق ہے کہ وہ ہمکو ملے۔ کوئی عمل نیک کر کے ہم کو اس کا ثواب دیدے تو ہم کو ملنا چاہیئے ویسے ہی عمل بد کیا تو اسے بھگتنا چاہیئے یعنی سزا اس کی ملیگی جو ہم نے عمل کیا۔ دوسرے کے فعل کی ہمکو سزا نہیں ملے گی۔ الا یہ کہ ہم نے اس میں کسی طور سے اعانت کی ہو۔

یہ عام اصول خدا نے سب کے لیے عمل کے لیے بتایا۔ اور تمام مہذب انسان اس پر عامل ہیں یہ کوئی مہذب قوم نہیں کرتی کہ فعل بد کوئی کرے اور سزا کسی کو دیجائے اور جو ایسا کرے وہ نہایت بری نظروں سے دیکھا جاتا ہے عرب میں ایسا ہی ہوا کرتا تھا کہ ایک شخص کو معذب کرتے تھے نہ اس لئے کہ اس نے برائی کی بلکہ اس لئے کہ اس کے آبا و اجداد نے برائی کی تھی۔ یہ حکم ربانی بتاتا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔

کسی سے کوئی گفتگو ہو تو اس کی اجازت نہ ہو تو کسی سے نہ بتاتی یہ بھی معراج میں رسول نے قاعدہ بنایا۔ فرماتے ہیں کہ جب عرش خدا سے واپس ہوئے تو سدرہ پر جبرئیل سے ملاقات ہوئی تو جبرئیل نے پوچھا کہ کیا کہا اور کیا سنا۔ رسول فرماتے ہیں کہ جو کہنے کے قابل تھا وہ جبرئیل سے کہا اور جو چھپانے کے قابل تھا چھپایا۔ یعنی خدا کی اجازت نہ تھی اُسے چھپایا۔ کوئی کیسا ہی معتمد کیوں نہ ہو جبکی اجازت نہ ہو وہ اُسے نہ بتا دے پھر رسول فرماتے ہیں کہ خدا نے جندامور پر مامور کیا اور اجازت نہ دی کہ اصحاب سے اُسے کہوں۔ رسول نے اسے نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ ہر بات ہر ایک سے وہ کوئی کیوں نہ ہو کہنے کی نہیں ہوتی یہ بھی ایک نہایت زریں اصول ہے۔ اور اس پر عمل ضروری ہے۔ اس کی خلاف ورزی سے بھی بعض اوقات سخت نقصان ہوتا ہے۔

کامل سہولت بغیر مقامی حالات کالحاظ کئے نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں براق پر تشریف لے گئے۔ براق کی تعریف یہ فرمایا کہ جب وہ بلندی پر جاتا تھا تو اگلے پاؤں چھوٹے ہو جاتے تھے اور پچھلے بڑے۔ اور جب پستی کی طرف جاتا تھا تو اگلے پاؤں بڑے ہو جاتے تھے اور پچھلے چھوٹے۔ جو صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ پر چڑھے ہونگے یا اترے ہونگے انھیں معلوم ہوگا کہ چڑھنے یا اُترنے کی حالت میں بدن آگے کو گرا پڑتا ہے پیچھے کو جھکنا پڑتا ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ اگر گھوڑے کی یہ حالت ہو جو براق کی بتائی گئی تو ہرگز کوئی دقت یا تکلیف نہ ہو۔ میدان میں گھوڑے پر جائے تو کوئی تکلیف نہیں۔

براق کی جو صفت بتائی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کامل سہولت کسی کام میں بغیر مقامی حالات کا لحاظ کئے ہوئے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر مقام ہر کام کے لئے یکساں نہیں ہوتا کہیں پر دوسرے مقام کے حالات کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کے برتنے میں دقت و تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا اگر مقامی حالات میں اختلاف ہے تو جو کام ایک مقام کے لیے موزوں ہے دوسرے مقام پر موزوں نہ ہوگا جب تک اُس مقام کے لحاظ سے جو تدابیر موزوں مقام کے لئے اختیار کی تھیں اُن میں مناسب ترمیم نہ کی جائے۔

اس براق کی حالت سے یہ قاعدہ بنایا گیا کہ مقامی لحاظ سے ہر کام ضروری ترمیم ضروری ہے اور اُسے کرلو۔

فرض کیجئے آپ ایک مقام میں بند ہیں۔ اس قدر بلندی نہیں ہے کہ آپ کھڑے ہوں۔ نماز کا وقت آگیا۔ نماز میں کھڑا ہونا ضروری ہے۔ نماز اس مقام میں کیسے ہوسکتی ہے۔ لازمی ہے کہ جھکئے جھکنے میں وقت و تکلیف۔ بیٹھ جائیے تو سہولت۔ بس بیٹھ کے نماز پڑھنا چاہیئے اس سے کوئی اختلاف نہ کرے گا یہ کیا ہوا۔ مقامی حالت کے لحاظ سے نماز میں یعنی اُسکے طریق ادائیگی میں ترمیم کی گئی۔ ایسی ہر بات و ہر کام کے لیے سمجھ لیجیئے۔

قرض کی مثال ۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں دیکھا کہ ایک شخص ایک لکڑی کا گھٹا اُٹھانا چاہتا ہے اس سے نہیں اٹھتا۔ بجائے اس کے کہ اُسے ہلکا کرے وہ اور لکڑی اس پر اضافہ کرتا ہے۔ پوچھا یہ کون ہے اور کیا کر رہا ہے کہ بجائے ہلکا کرنے کے اور بوجھ میں اضافہ کرتا ہے۔ کہا گیا یہ مقروض ہے بجائے ادا کرنے کے اور قرض بڑھاتا ہے۔ قرض لینے والوں کی کیا صحیح مثال دی ہے۔ اگر اسی طور سے لکڑی کا بوجھ بڑھتا جائے تو اُٹھانے والے کا کیا حشر ہو گا۔ کچھ کہنے کی احتیاج نہیں ہے۔ قرض لینے والے کیا کرتے ہیں بجنسہ یہی۔ ایک قرض لیا وہ ادا نہیں ہوا بجائے اس کے کہ اس کی ادائیگی کی جی توڑ کوشش کریں اور قرض لیتے ہیں آخر میں کیا ہوتا ہے کہ ادائیگی۔ محال۔ قرضہ کا بار ناقابل برداشت بالکل تباہ و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں اور قرضخواہ کی شکایت یہ مانا کہ اس کی ہی سختی ہے مگر خود آپ نے ادائیگی کی کیا فکر کی اور جب ادا نہیں ہوتا تھا تو اور اضافہ کیوں کرتے گئے۔ یہ تباہی اور بربادی تو انہا ست کہ برماست افسوس آجکل یہ حالت مسلمانوں کی مخصوص سی ہے۔ رسول نے کس قدر صحیح مثال دیکر مسلمانوں کو قرض لینے سے متنبہ کیا مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ کچھ اثر ہی نہیں تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ ایک بار مجھے قرض لینے کی ضرورت ہوئی بنک سے قرض لیا حسب وعدہ ادا کرتا رہا کل ادا ہو گیا منیجر نے مجھ سے کہا آپ مسلمانوں میں پہلے شخص مجھے ملے ہیں کہ جس نے قرض حسب وعدہ ادا کر دیا۔ مسلمانوں کی یہ حالت کسقدر افسوسناک ہے۔ منیجر کے الفاظ سے مجھے مسلمانوں کی حالت پر سخت افسوس ہوا۔

مسلمانوں خدا کے لئے قرض سے بچو اور مجبوراً لینا ہو تو جبتک ادا نہ ہو جائے اس پر اضافہ نہ کرو۔ قرض جو لیا ہے اُس کی ادائیگی کی فکر کرو محنت مزدوری کرو قرض ادا کرو۔ محنت مزدوری کر کے اپنی حالت کو سدھارو۔ اور آئندہ مصیبت سے نجات حاصل کرنا ہرگز خلاف نہیں ہے۔ یہ خیال صرف حماقت ہے اور آئندہ مصائب کا پیش خیمہ۔

دین کو محض دنیا پر ترجیح دینا چاہیئے۔ وجہ ظاہر ہے کہ دنیا کو ثبات نہیں ہے چند روزہ ہے اس کے دوام کا خیال نادانی ہے۔ جب ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں کہ کوئی شئی ایک حالت پر قائم نہیں تو کیونکر دنیا کے دوام کا یقین کر سکتے ہیں ہو ہی نہیں سکتا۔ عقبیٰ کو دوام ہے اور وہ بغیر دینداری کے حاصل نہیں ہوتی اسکا عموماً یقین ہر ایک کو ہے مگر اعمال ایسے کہ کچھ نہ پوچھیئے بات صرف یہ ہے کہ دنیا اس قدر نظر فریب ہے کہ تقریباً ہر شخص اُس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دین کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

یہ نہیں چاہیئے اُسکے فریب ظاہری سے بچنا چاہیئے رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں کلید ہائے خزائن زمین پیش ہوئیں اور کہا گیا کہ چاہے یہ کنجیاں لو یعنی ہر طرح کی دنیا وی آسائش اور چاہے پیغمبر رہو۔ آپ نے پیغمبری پر باقی رہنا قبول کیا یہ آسان نہ تھا ہم لوگوں سے تو تقریباً نا ممکن۔

دین دنیا کا ساتھ ہو سکتا ہے نا ممکن نہیں ہے حضرت سلیمان پیغمبر بھی تھے اور دجاہت دنیاوی بھی کافی حاصل تھی اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ دین و دنیا کا ساتھ ممکن ہے مگر بعض اوقات اکثر ایسی حالت پیش آتی ہے کہ ساتھ نہیں ہو سکتا یا دین اختیار کر دیا دنیا۔ رسول سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ دنیا بھی اختیار کر سکتے ہو اور دین بھی۔ یہ کہا گیا کہ چاہے دین اختیار کرو اور پیغمبر رہو یا دنیا کی حکومت وحشمت اسکے معنی یہ تھے کہ دونوں نہیں غالباً یہ امتحان تھا آپ امتحان میں پورے اترے اور دین اختیار کیا اس سے سبق یہ ہے کہ جب یہ نوبت آجائے کہ یا دین یا دنیا تو اس وقت رسول کی پیروی کرو اور دنیا کو ترک کر کے صرف دین اختیار کرو رسول اللہ اور اُن کے خاص اصحاب نے اس پر اس زندگی میں بھی عمل کیا۔ رسول کو قریش سرداری اور ہر طرح کی آسائش دینے کو تیار تھے اگر وہ دعوت اسلام سے باز آویں آپ نے قبول نہیں کیا اور ہر طرح کی اذیتیں اُٹھانا قبول کیں مگر دعوت اسلام سے باز نہیں آئے مسلمانوں اپنے نبی کی پیروی کرو اسی میں فلاح ہے تمہارے رسول نے صرف زبانی ہدایت نہیں کی بلکہ عمل کر کے دکھایا کیا وجہ کہ تم بھی وہی نہ کرو۔

مسلسل کام کا اثر عادات پر ہوتا ہے ہنسنا اور صورت کا فرحناک ہونا انسانی فطرت ہے ہر شخص اکثر مواقع پر ہنستا ہے اور فرحناک ہوتا ہے رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں مالک داروغہ جہنم کو دیکھا کہ اس میں مطلق سرور و شادی کے آثار نہ تھے یہ کیا تھا اس کا مسلسل کام یعنی جہنم کی نگہبانی جو تھی اس نے عادت اور اک گونہ طبیعت بدل دی تھی۔

سبق یہ ہے کہ یہ فلاں کام کرنے سے کیا ہو گا۔ ہم بد دل تھوڑی ہو جائینگے۔ ضرور بد دل ہو جائینگے نامناسب کام کو اختیار نہ کرو ورنہ ممکن نہیں کہ فطرت پر اثر نہ پڑے۔

حصول جنت کیلئے رحمت خدا ضروری ہے ، رسول معراج میں فرماتے ہیں کہ بیت المعمور سے نکلا تو دو نہریں ، نہر کوثر اور نہر رحمت دیکھیں ۔ نہر کوثر سے سیراب ہوئے نہر رحمت میں غسل کیا یہ دونوں نہریں ساتھ تھیں یہاں تک کہ داخل بہشت ہوئے ۔

حصول جنت کے لئے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اعمال قبیحہ سے جنت ملنے کی رہی ۔ قرآن میں صاف صاف ہے کہ آخر میں حشر میں اعمال کا وزن ہوگا اعمال صالحہ و اعمال قبیحہ میں جس کا پلہ بھاری ہوگا اس کے مطابق جزا ہوگی ۔ کوئی صاحب شرع سے واقف ہوں تو صبح سے شام تک لکھتے جاویں اور شام کو دیکھیں کہ کتنے اعمال صالحہ ہوئے اور کتنے قبیحہ مجھے یقین ہے کہ اعمال قبیحہ کی تعداد زیادہ ہوگی ۔ اب بتائیے کونسی صورت جنت ملنے کی رہی ۔ سوائے معدودے چند جو معصوم ہیں کسی کو بھی جنت نہ ملنا چاہیئے خدا یہ بھی کہتا ہے کہ اگر وہ ہر فعل کا مواخذہ کرے تو کوئی بھی ایسا نہ ہو جو گرفت سے بچ سکے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے رحم سے بہت سے گناہ بخشتا جاتا ہے لہذا حشر میں میرا خیال ہے کہ انھیں اعمال قبیحہ کا وزن ہوگا جو خدا نے بخشے نہیں ہیں یہ بالکل قرین عقل نہیں ہے کہ جو اس نے بخش دیئے ہیں وہ پھر شمار میں لائے جائیں چونکہ بہت سے خدا بخش چکا ہوگا اور چونکہ اعمال صالحہ ثواب کئی گونہ زائد دیتا ہے ۔ اس لیے امید ہو سکتی ہے کہ جنت ملے ۔

بہت سے گناہوں کا بخش دینا اور ثواب کئی گنا زیادہ دینا یہ رحمت نہیں تو اور کیا ہے ۔ رحمت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہے پس قرآن کی ابتدائی آیت میں سوائے رحمت کے اور کسی بات کا ذکر نہیں یہ بھی اس پر دال ہے کہ اُسکی رحمت بھی زیادہ ہے اوپر دکھا چکا ہوں کہ اُسکی رحمت غضب پر سبقت رکھتی ہے ۔

اس کی رحمت گناہ معاف کرنے کے لیئے وجہ نہیں ڈھونڈھتی بلکہ بہانہ ۔ شاعر کا شعر ہے ۔

یہ کہہ کے بخش دیا مجھکو رحمت حق نے　　　گناہ اسکے ہیں بے حد شمار کون کرے

اس سے مطلب صرف یہ ہے کہ خدا کی رحمت بہانہ جو ہے ۔

اب دیکھئے رسُول فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت کی نہر میں غسل کیا اور یہ نہر جنت تک ساتھ گئی میرے رائے میں اس سے بتانا تھا کہ اپنے اعمال سے جنت کا ملنا بہت دشوار ہے اس کی رحمت سے البتہ ممکن ہے ۔

ہر شیٔ کی پرداخت خدائی قوتوں سے ہے ۔ رسول اللہ نے معراج کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آپ نے دیکھا کہ ہر درخت کے لئے ایک فرشتہ ہے جو اُسکے پھلوں کی حفاظت کرتا ہے میرا خیال ہے کہ

یہ صرف مثال کے طور پر ہے فرشتہ کیا چیز ہے بہت سے اقوال ہیں ایک شیعی عالم غالباً ابن بابویہ کا قول ہے کہ خدائی قوت کا نام فرشتہ ہے۔ بس ارشاد نبوی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی شئی کا نشو ونما از خود نہیں ہوتا بلکہ خدائی قوتوں سے اس کی قوتیں مدد نہ کریں تو کچھ بھی نہ ہو ایک کسان غلہ بوتا ہے کیا وہ چاہتا ہے کہ چند نہ اگے ہرگز نہیں کیا سب اُگتے ہیں یا اُگنے کے بعد سب نشو ونما پاتے ہیں بار آور ہوتے ہیں خدائی انتظام ہر شئی کے لئے ہے اُسکی مرضی ہوتی ہے تو پرداخت کمال کو پہونچتی ہے اور نتیجہ خاطر خواہ پیدا ہوتا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کسی نہ کسی آفت کا سامنا ہو جاتا ہے اور غائب۔

موت کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے معراج میں ملک الموت کو دیکھا اُن کا ایک پیر مغرب میں تھا اور ایک مشرق میں ہاتھ میں لوح تھی اُسے دیکھتے جاتے تھے اور سر ہلاتے تھے۔ مغرب و مشرق میں پیر ہونے سے یہ کھلے ہوئے معنی ہیں کہ سب خلقت اُنکے زیر قدم تھی کوئی خلقت اُنکی قدرت سے باہر نہ تھی۔ یعنی یہ کہ موت کی قدرت سے کوئی باہر نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے، تجربہ ہے ہر شخص اور ہر شئی کو موت ہے قرآن میں خدا نے صاف صاف کہا ہے کہ **کل شیئٍ ھالکٌ الا وجھہ** سوائے ذات خدا کے ہر شئی ہلاک ہونیوالی ہے۔

بس موت سب کے لئے ہے یہی قرآن کہتا ہے یہی رسول نے معراج کے حالات سے بتایا۔

یہ البتہ قابل غور ہے کہ خدا نے یہ نہیں کہا کہ ہلاک ہو گی بلکہ یہ فرمایا کہ ہلاک ہونیوالی ہے بذات خود اس میں اہلیت ہلاک ہونیکی ہے ہاں خدا چاہے تو اُسے ہلاک ہونے سے بچائے ہلاکت کے معنی نیستی کے ہیں یہ وجود باقی نہ رہے۔

قرب حق چاہتے ہو تو دنیا ترک کرو۔ رسول نے فرمایا کہ جب معراج میں تشریف لیجا رہے تھے راہ میں ایک آواز داہنے سے آئی ایک بائیں سے اور ایک عورت سامنے سے نہایت خوش شکل اور نہایت آراستہ آئی آپ کسی پر متوجہ نہیں ہوئے بعد کو آپ سے کہا گیا کہ آپ داہنی طرف کی آواز پر متوجہ ہوتے تو اُمت یہودی ہو جاتی بائیں طرف کی آواز پر توجہ سے نصرانی اور عورت کی طرف توجہ سے دنیادار۔ میری رائے میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ قرب حق چاہنے کے لئے کسی غیر مذہب کے اصول کی پیروی کی ضرورت نہیں[٭] اور دنیا سے بچو اس کی شکل و آراستگی نہایت دلفریب ہوتی ہے اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور رہے۔ قرب حق چاہتے ہو تو دنیا سے بچو اُسے ترک کرو میری رائے میں یہ بتلانے سے امت کو یہ سبق دینا تھا اس پر مسلمانوں کو عمل کرنا چاہئے۔ اور اگر قرب حق غیر ضروری ہے تو اختیار ہے۔

٭ ہمارا مذہب کافی ہے اسکے اصول وافی ہیں دوسرے مذاہب اہل کتاب ہی کیوں نہوں انکی پیروی کی ضرورت نہیں۔

رسول کی روح کون قبض کرے گا۔ کیوں۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں ملک الموت نے ان سے کہا کہ سب کی روح میں قبض کروں گا مگر آپ کی اور علیؑ کی روح حق تعالیٰ خود قبض کرے گا اس سے ظاہر ہے کہ ملک الموت کو رسول اور علیؑ کی روح قبض کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ یہ صرف خدا کے اختیار میں تھا۔ پھر یہ جو روایت ہے کہ آخری علالت میں ملک الموت آئے اور دق الباب کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی اسکے کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ ملک الموت نے آکر محض اطلاع دی کہ اب وقت آگیا اور قبض روح خود خدا نے کی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ملک الموت نے قبض روح نہیں کی بلکہ خود خدا نے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کو ہم پر کوئی قدرت حاصل ہوا در ہم کو اس سے اس معاملہ میں کوئی گریز ممکن نہو تو کم از کم اس حد تک اس کو ہم پر برتری حاصل اور وہ ہم سے افضل ہے۔ رسول سب سے افضل تھے انسانوں ہی سے نہیں بلکہ ملائکہ وغیرہ سے بھی یعنی جمیع مخلوقات الٰہی سے معراج کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے رسول اللہ سے فرمایا کہ تمکو سب پر فضیلت ہے۔ اب اگر ملک الموت قبض روح کرتے تو اسکے یہ معنی ہوتے کہ انکو رسول سے اس معاملہ میں برتری تھی اور فضیلت اور خدا یہ کہہ چکا تھا کہ رسول سب سے افضل تھے۔ کسی کو ان پر فضیلت نہ تھی میری رائے میں یہ وجہ تھی کہ ملک الموت کو رسول کی روح قبض کرنے کا اختیار نہ تھا بلکہ خدا نے اسے خود اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔

اب دیکھئے کہ رسول کی فضیلت کس پائے کی تھی ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک خواہ انبیاء ہوں یا اولیا یا عوام الناس کسی میں اس پائے کی فضیلت تھی۔ روح خود خدا نے قبض کی اس لئے کہ رسول خدا سے افضل نہ تھے بلکہ اس کے مساوی بھی نہیں روح خدا نے قبض کی اسلئے کہ وہ رسول سے افضل تھا اور سوائے خدا کے اور کوئی بھی رسول سے افضل نہ تھا اور ایک وہ نہیں بلکہ انتھاکے رسول کے اختیارات دکھا چکا ہوں۔ بہت سی باتیں دکھائیں کہ سوائے معراج کے اور کسی طور سے ان کا ملنا ممکن ہی نہ تھا۔ یہ اغراض معراج کے تھے۔ پھر عرض کروں گا کہ اور اصحاب بھی غور فرمائیں ممکن ہے کہ اور کوئی بات معلوم ہو یہ ناممکن ہے کہ کل باتیں میں سمجھ سکا اور ہر بات کے ہر پہلو کو میں غور کر سکا۔

غور کیجئے کہ اور کیا باتیں معراج سے معلوم ہوتی ہیں۔ اور جہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہو اسکی اصلاح فرمائیے۔

حضرت علیؑ کی معراج۔ میری رائے میں حضرت علیؑ کو بھی معراج ہوئی۔ اہلسنت کا یہ عقیدہ نہیں ہے خود حضرات شیعہ جن میں سے بعض حضرت علیؑ کی بابت بہت غلو سے کام لیتے ہیں انکا

بھی یہ عقیدہ نہیں ہے میں شائد یہ عرض کر چکا ہوں کہ مجھے معراج کی بابت کوئی کتاب حضرات اہلسنت کی دستیاب نہیں ہو سکی جو واقعات لکھے ہیں وہ یا تو جو بہت مشہور ہیں یا شیعوں کی کتاب حیات القلوب سے ملے۔ بہت سی باتیں فضیلت علیؑ کی بابت ان واقعات میں ملیں گی مگر یہ رسالہ معراج رسول کی بابت ہے۔ اس لئے میں نے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا ورنہ ان واقعات سے علیؑ کی فضیلت بعد از رسول اللہ کل خلق سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان کی ولایت پر ایمان لازمی معلوم ہوتا ہے معراج کا ذکر ہے اور علیؑ کی معراج بھی معلوم ہوتی ہے لہذا اس کا ذکر کئے دیتا ہوں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ واقعی معراج ہوئی مگر جو حالات کتاب مذکور میں معراج کی بابت دیئے ہوئے ہیں ان سے نتیجہ ایسا ہی نکلتا ہے بموجب کتاب مذکور رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج میں جب بیت المقدس پہونچا وہاں نماز ادا کی میں نے نماز پڑھی کل انبیاء کی ارواح نے میرے پیچھے نماز ادا کی۔ بعد نماز جب جانب راست دیکھا تو پایا کہ حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہیں۔ اور دو فرشتے ان کے دونوں طرف ہیں۔ اور جانب چپ دیکھا تو پایا کہ علیؑ کھڑے ہیں اور دو ملک ان کے جانب ہیں۔ ابراہیمؑ نے علیؑ سے مصافحہ کیا اور مرحبا کہا۔ آیا اسکے معنی یہ ہیں کہ نہیں کہ علیؑ وہاں موجود تھے۔

کوئی صاحب یہ کہیں کہ وہ صورت علیؑ کی تھی خود نہیں تھے۔ اسکی تردید رسول کے قول سے جو کتاب مذکور میں درج ہے ہوتی ہے۔ رسول فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں اور علیؑ دونوں سطح زمین پر تھے اور ہم میں سے کسی کو کوئی تعب نہیں ہوا تھا۔ اسکے کھلے ہوئے معنی ہیں کہ دونوں حضرات گئے تھے دونوں واپس آئے اور کسی کو اس آمد و رفت سے کوئی تعب نہیں ہوا۔ لہذا یہ خیال کہ بیت المقدس میں علیؑ کی محض مثالی تھی غلط ہے۔ جس معراج میں رسولؐ عرش تک گئے اس میں تو حضرت علیؑ گئے نہیں اس لئے کہ رسولؐ نے بحکم ربانی تخت کو دیکھا اور علیؑ کو اپنے بستر پر پایا تھا۔ لہذا یہ کسی اور معراج کا ذکر ہے۔

معراج تو بہت سی ہیں خواہ اس معراج میں جس میں علیؑ بھی ساتھ تھے محض بیت المقدس تک جانا ہوا ہو۔ یا کسی اور مقام تک اور ان میں بیت المقدس بھی گئے ہوں۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ بار حضرت علیؑ معیت میں رہے ہوں اور تذکرہ ایک بار کا ہے۔ مجھے حضرات شیعہ معاف فرمائینگے۔ یہ الزام نہ دیں کہ حد سے بڑھ جاتے ہو واقعات مندرجہ کتاب مذکور سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ عرض کیا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔

تمام شد

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

زیر سرپرستی امیر الامراء سرکار راجہ امیر محمد احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آقا مہدی رضوی

سنہ ۱۳۶۶

ضمیمہ عدالتی نشان ۔۔۔

اطلاع نامہ بنام دائنیان درباره ادخال درخواست بریت

دفعہ ۱۳ (۱) ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء

بعدالت جناب جج صاحب بہادر خفیفہ لکھنؤ   درخواست دیوالیہ نمبر ۔۔ سنہ ۱۹۳۰ء

بابتہ مسقرار دیے جانے دیوالیہ مسمی شمبھو دیال شرما ولد شیو منگل پرشاد قوم برہمن ساکن حسین گنج لکھنؤ

بنام جملہ قرض خواہان

۱۔ شیام لال کپور عمر تخمیناً ۲۵ سال ولدنا معلوم قوم کھتری ساکن چوک لکھنؤ

۲۔ منگل سین سنڈن عمر ۳۵ سال ولد نا معلوم حسین گنج تھانہ حضرت گنج لکھنؤ

۳۔ بلادین مہراج عمر تخمیناً ۵۵ سال ولدنا معلوم ساکن ڈالی گنج تھانہ حسن گنج لکھنؤ

۴۔ وزیر حسن عمر تخمیناً ۴۰ سال ولدنا معلوم ساکن حسن گنج تھانہ حضرت گنج لکھنؤ

۵۔ نرائن داس اگروال عمر تخمیناً ۶۰ سال ولدنا معلوم قوم ویش پروپرائٹر لکھنؤ جنرل سٹورس امینآباد روڈ لکھنؤ

۶۔ جگناتھ پرشاد گپتا عمر تخمیناً ۳۵ سال ولدنا معلوم ساکن امینآباد روڈ لکھنؤ

۷۔ رام بابو عمر تخمیناً ۲۵ سال ولدنا معلوم ساکن نئی بستی تھانہ حضرت گنج لکھنؤ

۸۔ موہن لال پروپرایٹر پروپرائٹر موہن برادرس حسن گنج لکھنؤ

۹۔ ڈی آر منڈل پروپرائٹر آف ایسٹرن انجنیئرنگ کمپنی لمیٹڈ امینآباد روڈ لکھنؤ

مطلع ہو کہ دیوالیہ مذکورالصدر نے اپنی بریت کی درخواست عدالت ہذا میں گذرانی ہے اور عدالت ہذا نے سماعت درخواست کے واسطے تاریخ آٹھ ماہ اگست ۱۹۳۰ء بوقت دس بجے مقرر کیا

تاریخ ۱۴ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

دستخط حاکم بخط انگریزی

مہر عدالت

جج خفیفہ لکھنؤ

الواعظ

جلد ۲۸	بابت ماہ جولائی ۱۹۴۷ء مطابق ماہ شعبان ۱۳۶۶ھ	نمبر ۷

الواعظ

بابت ماہ جولائی ۱۹۴۷ء

امام آخر الزماں

ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب کی نوید مسرت افزا کو اگر نگاہ تعمق سے دیکھا جائے تو اس بات کا فیصلہ آسان ہے کہ التقویٰ جو انسانی تہذیب کا آخری زینہ ہے تحصیل ہدایت کے محل کی پہلی منزل سمجھا جاتا ہے اور ایمان بالغیب کا درجہ اسکے مافوق ہے اگر یہاں تک رسائی نہیں تو متقین کی زندگی کا سرچشمہ خشک سمجھا جائے گا۔ اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے مسلمانوں کے عملیات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں قرآن بیشتر افراد سے منہ موڑے ہے اور صرف اُن ہستیوں کو اپنی ضیا باریوں سے منور کر رہا ہے جو نادیدہ چیزوں پر ایمان لاتے ہیں وجود صانع ملائکہ حور و غلماں عرش و کرسی، صراط میزان، بہشت و دوزخ امام عصر کا وجود یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں ہیں مگر ان پر ایمان لانا ضروری اور تصدیق رسالت کا ایک جزء ہے جس کو مسلمانوں نے سلسلہ وار تسلیم کیا اور ایک بار بھی اُن کے منہ سے نہ نکلا "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" لیکن امام عصر کے وجود تک پہونچکر کچھ ایسے بھی مسلمان ہیں جن کے لبوں پر مہر سکوت لگ جاتی ہے کوئی طول حیات کو تعجب کی نظر سے دیکھتا ہے کسی کو پیدائش سے انکار ہے عالم ایجاد اختلافات کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس میں شبہات کی پیداوار اعتراضات کی تشکیل اس طرح سے ہوتی ہے کہ عقل کے لیے سیکڑوں مغالطوں کا سامان فراہم ہو جاتا ہے غیبت کوئی نئی چیز نہیں ہے مناظر غیبت مدہوش کی فضا میں پہلے بھی تھے حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہی تابوت میں رکھکر رود نیل کے سپرد کر دیے جاتے ہیں اور یہ مختصر غیبت جناب آسیہ کی آغوش میں پہونچکر تمام ہوتی ہے دوسرا پردہ غیبت کوہ طور پر جانے کے بعد سامنے آتا ہے قوم سے ۳۰ دن کا وعدہ کر گئے تھے چالیس دن کے بعد واپس ہوئے حضرت یونسؑ ایک طولانی مدت تک اپنی قوم سے پوشیدہ رہے خود حضرت ختمی مرتبتؐ کبھی شعب ابوطالب میں اور کبھی غار ثور میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور امت کو عذر نہیں ہوتا اگر عذر ہوتا ہے تو پیغمبر کی جانشینی کے مسئلہ میں جو صدیوں سے اختلاف کی آماجگاہ بنا ہوا ہے یہ طے ہو

کہ ہر مسلمہ کے پس پشت ایک اختلاف اور ہر اختلاف کی آڑ میں کوئی نہ کوئی حقیقت ہے جسکی بگڑی ہوئی صورتیں اہل زمانہ کے سامنے آراستہ کرکے لائی جاتی ہیں لیکن حقیقت شناس نگاہیں اصلیت کو پرکھ لیتی ہیں مسلمانوں کے بیشتر افراد حضرت ادریسؑ جناب عیسیٰؑ جناب خضرؑ اور الیاسؑ کو زندہ مانتے ہیں تو امام مہدیؑ آخر الزماں کی حیات میں ان کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔

ارباب عصمت کے علاوہ غیر معمولی عمر پانے والے اصحاب تقریباً ہر دور میں گذرے ہیں اور اب بھی ہیں عرب میں قس بن ساعدہ ایک حکیم گذرا ہے جسکی ۶۰۰ سال کی عمر تھی (منتہی الارب صفحہ ۴۹۱) زمانہ نے اور بھی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن کی تفصیل میں طول کا خوف ہے اگر ان تمام دلیلوں سے قطع نظر کی جائے جو آپ کے وجود پر پیش کی جا سکتی ہیں تو یہ کافی ہے کہ سواد اعظم میں جلیل القدر علماء کی ایک بڑی تعداد آپ کو بقید حیات تسلیم کرتی ہے اور ۲۵۵ھ میں آپ کی ولادت باسعادت کا اقرار ہے۔

پیغمبر خدا کا اظہار مسرت

رسول صلعم کی مبارک سیرت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نیمۂ شعبان کی رات کو محراب عبادت میں قیام و قعود میں بسر کر دیتے تھے اور اس مسرت انگیز شب کے متعلق آپ کے جو فرامین صادر ہوئے اُسمیں فرمایا تھا قوموا لیلها و صوموا نهارها (رات عبادت میں بسر کرو اور دن کو روزہ رکھو سنن ابن ماجہ جلد اول صفحہ ۲۱)

بی بی عائشہ کی تنگ نظری اور انکے خدا کا جلوہ

اسی سلسلے میں ہم کو یہ عجیب و غریب روایت بھی نظر آئی ہے جسکو اہلسنت کے امام حافظ محمد بن یزید ابو عبد اللہ ابن ماجہ قزوینی نے حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے حدثنا عبدہ بن عبد اللہ الخزاعی و محمد بن عبد الملک ابو بکر قال ثنا یزید بن هرون انبأنا حجاج عن یحیی بن ابی کثیر عن عروہ عن عائشہ قالت فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فخرجت اطلبہ فاذا هو بالبقیع رافع راسہ الی السماء فقال یا عائشہ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک قالت قد قلت وما بی ذلک ولکنی ظننت انک اتیت بعض نسائک فقال ان اللہ تعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم (سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱) بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات پیغمبر خدا مجھے بستر پر نظر نہ آئے تو میں جستجو میں گھر سے برآمد ہوئی قبرستان بقیع میں جا کر دیکھا کہ آنحضرت سر آسمان کی طرف بلند کیے ہوئے عبادت کر رہے ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے عائشہ کیا تجھے اس بات کا ڈر تھا کہ میں تجھ پر ظلم کروں گا بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ بات تو نہیں تھی لیکن میں نے گمان کیا کہ آپ کسی بی بی کے پاس گئے ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خدا ۱۵ شعبان کو دنیا کے آسمان پر اتر پڑتا ہے اور گوسفند کے بالوں کی تعداد سے زیادہ گنہگاروں کو بخشتا ہے

اس روایت میں یہ وہ شب میں ام المومنین کا گھر سے نکلنا اور قبرستان بقیع میں پیغمبر کو تلاش کرنا کس قدر
قبیح عمل ہے پیغمبر خدا صلعم کا فرمانا کہ تم نے یہ خیال کیا کہ میں تم پر ظلم کروں گا اور اسکے بعد اُن کا یہ عرض کرنا
کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ کسی اور بی بی کے پاس تشریف لے گئے ہیں وہ بدظنی ہے جو روز قیامت تک صفحۂ تاریخ پر باقی
رہے گی ہرگز ایک عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ شوہر کی تلاش میں قبرستان تک چلی جائے خیر یہ سب چیزیں تو قابل اعتنا نہیں ہے
مگر پہلے آسمان پر خدا کا اُتر پڑنا یعنے ہمیشہ تو کسی اور آسمان پر رہتا ہے صرف شعبان کی پندرھویں کو آسمان اول پہ
آتا ہے اور لوگوں کے گناہ بخشتا ہے یہ حیرت انگیز روایت وہ بھی جو سنن ابن ماجہ میں جو صحاح ستہ میں داخل ہی ہے ارباب
نظر کے لیے اپنے اندر بہت کچھ سامان لطف اندوزی رکھتی ہے۔

یہ تو ہے سواد اعظم کے یہاں کی شعبانی دلچسپیاں لیکن یہ رات جو عبادت اور نزول برکات کے لئے مخصوص
قرار دی گئی ہے اس کا راز قائم آل محمدؐ کی ولادت باسعادت ہی ہے یہی وہ مبارک رات ہے جس کی صبح کو
آفتاب امامت افق سامرہ سے طالع ہو کر کون و مکان کو جگمگا رہا ہے اور یہی وہ آفتاب ہے جسکی ضیا باری شرق
سے غرب تک پہونچے گی اور سارے عالم کی زبانوں پر توحید کا نغمہ اور قلوب حسن عقیدت سے لبریز نظر آئے گی
اور خدائے قہار و جبار کا وہ وعدہ جو پیغمبر اسلام سے لیظہرہ علی الدین کلہ کی صورت میں ہوا تھا حرف بحرف پورا ہوگا

خاندان ۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے مسئلہ کو الجھا ہوا نہیں چھوڑا اوصیا کی تعداد بتائی ہر ہر وصی
کا نام لیا حسب و نسب بتا کر تعارف کرایا تاکہ جھوٹے دعویداران مہدویت سے امتیاز پیدا ہو جائے ۔ حدثنا ابوبکر
بن شیبہ ثنا احمد بن عبد الملک ثنا ابوالملیح الرقی عن زیاد بن بیان عن علی بن نفیل عن سعید بن
المسیب قال کنا عند ام سلمہ فتذاکرنا المہدی فقالت سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول
المہدی من ولد فاطمہ ۔ (بحذف اسناد) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ہم آپس میں ام المومنین جناب ام سلمہ کے
روبرو حضرت مہدیؑ آخر الزماں کا ذکر کر رہے تھے اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر خدا سے کہتے ہوئے سُنا ہے
کہ مہدی فاطمہؑ کی نسل سے ہے (سنن ابن ماجہ جلد دوم) صفحہ ۲۶۹

بہشت کی سرداری زمانہ کے نبض شناس رسول نے دوسرے مقام پر یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ صرف نسل میں
ہونا ہی کافی نہیں جب تک سردارانہ وجاہت پر قبضہ نہ ہو حدثنا هدیہ بن عبد الوہاب ثنا سعد بن
عبد الحمید بن جعفر عن علی بن زیاد الیمامی عن عکرمہ بن عمار عن اسحق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ
عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول نحن ولد عبد المطلب سادۃ اہل
الجنہ انا وحمزہ وعلی وجعفر والحسن والحسین والمہدی (بحذف اسناد) انس بن مالک کا بیان ہے
کہ میں نے سُنا کہ پیغمبر خدا صلعم فرماتے ہیں ہم اولاد عبد المطلب اہل بہشت کے سردار ہیں میں اور حمزہ اور علیؑ و

جعفرؑ و حسنینؑ اور مہدیؑ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۷۵ مطبوعہ مصر)

روح اللہ سے موازانہ بزم رسالت کے تذکرے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صحبت میں بارھویں امام کا ذکر خیر برابر رہتا تھا اور آغاز سے انجام تک مشکل سے کوئی اہم واقعہ ایسا ملے گا جسکی نقشہ کشی آنحضرتؐ نے اپنے حکمت آمیز کلام میں نہ کی ہو فضیلت کی آخری منزل یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کو اپنی اقتدا میں نماز پڑھانے کا ذکر بھی وحی ترجمان زبان سے ہوا جس کو ایک معزز صحابیہ ام شریک نے نقل کیا ہے یہ خاتون دربار نبوی میں حاضر رہتی تھیں اور پیغمبر خدا کے علمی فیوض سے لطف اندوز ہونے کو فخر سمجھتی تھیں ایک مرتبہ حضرت ختمی مرتبت دنیا کے آخری دور کا ذکر فرما رہے تھے فقالت ام شریک بنت ابی العکر یا رسول اللہ فاین العرب یومئذ قال ھم یومئذ قلیل و امامھم رجل صالح فبینما امامھم قد تقدم یصلی بھم الصبح فاذا نزل علیھم عیسی بن مریم الصبح فرجع ذلک الامام ینکص یمشی القھقری لیتقدم عیسی یصلی بالناس فیضع عیسی یدہ بین کتفیہ ثم یقول لہ تقدم فصل فانھا لک اقیمت فیصلی بھم امامھم - ام شریک دختر ابو بکر نے عرض کیا اے پیغمبر خدا اس دن عرب کہاں ہوں گے فرمایا وہ بہت تھوڑے ہوں گے اور امام ان کا ایک مرد صالح ہوگا وہ امام ان کا مجمع سے آگے بڑھے گا تاکہ اُن کے ساتھ صبح کی نماز پڑھے اچانک عیسیٰؑ بن مریم آسمان سے اُترآئینگے وہ امام چاہے گا کہ جگہ چھوڑ کر ہٹ جائے اور حضرت عیسیٰؑ آگے بڑھکر لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عیسیٰؑ (قیافہ سے ارادہ دریافت کرکے) اپنا ہاتھ پشت پر رکھکر فرمائینگے آگے بڑھکر نماز پڑھائیے نماز تو آپ ہی کے لیے قائم کی گئی ہے پھر وہ امام اس مجمع کے ساتھ جس میں جناب عیسیٰ بھی ہوں گے نماز پڑھائیں گے صفحہ ۲۶۸ سنن ابن ماجہ جلد ۲ مطبوعہ مصر اس حدیث کی شرح میں امام ابوالحسن محمد بن عبدالہادی حنفی مدنی نے حاشیہ پر جلال الدین سیوطی کا قول نقل کرکے بتایا ہے کہ رجل صالح سے مراد امام مہدی علیہ السلام ہیں وہ کوتاہ ہیں جو حضرت عیسیٰؑ اور مہدیؑ کو ایک شخص سمجھتے ہیں آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ پیغمبر کے زریں قول میں جناب روح اللہ کے ماموین کی صف میں ہونے سے حقیقت جناب رسالتمآبؐ کا مرتبہ نظر آتا ہے کہ آقائے دو جہاں کا جانشین اسقدر بلند مرتبہ ہوتا ہے کہ اس پر ایک اولوالعزم نبی بھی سبقت نہیں کرسکتا جو لوگ خلیفۂ رسول کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں سمجھتے ان کو اپنے یہاں کی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے کہ یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ ایک غیر معصوم معصوم کی امامت کرے جانشین رسول کا نماز میں جناب عیسیٰؑ سے سبقت کرنا بتا رہا ہے کہ آقائے دوجہاں کا وزیر اس مرتبہ کا ہونا چاہیئے کہ جو ایک صاحب کتاب نبی کی امامت کرے تو بدنما نہ معلوم ہو بلکہ پیغمبر خدا اس امامت کا تذکرہ فخریہ فرمائیں اور جناب عیسیٰؑ خود اصرار فرمائیں کہ خلیفۂ رسول آپ کو نماز پڑھائے اور آپ ماموین کی صف میں رہیں۔

مبارک پور کی نامبارک پیداوار

مولوی ابوالمرجان صاحب کی علمی تہیدستی

اخبار اہلحدیث امرتسر کی تازہ ریشہ دوانی کا جواب

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی ہوتا ہے جو خراب وہ اپنا ہی گھر نہ ہو

ضلع اعظم گڈھ کے مولوی ابوالمرجان صاحب جنھوں نے ابھی حال میں ایک کتاب "اہلبیت" لکھکر شیعہ پرلیس میں اشتہار دیا لیشتروا بہ ثمناً قلیلا اور بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا کہ نصاریٰ نبی نجران کے مقابلہ میں حضور اکرم صلوات اللہ و سلامہ علیہ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ اور ان کے بچوں کو مباہلہ کے لیے گئے تھے ان کی اس آواز بے ہنگم ان کو مرزا حیرت دہلوی کا چھوٹا بھائی سمجھکر جواب دینے کی زحمت نہیں اُٹھائی اور ذرہم فی طغیانہم یعمہون کہکر خاموش ہو گئے لیکن موصوف نے خامہ فرسائی کے شوق میں الواعظ کے خلاف جو بحث اخبار مذکور میں ہو رہی تھی اسپر بھی آج بے سمجھے بوجھے قلم اُٹھا دیا اور شرم نہ آئی کہ اپنے ہی امام فخرالدین رازی کے نظریات کا قلع قمع ہو گا اس گھبراہٹ کی کوئی حد ہے کہ امام رازی تو لکھیں کہ ان من شیعتہ لابراھیم میں ضمیر رسول مقبول کی طرف پھرتی ہے اور یہ خود طفل مکتب ہو کر ان کی رائے سے اختلاف کریں ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ الواعظ کے محترم نامہ نگار جناب مولوی سید کاظم رضا صاحب نقوی متعلم مدرستہ الواعظین کے جواب مندرجہ الواعظ ماہ جنوری کے بعد ایک اور دو کی طرح معاملہ صاف ہو گیا تھا کہ اگر رسولخدا صلعم کی طرف ضمیر پھر سکتی ہے تو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی ضمیر کا مرجع ہو سکتے ہیں اور بعید از عہد ہونا منافی نہیں ہے مگر اعتراض کے شوق میں یہ لکھتے ہیں۔

شیعہ مجیب کا فرض تو یہ تھا کہ وہ یہ ثابت کرتا کہ شیعہ کی ضمیر حضرت علیؑ کی طرف پھرتی ہے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور کرتا کیونکر جب کہ اسکے پاس اسکا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے ہاں اس نے اپنی نافہمی سے کلبی کا قول نقل کیا ہے یعنی جناب ابراہیم شیعہ محمد تھے میں کہتا ہوں کہ جیسے شیعہ کی ضمیر کو حضرت علیؓ کی طرف پھیرنا غلط اور باطل ہے ویسا ہی کلبی کے ضمیر کو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا غلط اور ناصواب ہے۔ (اہلحدیث امرتسر مورخہ ۲۰ مئی سنہ ۴۰ء)

اخبار اہلحدیث کا احتجاج یہ ہے کہ حضرت علیؑ ابراہیم خلیل اللہ کے سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئے لہذا ابراہیم جو اتنے بہت پہلے تھے شیعہ علی کیونکر ہو سکتے ہیں اور جناب محمد مصطفےٰ صلعم کی طرف ضمیر کا پھیرنا مدیر

الواعظ کی نافہمی ہے کیا اچھا نتیجہ نکالا ہے جب جواب بن نہیں پڑتا تو اڈیٹر کو نافہم کہکر دل کا بخار نکالا جاتا ہے حالانکہ یہ نافہمی آپ کے امام صاحب کی ہے اگر یہ لفظ مدیر الواعظ کا طبعزاد ہوتا تو بیشک نافہمی کا طعن ہوسکتا تھا مگر جس دلیل کو آپ نافہمی کہہ رہے ہیں وہ تفسیر کبیر کی ہے تعجب ہے کہ امام رازی کے دل و دماغ میں یہ نکتہ نہ آیا خدا کی شان وہ تو اپنی مایۂ ناز تفسیر کے صفحات میں لکھدیں کہ ضمیر پھر سکتی ہے اور آپ عذر کریں اگر امام رازی سے برتر ہونے کا سرٹیفکٹ آپ اپنے علماء سے حاصل کریں تو آپ کی بات سنی جاسکتی ہے ورنہ تار عنکبوت سے زیادہ اس کی وقعت نہیں ہے ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت آپ کے بنائے ہوئے گھروندے سے جو زہریلی ہوا پھیل رہی ہے اس نے امام رازی کے دامن فضل کو گرد آلود کردیا ہے یاد رہے کہ آپ نے اپنے امام پر حملہ کیا ہے اور جو بات خطیب رے کی سمجھ میں نہ آئے وہ مبارکپوری سمجھتا ہے علمی عقدوں کو ناخن تحقیق سے حل کرنا کپڑا بننے کی طرح آسان نہیں ہے جناب والا کو ابھی انداز گفتگو نہیں آتا اس مضمون میں بار بار کہتے ہیں "کلبی غیر صحیح قول سے اہلحدیث کے اعتراض کی تو کیا تردید ہوگی" اس محل پر تردید کی لفظ علمی لحاظ سے غلط ہے مدیر الواعظ کو آپ نافہم فرماتے ہیں اپنے فہم و ادراک کا جائزہ نہیں لیتے تنسون انفسکم۔

آمدم برسر مطلب۔ اچھا اس مختصر تمہید کے بعد سنیے کہ الواعظ نے جو تفسیر پیش کی ہے وہ صرف تفسیر کبیر میں نہیں ہے بلکہ آپ کے دیگر مفسرین بھی ہمخیال ہیں اور کلبی کے قول کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں آئندہ ہم غلط تخیلات اور مہمل تاویلات سننا نہیں چاہتے اور چند معتبر کتابوں کے حوالے دے کر صرف اسقدر پوچھتے ہیں کہ جو رائے کلبی کے نامہ نگار الواعظ نے پیش کی تھی وہ آپ کی تفسیر میں ہے یا نہیں یا جو حوالہ اب پیش کیے جاتے ہیں وہ آپ کی تفسیروں میں موجود ہیں یا نہیں۔

علامہ نیشاپوری کا بیان زیر بحث آیۂ کریمہ کی تفسیر کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں وقال الکلبی واختارہ الفراء انہ یعود الی محمد ای ھو علی منھاجہ ودینہ وان کان ابراھیم سابقا علیہ (غرائب القرآن جلد سوم ص۳۲) کلبی کا بیان ہے اور فراء نے بھی اسکو اختیار کیا ہے کہ ضمیر (جناب) محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف پھرتی ہے یعنی ابراہیم انھیں کے طریقہ اور دین پر ہیں اگرچہ وہ زمانہ کے لحاظ سے محمد پر سابق ہیں۔

ابو المرجان صاحب کلبی کی قدح میں الجھے ہوئے تھے مگر اب یہ انکشاف بھی ان کے اضطراب کے لیے کافی ہے فراء مشہور شخص کی بھی یہی رائے ہے کہ ضمیر سرکار دو عالم کی طرف پھرتی ہے اور دونوں مفسر اس وسوسۂ شیطانی پر متفق ہیں جو ابو المرجان صاحب کے دل میں پیدا ہوا ہے کہ سابق لاحق کا پیرو نہیں ہوسکتا ہے

ذرا گریبان میں منہ ڈالیں نیشا پوری اور رازی کی تحریر صحیح ہے یا آپ کا اجتہاد اور دنیائے تفسیر میں نیشاپوری کا قول معتبر ہے یا آپ کا ؟

تفسیر سراج منیر سے تائید مزید۔ یہ تفسیر بھی آپ ہی کے یہاں کی ہے دیکھئے تو مرقومۂ بالا نظریہ کی تائید کیسے زلزلہ افگن الفاظ میں ہو رہی ہے وقال الکلبی الضمیر یعود علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ای وان من شیعۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) لابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) والشیعۃ تطلق علی المتقدم کقول القائل ؎ ومالی الا آل احمد شیعۃ :. ومالی الا مذہب الحق مذہب فجعل آل محمد وھم متقدمون علیہ وھو تابع لھم شیعۃ لہ (سراج منیر جلد سوم ص ۳۶۲) وہ کلبی جس کا نام آپ بغض اہلبیت کے جذبہ میں سننا نہیں چاہتے اسقدر مقبول ہے کہ سُنی مفسرین میں تمام اہل قلم اُس کی رائے کو نظرانداز نہیں کرتے آپ کا یہ کہنا کہ کلبی کی رائے غلط اور ناصواب ہے اپنے یہاں کے تمام علماء سے اعلان جنگ ہے۔ سراج منیر نے بھی کلبی کے قول کو نقل کیا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو شیعہ محمدؐ سمجھتے ہیں اور آل محمدؐ کا آگے بڑھ جانا شیعت ابراہیمؑ کے مضر نہیں ہے اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس تفسیری نوٹ کے بعد ہم سے یہ مطالبہ غلط ہے کہ ابراہیمؑ شیعہ علی کیونکر ہو سکتے ہیں۔

تفسیر عیون معانی کا اقتباس۔ سواد اعظم کے متاخرین علماء میں اس تفسیر سے زیادہ بلند پایہ کوئی دوسری تفسیر مانی نہیں گئی ہے فاضل مولف آیہ مذکورہ کے ذیل میں کہتے ہیں۔

روی عن الکسائی والفراء ان الضمیر راجع الی محمد ای ان ابراہیم علی منہاج محمد ودینہ ھذا علی ھذا القول مما اضمر ولم یجر لہ ذکر لقوۃ الکلام کقولہ تعالیٰ حتی توارت بالحجاب یعنی الشمس ولم یجر لھا ذکر وجعل ابراہیم علی منہاج محمد وان کان متقدماً لان محمدا علیہ السلام اذا کان علی منہاج ابراہیمؑ فابراہیم علی منہاجہ فاجری علیہ وقد سبقہ فھو کالایۃ المتقدمہ فی سورہ یٰسٓ فی قولہ انا حملنا ذریاتھم (منبع عیون معانی)

اس عبارت سے معلوم واضح ہوتا ہے کہ فراء اور کلبی کے ساتھ ساتھ کسائی کی بھی یہی رائے ہے کہ ضمیر جناب رسولخدا صلعم کی طرف پھرتی ہے کسائی اُن ذمہ دار ہستیوں میں ہے جنکے تحقیقات پر اساس تفسیر قائم ہے اور وہ بڑی آزادی کے ساتھ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ محمدی منہاج پر ہیں اور جناب سرور کائنات صلعم کا اس محل پر ذکر نہ ہونا مضر نہیں ہے جیسا کہ قصۂ سلیمان میں ہے حتی توارت بالحجاب اور سورج کا وہاں کہیں ذکر نہیں ہے یہ قرآنی استدلال وہ ہے کہ اعتراض کی رگ حیات قطع ہو جاتی ہے۔ اس عبارت میں اُس شبہ کو بھی دور کر دیا ہے کہ پیغمبر خدا سے الٰہی فرمائش ہوئی کہ آپ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں یہ امر مقصود کے مضر نہیں

اس لیے کہ جب رسول عربی ملت ابراہیم پر ہوئے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے یعنی ابراہیم ملت محمدی پر ہیں۔

دیگر تفاسیر میں بھی یہ مطلب موجود ہے اگر ابو المرجان صاحب کی تشفی نہوئی تو مزید حوالے دیے جا سکتے ہیں کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کل عبارات طبعزاد ہیں اور سنی کتابوں میں نہیں ہیں اگر ہیں تو باطل نواز اور کذب پروئہ حق سے بر سر پیکار کون ہے ہم یا تم ایک سنی سے ہمیں اس کی ہرگز امید نہ تھی کہ وہ نبوی فضیلت سے انکار کر کے مگر بات یہ ہے کہ اسکو تسلیم کرنے کے بعد نبی و علی کا اتحاد یا رسول و نفس رسول کی یکجہتی متحقق ہو گی کہ ابراہیم کو شیعہ علی بھی مانا جائے اور اس کو تسلیم کرنے پر وہ تیار نہیں ہیں نبوی فضیلت زیر نقاب آجائے مگر علی کے فضل و شرف کی جھلک پیدا نہ ہو۔

شیعی نظریہ ہم نے علم جدل کے آئین پر نظر کر کے صرف سنی کتب کے حوالوں پر اکتفا کی ہے اگر کسی طالب حق کو مذہب امامیہ کا نظریہ معلوم کرنا ہو تو اب ہم کہتے ہیں کہ شیعوں کی لمبند پایہ کتاب تاویل الآیات اگر دیکھی جائے تو روایت امام محمد باقرؑ میں ہے کہ "ابراہیم شیعہ محمدؐ" تھے اور روایت حضرت صادقؑ میں ہے کہ خلیل اللہ شیعہ علی تھے دونوں روایات درج کر کے باکمال مولف لکھتے ہیں۔

والخبران متوافقان لان کل من کان من شیعۃ النبی فھو من شیعۃ علی وکل من کان من شیعۃ علی فھو من شیعۃ النبی یعنی دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں ہے جو بھی شیعہ نبی ہے وہ شیعہ علی ہے اور جو شیعہ علی ہے اسکو شیعہ نبی کہنا صحیح ہے اگر یہ کتابیں ابو المرجان صاحب کو وطن میں نہ ملیں تو لکھنؤ آئیں اور ہم زبانی بتائیں کہ سنی لٹریچر شیعیت کا ہمنوا ہے۔

حق بحق دار رسید

ریاست خیرپور پر ہم اپنے کسی گذشتہ نمبر میں کافی اظہار خیال کر چکے ہیں خدا کا شکر کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے انصاف پسندی اور حق پرستی سے کام لے کر عالیجناب صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب ٹالپور دام اقبالہ کو ریاست کا پریسیڈنٹ مقرر کر دیا۔ مخالفین کے گمراہ کن پروپگنڈے کو دیکھتے ہوئے اس کامیابی پر ہم میر صاحب موصوف کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ خان بہادر سید اعجاز علی صاحب او بی اے (جنھوں نے گذشتہ دس سال میں ریاست میں بیشبہا اصلاحات کیے ہیں) وائس پریسیڈنٹ قرار پائے ہیں ہر دو بزرگ کے اشتراک عمل سے ریاست آئندہ بہت کچھ ترقی کرے گی۔

نقد و تبصرہ

ترقی کی برکتیں

ہندستان میں عیسائی حکومت پھیلنے کے بعد سے رعایا کو مغربی تمدن نے انکے روایات قدیم چھڑا کر جن جدت طرازیوں کا عادی بنادیا اسپر آجتک کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا حضرت نجم آفندی نے اُن تمام اسباب و راحت و آرام پر نقد و تبصرہ کیا ہے جو ظاہر میں تو انتہائی دیدہ زیب اور دلفریب ہیں لیکن باطن میں خلق خدا کو فائدہ پہونچنے کے بجائے صحت و تندرستی کی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں - اس کتاب میں سگرٹ مٹی کا تیل برقی روشنی پن چکی کا آٹا، بناسپتی گھی انگریزی دوائیں پمپ کا پانی سینما کے مہلک اور مضر اثرات پر کامیاب بحث ہے۔

چاء پر بھی دبی زبان کچھ کہا ہے ضرورت تھی کہ اس وبا پر بھی ایک مستقل بحث ہوتی چاء نوشی کی رسم بھی سمندر پار سے آئی کشمیر اور تبت میں وہاں کی موسمی برودت کے لحاظ سے چاء کا استعمال جاری تھا مگر اس سے ہندستان کے رہنے والے کوئی سبق نہیں لے سکے یوروپین سرد ممالک کی کورانہ تقلید نے ہندستان میں چاء کو پھیلایا کاش موسم سرما تک اس کی فصل محدود رہتی مگر غضب یہ ہے کہ جیٹھ بیساکھ میں بھی یہ بازار گرم رہتا ہے اور ہر طبقہ ملک کا عادی ہوگیا ہے وہ نادار طبقہ جس کے کھانے کو نہ روٹی ہے نہ پہننے کو کپڑا وہ بھی چاء ضرور پیتا ہے اور ہر منزل کو چاء نے پوری طاقت سے بگاڑ دیا ہے اور اب تو تہذیب جدید کی روح رواں چاء سمجھی جاتی ہے۔

مولف نے صابون کے کثرت استعمال پر بھی کوئی بحث نہیں کی ہے اور یہ غالباً ایک وہ فروگذاشت ہے جسکو بشری حیثیت سے ہونا ہی چاہیے کوئی ایک کتاب موضوع کے جملہ پہلو پیش نہیں کر سکتی ہے - مولف نے اس کتاب کے مطالعہ سے دل و دماغ میں جو جذبہ پیدا کردیا ہے اُس کی ایک مضبوط کڑی یہ بھی ہے کہ قبل از وقت بالوں کی سفیدی کا راز یہی ہے کہ بیسن۔ کھلی۔ جیسی دیسی چیزوں سے ہاتھ مٹی دھونا چھوڑ کر لکس سوپ لائف بوائے وغیرہ کا استعمال تیزابی اجزا سے بالوں کی سیاہی کو کاٹتا ہے اور نوجوان پیر معلوم ہوتے ہیں۔

مولف نے تہذیب جدید کے مضر نتائج پیش کرکے اپنی رائے کو محفوظ رکھا ہے اگر ناظرین کتاب کی نگاہ میں بھی نئی روشنی قابل برداشت نہیں ہے تو اس کو خیرباد کہنا چاہیے۔

ادب نواز مولف نے آخر میں قوم سے ایک جائز شکوہ کیا ہے یہ کہ گذشتہ زمانہ کے بہت سے واقعات بہت سی حقیقتیں کاملین و ماہرین فن کے تذکرے کیسے کیسے عجیب لطیفے محفوظ تھے جو ان کے ساتھ دفن ہوگئے کاش انھیں کوئی قلمبند کرلیتا یا وہ خود لکھ کر چھوڑ جاتے تو یہ کیسا نادر اور مفید ذخیرہ ہوتا۔

اب بھی ہمارے سینہ میں تاریخی ادبی حقائق پوشیدہ ہیں اگر اس بچے ہوئے ذخیرہ کو تحریر کی قید و بند میں لایا جائے تو بہت بڑی قومی خدمت ہے مگر مفید باتوں کے سننے والے دنیا میں نہیں ہیں کتنے سادات ایسے ہیں جنھوں نے اپنے خاندانی لیشت نامہ یا تو طاق نسیان پر پہونچا دیے یا دیمک کی نذر کر دیے اور انکے نقول دوسرے شخصوں کے پاس رہنا پسند نہ کیے۔

اس کتاب کی ہر آواز جمیل ہے اور ہم کو بجز اُس نوٹ کے جس میں موسیقی کے انحطاط پر افسوس کیا ہے ہر اصلاح سے اتفاق ہے تقطیع $\frac{20\times30}{16}$ قیمت عہ

ملنے کا پتہ - سلطان حسین بک سیلر بھنڈی بازار بمبئی ۳

عرفان علیؑ

(از جناب سید محمد احسن صاحب خاور کربلائی)

بیان مقصد تحسین کعبہ کر رہا ہوں میں　　　ثنائے بت نہ توصیف کلیسا کر رہا ہوں میں
خدا کی حمد کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں میں　　　مجھے خود بھی تعجب ہے کہ یہ کیا کر رہا ہوں میں

دکھاوے کی مری طاعت کو آتی ہے حیا مجھ سے
نہیں ممکن خدا کا شکر ہو جائے ادا مجھ سے

یہ پہلا فضل اس کا زندگی کی اس نے نعمت دی　　　دوم مجھ کو بنایا مرد، عورت پر فضیلت دی
کیا پیدا مسلماں تیسری یہ شان و شوکت دی　　　چہارم ہوں نبی کی آل میں یہ کیسی دولت دی

محبت میں جو اہل بیت کی رہتا ہوں دیوانہ
یہی طرز عمل آخر میں ہے جنت کا پروانہ

ریاض مصطفیٰ کا خوشہ چیں ہوں گل بداماں ہوں　　　خیال کربلا میں مثل شبنم اشک افشاں ہوں
سلوک دہر سے ہر چند حیراں ہوں پریشاں ہوں　　　علیؑ کا شیعہ کہلاتا ہوں میں لیکن سے نازاں ہوں

یہاں کی زندگی اچھی بھی گذرے تو خرابی ہے
بنالیں وہ مجھے اپنا بڑی یہ کامیابی ہے

سمجھ لیجئے مگر دعوائے شیعیت نہیں آساں　　　کہ اس میں کرنی پڑتی ہیں ہزاروں خواہشیں قرباں
ولا میں ہے بلا، الفت میں ہے تکلیف کا ساماں　　　پڑے جب آزمائش میں ابھرتا ہے جبھی انساں

مگن رہتے تھے وہ جو راز شیعیت سمجھتے تھے
ضرورت ہو تو ہنس ہنس کر گلا خنجر پہ رکھتے تھے

یہ منزل وہ ہے جسکی تاک میں ہیں ظلم کے بانی　　　کسی صورت مٹیں شیعہ، یہ ہے منشاء شیطانی
بہت مشکل ہے ان کے واسطے جینا بآسانی　　　نہ تھی محدود کوئی کربلا تک ہی ستم رانی

رقیبوں کو جفا کاری کی خواہش اب بھی ہوتی ہے
جو شیعہ ہے تو اس کی آزمائش اب بھی ہوتی ہے

مگر شیعہ کو لازم ہے نہ ہو وہ نام کا شیعہ　　　نبی کا عبد ہو الله نا صر اسلام کا شیعہ
فدا کار حسنؑ، شبیرؑ خوش انجام کا شیعہ　　　اگر غیروں سے رغبت ہے تو پھر کس کام کا شیعہ

گئی جب ہاتھ سے دنیا تو کیا کم تھا ملال اس کا
کہیں دیں بھی نہ کھو بیٹھو ہے ہر دم خیال اتنا کا

معین آؤ ہم دنیا و دیں کی ایک حد کر دیں　　نہ باہر جا سکو حلقے سے کچھ اس کی مدد کر دیں
یہی وقت عمل ہے انتظام روز بد کر دیں　　کہیں ایسا نہ ہو وہ بھی یہ کہکر مسترد کر دیں
ہمارے نام لیوا اور رہیں غیروں میں مدغم سے
ہٹو جاؤ نہیں تم کو ذرا بھی واسطہ ہم سے

اگر اغیار کے مانند ہم خواہان دنیا ہیں　　اگر ہم میں بھی دنیاداری کے جوہر مثل عنقا ہیں
اگر خود بیں ہیں اور محوِ نمائش ہائے بیجا ہیں　　ضرورت ہے یہ سوچیں ہم کہ کیا تھے اور اب کیا ہیں
اگر پیش نظر وہ جادۂ مقبول رب ہوگا
زمانہ کا اثر ہم پر ہوا ہے اور نہ اب ہوگا

بھلا بیٹھے ہیں بہر پیروی حق کے ولی کو ہم　　سمجھتے ہیں گل نورس چمن کی ہر کلی کو ہم
یہ ممکن ہے الگ کر لیں خفی کو اور جلی کو ہم.　　مگر مشکل یہ ہے سمجھے نہیں اب تک علیؑ کو ہم
زمانے نے لگایا زور تو مشکلکشا سمجھا
یہ بندہ وہ ہے جس کو یا نبیؐ یا کبریا سمجھا

حقیقت میں عجب ہستی عجب ہے ذات حیدرؑ کی　　کیئے دیتی ہے عقلیں دنگ اک اک بات حیدرؑ کی
فزوں ہے وہم سے فہرست امکانات حیدرؑ کی　　رہین لطف ہے یہ ساری مخلوقات حیدرؑ کی
محیط کل عالم ہے یہ استعداد دیکھو تو
ہے اک فرد بشر مجموعۂ اضداد دیکھو تو

جو باب علم منبر پر تو ہے میداں میں صفدر بھی　　لٹاتا ہے خزانے ہے بظاہر گرچہ بے زر بھی
ضعیف الجثہ بھی اور قاتل مرحب و عنتر بھی　　وہ بندہ ہے خدا کا دہر میں اور بندہ پرور بھی
پھڑک اٹھیں رگیں دل کی جو لب پر اسکا نام آیا
مرا مولا ازل کے روز سے ہر اک کے کام آیا

اسی نے نوح کی کشتی کو رکھا آب پر بالا　　بنایا آگ کو بہر خلیلؑ حق گل لالا
سکوں یعقوب کو بیت الحزن میں بخشنے والا　　وہی بیت القدس میں عصمت مریم کا رکھوالا
نکالا حضرت یوسف کو غم کے چاہ سے اس نے

سلیماں کو بنایا شاہ عزّ و جاہ سے اُس نے

چلا جب ذکریا کے سر پہ تیغ ظلم کا آرا — بندھائی جس نے ڈھارس وہ ل کی اُس دم وہ بھی تو تھا
بچھڑ جانے کے بعد آدمؑ کو پھر حواؑ سے ملوایا — کیا بچپن میں اسمٰعیلؑ کو مرنے پہ آمادہ

رفیق حضرتِ ایوبؑ امراض و تباہی میں
نگہباں حضرتِ یونسؑ کا وہ تھا شکم ماہی میں

چلے اُمت کو لے کر مصر سے جب حضرت موسیٰؑ — یہی تھا جس نے اُنکے واسطے شق کر دیا دریا
ہوا اسے بدلنا شکل بھی اُس کا کرشمہ تھا — کہ جس تدبیر سے مصلوب ہونے سے بچے عیسٰیؑ

بچا لیتا اُنھیں قہر خدا سے کس کی ہمت تھی
عتاب حق کی زد پر لوط کی جسوقت اُمت تھی

رسولِ آخری تک پہونچی قصہ مختصر نوبت — مثال شمس ظاہر ہے جو کی دل توڑ کر نصرت
اُسی کے دم قدم سے ہے یہ سب اسلام کی عظمت — کہ ہے زریں ورق تاریخ کا اُس کی ہی تو خدمت

پہونچ سکتا نہ اتنے اوج پر اس دین کا پایا
جو یہ ساتھی نہ بن جاتا رسولؐ اللہ کا سایا

نہ باں زد خلق کے ہوں کارنامے کیوں حیدرؑ کے — کہا جو کچھ نبی نے، اُس نے دکھلایا عمل کر کے
نہ صرف اُسکے عمل میں ہیں نمونے زندگی بھر کے — بتایا یہ بھی مل سکتی ہے کیونکر زندگی مر کے

رہ ہوگا تا قیامت بہرِ عالم فیض کم اُس کا
کہ اب بھی رہبرِ منزل ہے ہر نقش قدم اُس کا

کسی نے نفس سے اپنے کیا ہے کب جہاد اتنا — نہ سمجھا جان کو جان اپنی خدا پر اعتماد اپنا
مصیبت بھی بنی راحت رضائے حق پہ شاد اتنا — رضائے حق پہ اب قبضہ ہے اُسکا یا مراد اتنا

نہ گھبرایا کبھی کثرت سے وحدت کا خمار ایسا
ہر اک سے اپنے کو کمتر ہی سمجھا انکسار ایسا

سرِ دشمن نہ گستاخی پہ کاٹا یہ شجاعت ہے — ضرورت دوسرے کی اپنی سمجھی یہ سخاوت ہے
نہیں عوام سے بھائی زیادہ یہ عدالت ہے — غذا ستو ہے یا نانِ جویں ایسی قناعت ہے

نہیں ہے مستحق محروم کوئی حق شناس ایسا
نہ پیدا ہو سکے احساس خودبینی لباس ایسا

نہیں ہے روح و تن کا ہوش خاص بندگی ایسی — کہا کرکے دکھایا قول کی پائندگی ایسی
جہاں گرویدہ ہے اخلاق کی تابندگی ایسی — فرشتے جھوم جائیں جس پہ طرز زندگی ایسی

تصنّع کا نہیں ہے نام حق آمادگی یہ ہے
"تخیّل[1] کی بلندی زندگی کی سادگی یہ ہے"

حسینوں کی بناوٹ سے معلیٰ سادگی اسکی — حقائق معترف جس کے وہ علم و آگہی اسکی
بلندی عزم کی کرتی ہے پیدا زندگی اسکی — عمل کی راہ میں کرکے تو دیکھو پیروی اسکی

گل خوش رو ہر اک دشواریوں کا خار ہوجائے
ابھی جنت یہ دنیا کا جہنم زار ہوجائے

دنائت سے کنارہ کش رہو، خلق حسن سیکھو — جو دونوں زندگی میں کام آئے ایسا فن سیکھو
بھلا چاہو تو خاکو وصف سلطان زمن سیکھو — محبت کے یہی معنی ہیں حیدرؑ کا چلن سیکھو

عمل میں اسکی سیرت سے نہ جب تک متفق ہوگے
علیؑ کے شیعہ کہلانے کے کیونکر مستحق ہوگے

ریویو

کمونی

ہندستان میں کمونی کی شہرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور اس سفوف کو ملک میں کافی مقبولیت حاصل ہے۔ جناب مولانا حکیم سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل پروپرائٹر نے ہم کو بھی ایک شیشی مرحمت کی جو معدہ کے امراض میں بیشک اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ یونانی ادویہ میں زیادہ تر مقدار کی زیادتی اور بدمزگی سے نئے طبقہ کے لوگ گھبراتے ہیں مگر کمونی کی خوراک انگریزی ادویہ کی طرح کم اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ خوش ذائقہ ہے۔ میں ناظرین الواعظ سے سفارش کرتا ہوں کہ موسم کے بداثرات سے بچنے کے لیے اپنے مریضوں کے لیے طلب کریں اور تندرست حضرات بھی پیش بندی کے لیے یہ دوا کھائیں۔ ملنے کا پتہ:

مرتضیٰ حسین روڈ کارخانہ کمونی لکھنؤ

---

[1] یہ ترجمہ ہے انگریزی نظریہ کا جو عقلائے یورپ نے بہترین زندگی انسانی کے لیے قائم کیا ہے یعنی
SIMPLE LIVING AND "HIGH THIMKING

چراغِ ہدایت

بتقریب عید میلاد حضرت صاحب العصر علیہ السلام عجل فرجہم

(نتیجہ فکر حکیم ملک سید محمد محسن صاحب گورنمنٹ رجسٹرڈ۔ بڑاگاؤں ڈاکخانہ سرائے محی الدین تحصیل شاہ گنج ضلع جونپور)

مچا ہوا ہے زمانے میں ایک شور نشور
حریم ناز کے پردہ میں آپ ہیں مستور

بھری ہے فتنہ و ظلم و فساد سے دنیا
زمانہ ہو گیا ہے سارا کفر سے معمور

زیادہ مذہب اسلام کی ہے حالت غیر
خطور دین میں ہے اعتقادوں میں ہے فتور

چھپا ہے کون سی بدلی میں اختر اسلام
ہماری چاندنی راتیں جو ہیں شب دیجور

کہاں کہاں نہ ہمارا کبھی تصرف تھا
ہمارے نام سے لرزاں تھے قیصر و فغفور

وہ روم و شام و بخارا و قونیہ مسقط
حلب و مصر و انطاکیہ و نیشاپور

ہر اک مقام پہ ڈنکہ ہمارا بجتا تھا
جہاں میں رایت اسلام کا تھا پھیلا نور

وہی ہیں اب کہ ہمیں پوچھتا نہیں کوئی
قریب آن کے منزل کے اور ہو گئے دور

ہماری قوم مسلماں رہی ہے کہنے کو
مگر خصائل اسلام ہو گئے کافور

نہ ہم میں علم و عمل اور نہ دولت و ثروت
نہ کوئی صنعت و حرفت نہ ہم میں عقل و شعور

اصول دیں سے غرض نہ فروع دیں سے کام
رہے نہ امر خدا و رسول پر مامور

ہمارا طرز تمدن بدل گیا بالکل
رہا بزرگوں کا باقی نہ ایک بھی دستور

عجیب شان ہمارے ہے خوان نعمت کی
عرب کی سادہ غذائیں خیال تک سے ہیں دور

کہاں یہ سوپ۔ یہ کاری۔ پوڈنگ لیکٹ۔ جو ہیں
کہاں وہ نان شعیر اور نمک پیاز کھجور

نہ ہم میں درد محبت نہ جذبۂ اخلاق
یہ انتہا ہے کہ بھائی سے بھائی کو ہے نفور

پڑھیں نماز نہ کیونکر کہ سن رہے ہیں ابھی
ہے ریڈیو میں لگا ہارمونیم طنبور

وظیفہ سحری کی بھلا کہاں فرصت
کہ یا تیر کا اسی وقت دیکھنا ہے ضرور

بس ایک دھن ہے کہ اٹھ جائے پردۂ نسواں
جو گھر سے نکلیں تو ہمدوش ہو پری یا حور

یہ انقلاب ہے علم و عمل کے سورج نے
بجائے مشرق کے مغرب سے اب کیا ہے ظہور

ستارہ بدلے گا کب تک بتا نہیں سکتا
کوئی ستیہ بنے یا کہ بلعم باعور

اسی سبب سے بلاؤں پہ ہے بلا نازل　　ہر اک اشارہ سے آثار قہر کا ہے ظہور

ہے یاد کوئٹہ کا وہ زلزلہ معاذ اللہ　　تباہ ہو گیا تھا کس طرح مظفر پور

غضب جو حق کا نہیں کیا تھی جنگ عالمگیر　　یہ وہ بلا تھی کہ دنیا ہی اسمیں تھی محصور

گرانی غلہ کی کپڑوں کی ایسی نایابی　　یہ کیا ہے قہر الٰہی میں ہیں بشر مقہور

بس اب یقیں ہے کہ دنیا سنبھل نہیں سکتی　　عجب نہیں جو سرافیل جلد پھونکدیں صور

سوائے اس کے نہیں اور اب کوئی چارہ　　کہیں خدا سے کہ ہو صاحب الزماں کا ظہور

وہی امام جو پیدا ہوئے ہیں آج کے دن　　جہاں میں نیمۂ شعباں کے چاند ہیں مشہور

بہار کا یہ زمانہ شباب پہ برسات　　پلادے ساقی کوثر عطا شراب طہور

یقین ہے برق تجلی بنا دے رات کو دن　　جو لائے دور میں تو آفتاب و جام بلور

بلا ہئے ہوے محفل ہو نشہ سے سرشار　　جو ڈالے چشم کرم تیری نرگس مخمور

ہے آج بادہ پرستوں میں رتجگے کی دھوم　　بنا رکھا ہے چراغاں نے میکدہ کو طور

چھلکتے جام ہیں ہاتھوں میں قدح نوشوں کے　　لبوں پہ جوش میں نشہ کے یا غفور غفور

ترنگ نشہ میں عرفی کی آئی اک آواز　　یہ اس کے فیض کا بعد از فنا ہوا ہے ظہور

بیا بنوش کہ در مسلکیت شہید کنم　　کہ نیست قابل رحمت شہادت مستور

پڑھوں سحر کے بھی مطلع سے روشن اک مطلع　　کہ بزم عیش میں پیدا ہو ایک عالم نور

نبیؐ کے قرۃ عیں اور کبریا کے نور　　نقاب الٹ کے رکھا پھر وہی تجلی طور

خدا گواہ تناسخ کا میں نہیں قائل　　مگر امام کے گھر گویا ہے نبیؐ کا ظہور

یہ جانشیں محمدؐ ہے یا محمدؐ ہے　　یہ امتیاز کرے کب نگاہ کو ہے شعور

جناب خضرؑ و الیاسؑ و عیسیٰؑ سے پوچھو　　حدوث اور قدم کی جو بحث ہو منظور

خدا کے واسطے الٹو نقاب چہرے سے　　کرو جہان کو انصاف و عدل سے معمور

یہ آرزو ہے غلاموں کو دیکھ لیں آقا　　علم ہوا تھا جو آراستہ شب عاشور

ذرا کھینچی ہوئی اس ذوالفقار کو دیکھیں　　بنا کے تربت اصغرؑ ہوئی تھی جو رنجور

نبیؐ کے سر پہ جو معراج میں عمامہ تھا　　وہ دیکھیں آپ کے سر پہ تو آئے آنکھوں میں نور

غم حسینؑ میں چھلنی ہیں سوگواروں کے دل　　یہ آرزو ہے کہ بھر جائیں آج تو ناسور

ملک بھی مدح سے عاجز ہوں جسکی اے محسنؔ　　تمام کر سکے تو وصف ہے یہ عقل سے دور

شاہی جامع مسجد

عالیجناب تصدق حسین صاحب بی اے ایل ایل بی لکھنؤ

لکھنؤ جواَب فوّاروں اور سبزہ زاروں والا شہر کہلاتا ہے ابھی پوری صدی بھی نہیں گذری کہ اودھ کے ایرانی النسل تاجداروں کی راجدھانی تھا جن کی بنوائی ہوئی خوشنما اور دلکش عمارتیں ہر طرف موجود ہیں اگر ہم صرف وکٹوریہ پارک ہی کی شمالی حد پر جاکر کھڑے ہوجائیں تو زمانہ شاہی کی تعمیر شدہ خوبصورت خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کا ایک دلفریب اور جاذب نظر مجموعہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے مثلاً داہنی طرف نواب آصف الدولہ کا مشہور عالم امامباڑہ بصد شان رعنائی نظر آتا ہے اس کے سامنے ہی ایک بلند ٹیکرہ پر حضرت عالمگیر اورنگ زیب کی رفیع الشان مسجد اپنا جھمکڑا دکھا رہی ہے ادھر سے نظر ہٹائیں تو بائیں جانب ہندوستان کا حسین ترین گھنٹہ گھر آسمان سے باتیں کر رہا ہے اس کے سامنے ہی دولتخانہ آصفی کا رفیع الشان پھاٹک ہے جس کے قریب ہی ست کھنڈے کی سر بفلک عمارت ہے اس کی بغل میں امامباڑہ حسین آباد ایک دلربایانہ انداز سے جلوہ گر ہے جس کا سنہری کرخی گنبد اپنی جگمگاہٹ سے آنکھوں میں چکاچوندھ پیدا کرتا ہے اُس کی پشت ہی پر شاہی جمعہ مسجد ہے جس کی گلکاری اور رنگ آمیزی آنکھوں میں کھُبی جاتی ہے اور نظر کو اپنی طرف سے ہٹنے نہیں دیتی اس مضموں میں منجملہ اور عمارتوں کے صرف جامع مسجد کے حالات کسی قدر تفصیل سے پیش کئے جائیں گے۔

یہ مسجد محلہ تحسین گنج میں امامباڑہ حسین آباد کے قریب ہی جانب پشت میر نعیم خاں کی گڑھی میں ایک نہایت بلند ٹیلہ پر واقع ہے مسجد تک پہونچنے کے لئے کئی مقاموں پر زینوں پر چڑھنا پڑتا ہے کسی وقت اس میں چہار دیواری اور داخلہ کا عالیشان پھاٹک بھی تھا مگر اب یہ دونوں چیزیں نابود ہوگئی ہیں اس کو حضرت محمد علی شاہ نے اپنے عہد دولت کے آخری زمانہ میں بنوانا شروع کیا تھا مگر عمر نے وفا نہ کی اور ناتمام چھوڑ کر بتاریخ ۱۶ مئی ۱۸۴۲ء وفات پائی بالآخر ملکہ جہاں انکی بیوہ نے اس کی تکمیل کی۔

بانی مسجد کا منشا اُس کی تعمیر سے یہ تھا کہ میری مسجد کی شان و خوشنمائی کو شہر کی کوئی دوسری مسجد نہ پا سکے حتی کہ مسجد آصفی پر بھی فوق لیجائے۔ (لکھنؤ گائڈ مرتبہ راقم مضمون بزبان انگریزی)

مسجد کے آگے ایک بڑا فراخ و وسیع چبوترہ ہے جس پر سمینٹ کے چوکے بنے ہوئے ہیں مگر اُس کی روکار امام باڑہ آصفی کے رومی دروازہ کا نقش ثانی ہے۔ اس جملہ کا مفہوم سمجھنے کے لئے رومی دروازہ کے طرز ساخت کو سمجھنے کی ضرورت ہے رومی دروازہ میں ایک عالیشان محرابدار پھاٹک بنایا گیا ہے جس کی وضع مسجدوں کے اُن محرابدار دروں سے مشابہ ہے جس میں کھڑے ہو کر پیش امام نماز پڑھاتے ہیں۔ اُس کی پشت پر آمد و رفت کے لئے تین در قائم کئے گئے ہیں۔ پھاٹک کے دونوں طرف پانچ پانچ در قائم کئے گئے ہیں جن کے اوپر دوسری منزل میں بھی زیریں منزل کے موافق در بنا کر اُنکی منڈیر پر طاق گمزیاں اور کلسیاں بنائی گئی ہیں ان دو منزلہ درجوں کے دونوں سروں پر موڈھے بنائے گئے ہیں جن کو تین مراتب اونچا لیجا کر دروں کی بالائی منزل کی منڈیر سے کسی قدر بلند کر دیا گیا ہے۔ جامع مسجد کی روکار پر بھی اگر گہری نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کا وسطی در رومی دروازہ کے وسطی پھاٹک سے بالکل مشابہ کر کے بنایا گیا ہے جسکی پشت پر مثل رومی دروازہ کے تین در بنائے گئے ہیں۔ اس کے دونوں جانب بجائے دو منزلہ دروں کے صرف یک منزلہ در اُچھال کر بنائے گئے ہیں جنکے دونوں طرف مونڈھوں پر سے دو بہت بلند گلدستے تعمیر کئے گئے ہیں۔

مسجد کی منڈیر میں طاق کسی قدر لمبوترے بنا کر اُن پر گمزیاں اور کلسیاں بنائی گئی ہیں اور بغلی دروں کے اوپر صدر دروازہ کے مانند تین تین بڑی محرابیں بنا کر ان میں سے ہر ایک کے اندر تین چھوٹے چھوٹے در بنائے گئے ہیں جنکی وجہ سے مسجد کو اور چار چاند لگ گئے ہیں مسجد کے بالائی حصہ میں تین گنبد ہیں ان کے اوپر سنہری کلسیاں لگی ہیں جن پر چاند تارے نصب ہیں یہ عمارت اپنے تناسب کے لئے بہت مشہور ہے اس کے منارے سات کھنڈے سے بہت بلند تھے دور سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسمان کو مس کر رہے ہیں مگر ایک مرتبہ زلزلہ میں اس کے شمالی گلدستہ کو بہت صدمہ پہونچ گیا تھا اس کے قبل بھی اس کی مرمت ہو چکی تھی اب کی مرتبہ دونوں گلدستوں کے دو کھنڈا اُتار کر بوجھ ہلکا کر دیا گیا اور اُن پر مثل سابق برجیاں بنا دی گئیں۔

مسجد کے اندرونی جانب آگے پیچھے دو عریض و طویل دالان ہیں جن کی چھتوں کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے قالب دار بنایا گیا ہے پیش امام کے کھڑے ہونے کی محراب کے دونوں جانب بارہ اماموں کے اسماء مقدس منقوش ہیں اور کل دروں کے اوپر اور چھتوں میں ایسی نفیس اور دل آویز منبت و گلکاری کی گئی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے الفاظ اس کی خوبصورتی کو بیان

کرنے سے قاصر ہیں کہیں پر انگور کی بیلیں بنی ہیں۔ کوئی چھت پھانکوں دار خربوزہ کے مثل بنائی گئی ہے۔ کسی چھت میں پلیٹیں بنائی گئی ہیں جن کے متن میں تہلوت نفیس کام بنایا گیا ہے۔ اگلے دالان کی چھت میں ایک قاب بنا کر اُس کے کنارے کنارے نیبونا رنگی شریفہ۔ آم خربوزے۔ انناس و انگور وغیرہ کے پھلوں اور شاخوں کے گلدستے اصل سے بالکل مشابہ کرکے بنائے گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ مسجد اپنی صناعی و خوشنمائی کے لحاظ سے مسجد آصفی پر ضرور فوق لیگئی ہے اور اُس کے رنگوں کے تال میل گل بوٹوں و قلمکار جالیوں کی دلفریبی اور سحر کاری کے آگے مسجد آصفی بالکل نہیں بچتی۔

جامع مسجد کی وسعت اور لاگت کا تذکرہ کرتے ہوئے سید کمال الدین حیدر قیصر التواریخ کی جلد اول میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اس مسجد کی بنا گڑھی میر نعیم خاں کی ایک سو دس گز آراضی لیکر ہوئی۔ اس کی تعمیر کے لئے محمد علی شاہ نے دس لاکھ روپے نواب ملکہ جہاں کو بطور امانت دیے تھے۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد انھوں نے زر امانت کو اپنا ذاتی مال سمجھکر تعمیر کو ملتوی رکھا۔ جب حضرت امجد علی شاہ نے اپنی حرارت ایمانی سے زور دیا تو وزرا و سلطنت نے کچھ اپنا معاملہ کرلیا پھر بے خبر ہوئے آخر کار جب سرکار سے تاکید شدید ہوئی تو کئی برس میں بنکر تیار ہوئی مگر استحکام نہیں اب نماز جماعت و عیدین مجتہد وہیں پڑھوانے لگے۔

مسجد کے وسطی در کی پیشانی پر قطعۂ تاریخ و سنہ تعمیر کندہ ہے مگر سیاہی دھل جانے کی وجہ سے پڑھا نہیں جا سکا مولانا نجم الغنی مؤلف تاریخ اودھ بھی اس مسجد کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تالیف کے حصۂ پنجم کے صفحہ ۱۳ پر تحریر کرتے ہیں:۔

متصل امام باڑہ (حسین آباد) کے تعمیر ایک مسجد کی (محمد علی شاہ) نے شروع کی تھی جس کو انھوں نے چاہا تھا کہ جامع مسجد (آصفی) سے بہتر بنے مگر ان کی حیات نے وفا نہ کی اور قبل اُس کے ختم ہوتے کے وہ خود ختم ہوگئے۔ یہ مسجد نا تیار اب تک موجود ہے اور اُس وقت سے ابتک مرمت بھی نہیں ہوتی ہے۔

تعجب ہے کہ مولانا نے آخر میں ایک سر تا پا غلط واقعہ اپنی کتاب میں درج کردیا اصلیت یہ ہے کہ محمد علی شاہ کے انتقال کے بعد مسجد مکمل بھی ہوئی اور غدر کے قبل تک جمعہ جماعت وعیدین کی نمازیں بھی اس میں ہوتی رہیں۔ عرصہ سے یہ مسجد زیر نگرانی محکمۂ تحفظ آثار

قدیم ہو گئی ہے جو وقتاً فوقتاً اس کی مرمت اور داغ دوزی بھی کراتا رہتا ہے۔ غدر کے پہلے جب اس میں عید کی نماز ہوتی تھی تو اُس روز وہاں بڑا میلہ بھی لگتا تھا اور دن بھر بڑی چہل پہل رہتی تھی۔

مولانائے موصوف ریاست رام پور کے باشندے تھے تاریخ اودھ ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی اُس وقت مسجد تیار شدہ موجود تھی مولانا کے انتقال کو بھی ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے میرے نزدیک لکھنؤ آکر بذات خود تحقیق کرنے کے بجائے موصوف نے کسی اور شخص سے دریافت کیا ہوگا ان حضرت نے امام باڑہ کی ناتمام عمارت کو مسجد کی عمارت قیاس کر کے اس کام کو بیگار کی طرح ٹال دیا اور مولانا کو ویسا ہی لکھ دیا جس کی وجہ سے ایسی موٹی سی غلطی ہو گئی۔

مسجد کے قریب ہی جانب جنوب ایک ناتمام امامباڑہ ہے جس کے پائے تو مسجد کی جانب تیار ہو گئے تھے مگر محرابیں بناکر چھتیں پاٹنا باقی رہ گئی تھیں۔ وہ اَب تک اُسی ادھوری حالت میں موجود ہے مشہور ہے کہ بعد انتقال محمد علی شاہ روپیہ کی کمی کی وجہ سے یہ ادھر بنا رہ گیا۔ مگر اُس کی اُٹھان بتاتی ہے کہ اگر یہ امام باڑہ بنکر تیار ہو جاتا تو بہت ہی عظیم الشان ہوتا۔

اس امام باڑہ نو تعمیر کی وضع قطع کے متعلق سید کمال الدین حیدر تحریر کرتے ہیں :-

"دوسرا امام باڑہ مثل امامباڑہ نواب آصف الدولہ کچھ بنکر رہ گیا وہ پشت حسین آباد ہوا تھا افسوس ہے کہ مس سڈنی ہے (Miss Sydney Hay) نے بھی بلا تحقیق کئے اس نامکمل امامباڑہ کو اپنی تالیف ہسٹارک لکھنؤ (Historic Lucknow) میں ایک مدرسہ کی عمارت لکھ دیا ہے۔

پہلے اہل تشیع جمعہ و جماعت و عیدین کی نمازیں مسجد آصف الدولہ میں ادا کرتے تھے اور مجتہد العصر جناب سید محمد صاحب مخاطب بہ سلطان العلماء امامت فرماتے تھے جس وقت حضرت محمد علی شاہ کی جامع مسجد بنکر تیار ہوئی تو یہ نمازیں اس نو تعمیر مسجد میں ہونے لگیں سلطان العلما یہاں بھی امامت فرماتے رہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر تک یہ سلسلہ بدستور قائم رہا۔ بعد غدر جب شہر پر بتاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۸ء انگریزوں کا دوبارہ تسلط ہو گیا تو انھوں نے مچھی بھون کی درستی کر کے اُس کی زبردست قلعہ بندی کر دی جس کے حصار میں منجملہ دیگر عمارات امامباڑہ

۔ قیصر التواریخ جلد اول

آصفی و مسجد آصفی اور ٹیلہ کی اہلسنت کی مسجد بھی آگئی امامباڑہ اور اُس کی مسجد میں گوروں کا قیام تھا اور ٹیلہ والی مسجد میں گوروں کا اسپتال قائم ہوا۔
سید کمال الدین حیدر بھی اس قلعبندی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔
"امامباڑۂ آصف الدولہ کو حصن حصین کیا پندرہ سو فٹ تک گرد قلعہ کے میدان کر دیا ہے مکان باؤلی جس میں مبارک محل رہتی تھیں اس میں میگزین قلعہ مچھی بھون کو بھی شامل کر دیا ہے امامباڑہ کے گرد کے جتنے مکانات عالیشان اور محلے تھے تا حسین آباد داخل حصار قلعہ ہوئے پنج محلہ۔ سنگی محل۔ حسن باغ وغیرہ جتنی عمارات عالیشان میان حصار تھیں سب ہموار زمین ہوئیں۔"
چوک گول دروازہ سے حد حصار ہوئی۔ نواب محسن الدولہ کا مکان (جہاں پر اب کوتوالی تعمیر ہوئی ہے) دہس سے باہر تھا اس لئے بچ گیا امامباڑہ مرزا حسن رضا خاں و مسجد (جہاں پر اب متصل رومی دروازہ گوئن گارڈن ہے) جس میں نماز جماعت ستر یا استی برس ہوئی ہموار زمین ہو گئی۔ مینا بازار میں فقط قبر شاہ مینا رہ گئی دوسری قدیم قبریں داخل حصار رہیں۔ امامباڑہ آغا باقر خاں کھُد کر برابر ہو گیا مرزا حیدر شکوہ شہزادے نے انجینیر کی اجازت سے قطعۂ زمین امامباڑہ لیکر وسط میں ٹین کا بنگلہ بنوا دیا کیونکہ ان کے باپ مرزا کام بخش وہاں دفن تھے۔ دریا کے اُس پار بھی جو عمارتیں حصار کے اندر آگئیں سب کھُد گئیں حسین آباد کی شکست ریخت کی پھر تیاری ہوئی اُس کی تولیت نواب محسن الدولہ اور نواب ممتاز الدولہ کو سرکار سے ملی۔
بعد غدر سید العلماء مولانا مولوی سید حسین صاحب مجتہد کے بیٹے یعنی سلطان العلماء کے بھتیجے ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے بعض خاندانی مصلحتوں کو مد نظر رکھکر اپنے مکان کے باغ واقع پشت مسجد تحسین علیخاں میں جامع مسجد کے وقت سے قبل نماز جمعہ پڑھا دی چونکہ شیعی نقطۂ نظر سے ایک شہر میں جمعہ کی دو نمازیں نہیں ہو سکتیں اس بنا پر سلطان العلماء نے جامع مسجد کی نماز جمعہ ملتوی کر دی مابعد ممتاز العلماء جمعہ و عیدین کی نمازیں مسجد تحسین علیخاں چوک میں پڑھاتے رہے جو اُن کے صاحبزادے شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب کے وقت تک بڑے ہجوم کے ساتھ منعقد ہوتی رہیں مؤلف احیاء الآثار ناقل ہیں کہ مسجد آصفی ۲۰ جون ۱۸۸۴ء کو جناب مولوی سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد کی جد و جہد سے واگذار ہوئی اُس کے بعد جمعہ

وعیدین کی نمازیں پھر مسجد آصفی میں ہونے لگیں اور ۲۴ جولائی ۱۸۸۳ء کو پھر پہلی مرتبہ نماز عید مسجد آصفی میں ایک بڑے مجمع کے ساتھ پڑھائی گئی موصوف اپنی حیات بھر خود امامت کرتے رہے جب ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ کو ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے بعد ان کے وصی اور بہنوئی جناب میر آغا صاحب مجتہد پڑھاتے رہے اور ابتک امامت انھیں کی نسل میں ہے۔

ٹیلہ کی مسجد بھی گورنمنٹ نے اسی زمانہ میں حصار قلعہ توڑ کر اہلسنت کے حوالہ کر دی تھی مگر اس اثنا میں اہل تسنن تخمیناً ۱۸۷۵ء سے عیش باغ میں اپنی عیدگاہ قائم کرکے عیدین کی نمازیں وہیں پڑھنے لگے تھے اور ابتک بدستور وہیں پڑھتے ہیں۔

جامع مسجد حضرت محمد علی شاہ سے نماز جمعہ تو موقوف ہو چکی تھی عیدین کے لئے ملک العلماء جناب سید بندہ حسین صاحب وہاں امامت کرنے لگے جو سلطان العلماء کے فرزند زوجۂ ثانیہ سے تھے اُن کے بعد اُن کے بیٹے ملاذ العلماء سید ابو الحسن صاحب عرف بچّن صاحب مجتہد منصب امامت پر فائز ہوئے اُن کے بعد بحر العلوم سید محمد حسین صاحب عرف سید علن صاحب فرائض امامت انجام دیتے رہے آجکل جناب مولوی سید احمد صاحب صدر الافاضل ساکن کٹرہ ابو تراب خاں خولیش جناب خان بہادر مولوی مہدی حسین صاحب پڑھاتے ہیں مگر وہاں مجمع بہت کم ہوتا ہے۔ شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ خلف حضرت امجد علیشاہ اسی مسجد میں نماز عید ادا کرتے تھے اُس روز موصوف ہر نمازی کے بہت افراط سے عطر لگاتے تھے۔ امراء و روٴسا دونو مساجد میں اپنے اپنے مصلے قبل سے بچھوا دیتے تھے جنھیں بچھا کر اُن کے رفقاء قبضہ کئے رہتے تھے جب صاحب سجادہ خود آجاتے تھے تو اُن کے قائم مقام اُن کے لئے جگہ خالی کر دیتے تھے نواب مہدی علی خاں ساکن باورچی ٹولہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد کے اتنے معتقد تھے کہ عید کے روز ہاتھی پر سوار ہوکر موصوف کی فینس پر روپے نچھاور کرتے ہوئے عیدگاہ تک لیجاتے تھے۔

غرضکہ اب نہ وہ لوگ ہیں نہ ویسا زمانہ ۔ سب اگلی باتیں قصہ کہانی ہوکر رہ گئیں۔

نمونہ کا پرچہ جن حضرات کے پاس حاضر کیا جارہا ہے وہ اپنا چندہ سالانہ مرحمت فرمائیں ورنہ وی۔پی روانہ ہوگا۔

تمام سنیوں کو ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیئے

گذشتہ نمبر میں ہم نے مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا مراسلہ دیانت کے ساتھ چھاپ کر بتایا تھا کہ اوالاعظ کے نامہ نگار نے جو دعویٰ کیا تھا اُس کا وجود خود اس مراسلہ میں ہے اس کامیابی کو د یکھتے ہوئے اب کسی مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہ تھی لیکن بعض علم دوست حضرات کے اصرار پر ہم مختصر الفاظ میں پھر بتانا چاہتے ہیں کہ امام مالک کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا تذکرہ اہلسنت کی دیگر کتابوں میں بھی ہے۔

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں واجمعوا علیٰ انہ یسنّ وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ الا فی روایۃ عن مالک وھی المشھورۃ انہ یرسل یدیہ ارسالاً وقال الاوزاعی بالتخییر (رحمۃ الامہ فی اختلاف الامہ ص۲۱ مطبوعہ مصر)

اجماع کیا ہے ائمہ اہلسنت نے کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھتے تھے، اور اوزاعی قائل بتخییر ہیں چاہے ہاتھ کھول کر نماز پڑھے چاہے ہاتھ باندھکر۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایک ذمہ دار امام ہاتھ کھولنے کی رائے دیتے ہیں اور دوسرے اکابر اسلام کو اس مسئلہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور اُن کے نزدیک ہاتھ کھولنا اور باندھنا مساوی حیثیت رکھتا ہے تو پھر اہلسنت کے تمام طبقے ہاتھ کھولنے سے کیوں چڑھتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ باندھنے میں صرف شیعہ دشمنی کا مظاہرہ ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ جن اہلسنت نے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا ہے وہ ہاتھ باندھنے کو فقط اہل علم اور مسجد کے ملاؤں سے خاص سمجھتے ہیں عام سنیوں کو ہاتھ باندھنے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے شعرانی موصوف اپنی دوسری کتاب میں اقرار کرتے ہیں کہ والوجہ الاول ان صورۃ موقف العبد بین یدی سیدہ وھو خاص بالاکابر من العلماء بخلاف الاصاغر فان اولی لھم ارخاء الیدین کما قال بہ مالک رحمہ اللہ علیہ۔

(میزان کبریٰ ص۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر)

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ غلام کی صورت اپنے آقا کے سامنے یہی ہونی چاہیئے اور یہ خاص ہے اکابر علماء اور اولیاء کے ساتھ بخلاف چھوٹے درجہ کے لوگوں کے ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ ہاتھ کھول کے پڑھیں جیسا کہ مذہب مالک ہے۔"

لیجئے اب تو قصہ پاک ہوا ہاتھ باندھنے کا حکم اس دور میں صرف مولوی سلیمان صاحب ندوی، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، شیخ عبد الشکور صاحب پاٹانالوی اور ان کے ایسے اشخاص کے ساتھ خاص ہوکر رہ گیا تمام اہلسنت وجماعت کو ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیئے، فضل الرحمٰن صاحب اگر اپنی کنیت ابوالمرجان قرار دیکر قوم میں رسوخ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے کہ آئندہ اُن سے اس حکم کا تعلق ہو ابھی تو وہ اطاعزیں ہیں اور میدان مناظرہ میں پہلے پہل قدم آئے ہیں فی الحال کم از کم اُن کو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا چاہیئے۔

ہاتھ باندھنا حضور قلب کے منافی ہے۔ کتاب مذکور میں یہ بھی ہے کہ مؤلف نے سید علی خواص سے سُنا ہے کہ وہ کہتے تھے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا چاہیئے حالانکہ یہ فعل شارع سے ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب پورا نہیں ہوتا فارسال یدیہ بجنبیہ اولی وبہ صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلھما ولم یعبث بھا فلا باس (صفحہ ۱۲۵)

تو ہاتھوں کا چھوڑ دینا پہلوؤں کی سمت اولیٰ ہے اور یہی کی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب اُم میں کہ اگر ہاتھوں کو کھول دے دونوں بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ ہیں وہ پوست کندہ حالات جنکو ابوالمرجان صاحب نے چھپاکر دامن سنیت کو تعصب کے داغ سے بچانا چاہا تھا مگر اُنھیں کے چھیڑنے سے ہمکو کہنا پڑا اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نماز ایسی عبادت میں جسپر تمام عبادات موقوف ہیں بہتر کیا ہے ہاتھ کھولنا یا باندھنا جس سے حضور قلب پر ضرب لگتی ہے آپ کی سمجھ کا تو یہ حال ہے کہ صرف ایک نماز کے رکوع میں انگوٹھی دینا جس کی مدح خود رب العزت فرمائے وہ تو منافی حضور قلب ہے اور ساری دنیائے سنیت کے نمازی فطری حیثیت کو چھوڑ کے خود ساختہ آئین سے دست بستہ عبادت الٰہی کریں تو یہ مجرموں کی تصویر حضور قلب کے لئے تازیانہ نہو اگر حضور قلب کو چھیڑیے گا تو ہم بتائینگے کہ آپکے مایۂ ناز اسلاف نماز پڑھتے وقت فوج کشی کی تدبیریں سوچا کرتے تھے اور بحرین کے جزیہ کے حساب

ایک انوکھی بات فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے مضمون مندرجۂ الواعظ میں تعجب ہے کہ اصول مناظرہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور الواعظ کی رد میں اپنے یہاں کی کتابوں کے حوالے دیکر جواب کے فرض کو اپنے نزدیک ادا تو کیا بہتیرے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالدیا ہے مگر ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ انھیں کی مستند کتابوں سے عام لوگ اس مضمون کے نتائج کو نوٹ کر لیں۔

(۱) امام مالک اور شافعی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں (۲) ہاتھ باندھنا خضوع قلب کے خلاف ہے (۳) عام مسلمانوں کے لئے ہرگز ہاتھ باندھنے کا حکم نہیں ہے مگر ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم۔ بچہ بوڑھے عورت مرد عالم جاہل سب ہاتھ باندھتے ہیں (۴) کسائی اور فرا ایسی مشہور ہستیاں بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی قائل ہیں۔

بَابُ الْاَحَادِیْث

عالیجناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

(۱) عن الفضیل عن ابی جعفر قال نظر الی الناس یطوفون حول الکعبۃ فقال ھکذا کانوا یطوفون فی الجاھلیہ اِنَّما امروا ان یطوّفوا بھا ثم ینفروا الینا فیعلمونا ولا یتھم ومودتھم ویعرضوا علینا نصرتھم ثم قرأ ھذہ الآیہ واجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم۔

فضیل بیان کرتے ہیں کہ امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر طواف کر رہے ہیں امام نے فرمایا کہ اسی طرح جاہلیت میں بھی طواف کیا کرتے تھے حالانکہ اب ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طواف کے بعد ہمارے پاس آئیں اور آکر ہم سے اپنی مودت و محبت کا اظہار کریں اور اپنی مدد کو پیش کریں اسکے بعد امام نے یہ آیت تلاوت فرمائی خداوندا لوگوں میں سے کچھ لوگوں کے دل ہماری طرف مائل کر دے۔

(۲) عن سدیر قال سمعت ابا جعفرؑ وھو داخل وانا خارج واخذ بیدی ثم استقبل البیت فقال یا سدیر انما امر الناس ان یاتوا ھذہ الاحجار فیطوفوا بھا ثم یاتونا فیعلمونا ولا یتھم لنا وھو قول اللہ وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا ثم اھتدی ثم اومی بیدہ الی صدرہ

الی ولایتنا ثم قال یا سدیر فاریك الصادین عن دین الله ثم نظر الی ابی حنیفه وسفیان الثوری فی ذالك الزمان وهم حلق فی المسجد فقال هولاء الصادون عن دین الله بلا هدی من الله ولا کتاب مبین ان هولاء الاحادیث لو جلسوا فی بیوتهم فجال الناس فلم یجد وا احداً یخبرهم عن الله وعن رسول الله حتی یاتونا فنخبرهم عن الله وعن رسول الله۔

سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سُنا آپ نے بیان فرمایا اُس وقت جبکہ آپ گھر کے اندر تھے اور میں باہر تھا اور امام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اور خانہ کعبہ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور فرمانا شروع کر دیا کہ سُنا اے سدیر ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ یہاں آکر حجرا سود کا بوسہ لیں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں پھر ہمارے پاس آئیں اور اپنی محبت کا اظہار کریں اسلئے کہ خدا فرماتا ہے میں اُس کو بخشوں گا جو توبہ کرے اور عمل صالح بجالائے پھر اس کے بعد ہدایت بھی پا جائے۔ امام نے اپنے دست مبارک سے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا کہ ہدایت سے مراد ہماری محبت ہے اس کے بعد امام نے فرمایا تم کو میں اُن لوگوں کو دکھاؤں جو لوگوں کو دین خدا کی طرف جانے سے رد کتے ہیں اور ابو سفیان ثوری وابو حنیفہ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں پھر فرمایا کہ وہ یہی لوگ ہیں جو لوگوں کو دین خدا سے منع کرتے ہیں اگر یہ بدبخت اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور لوگ ان کو یہ کسی کو خدا کے احکام دین کے فرمان بیان کرنے والا نہ پائیں تو وہ لوگ ہمارے پاس آئیں گے اور ہم ان کو احکام خدا و رسول بتائینگے۔

(۳) عن صفوان بن یحییٰ قال قلت للرضا علیہ السلام قد کنا نسئلك قبل ان یھب الله لك ابا جعفر فکنت تقول یھب الله لی غلاماً فقد وھب الله لك فقر عیوننا فلا ارانا الله یومك فان کان کون فالی من فاشار بیدہ الی ابی جعفر علیہ السلام وھو قائم بین یدیه فقلت جعلت فداك ھذا ابن ثلث سنین قال وما یضرہ من ذالك شیئ ماقد قام عیسیٰ علیہ السلام بالحجة وھو ابن ثلث سنین۔

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں میں نے امام رضا سے کہا کہ قبل اسکے کہ خدا نے آپ کو آپکے فرزند ابو جعفر کو مرحمت فرمایا ہم آپ کے پاس آتے تھے تو آپ فرماتے تھے کہ خدا مجھے ایک

رزند عطا کرے گا چنانچہ خدا نے آپ کو مرحمت کیا اور ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کیا خدا ہمکو آپ کی
فات نہ دکھلائے لیکن اگر کچھ حادثہ ہو تو پھر ہم کس کی طرف رجوع کرینگے امام نے دست
بارک سے امام محمد تقی کی طرف اشارہ کیا اور وہ امام کے سامنے کھڑے ہوئے تھے میں نے
آپ پر قربان ہو جاؤں یہ تو ابھی تین سال کے ہیں امام نے فرمایا کچھ حرج نہیں عیسیٰ کو بھی
بت ۳ سال کی عمر میں ملی تھی۔

(۴) عن بعض اصحابنا عن ابی جعفر الثانی علیہ السلام قال قلت لہ
نهم یقولون فی حداثة سنك فقال ان الله تعالیٰ اوحی الی داؤد ان
یستخلف سلیمان وهو صبی یرعی الغنم فانکر ذالك عباد بنی اسرائیل
علمائهم فاوحی الله الی داؤد ان خذ عصا المتکلمین وعصا سلیمان و
جعلها فی بیت واختم علیها بخواتیم القوم فاذا کان من الغد فمن کانت
عصاه قد اورقت واثمرت فهو الخلیفة فاخبرهم داؤد فقالوا قد رضینا
سلمنا۔

بعض اصحاب سے روایت ہے کہ انھوں نے امام محمد تقی سے کہا کہ لوگ آپ کی کمسنی کے
رے میں کلام کرتے ہیں امام نے فرمایا کہ خدا نے داؤد کو وحی کی کہ سلیمان کو خلیفہ بنائیں درانحالیکہ
وہ بچے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے اس بات کو عابدین و علماء بنی اسرائیل نے ناپسند کیا تو
خدا نے داؤد کو وحی کی کہ اعتراض کرنے والوں کے اور سلیمان کے عصا کو لو اور ایک کمرہ میں سب کو
بند کر دو اور ہر ایک پر ان کی مہر لگا دو دوسرے روز دیکھو جس کے عصا میں پتیاں اور پھل ہوں
وہی خلیفہ ہے داؤد نے ان کو خبر کی تو انھوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی اور تیار ہیں۔

مناسک حج اور عزاداری

جناب سید محمد اکبر صاحب نقوی سیتاپوری مؤلف حسینی دنیا

حج ہر مسلمان پر خواہ سنی ہو یا شیعہ یا کسی اور مسلک کا ہو واجب قرار دیا گیا ہے جس کی امکانی
صورت میں بجا آوری ضروری ہے۔ اگر حج پر علیحدہ علیحدہ تھوڑا بہت غور و فکر کیا جائے تو ایک
حد تک عزاداری امام حسین علیہ السلام سے ربط نظر آئے گا اور کافی روشنی پڑتی ہے۔ اگر مسلمان
ٹھنڈے دل سے سوچیں تو جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان میں فی الجملہ کمی کا امکان ہے۔

کیونکہ واقعہ جناب سمٰعیلؑ کو واقعہ کربلا سے بہت کچھ لگاؤ ہے اور جو قربانی جناب سمٰعیلؑ کی دنبہ کے آجانے سے رہ گئی وہ کربلا کے میدان میں ذبح عظیم ہو کر پایۂ تکمیل کو پہونچی ہے۔ ماہ ذیحجہ میں فرائض حج ادا کئے جاتے ہیں۔ مگر ایک مہینہ کے بعد جب محرم آتا ہے تو وہ باتیں جو حج میں ہوتی ہیں ان کو فراموش کر دیا جاتا ہے جس کو اہل انصاف کے منافی ہے اور سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ان کے خلاف فتوے تراشے جاتے ہیں جو کسی طرح مناسب نہیں ہیں میں بہت اختصار کے ساتھ ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ممکن ہے کہ مفید ہو سکیں۔

احرام باندھنا احرام باندھنے سے قبل جو آداب ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے سر منڈائے اور غسل بجالائے اس کے بعد ایک کپڑا باندھے اور اسی کو اوڑھے اور جب خانۂ کعبہ میں داخل ہو تو سر برہنہ اور پابرہنہ ہو کر عظمت خانۂ کعبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عظمت والی اور احترام والی شئی کا خیال سر دیا برہنہ ہو کر بجالائے تو مناسب ہے۔ جس طرح دیگر مقامات آداب کے لحاظ سے ہر مذہب وملت کے لوگ سر برہنہ ہو جاتے ہیں لہذا ان چیزوں کا احترام اسی طرح ہونا چاہیئے جو قابل عظمت ہوں اور سر دیا برہنہ ہونا منافی احکام شریعت نہیں ہو سکتا بلکہ وسعت اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ رسول اسلام کو جب ام سلمہ نے خواب میں دیکھا تھا تو آپ سر برہنہ تھے ایسی صورت میں سنت رسولؐ کی ادائیگی بھی ممکن ہے پھر شعار اسلام کے یہ کیونکر منافی ہے کیونکہ رسولؐ کا خواب عین مشاہدہ تھا جس پر علماء نے کافی روشنی ڈالی ہے۔

یوم ترویہ یہ دن وہ ہے جس دن جناب ابراہیمؑ نے ذبح سمٰعیلؑ کے متعلق خواب دیکھا ہے۔ چنانچہ آٹھویں ذیحجہ سے اعمال حج شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آٹھویں محرم سے وہ رویائے صادقہ جو بنتش آب کا تھا وہ شروع ہوتا ہے۔ اور وہ عظیم مصائب شروع ہوتے ہیں جو ذبح عظیم کا پیش خیمہ ہیں۔

نویں ذیحجہ یہ تاریخ ذبح اور قربانی کی قرارداد کی تکمیل کا روز ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ کل قربانی کی بجاآوری کیلئے اور میں جناب سمٰعیلؑ کو ذبح کر دونگا۔ کربلا میں بھی فرزند رسولؐ نے نویں کو وہ تمام ذرائع جو مصالحت کے تھے ختم فرما کر بالآخر یکسوئی فرمالی تھی اور دسویں محرم کو قربانی پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

یوم قربانی دسویں ذیحجہ قربانی حضرت سمٰعیلؑ کا روز ہے جو میدان منیٰ میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمائی تھی جناب سمٰعیل دنبہ آجانے کے باعث بچ گئے اور یہ قربانی ذبح عظیم کے لئے اٹھا رکھی گئی جو میدان کربلا میں واقع ہوئی۔ اگر غور کیا جائے تو یہ قربانی صحیح معنوں میں ذبح عظیم کہے جانے کے قابل ہے۔

تمام مسلمان عید اضحیٰ کے موقع پر قربانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں مگر رسولؐ کے نواسہ کی یادگار کی مخالفت سخت تعجب ہے۔

عرفات حاجیوں کا بارھویں ذیحجہ تک میدان عرفات میں مقام رہتا ہے۔ کربلا میں بارھویں محرم تک اہلبیت سیدالشہداء کا قیام رہا ہے پھر راہی شام ہوئے ہیں۔ سیدالشہداء علیہ السلام اور ان کے اہلبیت کے جو جو اقدامات ہوتے رہے ہیں وہ انھیں اقدامات سے متفق نظر آتے ہیں جس کے منشاء الٰہی کے بموجب عام حاجی عادی ہیں۔

محمل حضرت عائشہ ہر سال بارھویں ذیحجہ تک میدان عرفات میں قیام حاجیوں کا رہتا ہے چنانچہ اس دوران میں گیارھویں ذیحجہ کو محمل بی بی عائشہ بڑی شان و شوکت سے اٹھتی ہے جو ایک اونٹ پر ہوتی ہے اور یہ مصر سے آتی ہے۔ باجوں کے ہجوم میں اور تمام ساز و سامان سے کئی لاکھ کی تیاری ہوتی ہے باجوں کی دھوم دھام سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ بلا تشبیہ یہ شبیہ تعزیہ جو امام عالیمقام کے روضہ کی نقل ہے ایک حد تک مشابہ ضرور ہے لکھنؤ میں محمل اور عماری دار تعزیے بکثرت بنتے ہیں مگر وہ محمل جو حج کے موقع پر مصر سے آتی ہے اس کو تمام حاجی خوشی خوشی دیکھتے ہیں اور آج تک کسی نے اسکے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی حالانکہ وہ محمل اصل نہیں ہے بلکہ اس محمل کی نقل ہے جو بی بی عائشہ سے منسوب ہے مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ روضہ کی نقل جو امام سے منسوب ہے کیونکر خلاف ہے جو غیر ذی روح شئی ہے۔

طواف کعبہ اگر کعبہ کی عمارت جو اینٹ اور پتھر اور چونے و مٹی سے ملکر بنی ہے اسکے گرد سات مرتبہ پھرا جائے اور طواف کیا جائے تو جائز ہے پھر وہ غلاف جو کعبہ پر ہر سال چڑھایا جاتا ہے تو یہ سب باتیں جائز قرار پائیں اور وہ بت پرستی نہ ہو بلکہ خدا پرستی کا معیار قرار پائے مگر اہل خلاف صرف تعزیہ داری کے خلاف اپنی ناقص دلیلوں سے لوگوں کو منحرف کراتے ہیں۔

صفا و مروہ کو شعائر اللہ میں شمار کیا گیا ہے یعنی مسلمانوں کو یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ پہاڑیاں عظمت واحترام کے قابل ہیں جن پر حضرت آدم اور حضرت حوا کے قدم مبارک لگے تھے اور یہ حکم کہ وہاں تک بار دیگر لوگ دوڑیں اور سعی کریں اور اس نبی کی یاد کو تازہ کریں جو نظر قدرت میں قابل عظمت قرار دیگئی ہے۔ یہ چیز اس کو واضح کرتی ہے کہ قابل احترام چیزوں کی عظمت ہونا چاہیئے اور بت پرستی سمجھنا کیونکر روا ہے۔ مسجد نبوی کی یادگار مسجدوں کو بناکر قائم کی جائے مگر روضۂ امام

سکی نقل میں تکلف ہو۔

حجر اسود لیجیے، حجر اسود وہ پتھر ہے جو خانہ کعبہ کی ایک دیوار میں لگا ہے اس کا بوسہ دینا ہر حاجی پر ضروری قرار دینا اس کو واضح کرتا ہے کہ پتھر کو چومنا اور اس کو قابل احترام سمجھنا مسلمانوں کے خیالات کو ٹھیس نہیں لگا سکتا اور وہ بت پرستی نہیں ہے، بت تو وہی ہو سکتا ہے جو کسی نبی یا جاندار کی شکل کا کوئی بت بنائیں اور اس کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کی جائے لیکن اشرف المخلوقات انسان اگر کسی کی عظمت کرتا ہے تو وہ اس کی خاکساری اور انکساری اور فروتنی کی دلیل ہے۔

جانوران قربانی اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں اور یادگار ہیں جو قابل احترام قرار دیے گئے ہیں وہ اس دنبہ کی مثل ہے جو جناب اسمٰعیلؑ کے ذبح کے وقت ان کے بجائے نبی زادے کے بچانے کا باعث ہوا۔ قرآن بتلاتا ہے کہ قربانی کے اونٹ بھی ہم نے تمہارے واسطے خدا کی نشانیوں میں قرار دیے ہیں۔ ناقہ صالح خدا کی نشانی قرار پایا تو وہ اونٹ جو عزاداری کے سلسلہ میں محمل اور ہودجوں سے آراستہ ہو کر اس ذبح عظیم امام حسین علیہ السلام کی پوری یادگار کو قائم کرتے ہیں مگر یہ خلاف اصول اسلام نہیں ہے۔ بی بی عائشہ کی محمل حجاج بن یوسف ثقفی کے دور سے آج تک یہ جلوس برابر اٹھتا ہے (ابراہیم رفعت پاشا نے تاریخ الحرمین جلد اول میں اس کا تذکرہ کیا ہے) مگر کوئی مسلمان اس کے خلاف کوئی آواز نہیں بلند کرتا لیکن افسوس کا محل ہے کہ رسول کے گھوڑے کی یادگار خلاف سمجھی جائے۔ ناقہ عضا جب مر گیا تھا تو اس کو رسول کا ناقہ سمجھ کر بڑے احترام کے ساتھ باقاعدہ دفن کیا گیا مگر افسوس کا مقام ہے کہ فرزند رسول کا کیا احترام ہوا۔ یہ دنیا پر روشن ہے۔

مقام ابراہیم یہ اس مقام کی یادگار ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سجادہ بچھا تھا۔ صرف سجادۂ نماز کے خیال سے وہ مقام محترم قرار دیا گیا مگر کربلا وہ مقام ہے جہاں کافی انبیاء کا گذر اس ارض مقدس پر ہو چکا ہے اور ان حضرات نے اس مقام کا احترام فرمایا مگر افسوس کا مقام ہے کہ کربلا پر سونے والوں کے خلاف آج علم جہاد و مخالفت بلند کیا جا رہا ہے کس قدر تعجب خیز چیز ہے۔

حجر اسمٰعیل کا بھی احترام کیا جاتا ہے کیونکہ جناب ہاجرہ مادر جناب اسمٰعیلؑ یہاں دفن ہوئی ہیں اور یہ اس مقام کا لوح ہے علاوہ بریں دیگر انبیاء رسلف کی بھی قبریں ہیں دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ یہ قبرستان ہے مگر اس کا احترام ہوتا ہے اور قبر پرستی اس جگہ ہوتی ہے لیکن مسلمان ہر مذاق کے اس کو بسر و چشم گوارہ کیے ہیں اور خاموش ہیں۔

خانہ کعبہ یہ وہ مقام ہے جہاں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی ہے لوگ اس کو ہر طرح قابل احترام سمجھتے ہیں اور اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اس زچہ خانہ کا تو یہ احترام کہ تمام عالم اس کی سمت نماز پڑھے مگر علیؑ کے فرزند کی یہ مخالفت کہ ادھر محرم کا زمانہ آیا اور مخالفت کے ہجوم ہونے لگے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ اس کی چہار دیواری میں جو درخت ہے اس کو بھی قطع نہیں کرتے اور اگر باہر کی شاخ جھک آئے تو وہ بھی نہیں کاٹی جاتی مگر یہ عبرت کا مقام ہے کہ رسول کے نواسے اور فرزند رسولؐ کو کعبہ میں امن نہ ملے اور حج کا موقع نہ ملے اور مجبوراً کعبہ چھوڑ کر راہی کربلا ہونا پڑے۔

دنیا کے عظیم الشان کتبخانے

لینن لائبریری ماسکو ۱۹۲۷ء میں بالشویک حکومت نے قائم کی۔ دنیا میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس میں تقریباً چورانوے لاکھ کتابیں ہیں۔

(۲) پبلک لائبریری لینن گراڈ ملکہ کیتھرائن کے عہد میں قائم ہوئی تھی کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے یورپ میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس میں پچاس لاکھ مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ۳½ لاکھ قلمی نسخے ہیں۔

(۳) برٹش میوزیم لائبریری لندن، ہنری ہشتم کے زمانہ میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں ۴۲ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔

(۴) نیشنل لائبریری پیرس یورپ میں قدیم ترین لائبریری اور لوئی شانزدہم کے زمانہ میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں تقریباً چالیس لاکھ کتابیں اور پچاس اخبارات و رسائل کے فائل ہیں۔

(۵) پرشین لائبریری برلن ۱۶۶۱ء میں بعہد فریڈرک ولیم قائم ہوئی تھی۔ اس میں تین لاکھ سے زیادہ کتابیں نادر قلمی نسخوں کی تعداد بیس ہزار ہے۔

(۶) اسٹیٹ لائبریری میونک اور بیش قیمت کتابوں کے لحاظ سے دنیا کے عظیم ترین کتبخانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اسے سولھویں صدی کے وسط میں البرٹ پنجم شاہ بویریا نے قائم کیا تھا اس میں ستر لاکھ کے قریب کتابیں ہیں نادر اور قلمی نسخوں کی تعداد پچھتر ہزار سے متجاوز ہے۔

(۷) ہسپانوی نیشنل لائبریری میڈرڈ ۱۷۱۲ء میں شاہ فلپ پنجم نے قائم کی تھی ۱۸۲۶ء

میں قومی بنا دی گئی۔ اس میں کتابوں کی تعداد پندرہ لاکھ سے زیادہ ہے۔

(۸) نیشنل لائبریری دی آنا ۱۷۹۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ کتابوں کی تعداد ۴½ لاکھ تھی۔

(۹) بوڈلین لائبریری آکسفورڈ دنیا کی تمام یونیورسٹیوں میں سب سے بڑی لائبریری ہے پندرھویں صدی میں قائم ہوئی تھی۔ کتابوں کی تعداد ۱۴ لاکھ سے زیادہ ہے۔

(۱۱) شاہی لائبریری ٹوکیو۔ ایشیا میں سب سے بڑی لائبریری ہے ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی۔ کتابوں کی تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔

(۱۲) امپیریل لائبریری کلکتہ ہندوستان میں سب سے بڑی لائبریری ہے مطبوعہ کتابوں کی تعداد تقریباً چار لاکھ ہے۔

(۱۳) یونیورسٹی لائبریری کلکتہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں سب سے بڑی لائبریری ہے اس میں تین لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور قلمی کتابیں ہیں (۲ ، ۰ البلاغ دکن)

حکیم اسلام امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام

کے زرّیں اقوال

ان ارشادات کا ایک ایک جملہ آئینۂ حقیقت اور دفتر حکمت ہے

(۱) اذا رأیت عالمًا فکن له خادمًا۔ عالم کو جب دیکھو اس کے خدمت گذار بن جاؤ۔

(۲) اذا رأیت مظلومًا فاعنه عن الظالم۔ جب مظلوم کو دیکھو ظالم کے شر سے اس کو بچاؤ۔

(۳) اذا لم تکن عالمًا ناطقًا فکن مستمعًا واعیًا۔ اگر تم بولنے والے عالم نہیں ہو تو سننے والے اور (اسکے) یاد رکھنے والے بنو۔

(۴) اذا احب الله عبد زینه بالسکون والحلم۔ خدا جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے اسکو سکون وحلم سے سج دیتا ہے۔

(۵) اذا قدمت الفکر فی افعالك حسنت عواقبك فی کل امر۔ جب تم سوچ سمجھکر کام کروگے تو مستقبل تمہارا ہر بات میں اچھا رہیگا۔

عرفان الٰہی

(عالی جناب مولانا کاظم رضا صاحب نقوی متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)

خدا رسی خدا شناسی کے بغیر ناممکن ہے اور خدا شناسی ایک پہلو سے نہایت سہل و آسان ہے دوسرے پہلو سے نہایت ہی دشوار رہے۔ حقیقی معرفت تو محالات سے ہے البتہ ضمنی معرفت عقلوں کی گھٹ بڑھ سے ارتقائی درجات رکھتی ہے۔ اس معرفت کے سلسلے میں بڑے بڑے پر دماغ انگشت بدنداں نظر آئے عقلاء کی قوت فکر یہ اس وادی میں گم ہو کر رہ گئی۔ یہ وہ بحر ناپید اکنار ہے کہ شناور کے دست و بازو تھک کر شل ہو گئے مگر ساحل دور کا دور ہی رہا حکماء جنھوں نے فلسفہ کی اہم سے اہم گتھیاں سلجھائیں اس کی پیچیدہ زلف کو نہ سنوار سکے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ مادیات میں گرفتار انسان جس کو صحیح طور پر اپنے پس و پیش کی خبر نہیں کیا وہ اس ذات واجب الوجود کا جوہر حیثیت سے بسیط ہے ادراک کر سکتا ہے۔ عقل ارائیاں ہوئیں اور طبع آزمائی کی گئی مگر فضول ہاتھ پیر پھینکنے سے ہوتا کیا ہے اگر واجب الوجود کی کنہ و ماہیت و حقیقت دماغ ممکن میں آ ہی جائے تو وہ واجب ہی کیوں باقی رہے۔ ہماری عقل میں ماسوائے ممکن کچھ نہیں آتا زیادہ سے زیادہ اس رسول باطن کی رہبری یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کائنات سے نتیجۂ موثر کا پتہ لگائے اور بس حضور یہ عقل و خرد جس پر آج دنیا کو ناز ہے اس کی کیفیت ترقی کے باوجود بھی یہ ہے کہ گرد و پیش کی چیزوں کے سوا اور بہت سے ممکنات سے لاعلم ہے بلکہ یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ اس کے سامنے گرد و پیش کی چیزیں بھی حقیقت کے لحاظ سے مخفی ہیں۔ مگر یہ معذوری مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے کیوں کہ قصور جب ہوتا جب کسی امر ممکن میں کوتاہی ہوتی مگر جب کہ وہ واجب الوجود اور ہم ممکن و حادث ہیں تو کیونکر ہم اپنی سرحد سے تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حقیقت واجب الوجود کی دریافت کے درپے ہوتے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کا سبب بنے آج کون سا مذہب ہے کہ جو خدا کا قایل نہیں مگر سب کے عقائد میں اختلاف ہے یہ محض عدم معرفت کی بدولت ورنہ اختلاف کے کوئی معنی نہ تھے۔ قدم قدم پر لوگوں نے ٹھوکریں کھائیں۔ مسیحین قایل تثلیث ہوئے۔ اشاعرہ کو صفات خدا کو زاید بر ذات مان کر متعدد قدما کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اہل تصوف نے اتنا

نظر پیدا کہ ہمہ اوست کے عقیدت مند ہو گئے یہ سب کس لئے ہوا صرف ناشناسی کی بنا پر ہاں راسخین فی العلم تھے جن کے سینہ میں وہی خزانہ ودیعت تھا جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ عارف کون ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ جو نظر و فکر کے بعد اپنی عاجزی کا اظہار کرے اور کہہ دے کہ حقیقی معرفت ناممکن ہے۔ دنیا کو چاہئے تھا کہ وہ ایسے حضرات کے در کی گدائی کرتی مگر دنیا والوں نے اہلبیت کے دامن سے وابستگی نہ اختیار کرنا تھی نہ اختیار کی اور ابدی ضلالت کو گوارا کر لیا۔

ذات خدا کے علم کا تو ذکر ہی کیا ہے عام علوم الہیہ کی تحصیل بھی اتنی دشوار ہے کہ جس میں انسان کو تبدیل فطرت کی ضرورت ہے جیسا کہ ارسطاطالیس جو معلم اول کے نام نامی سے مشہور ہے لکھتا ہے "من اراد ان یشرع فی علومنا فلیتحرث لنفسہ فطرۃ اخری لان العلوم الالہیۃ ماثلتہ للعقول القدسیہ فادراکہا یحتاج الی تجرد تام ولطف شدید وطوالفطرۃ جانیۃ کثیفتہ الخ" جو شخص اس کا ارادہ رکھتا ہو کہ وہ علوم الہیہ کو شروع کرے تو پہلے اپنے نفس کے لئے دوسری فطرت پیدا کرے اس لئے کہ یہ علوم عقول قدسیہ کے مماثل ہیں ان کا جاننا موقوف ہے اس بات پر کہ پورا پورا تجرد حاصل کیا جاوے اور نفس میں انتہائی پاکیزگی و لطافت پیدا کی جائے کیونکہ یہ فطرت اپنی کثافت و مادیت کی وجہ سے بیکار ہے ارسطو نے اگرچہ بات یہی کہی لیکن بڑا فرق ارسطو کے قول اور اس عارف کے قول میں ہے جس نے انتہائی بلاغت کے ساتھ دو جملوں میں تمام مطالب کو ادا کر دیا۔ ارسطو نے تبدیل فطرت کی تجویز پیش کی اور امیرالمومنین نے اسی فطرت موجودہ سے کام لینے کا طریقہ بتایا یعنی جتنا انسان اپنے نفس کو جانے گا اتنی ہی اس کو اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو گی ناظرین اس ہماری تقریر سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ معرفت بالکل ناممکن شئے ہے نہیں ایسا نہیں ہے جو کچھ کہ ناممکن ہے وہ معرفت حقیقی ورنہ سطحی و معمولی معرفت کا درجہ ہر چھوٹی بڑی عقل والے کو حاصل ہے اور اسی کی ہم سب کو تکلیف دی گئی ہے۔ ہر عقل بقدر اپنی وسعت اس کی حصہ دار ہے۔ ایک بے سواد جاہل کی معرفت کچھ ہے ایک متوسط العقل کی معرفت کچھ اور ہے ایک اعلیٰ عقل رکھنے والے کی معرفت اور ہے ایک ولی کا عرفان اور ہے ایک نبی کا ایمان و ایقان اور ہے رسولؐ خاتم کے درجہ کے ساتھ معرفت بھی اپنی آخر منزل پر پہونچ کر تمام ہو جاتی ہے بنا بریں جب امیرالمومنین کے سامنے ایک بے سواد طبقہ نے اثبات واجب الوجود میں دلیل چاہی تو اپنے رسولؐ کے اس مقولہ کے مطابق حکم "انا معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولھم" عقلوں کی سمائی بھر لوگوں سے گفتگو کرو پیش پا افتادہ چیزیں بطور دلیل پیش کیں کوئی دقیق اور باریک بات جو

ان کی عقلوں کی سطح سے بلند کتنی نہ پیش فرمائی فرماتے ہیں۔ البعرۃ تدل علی البعیر والروثۃ تدل علی الحمیر اثار الاقدام تدل علی المسیر فہیکل علوی بھذہ اللطافۃ ومرکز سفلی بھذہ الکثافۃ کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر۔ جب مینگنیاں اونٹ کو اور گوبر گدھے کو اور نشان قدم چلنے والے کو بتلاتے ہیں تو کیا یہ آسمان کا شامیانہ لطیف اور یہ زمین کا فرش کثیف اس لطیف وخبیر کا پتہ نہیں دیتے جیسا کہ میں نے بیان کیا واقعی اور اعلیٰ درجہ کی معرفت بہت دشوار ہے فلسفیوں کے مذاق پر جو تشریح کی گئی ہے وہ بھی علماء کلام کی زبانی آپ حضرات کے سامنے پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خدا کی معرفت کی زیادہ سے زیادہ تین ہی صورتیں ہیں (۱) معرفت ذات (۲) معرفت صفات (۳) معرفت افعال۔ معرفت ذات کا خیال تو انسان اپنے دل سے نکال ہی ڈالے کیوں کہ یہ چیز ذکر و فکر سے کوسوں دور ہے اور عقلاء کے نزدیک محال ہے ہمارا آپکا کیا ذکر انبیاء و مرسلین نے اس چیز سے اپنا عجز ظاہر کیا خاتم الانبیاء فرما گئے ما عرفناک حق معرفتک پروردگار جو حق پہچاننے کا تھا نہ پہچانا۔ حق پرستوں کو اس چیز سے روکا فرمایا۔ تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذاتہ ایھا الناس نعمات خدا میں تفکر کرو لیکن اس کی ذات میں غور و فکر نہ کرو سید العارفین جناب امیر المومنین ارشاد فرماتے ہیں۔ من تفکر فی ذات اللہ الحد ومن تفکر فی صفاتہ اہتدیٰ جس نے ذات خدا میں فکر کی وہ ملحد ہوا اور جس نے صفات خدا میں غور کیا وہ ہدایت یافتہ قرار پایا۔ رہی دو صورتیں معرفت صفات یہ بھی سہل نہیں بڑے ہی تعمق کی اس میں ضرورت ہے جب انسان انتہائی گہرا ڈوبے تو کہیں معرفت کے جواہر پارے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔ سمع و بصر کلام یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حل آسان نہیں ان مشکلات میں راسخین فی العلم کی طرف رجوع کرنا پڑتی ہے ایسے ہی موقعہ کے لئے امیر المومنین کا ارشاد ہے "بنا عرف اللہ بنا عبد اللہ" ہماری بدولت لوگوں کو معرفت خدا حاصل ہوئی اور ہماری ہی وجہ سے لوگ اس کی بندگی بجا لائے۔ وبنا اھتدیتم فی الظلماء وتسنمتم العلیاء ہماری وجہ سے تم نے جہالت کی تاریکی میں ہدایت حاصل کی اور بلند مرتبہ ہوئے۔

تیسری صورت معرفت افعال کی ہے یہ بھی ایک وسیع سمندر ہے جس میں جو شخص غوطہ زن ہوتا ہے بقدر کوشش بہرہ یاب ہوتا ہے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے مگر غایت قصویٰ اور مرتبہ علیا کا پانا اس میں بھی دشوار ہے اس لئے کہ اس کا پیوند دوسری قسم کے دامن سے ہے۔ جناب امیر المومنین کے اقوال اس باب میں بھی بہت نادر ہیں آپ کا ایک بلیغ خطبہ جو نہج البلاغہ میں پہلے ہی مذکور ہے جس

میں آپ نے معرفت کی تحصیل کے لئے کچھ زینے مقرر کئے ہیں ارشاد فرماتے ہیں ۔ اول الدین معرفتہ وکمال معرفتہ التصدیق بہ وکمال التصدیق بہ توحیدہ وکمال توحیدہ الاخلاص لہ وکمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ لشہادۃ کل صفۃ انہا غیر الموصوف وشہادۃ کل موصوف انہ غیر الصفۃ ۔ اصل اساس دین معرفت باری تعالیٰ ہے اس معرفت کی تکمیل واجب الوجود کا اقرار ہے جب تک صحیح طور پر تصدیق نہ ہوگی معرفت نہ ہوگی یوں اجمالاً صانع عالم کی معرفت ہو جائے مگر یہ معرفت معرفت ناقصہ ہے معرفت کاملہ واجب الوجود کا اقرار کئے بغیر نہیں نصیب ہو سکتی ۔ وجوب وجود کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات کو ان کل نقایص سے منزہ مانا جائے جو ممکن کا خاصہ ہیں ۔ یہ تصدیق بھی نامکمل ہے جب تک انسان وحدانیت کا قایل نہ ہو اور اس کی یکتائی کو نہ مانے کیوں کہ واجب الوجود ایک ہو سکتا ہے ایک سے زائد ہونا نہیں ممکن ۔ یہ اقرار توحید بھی ناکافی ہے جب تک انسان اخلاص کا قایل نہ ہو ۔ یہ اخلاص بھی نامکمل ہے تاوقتیکہ صفات کی نفی نہ کی جائے اس لئے کہ ہر صفت گواہی دیتی ہے کہ وہ موصوف کے علاوہ کوئی چیز ہے اور موصوف گواہی دیتا ہے کہ وہ صفت علحدہ کوئی شے ہے جیسے کہ ہم انسانوں میں ہے کہ ہماری ذات علحدہ ہوتی ہے اور صفت علحدہ جب وہ صفت پیدا ہوتی ہے تب اس صفت سے موصوف کیا جاتا ہے اس طرح خدا کی ترکیب کا قایل ہونا پڑتا ہے جو محال ہے ۔

حضرت نے ان چند فقروں میں سمندر کو کوزہ میں بند کیا ہے اگر انسان اچھی طرح دھیان دے کر ان کو پڑھے تو اس کی تمام مشکلیں حل ہو جائیں ۔ یہ چند جملے تمام مسایل کلامیہ کا احاطہ کئے ہوئے ہیں ۔ آپ کی معرفت ہی اتنی بلند ہے کہ لو کشف الغطاء کا فخر زیب دے گیا ۔ ایک ممکن سے جہاں تک ترقی ممکن تھی وہ ترقی آپ نے حاصل فرمائی تھی ۔

"ہمنام خدا"

(عالی جناب مولانا سید شفیق حسن صاحب نقوی امروہوی)

قرآن کریم نے اپنے سورۂ مریم میں باعلان یہ ہدایت آمیز سوال قائم کیا ہے کہ۔ اے ہر وہ شخص کہ جو واجب الوجود علی عظیم پر ایمان لایا ہے ہَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔ کیا تو خدا کے ہمنام کو بھی جانتا ہے۔ اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ۔ خلاق مطلق نے اپنی صفات ثبوتیہ کے اظہار کے لئے اک ایسی شخصیت کو بھی خلعت وجود بخشا ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ وہ مظہر صفات الٰہی ہے۔ بلکہ اس کو لیس کمثلہ شئی کے مصداق حقیقی نے اپنا ہم نام بھی قرار دیا ہے چنانچہ اس کی تائید از جملہ توراۃ اسرائیلی تورۃ موسوئی سے بھی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر کے ملک اور شہر رعمسیس سے چلے۔ تو اس وقت آپ کے آگے آگے اک سوار نظر آیا۔ وحی ہوئی کہ اے موسیٰ۔ اس پیش پیش چلنے والے کے حکم کے پابند رہو۔ ورنہ یہ تمھاری خلاف ورزی کو نہ بخشے گا۔ اس سوار کے متعلق علامہ جلیل عبد العلی ہروی رح نے مواعظ حسنہ میں فرمایا ہے کہ وہ جبرئیل تھے۔ لیکن جبرئیل عبرانی زبان کا لغت ہے۔ جس کے معنی عبد اللہ کے ہیں۔ اور اس نام سے وہ خدا کے ہمنام نہیں ہو سکتے۔ اور کوئی دوسرا نام بھی صاحب سدرۃ المنتہیٰ کا ایسا نہیں کہ جس سے وہ ہمنام خدا سمجھ لئے جائیں۔ اور توریت نے جناب موسیٰ کو اس سوار کے اتباع کا حکم دینے کی یہ وجہ بھی بتلائی ہے کہ۔ کِلاتے اسمی فیہ۔ یعنی جناب اقدس الٰہی نے فرمایا ہے کہ۔ اے موسیٰ۔ یہ ہمارا ہم نام ہے۔۔ لہذا قرآن معظم و توریت مقدس کو کلام الٰہی ماننے والوں کا فریضہ یہ ہے کہ۔ وہ ایسے بزرگ کی معرفت حاصل کریں کہ جو ہمنام خدا۔ اور ایسا واجب الاتباع وجود ہو کہ جس کی اطاعت و پیروی حضرت موسیٰ جیسے مرسلین پر بھی فرض کی گئی ہو۔ توریت اور علامہ ہروی قدس اللہ روحہ نے اس کو گھوڑے کا سوار فرمایا ہے۔ اور شاہ دُلدل سوار کا لقب اسلامی زبان پر موجود ہے لہذا اس لقب سے بھی اس مشار الیہ ممدوح کی معرفت حاصل کرنے میں تجسس کرنے والوں کو مدد مل سکتی ہے ہم اس بیان میں مناسبت و اقتضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمنام خدا ہونے کے لئے اسی موصوف کا گویا وجہ اللہ۔ عین اللہ۔ اذن اللہ۔ لسان اللہ۔ ید اللہ۔ جنب اللہ۔ رجل اللہ اور نفس اللہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اور ان القاب و خطابات کے توسل سے ارباب خلوص اس کے آستانہ

معرفت تک بہ سہولت رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ چناں چہ ان خطابات میں سے ید اللہ کے متعلق ہم اس بیان میں عہد نامۂ قدیم کے بنیم میں سے صحیفہ یسعیاہ کا اک اشارہ یہاں دکھلاتے ہیں کہ جن کو قرآن مجید نے یسع کے اسم گرامی سے ذکر کیا ہے۔ جناب یسع بآواز بلند یا دل کی زبان سے التجا کرتے ہیں کہ۔

استیقضی استیقضی یا ذراع الرب۔ جاگ جاگ۔ اے خدا کے ہاتھ جاگ۔ البسی قوۃ۔ قوت کو پہن لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ۔ کوئی خدا کا ہاتھ ہے۔ جو ہر وقت قوت کو استعمال نہیں کرتا۔ یعنی اگر وہ اپنے لئے جو کی سوکھی روٹی کو توڑتا ہے تو اپنے گھٹنے کی مدد سے توڑتا ہے۔ اور جب وہ خدا کا کام اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو بائیں ہاتھ سے ایسے در کو اکھاڑ لیتا ہے کہ جس کو چالیس آدمی مل کر کھولتے اور بند کرتے ہیں۔ اور اظہار حقیقت کے لئے اعلاناً کہہ دیتا ہے کہ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیۃ بل قلعتا بقوۃ ربانیۃ۔ اسی سلسلہ میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔ استیقضی کما فی الایام القدیمۃ۔ کما فی الادوار القدم۔ یعنی (اے دست خدا) اس طرح جاگ جس طرح تو پچھلے زمانوں میں جاگتا رہا ہے۔ جناب یسع کے اس ارشاد سے یہ عنوان ثابت ہو رہا ہے کہ جب وہ پچھلے دنوں میں بھی جاگا ہے تو آئندہ بھی ہر دور میں جاگے گا۔ اور یہ اس طرح کہ نہ صرف اس کے رتبہ شناس بلکہ نا مرتبہ شناس بھی اپنی کڑی کے وقت اس کو مدد کے لئے پکاریں گے۔ اور پکارتے رہیں گے۔ اور مرتبہ شناسوں میں بھی ایسے اولوا العزم اس سے کسی خوف اور بلا کے وقت استغاثہ و استمداد کریں گے جیسے کہ روح اللہ حضرت مسیح ابن مریم۔ کہ جب اس جناب کو عیسوی عقائد کے موافق جب سولی پر چڑھایا گیا تو وہ حضرت پکارے کہ۔ ایلی Ali Ali علی۔ علی۔ لما سبقتنی۔ یعنی تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ چنانچہ مدد کے لئے آنے والا آیا۔ اور مسیح کو سولی پر سے اٹھا کر لے گیا۔

یقیناً اسی کے لئے اشرف الانبیا و سید المرسلین کو حکم دیا گیا ہوگا کہ اس مظہر العجائب کو مدد کے لئے پکارو کہ جس کو تم اپنی مشکلوں میں اپنا معین و مددگار پاؤ گے۔ اور جس کی رفاقت سے تمام ہم و غم دور ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ وہی ہے کہ جس کے لئے لوہا۔ یعنی ذوالفقار جیسا ہتھیار آسمان سے نازل کیا گیا ہے جس کو عہد نامہ جدید کے مکاشفہ یوحنا میں سیف اور رہنود کے وید وں میں دو باڑی اور دو دھاری بجلی کہا گیا ہے۔ وہی صاحب ذوالفقار۔ من ینصرہ اللہ و رسلہ بالغیب کا حقیقی مصداق ہو کر ہر دور میں خدا اور اس کے رسولوں کی مدد بحالت غیب بھی کرتا رہا ہے۔

یسع فرماتے ہیں کہ۔ اے ہر زمانہ میں جاگنے والے۔ الست انت القاطعتہ الرھب الطاعنۃ والتنین۔ یعنی کیا تو وہ نہیں ہے کہ جس نے طعن کرنے والی کے جل کو پے کیا اور راژدہے کو چیرا ہے۔

اور پھر ایسی ہی خصوصیات کو دکھلاتے ہوئے آخر میں ارشاد کرتے ہیں کہ۔ تیرا دشمن منحنی یعنی کمر خمیدہ اور بند ہوا ہے۔ وہ زیادہ عرصہ نہیں رہے گا۔ مگر عار میں نہ مرے گا۔ اور اس کی سزا کم نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید کا اعلان ہے کہ۔ لایخفف عنہم العذاب

اسی ید اللہ اور ہمنام خدا کے سورۃ الزخرف میں بزبان قرآنی فرمایا گیا ہے۔ جس کو ہم جامعین قرآن سے معافی مانگتے ہوئے۔ سورہ شوریٰ کی شرکت سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ۔

انا جعلنٰہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون و انہ فی ام الکتٰب لدینا لعلی حکیم۔ وکذالک اوحینا الیک قرآناً عربیاً لتنذر ام القریٰ ومن حولہا وتنذر یوم الجمع لاریب فیہ۔ یعنی۔ ہم نے اس کو قرآن ناطق بنایا ہے۔ تاکہ تم اپنی عقل کے ذریعہ سے اس کے علم سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور وہی توام کتاب یعنی سورہ حمد میں ہماری جانب سے بشان علی حکیم ہے۔ اور اسی طرح ہم نے (اے رسول عربی) تمہاری طرف عربی زبان کا قرآن وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔ اس لئے کہ تم مکہ اور اس کے ارد گرد کے تمام مقامات پر انداز کرو اور روز قیامت سے ڈراؤ کہ جس کے واقع ہونے میں ہرگز ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مذکورالصدر علی حکیم کا مصداق حضرت مصحف ناطق امام جعفر صادق علیہ السلام نے معانی الاخبار میں اسی ناخدا کو بتلایا ہے کہ جس کے علاوہ نہ کوئی ہم نام خدا ہوا ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور جس کا دعویٰ ہے کہ۔ انا النقطۃ تحت الباء۔ واجب الوجود نے بطور نمونہ اس کو اپنا مظہر صفات قرار دے کر خلقت کے منظر عام پر بھیجا۔ تاکہ صاحبان عقل و تدبر اس کی معرفت حاصل کر کے اس پر غور کریں کہ جس کا یہ شریک نور اور مطیع امر ہے۔ وہ رسول کس مرتبت و منزلت کا ہوگا۔ اور یہ نبی و ولی جس خلاق مطلق کی مخلوق امری ہیں۔ اس کی شان کیسی ماننا چاہئے۔ اس نے خالق علی الاطلاق کی مخلوق امری ہونے کی حیثیت سے۔ باذن ربہ۔ کل عالم کو خلق کیا۔ جس کا اک نمونہ سورہ آل عمران نے جناب مسیح کا ارشاد نقل کر کے پیش کیا ہے۔ یعنی۔ انی اخلق لکم من الطین کہیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ۔ یعنی میں تمہارے سامنے گندھی ہوئی مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتا یعنی دم بھرتا ہوں اور وہ خدا کے حکم سے اوڑنے لگتا ہے۔ جناب باری لہٗ تبارک اللہ احسن الخالقین سے اسی حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ یہی ہمنام خدا۔ وہ رب مجازی ہے کہ جس کو علی اللّٰہی گروہ نے خدائے حقیقی سمجھ کر حد سے تجاوز کیا۔ اور آخر گمراہ اور اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور یہی وہ مظہر عجائبات ہے کہ انبیاء سابقین پر حکومت کرتا ہوا ان کے ساتھ

رہا کہ جس کو ہم آئندہ کسی مضمون میں بیان کریں گے۔ صلوات اللہ و رسولہٗ دالف الف سلام علیہ و اولادہ الامجاد۔

حقیر فقیر ابو المہدی السید شفیق حسن۔ عیلیا نقوی امروہوی

امروہہ۔ دربار شاہ ولایت ۷ مئی سنہ ۱۹۴۷ء

غدیر خم میں پیغمبر اسلام کی جدوجہد

از جناب مولوی محمد باقر صاحب موضع کرنپورہ سیوان ضلع سارن (بہار)

جناب رسالتمآبؐ کا آخری حج۔ آپ کے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کالنجوم کی جماعت بھی تھی۔ کمانی سیرۃ ابن ہشام ص۹۶۶ اور کامل جلد دوم ص۲۲۳ میں صحابہ کی تعداد ۹۰۰۰۰ ہزار سے ایک لاکھ چالیس ہزار تک لکھی ہے۔ دیکھو اسپرٹ آف اسلام ص۴۶ مملکت اسلامی کا کوئی شہر، کوئی قصبہ، کوئی گاؤں، کوئی قوم، کوئی قبیلہ نہ تھا جس کے لوگ اس حج میں شامل نہ ہوں۔ جب صحابہ کالنجوم اور کلہم عدول کا یہ کثیر التعداد قافلہ جس کا سواد کوسوں کی مسافت سے دکھائی دیتا تھا اور ایسا اجتماع ۲۳ برس کی نبوت کے زمانہ میں کبھی اور نہ ہوا تھا۔ غدیر خم کے قریب پہونچا تو آیہ بلغ نازل ہوئی دیکھو درمنثور سیوطی جلد دوم ص۲۹۸ سطر۸ مطبوعہ مصر۔

غدیر خم میں آیہ بلغ کا نازل ہونا | ذیل کے علماء اہل سنت ناقل ہیں کہ آیہ بلغ غدیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کے بارے میں نازل ہوئی:۔

(۱) ابن ابی حاتم عبدالرحمن بن محمد (۲) احمد بن عبدالرحمن شیرازی (۳) احمد بن موسیٰ بن مردویہ (۴) ثعلبی (۵) ابونعیم احمد بن عبداللہ وغیرہ جن کی تعداد ۳۲ تک پہونچتی ہے۔ یہ وہ علماء ہیں جن کی وجہ سے مذہب اہل سنت نے رواج اور رونق پائی ان میں سے ہر عالم کا معتبر ہونا عبقات الانوار میں بشرح وبسط درج ہے۔

آیہ اکمال دین و اتمام نعمت کا نزول | درمنثور سیوطی جلد دوم ص۲۵۹ سطر۲ مطبوعہ مصر۔ وسلم و ینابیع المودۃ، مثنوی معنوی وسیرۃ المحمدیہ ص۳۹۶ و تفسیر کبیر رازی جلد۳ ص۶۳ اور ازالۃ الخفا ص۲۹۳ میں ہے کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم غدیر خم میں ۱۸ ذی الحجہ کو نازل ہوئی۔

بعد اس کے صحابہ کے انبوہ کثیر نے جس میں شہر۔ دیہات۔ پہاڑ اور جنگل ہر مقام کے لوگ حاضر تھے حضرت علیؑ کی امامت تسلیم کرکے آپ کو مبارکباد دی اور کسی صحابی نے اُس موقع اور منظر پر مولا بمعنی دوست نہیں سمجھا۔ خاص کر حضرت عمر نے بھی اسی معنی سے آپ کو مبارکباد دی اور آپ کی امامت وسرداری کو اپنے اوپر تسلیم کرلیا۔ دیکھو ازالۃ الخفا ص۶۵۳ ومدارج النبوۃ و معارج النبوۃ وغیرہ۔

آیہ بلغ میں لفظ ما انزل الیک سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے قبل کوئی حکم رسولؐ پر نازل ہوا تھا جس کے پہونچانے کی تاکید اب ہوئی۔ وہ حکم بھی قرآن میں موجود ہے اور وہ یہ ہے واذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب یعنے اے رسول جب تم (حج آخر سے) فارغ ہو جاؤ تو (علیؑ کو امامت پر) نصب کرو۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو۔

چونکہ اس میں حج آخری سے فارغ ہونے کی شرط تھی اس لئے آپ نے اس کی تبلیغ کو اس کے موقع اور محل آنے تک انتظار رکھا تھا۔ چونکہ نصب امام کا منصب خدا کی طرف ہوتا ہے لہذا منصوب خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ یہ بھی ضرور ہے کہ مقام نصب کا تعین بھی خدا کی طرف سے ہونا چاہیئے پس وہ میدان غدیر ہے۔

یہ توہم نہ ہو کہ آیت میں جو مَا انزل الیک ہے اس میں لفظ مَا عموم کے لئے ہے۔ لہذا رسول کو عام حکم ہے کہ جو کچھ تم پر نازل کیا گیا اسے پہنچا دو خاص حکم کہاں ہے کہ علیؑ کو خلیفہ بنا دو۔ الجواب۔ اگرچہ لفظ مَا عام ہے اور اس کے معنی میں بلحاظ وضع بیشک عموم ہے مگر استعمال اور موضوع کے لحاظ سے اس کے معنی میں خصوص ہے۔ خدا فرماتا ہے ونفس وما سواھا یعنی قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے نفس کو بنایا۔ حالانکہ نفس کا بنانے والا صرف خدا ہے۔ پس اس جگہ مَا سے مراد خدا ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز خاص اور واحد نہیں ہے۔

غرض حضرت عمر نے جناب رسالتمآبؐ کے سامنے حضرت علیؑ کی امامت و سرداری کو اپنے و نیز ساری امت پر تسلیم کر لیا تھا۔ اسی کے بارہ میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ واجمعت الجماھیر علی متن الحدیث فی یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بن الخطاب بخ بخ لک یا ابا الحسن اصبحت مولائی ومولی کل مومن ومومنۃ فھذا التسلیم ورضیٰ وتحکیم ثم بعد ذلک غلب الھوی لحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھواء فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار وسقاھم کاس الھوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون دیکھو سر العالمین وکشف ما فی الدارین صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی یعنی جمہور نے حدیث غدیر کے صحیح ہونے پر اجماع کیا ہوا اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب رسولخداؐ نے یقیناً فرمایا ہے کہ میں جس جس کا مولیٰ ہوں علیؑ بھی ان کے مولا ہیں پس عمر نے کہا اے ابوالحسن آپ کو مبارکباد ہو آج صبح سے آپ میرے اور کل مومن و مومنہ کے حاکم اور آقا ہو گئے۔ پھر غزالی کہتے ہیں کہ عمر کا یہ کہنا خلافت علیؑ کو مان لینا ہے اور ان کی خلافت پر راضی ہو جانا ہو اور حضرت علیؑ کو حاکم سمجھ لینا ہے مگر بعد اس سمجھنے اور تسلیم کرنے کے خواہش نفسانی نے واسطے حاصل کرنے ریاست اور حکومت فانی کے غلبہ کیا۔ ریاست عظمیٰ کا ہاتھ آنا اور خلافت کا جھنڈا ہر دیار و امصار میں گڑ جانا اور علم کے پھریروں کا ہوا پر اُڑنا اور جھنڈا کا بیرقوں سے لپٹنا اور سواروں کا دو طرفہ جلوس میں چلنا اور گھوڑوں کی ٹاپوں کا مثل جال کے معلوم ہونا ملکوں اور شہروں کا فتح ہونا ان خیالات نے ان لوگوں (یعنے اصحاب ثلثہ وغیرہ) کو جام خواہش نفسانی پلا کر مخمور کر دیا اور اسی مدہوشی نے ان کو غلبہ کر دیا اور جیسے مسلمان ہونے سے پہلے تھے ویسے ہی پھر ہو گئے اور اس عہد مبارکباد کو پس پشت ڈال دیا اور اس عہد شکنی کے ساتھ ایک ادنیٰ چیز کو کہ حکومت چند روزہ دنیائے فانی ہے خرید کیا پس کیا بُری چیز ان لوگوں نے مول لی۔ انتہی ترجمہ۔ یہ امام غزالی کوئی معمولی بزرگ نہیں ہیں ان کا رتبہ زبان قوم سے سنو صاحب منتہی الکلام

ان کو اپنا مقتدا جانتے ہیں اور علامہ سیوطی کتاب التنبیہ میں فرماتے ہیں قال بعض العلماء الاکابر الجامعین بین علم الظاہر والباطن لوکان بعد النبی نبی لکان الغزالی وانہ یحصل ثبوتہ معجز انہ لبعض مصنفاتہ یعنی اگر رسول خدا کے بعد کوئی نبی ہوتا تو غزالی ہوتے الخ۔

امام غزالی کی اس ذمہ دارانہ تحریر سے ثابت ہوا کہ حدیث غدیر کی صحت اور مضبوطی کو جمہور نے تسلیم کر لیا ہے اور اس سے مراد حضرت علیؑ کی خلافت کو مان لینا ہے۔ دوست کا معنی مراد نہیں ہے۔ اس سفر میں ازواج بھی ساتھ تھیں جب تمام صحابہ مبارکباد دے چکے تو حضرت نے ازواج کو حکم دیا کہ تم بھی فرداً فرداً علیؑ کو مبارکباد دو چنانچہ سب نے مبارکباد دی۔

دربار رسالت میں شاعروں کی قصیدہ خوانی دربار نبوت کے ملک الشعراء حسان ابن ثابت نے جناب رسولخداؐ کے حکم سے اس واقعہ کی تہنیت میں ذیل کا قصیدہ نظم فرمایا اور اسی وقت کھڑے ہو کر تمام صحابہ کے مجمع میں پڑھا اور مولا کا معنی امام و ہادی نظم فرمایا۔ اور ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کی جمعیت نے جو سب کے سب عرب اور لغت عرب سے واقف تھے ٹھنڈے دل سے سنا اور کسی نے دوست کا معنی مراد نہیں لیا۔ پس اگر صرف صحابہ کی ہی فہم و دانش سے استدلال کیا جائے کہ انھوں نے مولا سے کیا مراد لیا۔ تب بھی معاملہ صاف ہے۔ ناواقفوں کو فریب دینا اور بات ہے۔ الحاصل قصیدہ یہ ہے :۔

ینادیہم یوم غدیر نبیہم ٭ بخم واسمع بالرسول منادیا ٭ وقال فمن مولاکم ولیکم ٭ فقالوا ولم یبدوا ہناک التعامیا ٭ الہک مولانا وانت ولینا ٭ ولم تر منا فی الولایۃ عاصیا ٭ فقال لہ قم یا علی فاننی ٭ رضیتک من بعدی اماما وہادیا ٭ فمن کنت مولاہ فہذا ولیہ ٭ فکونوا لہ انصار صدق موالیا الخ یعنے روز غدیر مسلمانوں کو بمقام خم پکار کر جمع کیا اور وہ ایسی آواز تھی جس کو گوش دل سے سننا چاہیئے۔ رسولخداؐ نے اس روز لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا مولا کون ہے سب نے جواب دیا اور اس موقع پر اپنا اندھاپن نہ دکھایا۔ کہ خدا آپ کا اور ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے حکمراں ہیں اور آپ کے حکم سے سرتابی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ رسول خداؐ نے علی مرتضیٰ کو کھڑا کیا اور کہا کہ تحقیق میں نے تم کو اپنے بعد امام خلائق اور ہدایت کرنے والا پسند و منتخب کیا۔ جس کا میں حکمراں ہوں اس پر علیؑ بھی حکمراں ہے پس تم لوگ علیؑ کے سچے مددگار مثل غلاموں کے رہو۔ دیکھو تذکرہ خواص الامہ و عقدہ الشعرا سیوطی۔

قیس ابن سعد ابن عبادۃ الانصاری صحابی کا قصیدہ آپ صحابہ کبار سے ہیں آپ نے بھی مولا کا معنی امام نظم فرمایا ہے اور یہ ہے۔

قلما لبغی العدو علینا ٭ حسبنا ربنا ونعم الوکیل ٭ وعلی امامنا وامام ٭ لسواہ بہ اتی التنزیل ٭ یوم قال النبی من کنت مولاہ ٭ فہذا مولاہ خطب جلیل ٭ انما قالت النبی علی الامامۃ ٭ حتم ما فیہ قال وقیل ۔ یعنے جب ہمارے

محمد کے واسطے دشمن ہمارے اوپر چڑھ آئے تو ہم نے کہا کہ ہمارا خدا کافی ہے اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے۔ اور علیؑ ہمارے پیشوا ہیں اس دن جناب رسول خدا نے فرمایا میں جس کا سرپرست اور حاکم ہوں یہ علیؑ بھی اس کا حاکم ہے۔ واقعی جناب رسول خدا نے ان کی امامت کے بارہ میں جو فرمادیا ہے وہ نہایت مضبوط اور یقینی ہے اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے انتہی ترجمہ دیکھو مراۃ الامامت فی اثبات خلافت صفحہ ۔

القصہ حسان ابن ثابت کی فصاحت کلام نے اس وقت تمام صحابہ کے دلوں پر گہری تاثیر کی ہر شخص ان کے لطف کلام اور انداز بیان پر فریفتہ ہوگیا حضرت نے ان کا تمام و کمال قصیدہ سن کے یوں داد سخن دی یا حسان لاتزال موید ابروح القدس ما نطقت عنا دیکھو تذکرہ خواص الامہ۔ سبط ابن جوزی اور مطالب السئول یوسف گنجی شافعی۔ اس اخیر عالم نے ما نطقت عنا کے بعد لفظ بلسانک کا اور اضافہ کیا ہے۔ ان دونوں صحابی کے قصیدوں میں بلفظ صریح الاتفاق مولیٰ سے مراد امام و ہادی نظم ہونا اور ایک لاکھ صحابی و خود جناب رسول خداؐ و نیز ازواج کا اس معنی کو سننا اور اس قدر کثیر مجمع کے سامنے ابیت صحیح کر سنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حیات جناب رسول خداؐ میں مولیٰ بمعنی اولیٰ و امام و ہادی ہونے میں کسی صحابی کو شک و شبہ نہ تھا اور اس معنی کی صحت و سند حسان کو داد سخن دینے سے اہل سنت کے یہاں ثابت ہے پس ۱۳۰۰ برس کے بعد اور کوئی معنی کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس سے اقتدائے صحابہ سے دست برداری لازم آتی ہے۔ جناب امیرالمومنینؑ نے چند مواقع پر حدیث غدیر سے اپنی امامت پر استدلال بھی کیا ہے اور نظم بھی فرمایا ہے دیکھو علامہ میبذی کی فواتح۔ و شواہد النبوۃ ملا جامی صفحہ ۱۶۲۔ سوانح عمری حضرت علیؑ کے ذی قدر مصنف نے اس حدیث کے رواۃ میں بڑے بڑے جلیل صحابائے کرام کے نام تحریر فرمائے ہیں جن کی تعداد آٹھ درجن پر ختم ہوتی ہے۔ جن میں پیش پیش حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور خود حضرت علیؑ و عبدالرحمن بن عوف جنہوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا تھا سعد وقاص اور عائشہ بنت ابوبکر وغیرہ ہیں کہ اگر ان کی گواہی سے چشم پوشی کی جائے تو علاوہ اس کے کہ بطلان الصحابہ کلہم عدول ہوتا ہے مذہب اہل سنت کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہتا مصنف نے صحابہ کے ان ناموں کو ابن العقدہ کی کتاب الموالاۃ سے تحریر کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں فعد ذکر من عقدہ ثمانین و عشرین رجلا من الصحابہ لم یذکرھم و لم یذکر اسماءھم یعنی اس کے بعد ابن عقدہ نے ۲۸ بزرگوں کا صحابہ میں سے اور ذکر کیا ہے لیکن ان کے نام نہیں لکھے۔ غور طلب امر ہے کہ جس کی امامت کے اعلان کی روایت کرنے والے بچشم خود مشاہدہ کئے ہوئے اصحاب رسول خدا سے اس قدر کثیر لوگ ہوں اس کو امام بلا فصل ماننے میں یہ قیل و قال فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حدیث غدیر کے متواتر ہونے کی نسبت جید علماء اہل سنت کے بیانات

(۱) علامہ جوزی اسنی المطالب میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے حدیث غدیر کو جناب رسالتمآبؐ کی زبان مبارک سے روایت کیا ہے اور اس پر بارہ صحابیوں نے جو بدری تھے گواہی دی ہے۔ اور قول صحابہ حجت ہے۔ (۲) مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے

ان ھذا حدیث صحیح لامریۃ فیہ بل بعض الحفاظ عدہ متواتر بیشک یہ حدیث صحیح ہے جس میں کسی طرح کا شبہ نہیں بلکہ بعض حفاظ نے اس کو متواترات سے شمار کیا ہے۔ (۳) جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ شیرازی محارف اربعین میں لکھتے ہیں ھذا الحدیث متواتر عن النبی رواہ جمع کثیر وجم غفیر من الصحابہ یہ حدیث آنحضرتؐ سے متواتر روایت کی گئی ہے اس کو صحابہ میں سے جمع کثیر اور جم غفیر نے بیان کیا ہے۔ (۴) ابو علی عطائی ہمدانی سے منقول ہے وہ کہتے تھے میں اس حدیث کو ڈھائی سو طریق سے روایت کرتا ہوں۔ اور شیخ محمد جزری شافعی نے جو اکابر ائمہ حدیث سے ہیں ایک رسالہ محض حدیث غدیر کے تواتر کے متعلق لکھا ہے اور اس کا تواتر کئی طریق سے ثابت کیا ہے۔

(۵) صاحب زین الفتیٰ تحریر کرتے ہیں ھذا الحدیث تلقتہ الامۃ بالقبول وھو موافق الاصول اس حدیث کو امت نے قبول کر لیا ہے اور یہ حدیث اصول کے بالکل ہی مطابق ہے۔ (۶) محدث دہلوی لمعات میں تحریر کرتے ہیں ولا التفات لمن قدح فی صحتہ جس شخص نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے اس کا قول اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ (۷) انسان العیون میں ہے ولا التفات بمن قدح فی صحتہ جس نے اس حدیث کی صحت میں گفتگو کی اس کے کلام کی طرف التفات ہی مت کرو۔

اہل سنت کے مشہور اماماں فن حدیث نے حدیث غدیر کی تصدیق اور تصحیح کی ہے جن کے نام ۱۵۷ کے عدد پر ختم ہوتے ہیں بقید سنہ وفات اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہیں بخوف طول تحریر سے احتراز کرتا ہوں پس اگر جناب رسالتمآبؐ کا قول و فعل نزد اہل سنت حجت ہے تو حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کو خدا و رسول کی طرف سے منصوص ماننا چاہیئے۔
حضرت کے اس عمل سے ایک لاکھ صحابہ کی جماعت پر غدیر خم کے میدان میں ظاہر ہو گیا کہ آپ اجماعی اور پنچایتی خلافت کے قائل نہیں ہیں اس لئے سُنی نہیں تھے۔ بلکہ شیعہ تھے۔ نیز حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ تمام صحابہ نے اس موقع پر آپ کی امامت و خلافت کو قبول کر کے حضرت علیؑ کی حکومت و سرداری کو اپنے اوپر بلا چون و چرا تسلیم کر کے مذہب اہل سنت کا بطلان ظاہر کر دیا۔ اور شیعیت کا اظہار کیا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس موقع پر حضرات صحابہ کے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ تھا؟ اگر تھا تو شیعوں کا قول صحیح ہے اور اگر نہیں تھا تو امام غزالی کا قول صحیح ہے کہ بخ بخ کہنا خلافت علی مرتضیٰ کو تسلیم کر لینا ہے لیکن بعد میں دنیا کی محبت نے مدہوش کر دیا اور اسی عرض دنیا نے بمصداق تریدون عرض الدنیا اُس اقرار کو بھلا دیا اور خلیفہ بنا دیا۔ تو اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ان حضرات نے حضرت علیؑ کو اختیار کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔ اب ہم قرآن میں ایسے لوگوں کا یہ قول دیکھتے ہیں کہ یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یعنی اے کاش میں نے رسول کے ساتھ سبیل کو بھی اختیار کیا ہوتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افسوس کرنے والا رسول کی رسالت کا قائل ضرور ہے لیکن سبیل کو چونکہ اس نے چھوڑ دیا اس لئے ندامت ظاہر کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سبیل سے کیا مراد ہے۔ اسی پر فیصلہ ہے۔ اہل سنت نے کہا ہے کہ سبیل سے مراد یا جبریل ہیں یا قرآن ہے۔ یا اسلام ہے لیکن اگر قائل کے قول کو گہری نظر

سمجھا جائے کہ یہ سب معنی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ صاف صاف کہہ رہا ہے کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ سبیل کو بھی اختیار کیا ہوتا پس جب رسول کو اختیار کر چکا ہے تو ما جاء به الرسول کو بھی اختیار کر چکا۔
اب ہم کو قرآن میں دوسری آیت ملتی ہے وہ یہ ہے انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا یعنے ہم نے تم کو سبیل کی ہدایت کر دی اب تم یا تو ہمارے شکر گزار بندے بنو گے یا ناشکرے۔ اور معلوم ہو چکا کہ اس کے قبل واذا فرغت فانصب والی آیت میں حج آخری سے فارغ ہونے پر نصب امام کا حکم نازل ہو چکا تھا اور غدیر خم میں حج سے فارغ ہونے کے بعد آیت بلّغ کے ذریعے واذا فرغت فانصب والی آیت کے حکم کو سختی سے عمل میں لانے کی تاکید نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے پہلے اپنی حاکمیت و سرداری کا اقرار تمام صحابہ سے کرانے کے فوراً ہی بعد حضرت علیؑ کو پکڑ کر اُٹھایا تمام صحابہ کو بالاعلان اونچا کر کے دکھایا اور فرمایا من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ الخ یعنے میں جس کا حاکم و سردار ہوں یہ علی بھی اس کا حاکم و سردار ہے۔ اب اگر خدا کہتا ہے کہ ہم نے تم کو سبیل کی ہدایت کر دی اب تم یا تو شکر گزار بندے بنو گے یا ناشکرے تو کس قدر صحیح ہے۔ غدیر خم میں سبیل خدا کی ہدایت امت کو رسول خدا نے کر دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ سبیل خدا سے اکثر امت منحرف ہو گئی اور اس نے کفران نعمت اختیار کی اور کچھ نے سبیل خدا یعنی علی مرتضیٰؑ کو امام بافصل مان کر اپنے کو مصداق قلیل من عبادی الشکور ثابت کیا پس افسوس کرنے والا اپنے اس قول میں کہ یٰلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یہ کہہ رہا ہے کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ حضرت علیؑ کو بھی اختیار کیا ہوتا اور ان سے بعد میں منحرف نہ ہوا ہوتا۔ الحاصل خدا نے نصب امام کا حکم دے کر اور مقام نصب کا تعین کر کے حضرت علیؑ کی امامت پر نص فرما دی جس سے معلوم ہوا کہ امام کا مقرر کرنا خدا اور رسولؐ کا کام ہے امت کا کام نہیں ہے۔ اور یہ طریقہ و اصول مطابق مذہب شیعہ ہے بخلاف اہل سنت کے لہٰذا خدا کا دین مذہب شیعہ ہے جس کے اصول و طریقہ کی اشاعت جناب رسولؐ خدا نے کی اس لئے اسلام کی ابتدا اور انتہا دونوں ہی اعلان امامت و خلافت اور وصایت حضرت علیؑ کے ساتھ ہوئی۔

کرامت:۔ مومنین نہٹورہ ضلع بجنور نے ایک گھوڑا ذوالجناح بنانے کے لئے خرید رکھا ہے جس کو ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء ۱۰ بجے دن کے غور سے دیکھا گیا تو اس ذوالجناح کے داہنے شانہ پر نمایاں حروف میں نام پاک علی علیہ السلام لکھا ہوا ہے۔ گھوڑے کے جسم کے بال سرخ ہیں اور لفظ علی کی جگہ کے بال ع۔ ل۔ ی قشقل سنہرے ہیں۔ بدن کے اور بالوں سے ان کا رنگ نہیں ملتا ہے۔ دور سے صاف علی پڑھا جاتا ہے۔ جن صاحبان کو شوق زیارت ہو وہ بمقام نہٹور ضلع بجنور اسٹیشن جو مظفر پور سے تین میل فاصلہ پر ہے تشریف لا کر زیارت کر سکتے ہیں۔ والسلام۔

سید محمد اظہر عباس نقوی از نہٹورہ ساداتِ ضلع بجنور

انعام یکصد روپیہ

اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہمارے سامنے جو ہماری ان دواؤں کو غیر مفید ثابت کرے تو اسے مبلغ یکصد روپیہ انعام دیا جائے گا (۲) ہمیں ایسے پرانی مرض جو بہت جگہ رقم کھو کر مایوس ہو چکے ہوں ۱۰ تمیں یہاں ۱ اور دوم تب دیں جب مکمل آرام ہو جائے (۳) اگر آپ مزید تسلی کرنا چاہیں تو ہم سے اُن لوگوں کے مکمل پتہ طلب کر سکتے ہیں جن کو ہمارے دواخانہ کی تیار کردہ ان چیزوں سے مکمل اور مستقل آرام ہو گیا ہو (۴) اگر ہماری کوئی دوا لکھی ہوئی مرضوں میں مفید ثابت نہ ہو تو تمام قیمت واپس (۵) خدا اور آل محمد کو حاضر ناظر جان کر لکھتے ہیں کہ دوائیں نہایت فائدہ بخش ہو چکی ہیں۔ لعنة اللہ علی الکاذبین

زبردست، مقوی باہ اور قوت مردمی کا طوفان
پیدا کرنے والا، مقوی دل و دماغ، مقوی جگر و معدہ
اور خون صالح پیدا کرنیوالا

سستی، کمزوری، نامردی

اور

ضعف باہ کا واحد علاج

شاہی معجون

اس معجون کے کھانے سے برسوں کی سستی، کمزوری، نامردی دور ہو جاتی ہے، جوانی کی بہار آتی ہے، عالم شباب کے جذبات اور ولولوں کو بھڑکاتا ہے، امنگوں میں سیلابی لہر پیدا کرتا ہے، کمزور دبلے انسان کی صحت کو بناتا ہے، حجابات آلام سے ملوف زندگی کو نجات دیکر مردانگی، ہیبت اور شجاعانہ دبدبہ پیدا کرتا ہے، چہرہ کی رنگت نکھارتا ہے اور رعنائی، تبسم اور وجدانہ کیفیات رونما کرنے میں ذرمین ہے جن لوگوں کے یہاں اولاد نہ ہوتی ہو یا لڑکیوں کی زیادتی ہو ان کے مادۂ تولید کی اصلاح کرتا ہے اور کھوئی ہوئی طاقت کو واپس لاتا ہے، سوئے ہوئے خیالوں کو از سر نو زندہ کرتا ہے دنیا بھر میں اس سے زیادہ خون اور طاقت پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں مل سکے گی۔ بڑا پیکنگ دس روپیہ

شاہی طلاء

سستی، کمزوری، اور لاغری کو دور کرتا ہے ایسے لوگ جنھوں نے عالم شباب کی بد افعالیوں کی وجہ سے ستیاناس کر لیا اور سرد پانی کے استعمال نے باریک شریانوں کو پژمردہ کر دیا ہو ایسے حالات والوں میں مقامی طور پر برقی اسپرٹ پیدا کرتا ہے جملہ شکایات کو دور کرتا ہے کسی قسم کا آبلہ یا جلن پیدا نہیں ہوتی مکمل کورس ۸۰ دن پانچ روپیہ
نصف پیکنگ ۴۰ دن دو روپیہ ۸ر

دوائی دمہ ۱۹۱۵

دمہ کے دورے کو فوراً روکتی ہے ضیق النفس کو دور کر کے تسہیل لاتی ہے، سانس کی نالیوں سے بلغم کو دور کر کے ہمیشہ کے لئے دمہ کا خاتمہ کرتی ہے مکمل کورس ۴۰ دن ۵ر نصف پیکنگ ۲۰ دن کے لئے دو روپیہ ۸ر

قرص [illegible]

حیض کو خوب جاری کرتی ہے ہر مہینہ کے درد اور تکلیف کو دور کرتی ہے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔
مکمل کورس تین روپیہ
نصف پیکنگ ایک روپیہ ۱۲ر

خط یا تار کا پتہ: شاہی دواخانہ ۱۲ منٹگمری (پنجاب)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیم و جدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام و ازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ و حقائق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱- یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲- ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳- نمونہ کا پرچہ ۴ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہو سکتا ہے۔
۴- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵- اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے۔
۶- علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷- شرح قیمت روساء و والیان ملک سے جو مرحمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ غربا و طلبا سے بشرط تصدیق

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہو سکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

جلد ۲۸ | بابت ماہ اگست ۱۹۴۷ء | نمبر ۸

الواعظ

بابت ماہ اگست ۱۹۴۷ء

ماہ رمضان المبارک

ہر چیز کی ایک بہار ہوتی ہے جسپر پہونچکر وہ اصلی شان و شوکت پر نظر آتی ہے اور اسی کو عروج و کمال بھی کہہ سکتے ہیں انسانی زندگی کی بہار اسوقت ہے جب میدان شباب میں قدم رکھے اور طفولیت کا دور ختم ہو درخت خواہ کتنا ہی نمو کیوں نہ پائیں اور موسم بہار اس کے سرسبز کرنے میں کارفرما ہو لیکن بہار اسی وقت چمن میں آتی ہے جب درختوں میں پھل آئیں اس سے پہلے ہر پودا کامل شجر کہے جانے کے قابل نہیں ہوتا اسلام کی بہار ماہ مبارک رمضان ہے جس نے سال کے بارہ مہینوں میں وہ امتیاز پیدا کیا ہے کہ ادہر یہ مہینہ داخل ہوا ادھر مسجدیں آراستہ ہوئیں مصلے آباد ہوگئے عبادت گاہ سے صدائے اذان بلند ہوئی اور اسلامی دنیا میں غیر معمولی چہل پہل شروع ہوئی اس مہینہ کا تعارف جناب احدیت نے ہمکو یوں کرایا ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن قاعدہ کی بات ہے تاریخیں ہمیشہ واقعات کا لحاظ رکھکر ذہن نشین کی جاتی ہیں قرآن مجید کا نازل ہونا وہ مہتم بالشان واقعہ تھا جس سے ماہ رمضان کی پہچان ہوئی اور ارشاد ہوا کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوح محفوظ سے اترا اسکے معنی یہ ہوئے کہ اگر قرآن کو دیکھو تو رمضان یاد آئے اور رمضان داخل ہو تو قرآن پیر روشنی پڑے قرآن مجید کلام اللہ ہے تو ماہ رمضان شہر اللہ ہے خدا کی طرف انتساب نے اس مہینہ کو محترم کیا جسطرح خانہ کعبہ بیت اللہ ہونیکی حیثیت سے اس قابل ہوا کہ عالم کی پیشانیاں اس کی طرف جھکیں اسی طرح یہ ماہ بھی واجب التعظیم اسکی حرمت اور عظمت اور مہینوں سے زیادہ ہے کلمات معصومین

اور اخبار ائمہ دیکھا جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماہ رمضان کا فضل و شرف سال کے دوسرے مہینوں پر ایسا ہے کہ جیسے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے اور ماہ رمضان کی بالاتر فضیلت یہ ہے کہ خدا نے اسکو خود اپنا نام دیدیا چنانچہ حدیث میں ہے،

لا تقولوا رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ ۔ صرف رمضان نہ کہو اسلئے کہ رمضان خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسی وجہ سے شہر (ماہ) کی قید بڑھائی گئی اور شہر رمضان اور ماہ رمضان کہا گیا یعنی خدا کا مہینہ پھر کیوں نہ اسکے دن تمام دنوں سے اور راتیں تمام راتوں سے اور ساعتیں تمام ساعتوں سے بہتر ہوں امام نے دعا میں اس مہینہ کو شہر اللہ کہنے کے ساتھ ایک بزرگی اور دی ہے اور فرمایا ہے یا شہر اللہ الاکبر اے خدا کے بڑے مہینے واقعاً ماہ رمضان کی بزرگی ناقابل انکار ہے اس نے روزہ کا فریضہ جو ہم پر پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے جسقدر نفع رساں اور حیات بخش ہے وہ اپنی آپ مثال ہے اسی کی بدولت ہمارے تقرب کی منزلیں بڑھتی ہیں اور جناب رب العزت کے نیک بندوں میں شمار ہوتا ہے اور ایمان پر فیض ہوتی ہے روزہ ایمان کی کسوٹی ہے یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم اے گروہ ایمان تم پر روزے واجب کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر صوم واجب تھا اگر ہم نے روزوں کو اپنے اوپر واجب سمجھ لیا تو ہم آواز پر لبیک کہنے والوں میں ہوئے اور آواز پر لبیک وہی کہتا ہے جس سے خطاب ہوا اور خطاب چونکہ مومنین سے تھا تو روزہ رکھنے والوں میں اس ندا نے جو لطف ایمان لانے والوں کو دیا ہے اس کا ذائقہ انھیں کے دل جانتے ہیں اور روزے سے ایمان پر فیض ہوتی ہے امام جعفر صادق کا قول اسی محل پر ہے لذۃ ما فی الندا ازال تعب العنا خدا کے پکارنے میں جو لذت ہے اس نے روزہ کی تعب اور بھوک کی سختی کو دور کر دیا۔

ایک لطف ایزدی تو یہ تھا کہ ہمکو ندا دی دوسرا لطف الٰہی یہ ہے کہ ہم اُسکے ہر حکم کے تسلیم کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور شارع کو اسکی ضرورت نہیں ہے کہ وہ فریضہ کو کسی ایسے عنوان سے پیش کرے جس میں غیر معمولی نہیب کے بجائے واقعہ نگاری ہو یہاں روزوں کے وجوب کو سابق کی نظیروں سے ہمارے اوپر سہل اور آسان کیا جاتا ہے کما کتب علی الذین من قبلکم بھی ارشاد ہوا ہے یہ نہ سمجھنا کہ تکلیف تمھیں کو دی گئی ہے بلکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے اُن پر بھی روزہ واجب تھا حق تعالیٰ شوق دلا رہا ہے کہ ابتک ہم آگے نہ بڑھے تھیں اور بالخصوص اسوقت جب ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ روزہ میں زیادہ تر ہماری منفعت کے پہلو ہیں یوں تو ہر فریضہ اور عبادت بندگان خدا کی بہبودی کے لیے ہے

لیکن روزہ میں جسمانی فوائد جسقدر صائم کو پہونچتے ہیں اُسکی نظیر کسی دوسری عبادت میں مشکل سے ملے گی روزہ حفظ صحت کا حامی ہوا کرتا ہے جو سال بھر کے بعد صرف تیس دن میں تنقیہ تام کرتا ہے روزہ دار کا اور اُسکے رطوبات ردیہ فنا ہوکر عبد میں معبود کی وصف کی جھلک پیدا ہوتی ہے جب ہی لسانِ قدرت نے پکار کر کہا الصوم لی روزہ خاص میرے لیے ہے اور یہ ایک واقعہ ہے کہ کفر پرستوں نے اپنے نام نہاد خداؤں کی پرستش میں کیا کچھ نہیں کیا سجدوں کے لئے پیشانیاں جھکائیں صف بستہ ہوکر اُنکی تعظیم کی ان پر زر و جواہر نثار کیے اُن کے لیے قربانیاں کیں لیکن کبھی کسی نے اُن کی خوشنودی کے لیے ترک لذات کا بیڑا نہیں اٹھایا روزہ نے توحید پرستوں سے صرف رضاء باری کے لئے آب و طعام اور بعض لوازمات زندگی کو ترک کرادیا عبادت کے لئے حدود قائم کئے اور خلوص کو اتنی ترقی دی کہ عمل خدا کی طرف منسوب ہونے کے لائق ہوا اور ارشاد الٰہی ہوا کہ روزہ میرے لیے ہے عقل بتاتی ہے کہ جب انتساب ہوچکا تو پھر مزد بھی ید قدرت سے ملنا چاہیئے اور موقف جزا میں عبد و معبود کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو اسکو بھی انتہائی اشفاق سے فرمایا وانا اجزی بہ اور میں روزہ کی جزا دوں گا اب یہ منصب ہمارا ہے کہ صائم کی جزا خدا کو دیتے ہوئے دیدہ دل سے دیکھیں لیکن یہ یاد رہے کہ صوم جناب باری کی طرف اسی وقت منسوب کیا جاسکتا ہے جب با آداب و شرائط ہو چنانچہ ہمکو ہدایت ہوئی ہے اذا صمت فلیصم سمعک و بصرک و شعرک جب روزہ رکھو تو سامعہ باصرہ بھی صائم ہو اور رویاں رویاں روزہ سے ہو یہ روزہ اس لائق ہو کہ خدا خود جزا دے الصوم لی وانا اجزی بہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے وہ روزے جو حسنین علیہم السلام کی صحت کے موقع پر رکھے گئے اگرچہ صوم رمضان نہ تھے مگر خلوص بدرجۂ اتم تھا اسلئے ارشاد باری ہوا وسقاھم ربہم شرابا طہورا تشنگی صوم کی جزا ید قدرت سے شراب طہور کی صورت میں ملی اور آیۂ کریمہ نے الصوم لی وانا اجزی بہ کی تائید کی۔

حسن مجتبیٰ

۱۵ مبارک کی برکت آفریں تاریخوں میں پندرہویں ماہ رمضان وہ فرحت و انبساط کی تاریخ ہے جو اہل ایمان کو عید سے پہلے عید منانے پر مجبور کرتی ہے پیغمبر خدا خوش ہیں عالم بالا میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے فرشتے تہنیت کے لئے اتر رہے ہیں اسلئے کہ آج حسن سبز قبا کی ولادت سے علیؑ و فاطمہ کی شادی کا پھل پیمبر کو ملا ہے اور زینت آغوش کو دیکھکر آنکھیں خنک ہو رہی ہیں دنیا جانتی ہے کہ سرور اکرم کا نواسوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا آپ سچے معنوں میں بچوں کو لخت دل سمجھتے تھے۔

ام الفضل کا خواب

حضرت علی و فاطمہؑ کی شادی کو کچھ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ ام الفضل نے ایک خواب دیکھا جو ظاہر نظر میں پریشان کن تھا پھر ایک عورت کے لئے مگر سنجیدہ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ خواب کو خواب و خیال سمجھکر ہر کہ و مہ کے سامنے بیان نہیں کرتے تعبیر اس سے پوچھتے ہیں جو کم از کم اپنے سے بہتر ہو ام الفضل نے آقائے دوجہاں کی خدمت میں خواب بیان کر دیا آپ نے بڑی تشفی بخش اور مسرت انگیز تعبیر دی اس خواب کو اکابر اہلسنت بھی نقل کرتے ہیں۔

عن ام الفضل قالت یا رسول اللہ رائیت کان عضوا من اعضائک فی بیتی فقال خیرا رایتہ تلد فاطمہ غلاما فترضعیہ بلبن۔

ام الفضل سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا اے پیغمبر خدا میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا ایک عضو میرے گھر میں ہے فرمایا اچھا دیکھا فاطمہؑ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کو تم دودھ پلاؤ گی اس خواب کی تعبیر میں ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کو حسن مجتبیٰ پیدا ہوئے جو صورت و سیرت میں شبیہ رسول تھے۔

نبوی سیادت کا جوہر

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنی آدم کے سردار تھے اور آپ کے سید ولد آدم ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے امام حسن اسی عظیم الشان شرف کے ورثہ دار تھے سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔

از مناقب ابن شہر آشوب مرویست کہ حضرت فاطمہ حسنین را بخدمت رسول خدا آورد وقالت انحل ابنیّ ھذین یا رسول اللہ وفی روایۃ ھذان ابناک فورثھما شیئا فقال اما الحسن فلہ ھیبتی و سوددی واما الحسین فلہ جرأتی وجودی

(ناسخ التواریخ)

مناقب ابن شہر آشوب سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ حسنین کو جناب سرور کائنات کی خدمت میں لائیں اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول حسنین آپ کے دونوں فرزند ہیں ان کو اپنی میراث میں سے کچھ مرحمت ہو فرمایا اپنی سیادت اور ہیبت حسن کو دی اور بہادری اور شجاعت حسین کو دی اس عطا کے بعد امام حسین کی ہیبت اور سیادت ناقابل انکار ہے۔

شبیہ رسول

امام حسن کو جہاں نانا کی روحانی مشابہت کا فخر حاصل تھا جسمانی مشابہت میں بھی [illegible]

کی تصویر تھے اور صحابہ کو اعتراف تھا تاریخ میں ہے او شبیہ ترین بود برسول خدا از سینہ تا فرق علماء سیر
آوردہ اند کہ حضرت ابوبکر در بدایت خلافت خویش با علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و بعضے از اصحاب از دے
بجائے میرفت درا ثنائے سیر نظر او بامیر المومنین حسن افتاد کہ با کودکان بازی میکرد ابوبکر او را بر دوش
خود نہادہ گفت تو مشابہ خاتم الانبیائی نہ مانند علی مرتضیٰ وامیر المومنین علی ازیں سخن متبسم گشتہ تصدیق
ابوبکر نمود (تاریخ روضۃ الصفا جلد سوم ص۵۳۳)

وہ پیغمبر خدا سے سب سے زیادہ مشابہ تھے سر سے سینہ تک علماء سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ
حضرت ابوبکر اپنی ابتدائے خلافت میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور بعض اصحاب کے ساتھ کسی جگہ
جا رہے تھے راستہ میں ان کی نظر امیر المومنین حسن پر پڑی جو لڑکوں میں موجود تھے حضرت ابوبکر نے انکو
کاندھے پر اٹھالیا اور کہا کہ تم خاتم الانبیاء سے مشابہ ہو علی مرتضیٰ سے مشابہ نہیں ہو امیر المومنین علی اس
بات سے مسکرانے لگے اور حضرت ابوبکر کی اس اتفاقی حق گوئی کی تصدیق کی۔

سخاوت

بنی ہاشم جود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے امام حسن کی سخاوت کے دوست دشمن سب معترف ہیں
شہنشاہ زمن حضرت امام حسن علیہ السلام نے پیادہ پا پندرہ حج کئے ہر بار مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ
تک پیادہ پا آتے تھے اور آپ کے گھوڑے کوتل آگے آگے چلے جاتے تھے اور دو بار تمام مال و اسباب
گھر کا راہ خدا میں دے ڈالا اور تین بار آدھا آدھا مال راہ خدا میں دیا یہانتک کہ ایک موزہ دیا
اور ایک رکھا (ذکر الشہادتین ص۳۵ چھاپہ کانپور ۱۹۲۶ء)

محبت حسنین کا ایک پرخلوص مظاہرہ

امام کی سیرت پر مختصر بحث کرنے کے بعد اب ہم اہل ایمان کی پرخلوص عقیدت کا ایک عبرتناک
واقعہ پیش کرتے ہیں جس سے کمال محبت کی تصویر اور اسکے ساتھ آل رسول سے دیرینہ بغض و
عناد کا نقشہ نظر آئے گا اسلام کا مشہور مورخ ابن وردی تاریخ میں لکھتا ہے۔

وفیہا قتل المتوکل ابا یوسف یعقوب بن اسحاق ابن السکیت مصنف اصلاح
المنطق قال لہ ایما احب الیک ابنای المعتز والمؤید ام الحسن والحسین فغض
ابن السکیت وقال ان قنبر خادم علی خیر منک ومن ابنیک فسلوا لسانہ
من قفاہ (تاریخ ابن وردی جلد اول ص۲۲۵ کلکتہ)

اور اس سال متوکل نے ابو یوسف یعقوب بن اسحاق بن سکیت (علیہ الرحمہ) مصنف اصلاح

منتصر کو قتل کیا ان سے پوچھا کہ تم میرے دونوں بیٹوں معتز اور موید کو زیادہ دوست رکھتے ہو یا
حسن و حسین کو ابن سکیت کو غصہ آگیا اور بادشاہ کی شخصیت سے بیخوف ہو کر کہا قنبر علی کا خادم
تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے بہتر ہے متوکل نے اس جرم میں انکی زبان گدی سے کھینچ لی۔

انسانی دنیا کا بدترین مجرم

خانۂ خدا میں خدا کے شیر پر بزدلانہ حملہ

مسلمان بن کے اسلام کو مٹانے کی ناپاک سازش

شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ روحی لہ الفدا کی شہادت ان گہری سازشوں کا نتیجہ تھی جو اسلام
کے اندرونی خطروں میں مبتلا کرنے کے لیے پیہم ہو رہی تھی اہلبیت رسول خاموشی کے ساتھ زمانہ کا رنگ
دیکھتے رہے دوستوں کا قحط تھا اگر دو بیش دشمن ہی دشمن تھے جنکو خانہ جنگی کا انتظار تھا آتش حسد کو
خزانہ شام کے سیم و زر کی طمع ہوا دے رہی تھی اسلام کا وہ بزم آزما جس نے حمایت دین میں عنفوان
شباب سے جہاد کرنا شروع کیا اور مرحب و عنتر ایسے شجاعان عرب کو تلوار کے گھاٹ اتارا آج نہ صرف
کفار کی نگاہوں میں خار معلوم ہو رہا تھا بلکہ نام نہاد مسلمان بھی اس کے خون کے پیاسے تھے اور اپنے
کفر نواز آباؤ اجداد کے خون کا انتقام لینے پر تلے ہوئے تھے عرب کا شاید ہی کوئی خاندان ایسا ہوگا
جسکے نمودار جوانوں کو جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے تہ تیغ نہ کیا ہوا فسوس ہے
کہ آج نصرت دین کے جرم میں وہ مجاہد خفیہ ریشہ دوانیوں سے آرام کی زندگی بسر نہیں کر سکا۔

جناب علی مرتضیٰ کی شہادت کا تذکرہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم میں
بار بار ہوا اور آپ نے بار بار فرمایا کہ قاتل میرا شقی ترین مردم ہوگا حضرت علی اس دن کے منتظر تھے
اور شوق لقا میں موت کی تلخی کی کبھی پرواہ نہ کی ماہ رمضان کے موقع پر خاص طور پر آپ کا اشتیاق
بڑھ جاتا تھا ابن اثیر جذری مشہور مورخ رقمطراز ہے۔

قال عثمان بن المغيرة كان علی لما دخل رمضان يتعشی ليلة عند الحسن وليلة عند ابی جعفر لا يزيد علی ثلث لقم يقول احب ان تاتينی امر الله وانا خميص وانما هی ليلة او ليلتان فلم تمض ليلة حتی قتل (تاريخ کامل صفحہ ۱۵۵ چھاپہ مصر)

عثمان بن مغیرہ کہتا ہے کہ حضرت علی جب ماہ رمضان شروع ہوتا تھا تو ایک رات امام حسنؑ کے پاس اور ایک رات (امام) حسین کے یہاں افطار کرتے تھے اور ایک شب ابو جعفر کے یہاں اور تین لقموں سے زیادہ نوش نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اس امر کو دوست رکھتا ہوں کہ پیام اجل کے وقت شکم سیر نہوں بس یہ ایک اور دو راتیں اور رہیں (راوی کہتا ہے) کہ رات تمام نہ ہوئی تھی کہ آپ شہید کر دیے گئے۔

شب ضربت اس قیامت خیز رات کے حال میں سواد اعظم کے منصف مزاج اہل قلم لکھتے ہیں آپ کبھی صحن خانہ میں آتے کبھی اندر جاتے تھے یہ رات وہ تھی کہ ماہ فلک کا دل لالہ چمن کی طرح داغدار اور تارے صورت اشک یتیم نمودار رات نے لباس ماتمی پہنکر اپنے کو آپ کا ماتم دار بنایا آفتاب نے بیت الاحزان مغرب میں شام سے منھ چھپایا تھا چرند اور پرند اپنے آشیانوں میں آنسو بہاتے تھے شجر و حجر آپ کی شہادت کی خبر سے بیتاب ہوئے جاتے تھے ذرہ ذرہ اس آفتاب ولایت کے غم میں پڑا تھا قطرہ قطرہ آپ کے الم میں آنکھوں سے دریا بہا رہا تھا

(ذکر الشہادتین صفحہ ۳۱ مطبوعہ رزاقی پریس کانپور ۱۹۲۷ء)

پیغمبر اسلام کے بھائی رسول عربی کے بلا فصل جانشین نفس خیر المرسلین کی وفات دنیا کا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا کائنات میں ہلچل تھی زمین سے جو پتھر اوٹھایا جاتا تھا اس سے تازہ خون جوش کھاتا ہوا نکل آتا تھا دنیا میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی مگر تاجدار دنیا و دین محراب عبادت میں تھی یہ ساری رات آپ نے عبادت میں بسر کی اور قیام و قعود رکوع و سجود میں مصروف رہے جب سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو مسجد کا عزم کیا مرغابیوں نے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے گھیر لیا اور اپنی بلند آوازوں سے جنت کے مسافر کو وداع کیا فخر سلیماں فوراً سمجھ گئے اور اپنی شہادت کی خبر دی ابن اثیر جزری نے تاریخ میں اس کا بھی اعتراف کیا ہے قال الحسن بن کثیر عن ابيه قال خرج علی من الفجر فاقبل الاوز يصحن فی وجهه فطردوهن عنه فقال ذروهن فانهن نوائح فضربه ابن ملجم فی ليلة۔

حسن بن کثیر اپنے باپ کی زبانی ناقل ہے کہ آپ فجر کے وقت گھر سے برآمد ہوے (بقیہ مضمون صفحہ ۴۲۱ پر)

امراض قومی کا علاج

عالیجناب بیرسٹر سید محمد احمد صاحب حسینی

وضع قطع کو بھی قومی ارتقا میں بڑا دخل ہے مگر ہمارا اصول تو یہ ہے کہ میز کرسی پر کھانا کھاؤ یا چٹائی پر۔ عمامہ پہنو یا ہیٹ۔ مسہری پر سوؤ یا دونٹ کی کھال پر ڈرائنگ روم سجاؤ یا بوریے پر بیٹھو۔ اگر تمہارا ایمان سلامت اور پختہ ہے۔ اصول و فروع اسلام کے پابند ہو۔ تو سب ٹھیک ہے ریل میں سفر کر رہے ہو یا کسی پارٹی یا جلسے میں ہو جس میں مختلف اقوام کے لوگ شامل ہوں۔ نماز کا وقت آتے ہی تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ روزے کے دن ہوں تو روزے سے رہو اور پارٹی میں روزہ اپنے وقت پر جائز چیز دل سے کھولو۔ نجاست و طہارت کا خیال اکل و شرب میں رکھو۔ ہر شخص تمہارا مذہب خود سمجھ لیگا۔ اپنے اصول اپنا پتہ خود دے دیتے ہیں۔ بیشک تم سوٹ پہنو مگر سوٹ میں نماز بھی پڑھ لو۔ وہ نہ ترک ہونے پائے۔ حرام و حلال کے پابند رہو اگر تم نے اپنے اصول معاشرت و تمدن چھوڑ دیے حلال و حرام کی پرواہ نہ کی واجبات کو ترک کر دیا اخلاق و سیرت ائمہ پر عمل نہ کیا تو البتہ تم قول رسول اللہؐ کے مصداق من تشبّہ بقوم فھو منھم جس نے جس قوم کے اخلاق و عادات اختیار کئے وہ بھی اُسی میں شمار ہوگا۔ بالکل صحیح فرمایا۔

ہم انگریزی کھانا کھائیں یا ہندوستانی اس میں کوئی حرج نہیں جبتک کہ ہم حلال و حرام کے پابند ہیں۔ خدا تو ایمان و عمل و تقویٰ دیکھتا ہے۔ تقویٰ کے معنی خوف یعنی وہی حلال و حرام کا خیال واجبات کی ادائی۔

احکام ائمہ دریافت کرنے کے لئے تمام برادران ایمانی کو چاہیئے کہ مجلسیؒ کی کتاب حق الیقین ضرور پڑھیں اور اپنے لڑکے لڑکیوں کو پڑھائیں۔ اس سے ہماری معاشرت بہت درست ہو جائے گی۔ لڑکیوں کی تعلیم گھر میں ہونی چاہیئے۔ اسکول میں ان کو نہ جانا چاہیئے۔ اخلاق پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے بس اتنا ہی کہنا کافی سمجھئے۔ ورنہ پھر ایسے امور عرض کرونگا کہ زمین پاؤں کے نیچے سے نکل جائے گی۔ عورتوں کی غرض خلقت صرف یہی ہے کہ وہ گھر کی ملکہ بنیں۔ انتظام خانہ داری کریں۔ اچھی بیویاں اور اچھی مائیں بنیں ان امور کے

متعلق میں اس کے قبل لکھ چکا ہوں۔ پردہ عورت کا فطری حق اور ضروری ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ عورتیں پردے میں رہتی ہیں اس لئے وہ دق کی مریض ہوتی ہیں۔ تو مرد بھی کیا پردہ میں رہتے ہیں جو اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تندرستی خراب ہونے کے اسباب فی زماننا بہت واضح ہیں۔ افکار۔ مفلسی و گرانی، اچھی اشیاء کی نایابی وغیرہ عورتیں انٹرنس یا بی۔ اے پاس کرکے آخر کیا کرینگی بس اسکول میں پڑھانے کی نوکریاں اور کیا۔

آج کل بہت سی جو نوکر ہیں اگر شوہر والیاں ہیں تو ہزار زحمتیں ہیں۔ اگر بے شوہر کی ہیں تو پھر کیا ہے آزاد ہیں۔ فطری جذبات اُبھرتے ہیں اور کیا سے کیا ہوتا ہے۔ آجکل کی جو تعلیم اس کا کیا کہنا نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادہر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ روپیہ اور عمر بھی برباد ہوئی اور تندرستی بھی مٹی پھر بھی انسان نہ بنے البتہ سرٹیفکٹ مل گیا جس سے دفتر میں گھس گئے ورنہ بے روزگاروں کی فہرست میں نام درج ہوگیا

لہذا ہمارے بچوں کو دینی تعلیم کے بعد صنعت وحرفت سیکھنا چاہیئے یا پھر تجارت کرنا چاہیئے یورپ اور امریکہ جاپان چین روس میں جاکر دیکھو تو یہی سب کرتے ہیں یعنی صنعت وحرفت یا تجارت یعنی زیادہ تر لوگ یہی کرتے ہیں۔ عورتیں مرد سب بی۔ اے۔ ایم اے بھی ہوتے ہیں مگر کم۔ عورتیں تو بہت ہی کم بی اے۔ ایم۔ اے ہوتی ہیں معمولی پڑھی لکھی ہوتی ہیں۔ تجارت کے لئے سرمایہ کی ضرورت زیادہ نہیں۔ بلکہ اپنی محنت اور خدا کے بھروسہ پر رہنے کی ضرورت ہے۔ ایک دو۔ دس بیس۔ سو پچاس جتنے سے بھی ہو سکے تم تجارت شروع کرو اور خدا پر بھروسہ کرو۔ سڑک پر پھیری لگاؤ۔ یا دوکان لگاکر بیٹھو۔ مگر "خلاف شان" والا کیڑا دماغ سے نکال ڈالو۔ سادی اور میانہ روی کی زندگی بسر کرو حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال رکھو۔ تو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو۔ ورنہ دونوں جگہ ذلیل رہو گے۔

اسی معاشرت کے سلسلے میں ہمارے رسوم بھی ہیں جن سے ہماری جہالت ٹپکتی ہے اور روپے کی بربادی ہوتی ہے۔ اگر کوئی روپئے والا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ فضول خرچی کرے اور "حوصلے اور ارمان" نکالے جائیں۔ مردوں کو چاہیئے کہ عورتوں کی "نگاہ ناز" اور "بے جا ضدوں" سے مرعوب نہ ہوں۔ بلکہ سختی کے ساتھ تمام مہمل رسموں کو بند کردیں کس قدر روپیہ برباد ہوتا ہے۔ اور "شان کے خلاف" ہونے کا سوال مار ڈالتا ہے۔

شادی کی ہزار ہا رسمیں جو فضول ہیں بالکل بند کر دینا چاہیئے۔
مسلمانی۔ بسم اللہ وغیرہ بالکل سادے طریقے سے کرنا چاہیئے۔ مرنے کے رسوم بھی بہت سے بیکار ہیں یعنی سیوم۔ چالیسواں فاتحہ میں کتنے رسوم بے بنیاد ہیں ان تمام مواقع پر اگر پیسہ پاس ہو تو مجلس کر دیجئے۔ اعزا جو پُرسے کے لئے آئیں ان کو معمولی کھانا کھلا دیجئے۔ مگر اسراف کو ترک کر دیجئے۔ مُردے کی طرف سے قرآن پڑھئے صدقہ دیجئے۔ نوروز میں رنگ کھیلنا یہ سب فضول ہے۔ بقرعید میں البتہ ممکن ہو تو قربانی کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے جتنے رسوم ہوں وہ عقلی حیثیت سے احکام شریعت کے ماتحت منائے جائیں جس میں شان کا خیال نہ ہو اور روپیہ کی بربادی نہ ہو

علماء ہمارے شادی[1] وغم کے رسوم کی زبردستی اصلاح کریں لوگ نہ مانیں تو زور دیکر منائیں جب شدید توجہ تقریراً تحریراً ہو گی تو کہاں تک اثر نہ ہو گا۔ ذرا تکلف کو چھوڑ دیجئے بے تکلف ہو کر کام کیجئے۔ آپ ہماری تعلیم کا انتظام کیجئے۔ آپ ہمارے معاش کا انتظام کیجئے یعنی طریقے بتائیے خود کر کے دکھائیے تو البتہ آپ نے کچھ کام کیا ورنہ یوں آپ کی زندگیاں ہمارے لئے بیکار ہیں۔

یعنی جیسے اور حضرات ویسے آپ، آپ کی خصوصیت ہمارے کام نہ آئی ہماری قوم قعر مذلت میں پڑی رہے گی جس کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اب تیسری بات ہمارے ذاکرین ہیں۔ بقول غالبؔ وہ ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی، جس کو دیکھئے مجلس پڑھنے کے لئے تیار ہے بڑی آسان اور نفع بخش تجارت ہے۔

ہماری مجالس کا مقصد اُسوۂ حسینی کی تعلیم دینا ہونا چاہیئے۔ ہم کو بتانا چاہیئے کہ حضرت امام حسینؑ کی یاد از ابتدا تا انتہا زندگی کے جتنے شعبے ہیں وہ سب سبق آموز اور انسان کو مکمل انسان بنانے والے ہیں عزم و استقلال صبر و شجاعت ایثار حق کی حمایت۔ آزادی کو قائم رکھنا۔ معبود برحق کی عبادت ان سب پر حضرت امام حسینؑ نے مع اعزا و اصحاب کربلا کے میدان میں دکھا دیا۔ جس کی مثال نہ تھی نہ ہے نہ ہو سکتی ہے آزادی کی پکار آجکل ہر جگہ ہے دنیا والو حسینؑ سے سبق لو۔ آپ نے ننگ انسانیت (یزید پلید) کی بیعت نہ کر کے آزادی کو قائم رکھا۔

---

[1] زبردستی اصلاح کسی نبی نے بھی نہیں کی ۱۲ الواعظ

یزید ملعون بیعت غلامی لیتا تھا۔ کربلا کے ہیرو نے عالم انسانیت پر احسان کیا۔ آپ دنیائے انسانیت کے ہیرو اور محسن ہیں صرف شیعوں اور مسلمانوں کے نہیں۔ بقول جوش

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو :: ہر قوم پکاریگی ہمارے ہیں حسین

یہ تو مختصر اسوہ حسینی کے متعلق ہے اس سلسلہ میں اصول و فروع دین۔ معاد و معاش تمدن و اخلاق۔ کے مختلف شعبوں پر سیرت ائمہ سامنے رکھتے ہوئے احادیث و قرآن مجید سے سادے الفاظ میں روشنی ڈالنا چاہیئے۔ تقریروں میں گل و بلبل کی داستان تشبیہات و استعارات الفاظ کی بندش شاعری وغیرہ کچھ نہ ہونا چاہیئے۔ یہ "ہمارا معیار مجلس" ہے اب اس کے بعد دنیا بتلائے اور ذاکرین و واعظین انصاف سے فرمائیں کہ وہ اس معیار پر پورے اُترتے ہیں کیا وہ ان باتوں پر خیال رکھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ واللہ ہرگز نہیں۔ اگر اس کا خیال رکھا جاتا تو ہمارے اخلاق و عمل درست ہو جاتے ہم جاہل نہ رہتے۔

بقول جناب صادق مرزا صاحب بی۔ اے گورکھپوری کیا ہم نے حسینی قربانی کی غرض و غایت پر نظر کی کیا محرم کی آمد کا یہی مطلب ہے کہ زیادہ سے زیادہ مجلسیں برپا کرکے حقے پئے جائیں اور حصے لیکر چلدیں نوحوں کی نئی نئی دھنیں نکالیں ماتم بھی تال سُر سے کریں ماتمی دستوں کی وردیاں بنائیں اپنی مجلس پہلے دوسروں کی بعد میں کرنے کی کوشش کریں۔

ذاتی عداوت کی بنا پر دوسروں کی مجالس اور جلوس میں شرکت نہ کریں۔ بلکہ ان کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ کیا یہی معرکۂ کربلا کا سبق ہے۔ واقعات کربلا سُنکر خوب روئے مگر نوحہ و ماتم کے وقتی ہنگامے میں نہ بھول جائیں کہ حسینؑ معلم اخلاق تھے۔ حسینؑ نے عمل کا سبق دیا۔ اتفاق و اتحاد کا سبق دیا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف ہم میں مذہبی مجہولیت آتی جاتی ہے اور نام و نمود کا جذبہ جڑ پکڑتا جاتا ہے ہماری مجلسوں اور دیگر امورعزاداری ہمارے ماتمی دستوں ہمارے سوگ میں بجائے عقیدت کے نمائش کو دخل ہوتا جاتا ہے۔ ہم زنجیریں اور بیڑیاں پہنتے ہیں اور اسیران کربلا کی یاد مناتے ہیں مگر چاندی اور سونے کی ہوتی ہیں ارے لوہے کی کیوں نہیں ہوتیں۔ پھر کیا باطنی طور پر اسوۂ حسینی پر عمل کرتے ہیں۔ ان اسیران کربلا کی سیرت ہمارے سامنے ہوتی ہے نماز روزے اور قرآن کا خیال ہوتا ہے۔ ہم اس عظیم المرتبت قربانی کے بنیادی اغراض کو نہ بھلائیں نمائش

سے بچیں مجلسوں میں عورتیں اور مرد سب قبل شروع ہونے کے ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں شب بیداری کے لمحات کو غم آگیں بنائیں اور مجلس غم میں غمزدوں کی شکل و لباس اختیار کریں۔

نوحے ماتم ایسے ہوں جس میں سچے واقعات ہوں۔ بس ایسا پڑھو کہ معلوم ہو کہ اس گھر میں کوئی مر گیا ہے کسی مظلوم کا ماتم ہے۔ عورتوں کو چاہیئے کہ ان تمام امور کا خیال کریں۔

اور رسمی اور نمائشی عزاداری کو حقیقی عزاداری سے بدل رہی ہے حصوں میں غریب اور امیر کی تخصیص نہ ہو۔ نہ اس میں زیادہ تزک و احتشام ہو۔ سب کے لئے یکساں ہو۔ کیا ایام عزا کا مقصد یہی ہے کہ مختلف انجمنوں میں نئی نئی دھنوں کے نوحے پڑھے جائیں تال و سُر سے ماتم ہو۔ مجالس کے جدید و قدیم اوقات کے جھگڑے ہوں۔ پھر کچھ سُنکر رو لیں۔ بس پھر وہی امور دنیا میں مشغول، دوسروں کو ان تکلفات اور نمائشی مظاہروں سے اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ یاد رکھو حسین کا پیغام انسان کے اخلاق کا تعمیری پیغام تھا۔ اس لئے ہم کو چاہیے کہ ایام عزا میں اخلاقی اور مذہبی و سیاسی پہلوؤں میں اصلاحی عنوان پیدا کریں ہم اپنی مجالس سے اور دیگر امور عزاداری سے پر تکلف اور نمائشی رسوم کو الگ کر دیں۔

اپنی قومی اور انفرادی بقا کے لئے اتحاد و یگانگت نماز و قرآن عزاداری ... کے دامن کو مضبوط پکڑیں (الواعظ جنوری ۱۹۴۶ء)۔ (مضمون صادق مرزا صاحب بی اے گورکھپوری) ہمارے مجالس میں ذاکرین کی غرض بجائے اصلاح اور تبلیغ ہونے کے تجارتی اور ذاتی فروغ ہر گز نہ ہو۔

وہ وہ گل بوٹے تقریروں میں بنائے جاتے ہیں کہ جس کی حد نہیں۔ لفظی رعایت، اور جملوں کے تناسب پر داد لیتے ہیں نثری مشاعرہ اُن کا پیشہ ہے۔

اور کچھ وہ ہیں جو مجلس کو کشت زعفران بنا دیتے ہیں ایک وقت وہ تھا کہ جب شہ نشین سے پردہ ہٹایا جاتا تھا تو لوگ پانی پینا پسند نہ کرتے تھے اور اب درود کے بجائے قہقہے ہیں زیادہ تر فضائل علیؑ بیان ہوتے ہیں باقی بیچارے گیارہ ائمہ کے زندگی کے حالات پر بالکل پردہ ہے ان کی سیرت سے کوئی واقف نہیں۔ ان حضرات کے ولادت و شہادت کی تاریخیں بھی

لہ امام باڑہ ناظم صاحب مرحوم وقف داراب علیخاں مسجد امام باڑہ غفرانمآب مسجد واقع کٹرہ ابوتراب خاں، شریعت کدہ ناصری وغیرہ پر نثر و نظم میں زمانۂ دراز سے مجالس محافل ہوتے ہیں اور ہر گز شیعہ دیگر ائمہ کو نظر انداز ... [illegible]

نہیں معلوم بعض ذاکرین کا رنگ مناظرانہ ہے یہ تو بالکل خلاف عقل ہے۔ تبلیغ کے خلاف ہے دوسرے آپ کی مجالس میں کیوں آئینگے لہذا ذاکرین کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے اصول مقصد اور افراد قوم کے بننے بگڑنے کا خیال ہونا چاہیئے اور اصول مقاصد عزا داری کا خیال رکھنا چاہیئے جو اوپر بیان ہوئے۔ نوحہ کہنے والے حضرات سے التماس ہے کہ اسقدر سچے اور صحیح واقعات کسی عالم سے پوچھکر نظم کریں اور ایسے غلط تخیلات شعر میں نہ آنے دیں جنسے شہدائے کربلا کی عظمت پر ضرب آئے۔ ذاکرین کی جھوٹی سچی باتیں نظم نہ کیجئے شاعری اور مبالغہ اور جھوٹ اشعار میں نہ ہو۔ کیونکہ یہی اشعار عورتیں اپنی مجلسوں میں پڑھتی ہیں۔

دیکھئے تو اس کا بُرا اثر کتنی دور تک پھیلا مرثیہ گو حضرات بھی گھوڑے اور تلوار کی تعریف بالکل چھوڑ دیں سیدھے سیدھے سچے واقعات جذباتی اور اخلاقی پہلو لئے ہوئے نظم کریں جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کی بڑی ذمہ داری ہے مرثیہ کا رواج اب کم ہوتا جاتا ہے مگر پھر بھی زمانہ کا رنگ مقتضی ہے کہ یہ صنف سخن مٹنے نہ پائے اور انیس مرحوم کا بویا ہوا پودا سرسبز و شاداب رہے۔ مگر پہلے اور زمانہ تھا۔ اور رنگ تھا اب دوسرا زمانہ ہے۔

ہمارے علمائے کرام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان ذاکرین کو تنبیہ کریں اور ان کی اصلاح پر زور دیں۔ اپنے یہاں مجالس میں "نمونے کی مجلس" پڑھوائیں تاکہ دوسروں کو سبق ہو اگر کوئی غلط پڑھے فوراً ٹوک دیں۔ مروت کو دخل نہ دیں انجمنوں کو نمائشی ماتم اور زنجیروں اور تلواروں سے ماتم اور بیکار نوحے پڑھنے سے روکیں۔

ظرفی تا سنی امام مفترض الطاعة

عالیجناب مولوی سید حسین علی شاہ صاحب نقوی حیدرآباد دکن

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صحیفہ کاملہ یعنی اوراد و ادعیہ جناب امام زین العابدین و سید الساجدین علیہ السلام کے بارے میں جامعۂ ازہر کے روشن خیال علماء کی رائے ہے کہ یہ کتاب تو ایسی ہے کہ اہل اسلام میں تو درکنار دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی دنیا میں مقصود خدا زندگی بسر کرنے کے جملہ طریقوں سے باخبر کرکے اگر کسی فرقہ میں ادنیٰ سا بھی افتراق و انتشار ہو تو اس کو اتفاق و اتحاد خلوص باہمی اور بردباری کی مستحکم زنجیروں میں جکڑ کر ہر شخص کی عاقبت بخیر کرنے میں اچھی

خاصی مدد و معاون ہو سکتی ہے۔ چونکہ ہم لوگ افضال رب ذوالمنن اور اپنی خوش بختی سے دولت غلامی اہلبیت علیہم السلام سے سرفراز فرمائے گئے ہیں (الحمد للہ علی احسانہ) اور یہی دولت عظمیٰ کو اہل اسلام بھی وقت کام میں لاکر مستفاد ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے امام عالی مقام کو دل سے مفترض الطاعۃ مانتے ہوئے عمل بھی کریں۔ اس قدر مختصر تمہید کے بعد اب ہم "صحیفۂ کاملہ" کی صرف ایک دعا موسومہ "فی طلب العفو" کے چند جملہ جات معہ ترجمہ بغرض استفادہ اہل اسلام درج ذیل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں مگر اس کے قبل نامناسب نہ ہوگا اگر جناب مولانا سید ہارون صاحب اعلی اللہ مقامہ کی شرح جو مرحوم نے اس دعا کے متعلق حاشیہ پر فرمائی ہے اس کو بھی من وعن درج کیا جائے۔

"ائمہ علیہم السلام کا گناہوں سے استغفار کرنا ایسا امر ہے کہ کوئی مومن اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا اسوجہ سے کہ اُن کا معصوم ہونا ثابت ہے پھر گناہ کہاں جس سے استغفار ہونا ثابت ہو بایں ہمہ ان حضرات سے ایسے کلمات وارد ہوئے ہیں تو اس کا کیا سبب ہے علماء نے اس کے چند سبب بیان کئے ہیں:۔

(۱) یہ کہ اپنے شیعوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ اس طرح توبہ و استغفار کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

(۲) یہ کہ دعائیں منجملۂ اظہار و تواضع و خضوع و خشوع کے ہیں جیسا کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مثل چیونٹی کے ہوں یا اس سے کم حالانکہ اس سے صرف تواضع و انکسار مقصود ہے نہ خبر دینا کہ واقعی میں مثل چیونٹی کے ہوں۔

(۳) از بسکہ اُن حضرات کے قلوب مطہرہ ہمیشہ ملاءِ اعلیٰ سے لگے رہتے تھے اور عموماً مراقبہ اور یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے پس جب کبھی اس مرتبہ سے الگ ہو کر کھانے یا پینے۔ مناکح۔ ملابس میں مصروف ہوتے تو اُسے بھی اپنی معصیت خیال فرماتے تھے اور اس سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) ان حضرات کے مراتب یوماً فیوماً زیادہ ہوتے رہتے تھے لہذا ہر مرتبۂ مابعد کے حاصل ہو جانے کے بعد اپنے مرتبۂ سابقہ کے کم ہونے کی وجہ سے اُس کو درجۂ معصیت میں خیال فرماتے اور اس سے استغفار کرتے تھے۔

(۵) ہر بندہ ممکن الوجود جو ہر طرح شوائب نفس سے ملوّث ہے وہ قابل معصیت ہے اگر الطاف الٰہی شامل حال نہوں تو گویا اُن حضرات کا اقرار گناہ کرنا بہ نسبت مادّہ بشریہ نہ باعتبار

عصمت الٰہیہ جس میں وہ تھے۔

(۶) تکالیف شرعیہ بمقابلہ نعمت ہائے الٰہی کے ہوتی ہیں چونکہ الٰہی نعمتیں بے شمار ہیں لہٰذا تکالیف بھی اُسی کے مطابق ہونی چاہیئے اور یہ حضرات اکمل نعمات الٰہیہ تھے ان کو خدا نے وہ نعمتیں دی تھیں کہ دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتیں تو یہ حضرات ہمیشہ ان نعمات کا شکریہ ادا کرتے لیکن چونکہ شکر نعمات باری تعالیٰ تمامہ محال ہے اسوجہ سے اسکو یہ حضرات اپنی نسبت تقصیر ہی خیال کرتے اور اس سے توبہ کرتے۔

(۷) ازبسکہ یہ حضرات معشوق اور محبوب الٰہی تھے اس لئے یہی چاہتے تھے کہ خدا کی معصیت کوئی نہ کرے جس سے وہ ناراض ہو توجب کسی کو معصیت کرتے دیکھتے ان حضرات کو سخت شاق گذرتا اس لئے کہ وہ گناہ ان کے سامنے ہوا اور اسی وقوع گناہ سے استغفار کرتے تھے (کمال غلام نوازی جکی لاج رکھنا ہر ادنیٰ غلام پر جو بفضلہ انہی انوار مقدسہ وقادسہ کی بچی ہوئی مٹی سے مخلوق ہوا ہو صد درجہ لازمی وضروری ہونا چاہیئے ورنہ زبانی ادعائے غلامی اصولاً تحصیل حاصل ہے۔

(۸) ازبسکہ یہ حضرات عالم کے بادشاہ (رای واللہ) اور منتظم احوال ناس تھے لہٰذا اپنی رعایا کے گناہوں کو اپنا ہی تصور فرماتے تھے اور فی زمانا بھی بموجب ارشاد نبوی "اولنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و کلنا محمدؐ" جناب صاحب العصر والزماں عجل اللہ ظہورہٗ ہمارے بادشاہ اور حقیقی نگرانِ حال بھی موجود و بحکم خدا ہماری ظاہری نظروں سے غائب ہیں۔"

۱۔ وَاَنَا یَا اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الَّذِیْ اَمَرْتَهٗ بِالدُّعَاءِ فَقَالَ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ هَا اَنَا ذَا یَا رَبِّ مَطْرُوْحٌ بَیْنَ یَدَیْكَ اَنَا الَّذِیْ اَوْقَرَتِ الْخَطَایَا ظَهْرَهٗ وَاَنَا الَّذِیْ اَفْنَتِ الذُّنُوْبُ عُمْرَهٗ وَاَنَا الَّذِیْ بِجَهْلِهٖ عَصَاكَ۔ الخ۔

ترجمہ:۔ اور میں اے میرے معبود تیرا وہ بندہ ہوں جس کو تونے دعا کا حکم دیا ہے تو اُس نے لبیک (میں تیرے پاس حاضر ہوں) اور سعدیک (تیرے ہی واسطے سعادت ہے) کہا اے پروردگار میں تیرے سامنے آپڑا ہوں میں وہی ہوں جس کی پیٹھ کو گناہوں نے بوجھل کر دیا ہے اور میں وہی ہوں جس کی زندگی کو گناہوں نے تباہ کر دیا ہے اور میں وہی ہوں جس نے نادانی سے تیری مخالفت کی۔"

۲۔ یَا اِلٰهِیْ لَوْ بَكَیْتُ اِلَیْكَ حَتّٰی تَسْقُطَ اَشْفَارُ عَیْنَیَّ وَانْتَحَبْتُ حَتّٰی

يَنْقَطِعَ صَوْتِيْ وَقُمْتُ لَكَ حَتّٰى تَنْتَشِرَ قَدَمَايَ وَرَكَعْتُ وَلَكَ حَتّٰى يَنْخَلِعَ صُلْبِيْ وَسَجَدْتُ لَكَ حَتّٰى تَنْفَقَأَ حَدَقَتَايَ وَاَكَلْتُ تُرَابَ الْاَرْضِ طُوْلَ عُمْرِيْ وَشَرِبْتُ مَاءَ الرَّمَادِ اٰخِرَ دَهْرِيْ وَذَكَرْتُكَ خِلَالَ ذٰلِكَ حَتّٰى يَكِلَّ لِسَانِيْ ثُمَّ لَمْ اَرْفَعْ طَرْفِيْ اِلٰى اٰفَاقِ السَّمَاءِ اِسْتِحْيَاءً مِنْكَ ۔

ترجمہ:۔ اے میرے معبود اگر میں تیرے سامنے اتنا روؤں کہ میری آنکھ کی پلکیں گر پڑیں اور اسقدر روؤں کہ آواز بند ہوجائے اور اسقدر تیرے سامنے کھڑا ہوں کہ میری پیٹھ کی ہڈی الگ الگ ہوجائے اور اسقدر سجدے کروں کہ دونوں میری پتلیاں پھوٹ جائیں اور اپنی تمام زندگی بھر زمین کی مٹی کھاؤں اور اپنے آخر وقت تک ریت کا پانی پیوں اور اس درمیان میں تجھے اتنا یاد کروں کہ میری زبان تھک جائے پھر بھی میں اپنی نظر تجھسے شرم کی وجہسے آسمان کی طرف نہ اُٹھاؤں) اس دعا کے آخر میں امام علیہ السلام اپنی ضروری عرض حال (جس سے بدرجۂ اتم خوف خدا کا اظہار ہوتا ہے) کے بعد اُس ماوا و ملجاء مخلوق خدائے غفور الرحیم کی امید کے بھروسہ پر بقول اُنہی حضرت کے مناجات کے شعر

فَاَيْقَظَنِيْ الرَّجَاءُ فَقُلْتُ لَا ۔ وَجَائِيْ اَنْ تَحَقَّقَ بِالرَّجَاءِ

(مجھے امید نے اُبھارا اور میں نے کہا کہ ہاں مجھے امید ہے کہ میری مراد حاصل ہوگی۔) کے مطابق درگاہ احدیت میں جو استدعا کی ہے اُس کا ہم ترجمہ بھی درج ذیل کرتے ہیں:۔

"اور توبہ کے ذریعہ سے مجھ پاک کر اور گناہوں سے بچانے کے ساتھ میری مدد کر اور صحت و عافیت سے میری اصلاح کر اور بخشش کی مٹھاس مجھے چکھا اور مجھکو اپنی معافی کا چھوڑا ہوا اور اپنی رحمت کا غلام آزاد کردہ بنا اور اپنی ناراضی سے امان نامہ لکھ اور اسکی ایسی خوشخبری مجھکو قبل آخرت کے دنیا ہی میں دے جسکو میں پہچان لیں بے شک یہ بات تجھ پر تیری طاقت کے سامنے دشوار نہیں اور تیری قدرت کے سامنے تجھ پر شاق نہیں ضرور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کہاں ہیں شناوران دریائے معرفت؟ آئیں! اور امام عالیمقام حضرت زین العابدین و سید الساجدین علیہ السلام کی دعا کے صرف تین جملوں سے (جن کو ہم کیا ہر صاحب معرفت بحر بے کنار معرفت خداوندی کہدے گا) علی قدر ظرف وحوصلہ اپنی روحانی تشنگی کو ہمیشہ کے لئے بجھا کر بیم ورجا کے اہم ترین مسئلہ کو کما حقہ سمجھیں اور پھر عمل پیرا ہو کر اپنے ایمان کی تکمیل کریں اور متعلقین یا مریدوں کو بھی حقیقی معرفت کا ضروری سبق دیکر بہ برکت دعائے حضرت سید الساجدین

علیہ السلام درگاہ احدیت سے " احیا الناس جمیعا " کا مفتخر خطاب حاصل کریں (آمین)

صحیفہ کاملہ میں حصول فلاح دارین کے پیش نظر امام علیہ السلام نے (۵۵) ادعیہ درج فرمائی ہیں اور ہم بلاخوف رد کہہ سکتے ہیں کہ اگر اہل اسلام ان تمام ادعیہ کو اکثر تدبر و تفکر سے پڑھیں تو ان کے کسی فرقہ میں افتراق و انتشار کا شمہ بھی بفضلہ باقی نہ رہے گا بلکہ اہل اسلام کی باہمی رواداری اور مخلصانہ تعلقات کے باعث بحکم ضدا دیگر مذاہب کے ذی فہم حضرات بھی کم از کم حلقہ بگوش اسلام ہو سکیں گے اور بمصداق ان الدین عند اللہ الاسلام ہم لوگ اشاعت دین کے باعث بنکر حسب منشا ایزدی لا تموتن الا وانتم مسلمون کامیاب موت بھی مر سکیں گے جسکی ہر ذی فہم شخص کو یقینا تمنا بھی ہوگی ۔ (فہو المراد و اللہ المستعان)

قبل اسکے کہ ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تاسی پر کچھ عرض کریں بطور جملہ معترضہ کہینگے کہ چونکہ مسلم کا ایمان بین خوف و رجا رکھا گیا ہے اور جبتک ان دونوں پر سمجھکر عمل نہ ہو تکمیل ایمان شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتا اس کی ایک حسی مثال پیش کی جاتی ہے وہ یہ کہ دنیا کے امتحانوں کے لئے طالبعلموں کو اُن کی استعداد علمی کے لحاظ سے امتحانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے خیال سے مقررہ کتب چند سالوں کے لئے پڑھائی جاتی ہیں علاوہ درسی کتب کے بعض وقت ذی فہم معلمین اپنی جانب سے کچھ نوٹ بھی طلبار کو اُنکی معلومات عامہ میں اضافہ کے خیال سے لکھا دیتے ہیں اور پھر طلبا اُن کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے اپنے امتحانوں کے پرچوں کے سوالات کے درست جوابات دیکر کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے بلا تشبیہ تکمیل ایمان کے امتحان کا بھی حال ہے اور اس امتحان کی ڈگری یا معیار کی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایم اے تو درکنار ولایت کی اعلیٰ ترین ڈگری بھی اس کے مماثل نہیں ہو سکتی ۔ اس کی وجہ بھی ہم عرض کئے دیتے ہیں وہ یہ کہ بالعموم ہر مسلمان خواہ اَن پڑھ ہی کیوں نہ ہو یہ ضرور جانتا ہے کہ اُس کو مرنا ہے اور یہ بھی عام طور پر ہر شخص کہتا ہے کہ ہمارا خاتمہ بخیر ہو۔ گویا یہ آخری جملہ " زبان زد خلائق " کے مترادف ہے۔ جب ایسا ہے تو چونکہ بروئے اسلام بغیر ایمان نجات کسی قدر مشکل ہے اور ایمان کو کامل کرنے کے لئے حسب بیان بالا " خوف و رجا " پر سمجھکر عمل کرنا بھی لازم ہے تاکہ بالآخر کامیابی بمصداق خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً حاصل کی جائے ہمارے مذہبی معلمین یعنی ہادیان طریقت نے ہمارے لئے نصاب

تعلیم بھی مقرر کردیا ہے جو سراسر منشار ایزدی کے موافق ہے اور ہمارے دستورالعمل یعنی قرآن مجید وفرقان حمید میں تمام خشک و تر کا مذکور بھی ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ اگر بالفرض محال ایسا نہ ہوتا تو ہم لوگ عاقبت (امتحاں گاہ دینی) میں کہہ سکتے تھے کہ خدایا تونے ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے بے خبر رکھا پھر سوال وجواب کے کیا معنی؟ قرآن میں اس قسم کے ہونیوالے سوال وجواب وجواب الجواب ازجانب ایزدمنان کا بھی متعدد مقامات میں کافی ومسکت مذکور ہوا ہے۔ اگر کسی قدر نظرغائر سے دیکھا جائے تو امام علیہ السلام کی دیگر ادعیہ کے علاوہ صرف اسی ایک دعا کے تین مذکورۂ بالا جملے ہم لوگوں کو "خوف ورجا" کا اچھا خاصہ درس عبرت دیسکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ غالباً عوام الناس اس اہم مسئلہ سے اس وقت تک بے خبر رہے ہیں اور صرف خدا کی رحمت کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں حالانکہ اس ضمن میں حکیم اسلام حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صریح قول ہے کہ "اطاعت کرو عبادت کرو اور خدا کے عذاب کو خفیف نہ جانو اور صرف ہماری شفاعت کے بھروسہ پر نہ بیٹھے رہو کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہونگے کہ تین تین لاکھ برس عذاب بھگتنے کے بعد اُن کو ہماری شفاعت نصیب ہوسکے گی (العیاذ باللہ) (فافہم وتدبر)

"خوف ورجا" کے جو بہترین اور حد درجہ عبرت انگیز اور سبق آموز شعر جو جناب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا ہے اُس کو درج ذیل کرکے ہم آگے بڑھتے ہیں

الٰھی لئن عذبتنی اَلف حجّۃ ؛ فحبل رجائی منک لا ینقطع

بارالٰہا اگر تو مجھے ہزار سال عذاب کرے تو اُس کے بعد بھی امید کی رسّی میرے ہاتھ سے ٹوٹ نہیں سکتی (فاعتبروا یا اولی الابصار)

ظرفی تاسّی امام اگر بجب ظاہر دیکھا جائے تو معصوم کی مندرجۂ بالا دعا موجودہ زمانہ کے روشن ماحول کے پیش نظر تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس پر عمل نا ممکن اور بہت ممکن ہے کہ بعض حضرات یہ بھی فرمادیں کہ اگر اہل اسلام اس قسم کی دعاؤں کے بموجب عمل کریں تو ایسے حضرات کو تارک الدنیا کہنا پڑیگا اور اپنے اس خیال کی تائید میں درست طور پر بھی فرمادینگے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جو ترک دنیا کی اجازت نہیں دیتا تو کیا ایسی صورت میں اس قسم کے کلمات جو دعائے معصوم میں وارد ہوئے ہیں ترک دنیا کے مرادف نہیں ہوسکتے؟

اس قسم کے حضرات کو اگر ہم اپنے طور پر کچھ جواباً عرض کریں تو اس امر کا خدشہ ہوسکتا ہے کہ روشن خیال اور آزاد حضرات معاً یہ کہدینگے کہ یہ تو آپ کی مذہبی خوش اعتقادی اور پرانی لکیر کی فقیری کے

برابر ہونے کے باعث ناقابل قبول لہٰذا ہم پر لازم ہوا کہ ایسے حضرات کو ہمیشہ کے لئے ساکت کرنے کے خیال سے دانایان فرنگ کے علو بصداقت آرا جو انھوں نے اسلامی تعلیم کی نسبت جو بموجب آیات قرآن دیکھی ہے اُن کو بغرض استفادہ و سبق آموزی حضرات مذکورہ بالا درج ذیل کریں۔

(۱) **قرآن کا بھائی چارہ** قرآن کو اہل یورپ نے بہت پڑھا ہے (مگر موجودہ زمانہ کے بعض اہل اسلام اس کو بہت کم پڑھتے ہیں اور پڑھتے بھی ہوں گے تو صرف عبارت کی حد تک اخذ مطلب سے ان لوگوں کو چنداں سروکار نہیں) اور جہالت کی وجہ سے اس میں ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو دراصل اس میں نہیں ہیں قرآن نے اللہ پاک کے حکم کے ماتحت اسلام کو سخت مواخات (بھائی چارہ) میں جکڑ رکھا ہے اور یہ مواخات ایسی ہے جو نسل۔ رنگ۔ زبان کے امتیازوں سے ارفع ہے اس کے سامنے مسیحی بھائی چارہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا وہ فتوحات جنھوں نے اہل اسلام کو اس قابل بنادیا وہ علم عبادات۔ ہندسہ۔ نجوم۔ تعمیرات۔ فنون لطیفہ اور فلسفہ کو اعلیٰ مدارج پر پہونچادیں صرف اسی وجہ سے حاصل ہوئیں کہ قرآن کی تعلیم متحد کرنے والی اور مزید دولت و فضل و ہنر کے لئے اشتیاق دلانیوالی ہے (ایچ۔ جی ویلز)

ہر دو خط کشیدہ جملوں کو ہم حق گوئی پر محمول کر سکتے ہیں اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حق ہر ذی فہم کی زبان پر جاری ہو کر رہتا ہے۔ رائے بالا میں مسیحی بھائی چارہ کے خلاف کہنے میں لائق انگریز نے دریغ نہیں کیا۔ حق گوئی کے متعلق علاوہ متعدد آیات قرآنی کے ہم صرف ایک ہی درج کرتے ہیں:۔

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ ۔ (اگر بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ ایسی بات جس کے تم خلاف کہو تمہارا عزیز قریب ہی کیوں نہ ہو)

خدائے پاک ہم سب کو سچ بولنے کی نیک توفیق سے موفق فرمائے کیونکہ کذب یعنی جھوٹ کے متعلق عربی کا مقولہ ہے "الکذب امہات السیئات" یعنی جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

(۲) **قرآن دین و دنیا کی ترقی کا کفیل ہے** جب کوئی مسلمان قرآن و حدیث کا یکسوئی سے مطالعہ کرے یا غور و تدبر کی نظر ڈالے تو ان دونوں میں دین و دنیا کی بہبودی کے تمام اسباب مہیا اور موجود پائے گا۔ (ایک فاضل عیسائی ڈیوڈ آفندی)

فاضل عیسائی نے کیا سچی اور پکی بات کہی ہے یعنی یکسوئی سے مطالعہ اور تدبر کی نظر۔ کیا ان کا یہ خیال آیۂ شریفہ "ما فرطنا فی الکتاب من شیء" کے اتباع میں نہیں ہے؟ افسوس کہ اہل اسلام نے اپنے گھر کی دولت اور متاع دارین کی بہبودی کی تعلیم کو حاصل نہ کیا۔ اور غیر مذہب کے لوگوں نے اسے ترقی کا سرچشمہ سمجھکر

اس سے ضروری فائدہ اُٹھایا اور اس پہ لایعنی اعتراض کی جسارت بھی بعض وقت کر کے خود کو ذیل کے شعر کے مصداق بنائے

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدہر بماند

۱ کے مقصد یعنی بھائی چارہ پر اگر اہل اسلام بحکم خدا عمل کریں تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی فرد مسلم کبھی محتاج یا بھیک مانگتا ہوا نظر نہ آئے گا قرآن، زکوٰۃ۔ اور خمس کا حکم دیتا ہے اور ان ہر دو کے علاوہ تقسیم دولت یعنی دیگر خیرات کا بھی حکم دیتا ہے اور جس کی مزید تائید حدیث قدسی ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ "المال مالی والفقراء عیالی والاغنیاء وکلائی"
(مال میرا مال ہے اور فقرا میرے عیال ہیں اور دولتمند لوگ اس دنیا میں میرے نمایندے ہیں)
اس حدیث قدسی میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے غربا کو لفظ عیالی سے بوجہ عالم اسباب یاد کیا ہے لہٰذا اہل دول و مستطیع مسلم حضرات کو حتی الوسع غربا کی جائز اعانت کر کے درگاہ احدیت سے اسکی گماشتگی کا مفتخر خطاب حاصل کرنا اپنا خوشگوار شعار قرار دینا چاہیئے کیونکہ اس حدیث قدسی سے "صفت کرم داشتن" کے مطلب کی کنہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ تقسیم دولت کا جو بہترین مصرف اہل اسلام میں مذہبی حیثیت سے ہے اس کا تو عشر عشیر بھی ہمارے خیال میں کسی مذہب میں نہ ہوگا اس پر بھی دوسرے مذاہب کے لوگوں نے محض اپنی قوم سازی کے تحت نہایت فراخ حوصلگی سے کام لیا ہے چنانچہ یورپ اور امریکہ کے متمول حضرات نے کروڑوں روپیوں کے ٹرسٹ فنڈ اپنی قوم کی بہبود کے لئے قائم کئے ہیں اور ہمارے دانشمند برادران وطن اہل ہنود نے بھی اسی نظریہ کے تحت تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے کستور بائی گاندھی کے دیہات سدھار فنڈ میں جمع کر لیا ہے۔ اگر اہل اسلام عالم اسباب کے مد نظر اب بھی حکم محکم خدا کے تحت تقسیم دولت کے اہم مسئلہ کو کما حقہ سمجھکر عمل پیرا ہوں تو ہم بلا خوف و خطر کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نام نہاد مسلم قوم تو بفضلہ وہ کام کر سکتی ہے جو کسی دوسری قوم کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکے۔ ضرورت صرف تدبر اور تفکر کی ہے اور بس۔

رائے ۱۲ کے متعلق عرض ہے کہ قرآن اور حدیث ہر مسلم کو فرض شناسی محنت مستعدی تن دہی اور جفاکشی سے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ اہل اسلام ان ہر دو کو تدبر سے پڑھیں اور عمل بھی کریں تو پھر وہ یقیناً ان میں اپنی فلاح دارین کی ترقی کے تمام اسباب موجود پائیں گے معترضہ اعتراض کے جواب کے لئے ہمارے خیال میں اسی قدر کافی ہے کہ ہمیں اصولاً اس امر کا سخت افسوس ہے بلکہ بعض وقت صدمہ تک ہوتا ہے کہ اگر کوئی پڑھا لکھا شخص جس کو تاریخ عالم ہم

بھی کسی قدر عبور ہو کبھی کوئی بات یا اعتراض بطور استفسار کرے تو یقیناً اسکو تو ہم ہر طرح سے حق بجانب سمجھیں گے مگر غضب تو یہ ہے کہ مذہب سے بالکل کورے اور ترقی یافتہ ممالک کے محقق حضرات کے مملو بصداقت اقوال سے بے خبر حضرات اگر اعتراض کریں تو ہم بادل ناخواستہ ایسے حضرات کے حق میں سوائے "وبریں عقل و دانش بباید گریست" کہکر اُن کے لئے توفیقات نیک سے موفق ہونے کی دعا کریں گے خدا قبول کرے۔

اب ہم عرض کرینگے کہ چونکہ ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام معصوم تھے اور اُن کی معرفت خداوندی بھی اسی لحاظ سے ہم لوگوں کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لئے ہم لوگ تو اُن کی طرح بحضور بدرگاہ ایزدی کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے مگر اس سے تو کسی بھی اہل دل مسلم کو انکار نہ ہوگا کہ اگر وہ انوار مقدسہ بلا تشبیہ ایک ہزار (۱۰۰۰) درجہ پر فائز تھے تو ہمیں بھی لامحالہ آنحضرات کی غلامی کی نسبت سے کم از کم ایک ڈگری پر تو اصولاً و انصافاً فائز ہونا چاہیئے ورنہ اس کے بغیر نسبت غلامی بمصداق اذا فات الشرط فات المشروط اصولاً قائم نہ رہیگی۔ چونکہ ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارا امام ہم سب کو بلا کسی قسم کے حجاب کے ہمیشہ دیکھتا ہے اور مزید برآں آنحضرت کی خدمت میں ہمارے روزانہ اعمال کا تختہ بھی پیش ہوتا ہے اور بموجب سبب مذکورہ بالا یعنی "از بسکہ یہ حضرات محبوب الٰہی تھے اس لئے یہی چاہتے تھے کہ خدا کی معصیت کوئی نہ کرے اور جب کسی کو معصیت کرتے دیکھتے ان حضرات کو بہت شاق گذرتا اس لئے کہ وہ گناہ اُن کے سامنے ہوا اور اس وقوع گناہ سے استغفار فرماتے تھے"۔

اگر فی زماننا کسی شخص کے اعمال پیش شدہ بامامِ زمانہ (عجل اللہ ظہورہ) مترادف بہ معاصی کردگار ہوں تو شرح بالا کے لحاظ سے ایسے بندے کے اعمال امام علیہ السلام کو شاق گذریں گے۔ لکھنے کو تو اس ضمن میں دنیا کی حسی مثالوں سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر بقول میر انیس مرحوم ع

انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ہم اپنا قلم روک لیتے ہیں کیونکہ ہر شخص اپنی عقل خداداد اور اپنے اندرونی اصلاحی مادہ سے ہم سے بدرجہا زیادہ اس امر کو مستحسن خیال کرے گا کہ چونکہ ہم لوگوں کو بحکم خدا اپنے امام عالی مقام کے ساتھ بروز قیامت محشور ہونا ہے۔ ویوم ندعوا کل اناس بامامھم لہذا ہم کو ہمیشہ ایسے ہی اعمال امام علیہ السلام کے حضور میں پیش کرنے چاہییں کہ جن کے باعث ہم لوگ فائز المرام ہو سکیں سب لوگ جانتے ہیں کہ شیطان غائبانہ ہمارے دل میں وساوس ڈالتا ہے جس کے باعث انسان مرتکبِ معاصی

بھی بعض وقت ہوجاتاہے۔ کیا خدا واقعی عادل ہے ؟ اگر ہے تو کیا وہ رحیم و کریم خدا جسکو اپنے بندوں سے بمقابلہ والدین دنیا ستر گونہ زیادہ محبت ہے اور جس کا اظہار تک اس واہب العطایا نے حدیث قدسی میں یوں کردیا ہے۔

یا ابن آدم انا وحقی علیک حبا فبحقی کن لی محبا (اے ابن آدم میں اپنے اُس حق کی قسم کھاکر کہتا ہوں جو تجھ پر ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں بس میں تجھے اُسی کی قسم دیتا ہوں کہ تو بھی تو مجھ سے محبت کر)

اور جس نے شیطان کو ہمارا کھلا دشمن بھی بتلایا ہے (اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ خدا ہم سے محبت کرتا ہے اور شیطان ہمارا دشمن ہے لہذا اصول متعارفہ اقلیدس کے تحت شیطان ہی خدا کا دشمن قرار پاتا ہے)

ایسی صورت میں کیا خدا کا عدل اس امر کا مقتضی نہ ہونا چاہیئے کہ جسطرح اُس نے شیطان کو اُس کی درخواست پر غائبانہ ہمارے قلوب میں وساوس ڈالنے کے لئے مقرر کردیا ہے کہ اس ملعون کے وساوس سے بچانے کے لئے کوئی غائبانہ ہادی مقرر کرے۔ چنانچہ عادل خدا نے ترازو کے دونوں پلّوں کو برابر رکھنے کے خیال سے یہ بھی کردیا یعنی ہمارے امام کو بھی غائب رکھا یہاں سے علت غیبت امام بھی ثابت۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اپنی عدم رسائی بحضور امام علیہ السلام کے وجوہ بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ آفتاب امامت کی مثال بلا تشبیہ آفتاب دنیا کے مثل ہے۔ بعض وقت ہم لوگ اپنی کسی خواہش کے باعث آفتاب کی شعاعوں سے مستفید نہیں ہوتے اور بعض وقت بوجہ ابر عارضی ہم لوگ آفتاب کی روشنی سے محروم رہتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ آفتاب امامت کی ضیا بخش شعاعوں سے ضروری استفادہ کرنے کے لئے کونسا ابر حائل ہے اگر کسی قدر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو ہم عرض کرینگے کہ یہ ابر بصورت اوہام باطلہ یا معاصی کے بخارات کے ہے جو ہمارے اور امام کے درمیان حائل ہے لہذا اگر ہم لوگ حتی الوسع ان ہردو کو اپنی اشرفیت کے خیال سے نکال دیں تو بظاہر تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم لوگ اپنے باطنی ہادی کی پر تنویر شعاعوں سے مستفید نہ ہوں۔

چونکہ اہل اسلام کے یہاں یہ حدیث نبوی ثقہ مانی گئی ہے کہ وجس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مرگیا بس وہ جہالت کی موت مرا، امام کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ضرورت اُن کی معرفت کی ہے۔ اور جب انسان کسی کی معرفت حاصل کرلیتا ہے تو اُسکے لئے قرب و بعد کی ضرورت نہیں رہتی۔

چنانچہ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ یمن کے باشندہ تھے اور رسول خدا کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے تھے بلکہ دوسرے ایمان لائے تھے جب جنگ احد میں آنحضرت صلعم کے دو دانت شہید ہوئے تو انھوں نے اپنی معرفت رسولؐ (جسکو عشق حقیقی کہنا چاہیئے) کے باعث اپنے تمام دانت پتھر سے توڑ ڈالے تھے۔ اسی معرفت کی نسبت رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ "میں کیطرف سے بوئے رحمٰن کو سونگھتا ہوں"۔ اگر ہم لوگ قرآن و اہلبیت علیہم السلام کا کماحقہ تمسک کریں تو ہم میں بھی نسبتی صنیت لفضلہ پیدا ہو کر رہے گی سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب اچھی صحبت کی تاثیر کی مثال دی ہے۔

گلِ خوشبوئے در حمّام روزے ۔ رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔ کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ۔ و لیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنی عاقبت کے مدارج عالیہ میں یوماً فیوماً ترقی کے خیال سے احکام خدا کی تعمیل کے بعد بھی عجز کا پہلو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا اور ہمیشہ راضی برضائے الٰہی رہے۔

ہم نے اپنے ناقص خیال میں اپنا اور امام علیہ السلام میں بلاتشبیہ ایک اور ہزار کی نسبت پیش کی ہے اگر ہمارا یہ خیال حضرات علمائے کرام رضوان اللہ عنہم کے نزدیک بھی بجا اور درست قرار پائے تو ہم انہی مقدس حضرات سے ادباً التجا کرینگے کہ لِلّٰہ ایک چارٹ یا نقشہ ہمارے پیش کردہ نسبت کے مدنظر مرتب فرمائیں تاکہ پھر عام اہل اسلام اپنی اہم ذمہ داری سے اچھی طرح سے باخبر ہو کر اس سے عہدہ برآ ہونیکی سعی مشکور بھی کر سکیں نامناسب نہ ہوگا اگر ہم بغرض استفادہ برادران اسلامی مفصلۂ ذیل پانچ احادیث قدسیہ کے تراجم بھی درج کردیں:۔

(۱) عزت ۔ میں نے اپنی فرمانبرداری میں رکھی ہے اور لوگ اس کو بادشاہوں کے دروازوں پر ڈھونڈھتے ہیں۔

(۲) علم و حکمت ۔ کو میں نے بھوک میں رکھا ہے اور لوگ اُس کو امیری میں تلاش کرتے ہیں پھر کس طرح ہاتھ آئے۔

(۳) راحت و آرام ۔ کو میں نے بہشت میں رکھا ہے اور لوگ اسکو دنیا میں تلاش کرتے ہیں پھر کیونکر حاصل ہو۔

(۴) تونگری کو میں نے قناعت میں رکھا ہے اور لوگ اُس کو دولت میں تلاش کرتے ہیں پھر کیونکر ملے۔

(۵) اپنی خوشنودی۔ میں نے مخالفت نفس میں رکھی ہے اور لوگ اسکو موافقت نفس میں چاہتے ہیں پھر کیونکر پائینگے۔

ہم اس مضمون کو ختم کرنے کے قبل صرف ایک استدعا کریں گے کہ اگر اہل اسلام کے علما کرام ازراہ بندگی وکمال انہماک دینی علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے ارشاد ختمی مرتبت کے پیش نظر اقلاً صحیفہ کاملہ کی ادعیہ اور مذکورہ بالا پانچ احادیث قدسیہ پر ضرور ہی مواعظ فرمائیں تو ہم بفضلہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری قوم انشاء اللہ العزیز کم کم عملی کوچہ میں گامزن ہونیکی عادی ہوکر اپنے امام زمانہ (عجل اللہ ظہورہ) کی طرفی تاسی کرکے فلاح دارین حاصل کرسکے گی جس کا سہرا تمام تر حضرات علمائے کرام ہی کے زیب عمامہ مبارک رہے گا۔

سلام

از جناب ملا عبدالحسین صاحب اکمل منشی کامل شاجاپوری رئیس المدرس مدرسۂ نورانیہ راجکوٹ
تلمیذ حضرت خبیر لکھنوی

اے فلک خاک در نیّرِ زہرا ہوں میں — جس کا خورشید میں پرتو ہے وہ ذرا ہوں میں

سیدیِ چمن خلد کا شیدا ہوں میں — جس کا اعلیٰ سے علاقہ ہے وہ ادنیٰ ہوں میں

رن میں اعدا سے یہ کہتے تھے حسینؑ ابن علی — جس کی امت میں ہو تم اُس کا نواسہ ہوں میں

جس کے مشتاق تھے موسیٰ میں ہوں وہ جلوۂ حق — جسکے بیمار ہیں عیسیٰ وہ مسیحا ہوں میں

قطرے ہیں قلزم رحمت کے سب ہی پیغمبر — جس کا منبع ہیں محمدؐ وہی دریا ہوں میں

سب مرے بندۂ احساں ہیں ملکؑ ہوں کہ بشر — جس پہ اللہ کو نازش ہے وہ بندہ ہوں میں

تم ستا کر مجھے آرام نہ پاؤ گے کبھی — کیونکہ آرام دل احمدؐ و زہرا ہوں میں

حر نے اعدا سے کہا جاتا ہوں سرور کیطرف — بڑھ کے دریا سے جو ملجائے وہ قطرہ ہوں میں

قدم سید کونین پہ رکھنے دو جبیں — پھر مجھے دیکھنا ادنیٰ ہوں کہ اعلیٰ ہوں میں

لے لوں مولا سے رضا جنگ کی پھر کھلکے لڑوں — قبضۂ تیغ ید اللہ کا ڈورا ہوں میں

مجھ پہ ہے سایہ فگن شیر خدا کا دامن — تم ہو روباہ اسد بیشہ ہیجا ہوں میں
خشک ہونٹوں سے نجانا تھا کہ کہتے تھے حسینؑ — ظالمو تین شب و روز کا پیاسا ہوں میں
زہر سے ٹکڑے کلیجہ ہوا بھائی کا مرے — جان احمدؐ جگر فاطمہؑ زہراؑ ہوں میں
سب کے سب جانتے ہیں میرا حسب اور نسب — پھر یہ سوچو تو کہ مہماں بھی تمہارا ہوں میں

حشر میں کیوں نہ خدا بخشدے مجھکو اکمل
بندہ پرور ہیں علیؑ جسکے وہ بندہ ہوں میں

مدح حضرت امیر خیبر گیر

حضرت معصومی اڈیٹر مسلم ریویو وہ قادر الکلام اور باکمال شاعر ہیں جن کا کلام محتاج تعارف نہیں ہے موصوف نے مولوی شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے وہ اشعار شان حضرت علی بن ابیطالبؑ میں بلند حیثیت رکھتے ہیں زیر نظر رکھکر حسب ذیل اشعار نظم فرمائے ہیں ہم پہلے نیاز کے اشعار درج کرتے ہیں

زہے عز و جلال بو تراب فخر انسانی — علیؑ مرتضیٰ مشکل کشائے شیر یزدانی
مہ ظلمت کشائے مشعل تاریکیٔ عالم — سراپا جلوئے نور تمامی مہر ایمانی
پیمبر بر سر منبر نشست و خواند مولائش — کہ تا مولائیش را با خدا اندر خلق برہانی
امیر کشور فخرے شہ اقلیم عرفانی — خدا گوئی خدا دانی خدا بینی خدا شناسی
نیاز اندر قیامت بے سر و ساماں نخواہی شد — کہ از حب و تولائے علیؑ داری تو سامانی

معصومی صاحب نے اس نظم پر ۲۰ جولائی ۱۹۲۸ء میں یہ اشعار مرتب فرمائے ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں۔

زہے عز و وقار بو الحسن آن ماہ تابانی — تو ئی مشکل کشا و ناصر محبوب یزدانی
تو آں شلہے کہ یزدانت بود مداح در قرآں — علیؑ و حیدر و صفدر ولیِّ رب منّانی
وصی مصطفیٰؐ شاہ ولایت تاج سلامی — برائے خلق نور رہنمائی مہر ایمانی
برائے دین و ایماں نیّر تابندۂ رخشاں — برائے کفر و بدعت در جہاں شمشیر برانی
ظہور رحمت یزداں ظہیر مہر و لطف رب — ید اللہ و علیؑ مرتضیٰ و شاہِ مردانی
بہنگامے کہ ایں عالم نبود و نور تو بود — مسلم ہر تو بعد از نبی بر خلق سلطانی

تو ئی زینت دہ عرش خدا و دین پیغمبر — خدا خواند و تو منکر ولے تو عین یزدانی
ز تو آئینہ ہر امت پیغمبرے رحمت — ز تو پائندہ در دنیائے و دین دین مسلمانی
پیمبر در غدیر خم ترا خواندہ وصی خود — کجا باشد ازیں روشن ترا اندر خلق برہانی
تو آں شاہے کہ بر دوش پیمبر پائے بنہادی — تو از مہر نبوت برتری یک قد انسانی
توئی آں فرد بے مثل کہ فخرت میکند یزداں — ہمہ عالم شدہ روشن ز تو اے مہر نورانی
دل و جاں باد قربانت منم عاشق توئی دلبر — چہ خوش گر روز محشر مرا باشی تو جانانی
توئی جاناں توئی جان و توئی جاں بخش و جاں بخش — تو کہ غارت کن ہوش و حواس عقلمندانی
ہمیں میخوا منت مولا کہ مولا یت پیمبر خواند — ہمیں میدا منت الحق زرد ئے قول ربانی
توئی حلال مشکل پس مرا باکے زمشکل کے — مبدل میکنی ہر مشکل مومن بآسانی
شہنشاہا شہنشائی نباشد بہر تو عزت — شہنشاہاں تمامی با حدارت فخر شاہانی
تو زندہ کردۂ صد مردہ را چوں عیسٰی مریم — ز فیض تو شدہ پر فیض صد موسیٰ عمرانی
تو آں شاہے کہ خضر پیر باشد آبدار تو — تو بعد مصطفٰے اندر جہاں گو کردی سلیمانی
تو آں شاہنشہ دینے کہ داؤدت زرہ سازد — تو آں شاہے کہ بر بابت سلیماں ہیچو دربانی
ز انوار رخ انور شدہ چشمان کل خیرہ — ازیں باشد نصیری بہر تو گشتہ چو نصرانی
تو در درج نبوت مثل درر روشن یکتا — تو در برج امامت روشنی چوں مہر رخشانی
شہنشا تو بر منبر سلونی گفتہ اکثر — توئی بیشک امیر کشور دینی و ایمانی
توئی مقصود آیات کتاب رب ذی العزت — توئی قرآن ناطق در جہاں تفسیر قرآنی
سہ ذات پاک بودہ در جہاں دانائے یکدیگر — خدا و مصطفٰے و تو و ایں قصہ تو میدانی
شہنشاہاں دنیا ز ابتدا تا ایں زماں ہر یک — سر خود خم نمود ایستادہ مثل دربانی
توئی شاہ سکندر فر توئی اللہ را مظہر — کہ در مدح تو بکشودہ زباں قاآنی تانی
ملک بر آسماں اینک زباں بکشودہ در مدحت — ز حوش قلب من اکنوں ترا کردم ثنا خوانی
چناں شاہی و اولادش اسیر و بیکس و مضطر — چناں شاہی و زینب دختر نغش بے سارمانی
نگہ بر کربلا کن بیں حسینت بے سر و زخمی — نظر بر خیمہا افگن ببیں ہر سوختہ جانی

سکینہ نیمجاں افتادہ از فرط مصیبتہا
نگہ کن سوئے عابد مبتلائے صد پریشانی

کلام بلاغت انضمام

جناب خان بہادر سید احمد علی صاحب با لقابہ مُیس پٹنہ

بعثت جناب رسولؐ خدا

مرحبا اے محمدؐ عربی — رونق محفل قبول شدی
دین و ایمان ما خدا داد است — لیک تو باعث حصول شدی
صاحب شرع و حامی ملت — اصل دین بانیٔ اصول شدی
از وفور مراحم و رافت — مرہم ہر دل ملول شدی
مہبط وحی و گنج علم لدن — اُمّی و سابق عقول شدی
شدہ نازل ز امر حق امروز — گفت روح الامیں رسولؐ شدی

قطعۂ تاریخ ولادت جناب امیرؑ المومنین

بہ دنیا چو آمد جناب امیر — شہ دین وصی رسالت مآب
جن و انس و حور و ملک اے علیم — بگفتہ "علی و لایت مآب"

قطعۂ تاریخ ولادت امام پنجم

سال میلاد امام پنجم — خواست احمد چو بہ طیب خاطر
گفت ہاتف زہے باجود وجود" — شدہ از آں سنہ ہجری ظاہر
عیسوی سال چو جستم گفتہ — "عالم علم محمد باقر"

تقیہ

از عالیجناب مولانا سید شفیق الحسن صاحب تقوی الواسطی امروہوی دام مجدہٗ

سورۂ آل عمران - رکوع سوم لا یتخذ المومنین الکٰفرین اولیاءَ من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیٔ - الّا ان تتقوا منھم تقٰۃً - یعنی ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا حاکم یا دوست بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے اُس کا خدا سے کوئی واسطہ نہیں - لیکن ایسی صورت میں ایسا کیا جاسکتا ہے کہ جب کافروں سے تمہیں کچھ خوف ہو -

آیہ مذکور الصدر میں بغیر نقطوں کے تقٰـہ کو دیکھنے سے وہ (لعہ) تقیہ صاف پڑھا جاتا ہے - یہ لفظ اگر حقیقتاً تُقَاۃ ہوتا تو اس طرح تقٰۃً لکھا جاتا - یعنی قاف و تاء مدوّر کے درمیان میں جو تقیہ کی - ی - کا شوشہ ہے یہ نہ ہوتا جیسے سبحٰن اور رحمٰن میں ح - اور - م - کے بعد کوئی شوشہ نہیں ہے -

یہ ضرور کہ تقاۃ بھی قرآن ہی کا لفظ ہے - اور اس کے معنی تقیہ ہی کے ہیں - چنانچہ سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع میں یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقٰتہ - موجود ہے اور اسوجہ سے ہم تقیہ کے بجائے تقاۃ پڑھ کر بھی تلاوت قرآن سے محروم نہیں رہتے - لیکن اس سے بھی ثابت ہے کہ پہلی آیت میں تقیہ ہی کا لفظ تھا - اس لئے کہ اس دوسری آیت میں قاف کے بعد جو شوشہ ہے وہ تقٰتہ کی ت کا ہے - یعنی بلا وجہ شوشہ نہیں ہے - اسی طرح پہلی آیت میں جو قاف کے بعد شوشہ ہے وہ یؔ ہی کا شوشہ ہے اور وہ تقٰۃً حقیقتاً تقیہ ہی ہے -

چنانچہ حضرت امام محمد ابن اسماعیل نے اپنی بخاری شریف جلد ہشتم مطبوعۂ بمبئی کے باب الاکراہ صفحہ بستم سطر ہفتم میں فرمایا ہے کہ وقولہٗ الا ان تتقوا منھم تقٰۃً - تقیۃ - یعنی جناب باری کے ارشاد میں تقاۃ - درحقیقت تقیہ تھا -

اور امام زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف مطبوعہ کلکتہ جلد اول صـ۱۹۷ سطر ۱۰ میں ارشاد کیا ہے کہ اس آیت میں تقٰۃً و تقیۃ دونوں قراءتیں وارد ہوئی ہیں - جس سے ظاہر ہے کہ تقاۃ اور تقیہ دونوں کے معنی ایک ہیں اور اسی کے ساتھ امام زمخشری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

"تقیہ یہ ہے کہ بحالت خوف دشمنان دین سے ظاہری تعلقات رکھیں"

اور امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر جلد دوم مطبوعہ مصر کے ص۶۴۶ سطر ۱۴ میں افادہ فرمایا ہے کہ حقیقتاً اس وقت تقیہ کرنا جائز ہے کہ جب کوئی مومن کافروں میں پھنس جائے اور اُن سے جان و مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

اور اسی صفحہ پر امام رازی نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ۔ جان کی حفاظت کے لئے تو تقیہ ضروری جائز ہے۔ لیکن مال کی حفاظت کے لئے بھی اُس کا جواز اس دلیل سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمان کے مال اور خون کی حرمت کو مساوی فرمایا ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر دُرِ منثور مطبوعہ مصر جلد دوم ص۱۶ سطر ۲۳ میں ارشاد کیا ہے کہ حضرت قتادہ الا ان تتقوا منھم تقیۃً ہی تلاوت فرماتے تھے۔

اور اسی ص۱۶ کی سطر ۲۵ میں امام سیوطی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رئیس المحدثین و رئیس المفسرین کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ تقیہ زبانی فعل ہے۔ یعنی کوئی شخص ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے کہ جس میں خدا کی معصیت ہو اور وہ بحالت خوف و جبر ایسا کہے۔ اور دل اس کا ایمان سے مطمئن ہو۔ تو اُس کو کوئی ضرر نہیں۔

رئیس کے اس بیان کی تائید سورہ نحل کے چودھویں رکوع میں موجود ہے کہ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان یعنی جو شخص جبر و تشدد سے مجبور ہو کر کراہت کے ساتھ حق کے خلاف کچھ کہے اس پر کوئی جرم بشرطیکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو عائد نہیں ہوتا۔

نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ ص۲۷۵ پر تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت (حضرت رسول اللہ صلعم کے صحابی) عمار یاسر کی شان میں آئی ہے جبکہ ان کو کفار نے پکڑ لیا تھا اور ہجرت کے مانع ہوئے تھے۔ عمار نے تقیہ کے طور پر اُن سے ایسی بات کہی تھی کہ جس سے وہ خوش ہو گئے۔ (مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی)

اور امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی ص۱۵۳ سطر ۲۲ میں اسی آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے کہ الا ان تتقوا منھم تقیۃً لکھا ہے کہ مجاہد اور یعقوب نے یہاں تقیہ بروزن بقیہ کی قرأت کی ہے۔ کیونکہ یہ لفظ (تقیہ) ی سے لکھا گیا ہے۔ نہ کہ الف سے (یعنی تقاۃ یا تقٰۃ)

اور اسی ص۱۵۳ پر سطر ۲۵ میں امام بغوی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت میں خدا نے مومنین کو کافروں سے موالات کرنے کی ممانعت کرنے کے ساتھ بحالت مجبوری اسکی اجازت دی ہے کہ وہ

اُن سے ظاہری موالات و مدارات کریں مگر یہ کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن یعنی معمور ہو۔

اور اسی کی تائید امام بیضاوی نے اپنی تفسیر جلد اول مطبوعہ نول کشور ص۳۱ سطر ۱۱ میں اور علامہ نظام نیشاپوری نے تفسیر غرائب القرآن ص۳۱۳ سطر ۱۲ میں فرمائی ہے اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد دوم کے ص۴۴۶ سطر ۲ مطبوعہ مصر میں فرمایا ہے کہ تقیہ کرنا جائز ہے۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری مطبوعہ بمبئی جلد ہشتم کتاب الاکراہ ص۷۱ سطر ۱۲ میں فرمایا ہے کہ قال الحسن التقیة باقیة الی یوم القیامة یعنی حسن بصری کا ارشاد ہے کہ تقیہ قیامت تک رہنے والا ہے۔ یعنی اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔

اور وہی آیت سورۂ نحل کے چودھویں رکوع میں جو ہے کہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد پنجم ص۵۲۴ سطر ۳ میں فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ جس اکراہ کا جو ذکر ہے اس کو بیان کیا جائے جس کی وجہ سے کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔ اس اکراہ سے یہ مراد ہے کہ عذاب سخت اور قتل وغیرہ کا خوف ہو۔

اور اسی صفحہ پر سطر ۱۳ میں امام فخر الدین رازی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسے اوقات میں کلمۂ کفر کہنے کے جواز پر اجماع قائم ہے۔

اور سورۂ مومن میں جس کی نسبت سے اس کو سورۂ مومن کہا گیا ہے۔ ان کا نام مفسرین نے حزقیل بتلایا ہے۔ ان کی تعریف میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ یعنی فرعونیوں میں سے اپنے ایمان کا چھپانے والا (یعنی تقیہ کرنیوالا) مومن

اس کلام میں جناب اقدس الٰہی نے تقیہ کرنیوالے کو مومن کا خطاب دیکر یاد کیا۔ اور ان کا اصلی نام نہ لیا۔ اگر کتم ایمان یعنی تقیہ ناجائز ہوتا جناب باری حزقیل کو مومن نہ کہتا۔ بلکہ ضرور ضرور ان کی مذمت فرماتا۔ لیکن اس کے خلاف قرآن کریم نے اُن کو ہادی و راشد کی حیثیت میں دکھلایا ہے۔ ان ہی کی طرح قرآن و توراۃ و کتب و نبیم و انجیل و مکاشفہ و مکاتیب حواریین و احادیث سے بہ تفصیل انبیاء و مرسلین و اصفیاء و صدیقین کا تقیہ کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ سورۂ فرقان کے تیسرے رکوع میں ارشاد الٰہی ہے کہ ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جآءنی وکان الشیطن للانسان خذولا۔

وقال الرسول یٰرب اِنّ قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورا۔ یعنی قیامت کے روز ایک ظالم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کہے گا کہ کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ آہ آہ میں نے فلاں کو اپنا دوست ومشیر نہ بنایا ہوتا۔ کہ جس نے مجھکو اس حق کے خلاف کر دیا کہ جو میرے سامنے آچکا تھا۔ اور شیطان تو انسان کو ذلیل ہی کیا کرتا ہے۔
اس پر رسول کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔

یہاں سورۂ فرقان نے اس اک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جو روز محشر ہونیوالا ہے۔ اُس میں دو شخصوں کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر ان کے نام نہیں بتلائے گئے۔ بلکہ ظالم اور فلاں فرمایا ہے۔ اور یہ تقیہ خود حضرت قادر مطلق اور جبار و قہار نے کیا ہے۔ اسلئے کہ ان دونوں کے نام لینے سے فساد عظیم ہو جاتا جو اسلام کے لئے مضر ہوتا اور جہاں ضرورت تقیہ کی نہ تھی وہاں ابولہب کا نام صاف لے دیا کہ تبت یدا ابی لھب وتب یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود غارت ہو جائے۔

اسی طرح حضور اکرم صلعم نے بھی بارہا تقیہ فرمایا ہے کہ جس کا اک نمونہ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح کے سولھویں پارہ مطبوعہ دہلی کے صـ۷۵ـ پر یہ پیش کیا ہے کہ سالم نے اپنے والد بزرگوار سے روایت کی ہے۔ انہ سمع رسول اللّٰہ اذا رفع راسہ من الرکوع من الرکعۃ الاخرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانًا فلانًا فلانًا۔ یا اللّٰھم العن فلانًا فلانًا۔ یعنی الٰہی فلاں فلاں اور فلاں پر۔ یا فلاں اور فلاں پر لعنت فرما۔ یہ حدیث دونوں طریقوں سے آئی ہے کہ آپ تین شخصوں پر نماز صبح کی دوسری رکعت کے رکوع سے اُٹھکر لعنت فرماتے تھے۔ یا دو شخصوں پر لعنت کرتے تھے۔ اور یہ وہی دو معلوم ہوتے ہیں کہ جنکو قرآن نے ظالم اور فلاں کہا ہے۔ یہ تقیہ کے جواز کی بلند مثالیں ہیں کہ کسی ضرر کے اندیشہ اور مصلحت وقت کے لحاظ سے خدا اور رسول نے بھی تقیہ فرمایا

آیۂ مودت اور اہلبیت رسولؐ

ذیل کا مضمون جناب سید اولاد حیدر صاحب مرحوم فوق مشہور شیعہ مؤلف کا لکھا ہوا ہے جو طبع نہیں ہوا ہے۔ ایڈیٹر

ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ میں سترہ مفسرین و محدثین سے اس آیۂ کریمہ کو خاص اہلبیت طاہرین کی شان میں نازل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور ان اقوال کو دیکھکر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ صاحبان قرابت سے مراد صرف اہلبیت نبوی ہیں اصحاب رسولؐ کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ میں ہر طرح کے لوگ تھے اچھے برے کا امتیاز ضروری ہے ؎

نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری داند

وہ بھی تو بالآخر صحابی ہی تھے جنھوں نے قلعہ وطیع یا سلام میں میں شراب پی کہ رسول اللہ نے ان کو جوتوں سے پٹوایا۔ وہ بھی صحابی ہی تو تھے جو غزوہ تبوک میں لیلۃ العقبہ کی رات رسول اللہ کی جان لینی چاہی تھی اور کوشش کی تھی کہ آپ کو کھائی میں گرا دیں۔ صحابی ہی تو تھے جنھوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کا خون بہایا۔ صحابہ ہی تو تھے جو ام المومنین حضرت عائشہ کو ورغلان کر کے حضرت علیؑ سے لڑوا دیا اور بصرے میں آٹھ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔ صحابہ ہی تو تھے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد بنی خزیمہ کا خون بہایا اور بالآخر رسول پاکؐ کو کہنا پڑا اللّٰھم انی ابرء مما صنع خالد۔ صحابہ ہی تو تھے جو قضیہ فدک کے باعث ہوئے۔ صحابہ ہی تو تھے جو حضرت علیؑ سے ستر لڑائیاں لڑے اور بالآخر مسجد کوفہ میں روزہ کی حالت میں آپ کا خون بہایا۔ وقس علی ذالک۔

مسٹر محمد علی قادیانی اپنے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ عام مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہاں جس قرابتداری کے ساتھ محبت کرنے کا حکم آیا ہے اس سے رسولؐ کے خاص قرابتدار مراد ہیں " پھر عام مفسرین کی رائے متفقہ کے خلاف اپنے قیاس سے کام لینا تو محقق کی شان کے خلاف ہے۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ امرتسری صاحب نے کوئی شیعہ روایات سے اس آیہ کی تخصیص کو تعمیم میں منصوص نہ مخصوص ہونا ثابت کیا ہوگا جو میرے لئے سند ہوتی۔ مگر خلاف توقع۔ ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجاست وہی اپنی ہی روایتیں جن کی تنقید و رد اپنے سابق مضمون میں میں کامل طور سے کر چکا ہوں۔ آپ اقوال الرجال کو قابل اعتبار نہیں سمجھے۔ حالانکہ علم الرجال ہی اہل اسلام کا وہ اصلی معیار حقیقت

واصلیت سے جس سے کھوٹے کھرے کا حال پورا معلوم ہوجاتا ہے مسلم قومیں توکیا غیر مسلم قومیں بھی
اس علم کو اہل عرب کی خاص ایجاد اور حقیقت واصلیت کا معیار کامل بتلاتی ہیں۔ پھر علم الرجال
کی رو سے جب یہ بآیت خاص اہلبیت کی شان میں نازل ہوئی ثابت ہوئی تو آپ کو کیا کلام
باقی ہے۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رجال بھی آپ ہی کے رجال ہیں رجال شیعہ میں سے ایک بھی
نہیں۔ پھر آپ اپنے رجال کو خود جھوٹا بنائیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں
اگر خدانخواستہ ان کو آپ نے جھوٹا بنایا تو تمام تفاسیر و احادیث کی کتابیں پانی میں دہو ڈالنی ہونگی۔
محبت اہلبیت تو بقول رسول کریم حوض کوثر تک جدا نہیں کی جاسکتی لیکن ہم میں آپ میں فرق
یہ ہے کہ ہم اسے مخصوص سمجھکر کلیجے سے لگائے ہیں اور آپ اس کو دوسروں کے ساتھ ملائے ہوئے
زانو پر رکھے ہیں۔ لیکن اُن ستر٭ مفسرون اور محدثوں کی متفقہ راویوں کو کیا کریں گے جو اسے مخصوص
ثابت کرکے کلیجے سے لگائے رکھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیہ نازل ہوا
تو جناب سیدہ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ جناب والا صحیح بخاری ملاحظہ ہو۔ جب سورہ شعراء
نازل ہوا تو حضور نے ندبہ فرمایا کہ اے بنی عبد مطلب اے بنی عبد مناف اے فاطمۃ اے عائشہ الخ
حالانکہ جناب عائشہ کا تو اسوقت تک کہیں وجود بھی قائم نہوا تھا پھر یہ مخاطبہ کیسا۔ معاذ اللہ
رسول نے لغو بات کہی بات یہ تھی کہ عالم ارواح میں ارواح سے مخاطبہ تھا۔ خود حضور اکرم فرماتے
ہیں کہ میں عرش پر اس وقت سے موجود تھا جب آدم ہنوز پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ تکوین
نور میں نور محمدی صلعم کی حدیثوں میں حقیقت حال کا تفحص فرمایا جاوے تو معلوم ہوجائے گا کہ نور
رسول مقبول صلعم اتنا قدیم ہے کہ بقول علامہ مسعودی صاحب مروج الذہب اور معادن الجوہر
چودہ ہزار سال پیشتر آدم سے خلق فرمایا گیا اور پھر قبل از میثاق سب کو (عالم ارواح میں)
جناب رسالتماب اور انکی آل پاک کا انتخاب فرمایا گیا اور بتلا گیا کہ آنحضرت نور حق ہیں اور
ہر بیت انکی جانب سے ہے اور منصب امامت اُن کی آل کے لئے ہے تاکہ طریقۂ عدل کو تقدم
ہو اور خلق کو کوئی عذر باقی نہ رہے (تاریخ احمدی بحوالہ مروج الذہب و معادن الجواہر)
یہ وہی اسمائے پاک جناب رسالتمآبؐ اور پنجتن پاک علیہم السلام تھے۔ جن کی وجہ سے دعائے
آدمؑ قبول ہوئی۔ و تلقیٰ آدم الخ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کن ہے پھر حالت موجودہ
میں جو دو معتبر اور مستند مورخین کی کتابوں سے مستنبط ہے ان حضرات کے اول مخلوق ہونے
میں شک کرنا کسی مسلمان کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ پھر جناب فاطمہؑ کا بیاہ ہونا یا نہ ہونا اس سے

بحث ہی بیکار ہے۔

اس محل پر تفسیر خازن کی جو عبارت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے

لان المودة بین المسلمین امر واجب واذا کان کذالک فی حق جمیع المسلمین کان فی اھل بیت النبی صلعم اولی ص۹۹ ج۴

کہ یہ آیت تمام مسلمین کا امر واجب ہے اور جب ایسا۔ تمام مسلمانوں کے حق میں ثابت ہے تو حضرات اہلبیت علیہم السلام میں تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو گی۔

اب اس بدرجۂ اولیٰ کو آپ خود مجھ سے بہتر سمجھیں گے۔ زیادہ میں عرض کرنا طول و فضول سمجھتا ہوں یہ مجھے اقرار ہے کہ یہ آیت تمام مسلمانوں میں محبت و یکجہتی قائم رکھنے کا حکم دیتی ہے لیکن اہلبیت طاہرین کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ قائم رکھے جانے کے لیے بھی مصر ہے۔

پھر یاایھا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت الخ کی تفسیر میں مفسرین و محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں جو بالاتفاق کہتے ہیں کہ آمنوا وعملوا الصٰلحٰت میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کا شامل ہونا درج ہے اور بقول محیط العلم میں الصحابہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت علی سب میں شامل ہیں اور ان میں کوئی نہیں پھر حدیث نحن اھل البیت لایقاس منا احدٌ ہم اہلبیت وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ کسی دوسرے کے شمول کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس دلیل سے تو ثابت ہو گیا کہ تمام فضیلتوں میں حضرات اہلبیت بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں ان کے بعد البتہ دوسرے لوگ مراد لیے جا سکتے ہیں فھو المراد۔

یہ تو مسلم مفسرین کے اقوال لکھے گئے اب غیر مسلم مفسرین کے اقوال کو ملاحظہ فرمائیں جنمیں سے مشہور و معروف ترجمہ ریورینڈ مسٹر سیل کا ہے جو انھیں روایت فریقین کے اسناد کے مطابق اس آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت آپ کے وارث رشتہ داروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمہ مسٹر سیل مطبوعہ لندن۔

استفسارات

از قلم حقیقت رقم جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ و مبلغ مدرسۃ الواعظین مقیم سکرودِ تبت

سوال ۱ میت کے لئے قبر کس طرح کھودی جائے مشرق و مغرب یا جنوب و شمال اور میت کا سر کس طرف ہونا چاہیے اور پیر کس جانب ہوں۔

جواب ۱ حکم شریعت یہ ہے کہ قبر میں میت قبلہ رو ہو سر داہنی طرف اوپیر بائیں طرف قبلہ مکہ معظمہ میں واقع ہے جس کا نام خانہ کعبہ ہے۔ اس کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال ہر طرف آبادی ہے۔ اسلئے اہل مغرب کا قبلہ جانب مشرق ہوگا اور اہل مشرق کا جانب مغرب اور اہل شمال کا قبلہ جانب جنوب اور اہل جنوب کا قبلہ جانب شمال۔ اسی طرح ان چار جہتوں کے درمیان گوشوں کا قبلہ اس کے بالمقابل گوشہ کی طرف ہندوستان کسی قدر تفاوت کیساتھ خانہ کعبہ کے مشرق میں واقع ہے اسلئے اس کا قبلہ جانب مغرب اسی تفاوت کے ساتھ ہوگا۔ جس قدر تفاوت سے جو ملک واقع ہے ہندوستان کی ہر قبر جنوب و شمال کھودنا چاہئے۔ میت کا سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف۔ میت کا سر و سینہ اس طرح کروٹ سے ہونا چاہئے کہ منھ قبلہ کی طرف ہو یہ وہ حکم شریعت ہے جو تمام کتب حدیث سے ثابت ہے۔
البتہ غسل کے وقت میت کا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف ہونا چاہئے تب وہ رو بقبلہ سمجھا جائے گا۔

سوال ۲ میت کے ساتھ قبر میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے یا نہ اور آیا وہ میت کی مغفرت کا وسیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں

جواب ۲ میت کے ساتھ قرآن مجید قبر میں رکھنا جائز ہے اور اگر میت میں اپنے اعمال کی بدولت وسیلہ کی مدد سے مغفرت کی اہلیت اور قابلیت ہے تو قرآن مجید اس کی مغفرت کا وسیلہ ہو سکتا ہے لیکن اس سے کسی کافر یا منافق یا بے انتہا بد اعمال کو فائدہ نہیں ہو سکتا۔

سوال ۳ نماز قضا والدین کس پر واجب ہے اور کس طرح۔

جواب ۳ نماز قضا والدین بڑے لڑکے پر واجب ہے خواہ وہ خود ادا کرے یا اجرت دے کر دوسرے شخص سے ادا کرائے اور یہی صورت روزہ کی ہے۔ جو نمازیں یا روزے ماں یا باپ سے قضا ہو گئے ہوں وہ بعینہ اسی طرح جیسے نماز پنجگانہ یا روزے ادا کئے جاتے ہیں ادا کئے جانا چاہیئے۔ صرف نیت میں اس قدر فرق ہے کہ اگر بڑا لڑکا خود ادا کرے تو یہ نیت کرے کہ وہ قضا والد یا والدہ ادا کرتا ہے اور اگر اجرت پر قضا پڑھنے والا قضا پڑھے تو یہ نیت کرے کہ وہ قضا میت ادا کرتا ہے۔ اس کی تفصیل احادیث میں درج ہے

سوال ۴ اگر اپنی نمازیں غفلت میں قضا ہو گئی ہوں تو وہ کس طرح ادا کی جائیں۔
جواب ۴ اپنی قضا نمازوں کے ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اولاً حساب کرے کہ اس کی

گذشتہ عمر میں کتنی مدت کی نمازیں اور کون کون سی نمازیں کس کس قدر قضا ہوئی ہیں اگر مکمل حساب نہ معلوم ہو سکے تو زیادہ سے زیادہ قضاؤں کا تخمینہ کرے۔ اس کے بعد قضا کی ترتیب کیساتھ یومیہ نمازوں کی طرح ادا کرے۔ البتہ نیت میں قضا ظاہر کردے۔ نیز قضا کی نمازیں جس قدر جلد ممکن ہو ادا کرے اور ہمیشہ ادا کا ارادہ رکھکر حتی المقدور زیادہ سے زیادہ نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال ۵ نماز میت کی نیت کیا کرنا چاہیے۔

جواب ۵ اگر میت کا نام معلوم ہو تو دل میں نام لیکر نیت کرے کہ فلاں شخص کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ۔ اور اگر نام معلوم نہ ہو تو یہ نیت کرے کہ اس میت حاضر کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ۔

سوال ۶ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کس نے پڑھے۔

جواب ۶ نکاح کے وقت اس ناکح یا منکوحہ کو وکیل مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو خود صیغہ نکاح جاری نہ کر سکے یا اس کی قرأت درست نہ ہو یا صیغوں کا مطلب نہ جانتا ہو ورنہ صیغہ نکاح فریقین (ناکح و منکوحہ) خود جاری کر سکتے ہیں اس لئے سرور کائنات کو کسی دوسرے نکاح خواں کی ضرورت ہی نہ تھی وہ خود عالم علم لدنی تھے۔ انھوں نے اپنے نکاح کا صیغہ خود جاری فرمایا۔

سوال ۷ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور کس طرح پڑھائی گئی۔ اور کیا نیت کی گئی اور کیا دعا پڑھی گئی۔

جواب ۷ آنحضرت کی نماز جنازہ چند بنی ہاشم اور ان اصحاب نے ادا کی جو شیعیان امیرالمومنین علیہ السلام تھے۔ نماز حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پڑھائی اور وہی نیت کی گئی جو میت پر کرنا چاہیئے۔ جو دعا پڑھی گئی وہ کتب تاریخ میں مسطور ہے۔

سوال ۸ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔ اسی طرح اُن کی اولاد میں ہر امام کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تا امام یازدہم۔

جواب ۸ نماز جنازہ پڑھانے کا حق اس وارث شرعی کو ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو یا اسے ہو سکتا ہے جسے وارث اہل سمجھکر اجازت دے۔

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی نماز جنازہ ان کے فرزند اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام نے پڑھائی اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے پڑھائی۔ اس کے بعد

ہر امام کی نماز جنازہ اس کے اس فرزند نے پڑھائی جو امامت کا وارث تھا۔ تا اینکہ امام یازدہم کی نماز جنازہ امام دوازدہم نے پڑھائی۔

سوال ۹ امام آخر الزماں امام محمد مہدی علیہ السلام کس ماہ اور کس تاریخ میں ظہور فرمائیں گے اور کس تاریخ و ماہ و سنہ میں فوت ہونگے اور کون نماز جنازہ پڑھائے گا۔

جواب ۹ سوال کا ہر جزو علم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ جب خدا کی مرضی ہوگی ضرور ظہور فرمائینگے اور وفات بھی پائینگے۔

نئی بستی کی برکات

دوران جنگ میں سپاہیوں کے بہیمانہ حرکات سے جو نظام عمل بگڑا اسکی گلوب ایجنسی نے ۱۹۴۶ء میں اطلاع دی تھی کہ "آیندہ ماہ جون میں جاپان کے اندر امریکن سپاہیوں کی حرکتوں کا نتیجہ نکلنے والا ہے یعنی جاپانی لڑکیوں کے بطن سے ۱۴ ہزار حرامی بچے پیدا ہونیوالے ہیں ماہ جون میں ٹھیک نو ماہ پورے ہوجائینگے جب کہ امریکن سپاہی جاپان پہونچے تھے"۔

اس وقت موعودہ پر نو ماہ اور گزر چکے ہیں یعنی ماہ جون ۱۹۴۶ء میں امریکن سپاہی کی حرکتوں کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ اور اس ظہور پر بھی مزید ۹ ماہ گزر گئے اب ایک اطلاع کے مطابق یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جاپان میں ان بچوں کے لئے ایک علحدہ نوآبادی بسائی جائے۔ (صدق ۲۳-۵-۴۷)

معاصر موصوف نے اس نوخیز بستی کو ایک نئی مخلوق کی سرخی سے یاد کیا ہے مگر ہمارے نزدیک مخلوق خدا کا یہ طبقہ بہت پرانا ہے اور اسلام میں بھی اس کا وجود اسوقت نظر آیا ہے جب حکومت کی طرف سے قانون معاشرت متعہ کا انسداد کیا گیا اور نوجوان اپنے اس آئینی حق سے محروم ہوئے تو عصمت دری کا بازار گرم ہوگیا اور حکیم روحانی حضرت علی بن ابی طالب کو شکایت کا موقع ملا کہ اگر متعہ سے مسلمانوں کو روکا نہ جاتا تو زنا کاری نہ پھیلتی ابو اسحاق ثعلبی مشہور مفسر نے حضرت علیؑ کا یہ قول اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اگر (حضرت) عمر متعہ سے نہ روکتے تو ما زنیٰ الا شقی تو کوئی زنا نہ کرتا مگر شقی اس محل پر اگر اسلامی تعلیمات دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جناب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب نے فوج کشی سے پہلے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا ہے ولا تہیجوا النساء باذی وان شتمن اعراضکم وسببن امرائکم فانھن ضعیفات القوی والانفس والعقول انا کنا نؤمر بالکف

عنهن وانهن المشکات (نہج البلاغہ) عورتوں کو ایذا پہونچا کر ہیجان میں نہ لاؤ اگرچہ وہ تمہیں برا بھلا کہیں اور تمہارے افسروں کو گالیاں دیں کیونکہ ان کے قوی اور دل اور عقل کمزور ہیں ہمکو عہد رسول میں اُن سے متعرض نہونے کا حکم دیا جاتا تھا اگرچہ وہ عورتیں مشرکہ تھیں۔

مخلوط تعلیم کی برکتیں

کلیسائے انگلستان کے ایک پادری ریورنڈ گرین جو امریکہ کے دورہ سے گزشتہ اپریل میں واپس آئے ہیں ۱۴ اپریل کو انھوں نے ہولی ٹرینیٹی چرچ کی جماعت کے سامنے بیان کیا کہ امریکہ میں طلبہ کی اخلاقی حالت ابتر ہو چکی ہے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان عمل مباشرت میں کوئی باک ہی نہیں رہا ہے اور سرکاری یونیورسٹیوں کے ۹۰ فیصدی لڑکے اور ۶۰ فیصدی لڑکیاں تو ضرور ہی خراب ہو چکی ہیں پادری صاحب نے جو امریکہ میں ہائی اسکولوں اور کالجوں میں لکچر دیتے رہتے ہیں آگے چل کر یہ بھی کہا کہ ان اخلاقی ابتری کی ذمہ داری بڑی حد تک مخلوط تعلیم پر ہے جو انگلستان سے کہیں زیادہ امریکہ میں رائج ہے۔ اے۔پی۔اے

صدق لکھنؤ ۲-۵-۴۷

کہاں ہیں ہندوستان کے وہ ارباب حل وعقد جو مخلوط تعلیم کو زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتے ہیں اور اس دبا کو ہندوستان میں پھیلانا روشن خیالی کا ثبوت جانتے ہیں اگر مغرب ہی کی تقلید ضروری ہے تو اسکے نتائج و عواقب بھگتنے کے لئے تیار رہیں ہم تو موجودہ تعلیم نسواں ہی کے مخالف ہیں مخلوط تعلیم اس شجرۂ ملعونہ کی ایک خاردار شاخ ہے جو صنف نازک کے دامن عصمت کو چاک کر رہی ہے انسانیت کے نباض اور روحانیت کے قائد اعظم جناب امیرالمومنین کا اسی آزادی نسواں کو طوفان کہکر ارشاد ہے کہ یامعشر الرجال فاحتسبوا النساء نکھوا اے گروہ مردم اپنی عورتوں کو بے پردگی سے سختی سے روکو۔

طلبا کی شان

فیشن پرستی اور ظاہرداری کا مرض نوجوانوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے بدنصیبی سے ان لوگوں میں ۹۰ فیصدی طلبا رہیں جنکو تعلیم میں اتنا لطف نہیں آتا جتنا کہ یہاں بن ٹھن کے گھومنے

میں آتا ہے، پڑھنا لکھنا تو شاید کسی کی زبردستی سے ہوتا ہے اگر انھیں سنگھار اور تعلیم میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے لئے کہا جائے تو شاید اول الذکر کا ضرور انتخاب کیا جائے گا۔ دس بجے سے چار بجے تک تو جو کچھ حاصل ہوا وہ حاصل کر لینا اور باقی ماندہ اوقات کو اس طرح کی نمائش میں صرف کر دینا آجکل ان کی روزمرہ کی زندگی کا لازمی جزبن گیا ہے۔

سیاست کو یہ لوگ کوئی چیز نہیں جانتے لیکن خود کو ایسا بتاتے ہیں کہ وہ اس میدان کے ماہر ہیں بعض کو دیکھئے تو معلوم ہوگا ان کے ہاتھ میں سگریٹ اور دوسرے ہاتھ میں ایک کتاب جو آجکل کے سیاسی قائد کی مصنفہ ہوتی ہے لیکن لطف تو یہ ہے کہ ایک ہی کتاب کئی دن تک ایک ہی شخص کے ہاتھ میں نظر آتی ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر پڑھتے ہیں۔ جس کو دیکھو اپنے کسی ایک سیاسی ادارہ کا رکن بتاتا ہے ۔ حالانکہ اس کے بنیادی اصولوں سے ان کو کوئی معلومات نہیں ہوتے۔ الغرض یہ ہیں ہمارے نوجوان جن پر ملک کی آیندہ قسمتوں کا فیصلہ مبنی ہے۔ ان کو نہ تعلیم سے دلچسپی اور نہ معلومات کے حاصل کرنے کا شوق۔ (روشنی سری نگر کشمیر ۱۰-۵-۷۰ء)

دعاء حضرت نوح علیہ السلام

امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے حضرت نوح کو شکر گذار بندہ اس لئے قرار دیا تھا کہ وہ صبح و شام یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُشْہِدُکَ اَنَّہٗ مَا اَصْبَحَ اَوْ اَمْسٰی بِیۡ مِنۡ نِعْمَۃٍ اَوْ عَافِیَۃٍ فِیۡ دِیۡنٍ اَوْ دُنْیَا فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ لَکَ الْحَمْدُ بِھَا عَلَیَّ وَ لَکَ الشُّکْرُ بِھَا عَلَیَّ حَتّٰی تَرْضٰی وَ بَعْدَ الرِّضَاءِ۔

اگر شاکرین کی فہرست میں نام لکھوانا منظور رہو تو صبح و شام اس دعا کو پڑھو۔

دعائے حضرت ابراہیمؑ

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا اس وقت وہ یہ دعا پڑھ رہے تھے یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ پس حق تعالیٰ نے آگ کی طرف وحی کی کہ وہ سرد ہو جائے اور ابراہیم سلامت رہیں (اس حکم ایزدی کا یہ اثر ہوا کہ تین دن تک دنیا میں کسی مقام پر بھی آگ کسی کے لئے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور تکلم ...)

بطین سامنے آگئیں اور شور کرنا شروع کیا آپ نے انکو ہنکایا اور فرمایا کہ انھیں رہنے دو یہ نوحہ کررہی ہیں بس ابن ملجم نے رات ہی میں آنحضرت پر تلوار سے حملہ کرکے زخمی کردیا (تاریخ کامل ابن اثیر ص۱۵۵)
مسجد کوفہ میں نماز صبح اور جناب امیر کی امامت خوش بخت تھے وہ نمازی جو اس عظیم اجر و ثواب کو حاصل کرتے تھے ۱۹ رمضان کی نماز اسقدر حیرتناک تھی کہ ایک گندم نما جو فروش مسلمان (ابن ملجم) نے نماز کی حالت اور سجدہ باری میں امام خلق پر سنگین حملہ کیا اور طلوع آفتاب سے پہلے چراغ امامت کو گل کردیا یہ وہ تلوار تھی جسکو ۴۰ دن پیہم تیز کیا گیا تھا (روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور ص۱۳)
خود ابن ملجم نے اپنی منحوس تلوار کی تعریف میں کہا تھا واللہ ان سیفی اشتریتہ بالف وسممتہ بالف ولو کانت ھذہ الضربۃ علی مصر ما بقی منھم احد (تاریخ کامل)
خدا کی قسم میں نے تلوار کو ایک ہزار میں خریدا اور ہزار زہر آلود کرنے میں صرف کئے اگر یہ ضرب تمام شہر پر پڑتی تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔
خدا جانے اس سازش کے کثیر مصارف ابن ملجم ایسا مفلس برداشت کررہا تھا یا کوئی اور طاقت کارفرما تھی ایک معمولی حیثیت کا عرب ایک ہزار درہم کی تلوار خریدتا ہے اور ایک ہزار درہم اس کے زہر میں بجھانے میں صرف کرتا ہے اور جب شہادت امیرالمومنین ہوتی ہے تو امیر معاویہ کے چہرہ پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں اور ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب تمام ملک اسلام کے وہ بلا شرکت غیرے فرمانروا ہیں اور کھلے ہوئے آثار و حالات کی واضح شہادت کے بعد بھی کسی شیعہ کا موقع ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے ناصر کا خون ناحق کس کی گردن پر ہے اور تمنائے تخت و تاج نے دنیا و آخرت میں کس کو روسیاہ کیا۔

اے صل علیٰ صل علیٰ حیدر کرار

حضرت اکمل منشی کامل شاجاپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ نورانیہ راجکوٹ تلمیذ حضرت بخیر لکھنوی

زندوں کے لئے ابر سخا حیدر کرار | مردوں کے لئے آب بقا حیدر کرار
اک آن میں ادنیٰ کو بنادیتے ہیں اعلیٰ | اے صل علیٰ صل علیٰ حیدر کرار
کعبہ میں قدم رکھتے ہیں دوش نبوی پر | ہے شان خدا شان خدا حیدر کرار
انجم میں چمک شمع میں لو چاند میں ہے ضو | ہیں جلوہ گر جلوہ نما حیدر کرار
اک شعر کے بدلے میں دو عالم کی سعادت | کردیتے ہیں شاعر کو عطا حیدر کرار

الطاف میں بخشش میں نوازش میں کرم میں | ہیں سب سے فزوں سب سے سوا حیدر کرار
اللہ رے اخلاق کہ دشمن کے لئے بھی | اللہ سے کرتے ہیں دعا حیدر کرار
اے مونس ہر نوع بشر ہادی برحق | اے آئینۂ صدق و صفا حیدر کرار

ہے درد تیرا اکمل مغموم کا درماں
اے درد دو عالم کی دوا حیدر کرار

اہتمام سرسری اطلاع نامہ بنام دائنان

(دفعہ ۴۷ ایکٹ نمبر ۵ سنہ ۱۹۲۰ء)

بعدالت جناب سید قدیر حسین صاحب جج بہادر خفیفہ لکھنؤ

درخواست دیوالیہ نمبر ۱ سنہ ۱۹۴۷ء

بمقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی حامد حسین ساکن سرائے معالیخاں تھانہ چوک لکھنؤ

بنام (۱) منیجنگ سکریٹری یوپی ایس اے ۱۰ی کوٹ سپرنٹنڈنٹ سوسائٹی ممس سندر باغ تھانہ حضرت گنج لکھنؤ

(۲) بھاگو ولد نا معلوم ساکن سرائے معالیخاں تھانہ چوک شہر لکھنؤ

(۳) سید محمد مرزا ولد جناب عسکری مرزا صاحب ساکن منصور نگر نیا محل تھانہ سعادتگنج لکھنؤ

اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۲۰ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء مدیون مذکور الصدر نے ایک قطعہ درخواست اس عدالت میں بدیں غرض پیش کی تھی کہ وہ دیوالیہ قرار دیا جائے اور یہ کہ بتاریخ ۵ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء عدالت ہذا نے اس امر کا اطمینان کر کے کہ مدیون کی جائداد غالباً مبلغ پانچسو روپیہ سے زائد نہ ہوگی ہدایت کی ہے کہ مدیون کی جائداد کا اہتمام سرسری طریقہ پر کیا جاوے اور تاریخ ۵ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء بنابر مزید سماعت دیوالیہ درخواست و اظہار مدیون مذکور مقرر کی ہے اس امر کی بھی اطلاع دیجاتی ہے کہ عدالت تاریخ مذکور الصدر پر تصفیہ و تقسیم جائداد مدیون مذکور کی فوراً کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ تم کو اختیار رہے کہ تم حاضر ہو کر اس تاریخ پر ثبوت دو۔ ثبوت کسی دعوے کا جو تم کرنا چاہو تاریخ مذکور پر یا اس کے قبل داخل عدالت کرنا لازمی ہوگا۔ میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲۰ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء جاری کیا گیا۔

وقت حاضری عدالت دس سے چار بجے تک | دستخط حاکم | مہر عدالت

پرنس یوسف مرزا بالقابہ کا واپسی اودھ کے لئے اعلان

حکومت برطانیہ کو یادداشت

مابدولت و اقبال اسے واضح کردینا چاہتے ہیں کہ انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت برطانیہ نے ہمارے اجداد یعنی شاہان اودھ کا اعتماد و بھروسہ حاصل کرکے نیک نیتی کے ساتھ بہت سے اقرارنامے اور عہدوپیمان اتحاد پر دستخط کئے جن میں ہمارے اجداد کے وفاداری اور دیانتداری سے نبھانے کے باوجود انگریزوں نے نہایت مکروفریب سے ہر عہدنامے کے شرائط کو سیاسی سازشوں جھوٹے اور کینہ پرور اشتہاروں اور چند انگریز افسروں کی ناجائز مداخلت اور بہیمانہ دباؤ سے توڑا انجام کار سلطنت کے معاملات میں ناجائز مداخلت اور دست اندازی کرکے حکومت اودھ کا کل انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جیسا کہ انگریزی دستاویزوں سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ انگریز باوجود اپنے ناجائز دعوے اور نمائشی اختیارات کے سلطنت اودھ کے حکام مطلق نہ تھے، بہر صورت انگریز اس حکومت کے صرف محافظ امانت دار اور نگراں تھے اور یہ بات ان کے مشیر قانونی اور بین الاقوامی قانون کے محقق و ماہر ڈاکٹر شراورس ٹوئس نے اپنے مشہور و معروف فیصلہ میں بھی باقی ہے۔ لہذا یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مندرجۂ بالا عہدناموں کے مطابق حکومت برطانیہ کو اب بھی قانون دیانتداری اور انصاف کی رو سے شاہان اودھ کی حکومت اور مطلق العنانی کو ماننا لازم ہے اور بھر بلاشک و شبہ وہ شاہان اودھ کے خاندان اور رعایا کے ممنون و مشکور ہیں جنھوں نے ان کو زرکثیر نقد و بیش قیمت چیزیں اور جواہرات وغیرہ بطور قرض امانتاً حفاظت کے لئے دیے تھے اور جس کے لیے وہ لازمی طور پر حساب دہ ہیں لیکن ابتک کلیتاً اپنا قرض ادا کرنے سے قاصر رہے اور اس وقت جبکہ حکومت برطانیہ نے ہندستان سے اپنا اختیار ہٹا لینے کا فیصلہ کرلیا ہے سلطنت اودھ کی واگذاری و واپسی اس کے جائز حق دار کے حق میں اپنے سرکاری اعلان کے ذریعے نہ کرکے بڑی زبردست عہدشکنی و خیانت کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اب بھی اس غلطی و ناانصافی کا ہماری مطلق العنانی تسلیم کرکے اس حماقت کی تلافی کرے گی۔

بہر حال برطانوی اقتدار ختم ہونے پر اور اس غیر قانونی اور غیر منصفانہ مزاحمت کے ہٹنے کے نتیجہ میں جو مملکت اودھ پر عائد کردی گئی تھی سلاطین اودھ کی سلطنت قدرتی طور پر غیر ملکی تحلہ

آزاد و خودمختار ہوگئی اور وہ حقوق و اختیارات جو اب تک بہ جبر و استبداد حکومت برطانیہ کی غیر قانونی مداخلت سے معرض التوا میں تھے اودھ کے خاندانی شاہی کو کلیتاً واپس ہو گئے۔

لہذا ما بدولت و اقبال ابوالفتح معین الدین ثریا جاہ سلطان العالم نوشیروان عادل شاہ یوسف مرزا صحیح جانشین شاہان اودھ کے بہر خداوندی و برکات و دعائے محبوب رعایائے ما بدولت اپنے اجداد اور رعایا کے فرائض کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تخت سلطنت پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور حکومت کے اقتدار اور جملہ اختیارات بحق وراثت و بنام رعایائے ما بدولت و بارادہ قطعی قابض ہوسکتے ہیں ما بدولت حکومت اودھ بموجب مرضی رعایائے ما بدولت نہایت موزوں اور بہترین طریقہ حکومت سے جسکو ہر طبقہ کے عامۃ الناس موجب برکت تصور کریں اور جس سے امن و امان و خوشنودی بیکساں حاصل ہوسکے اور جس سے کمل آزادی حاصل ہو اور لاجواب بہبودی شان و عظمت حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوں اختیار کرتے ہیں

لہذا ما بدولت خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنا مصمم ارادہ واضح کرتے ہیں کہ ما بدولت مملکت اودھ پر بہترین روایات فیاضی اور دریا دلی جو کہ ہماری مشہور و معروف اجداد سے وابستہ تھی اسی کے نقش قدم پر چلکر حکومت کریں گے ما بدولت اپنی جملہ رعایا کی بالتخصیص قوم و مذہب و ملت حفاظت کا یقین دلاتے ہیں اور ضامن ہوتے ہیں نیز ما بدولت کوشش فرمائیں گے کہ صحیح سیاسی نقطہ نظر کو ہمدردی سے غور فرمائیں جبتک کہ وہ ہمارے فرائض و ذمہ داریوں کی انجام دہی میں جو کہ ما بدولت پر قیام امن و امان مملکت اودھ کے لئے عائد ہیں مخل نہ ہو۔ اور ما بدولت ہمیشہ اس درخشاں اصول کو جو کہ ہر بادشاہ کے فرائض میں اپنی رعایا کے ہر طبقہ سے وابستہ ہے زیر غور اور قابل عمل رکھیں گے۔

اور جس درخشاں اصول کو ما بدولت کے جد معظم نواب شجاع الدولہ ابوالمنصور صفدر جنگ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر اپنے خفیہ مراسلہ میں جو کہ حیدر نائک نے مذہبی دیوانگی کو ابھارنے کے لیے لکھا تھا جواباً رقم فرمایا ہے۔

"کہ ہم ایسے اشخاص کے لیے جن کے فرائض ہمارا سے الہی رعایا سے وابستہ ہیں جن کے مذاہب ما بدولت کے مذہب سے مختلف ہیں۔

ما بدولت کے لئے یہ معصیت ہوگی کہ ما بدولت کسی ایک فرقہ کو کسی دوسرے فرقہ پر ترجیح دیں"

فلہذا ما بدولت بہ طیب خاطر اپنے ارادہ مبارک کا اعلان فرماتے ہیں کہ ما بدولت اپنے جمیع

اختیارات شاہی مطابق مذکورۂ بالا اصولوں کے عمل میں لادیں گے مزید برآں ما بدولت نہ صرف خواہشمند رہیں گے کہ موجودہ انتظامی اور قانونی طریقہ حکومت برقرار رہیں اور ما بدولت کہ جملہ رعایا کے حقوق محفوظ و مامون رہیں بلکہ ما بدولت ہمہ وقت ہر قسم کی آئندہ اصلاح اور ترقی کو خوش آمدید کہیں گے جو ما بدولت کی محبوب رعایا کے اطمینان اور بہبودی کے لیے مناسب ہوں ما بدولت غایت احتیاط و تفکر کے ساتھ دوستانہ تعلقات بصدق دل ما بدولت کی محبوب رعایا کے ساتھ اور دیگر ممالک کی حکومتوں کے ساتھ جن سے تعلقات ضروری ہوں قائم اور برقرار فرماویں گے۔

بہرکیف قبل اس اعلان عام کے اختتام کے ما بدولت بعد اختیار کرنے حکومت مملکت اودھ خواہشمند ہیں کہ مزید وضاحت اپنی اس خواہش کی کردیں کہ ما بدولت کی رعایا کا یہ فرض منصبی ہوگا کہ ما بدولت یعنی اپنے بادشاہ اور ما بدولت کے ورثا اور جانشینان اور مملکت اودھ کی ترقی کے حق میں لازوال اور ہمیشگی کی وفاداری کا عہد کریں ما بدولت کی رعایا کو ما بدولت سے اس امر میں اشتراک عمل ضروری ہے کہ ما بدولت بندوبست و حکومت مملکت اودھ بہ تائید ایزدی و برکات خداوندی جس پر کہ صرف عادل نیک صفات اور نیک نفس حضرات و نیز شجاعان میدان جنگ بخلاف دشمنان ملک اور جو محبان و ہر کس و ناکس سے مہربانی تلطف و وفاداری و عزت و وقار سے برتاؤ کرتے ہیں صرف انھیں پر بارش ہوا کرتی ہے۔ کامیابی کے ساتھ برقرار رکھ سکیں۔

ما بدولت اس اعلان عام کا اس دعائے دلی کے ساتھ اختتام فرماتے ہیں کہ ما بدولت کو خدائے عز و جل قوت و قدرت عطا فرمائے کہ ما بدولت اپنی رعایا پر مساویانہ طریقہ پر اس طریقہ پر حکومت فرماویں جو ان کے حق میں سب سے بہتر ہو اور جس میں عدل مکمل اور انصاف سراسر ہو۔ لہذا ما بدولت امید کرتے ہیں کہ ما بدولت کی رعایا ما بدولت کو صدق دل سے پوری پوری امداد دیگی اور اعانت کرے گی لیکن چونکہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ ما بدولت کے جائز اختیارات کی بندوبستی جماعت کی طرف سے گراہ کن مخالفت ہوگی جو کہ ہنوز اہل فرنگ کے روانگی کے بعد کام کر رہی ہے لہذا ما بدولت اولاً اس بندوبستی جماعت کے افسران کو متنبہ کرتے ہیں کہ ما بدولت اور مملکت اودھ کے خلاف ہر قسم کی تخریب سے احتراز کریں اور ما بدولت کی خدمت و وفاداری کا عہد کریں اور اہل فرنگ کی غلطیوں کا ازالہ کریں۔ دوئم ما بدولت سختی سے حکم دیتے ہیں کہ ما بدولت کی رعایا کوئی ایسا اقدام اس غیر قانونی بندوبستی جماعت کے خلاف نہ کرے

تاوقتیکہ مابدولت قبضہ نہ فرمالیں جبکہ مابدولت کی رعایا کی امداد اور اتحاد سے جلد حاصل ہوجاوے گا
آج بتاریخ ۲۶/۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ ۱۴/۱۵ ساون سمت ۲۰۰۴ مطابق ۱۴/۱۵ اگست ۱۹۴۷ء
بمقام شیش محل لکھنؤ مابدولت نے اپنے دستخط ثبت فرمائے اور مہر شاہی سے مزین فرمایا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کی تاسیس

ماہ مبارک میں مسلمانوں کی فتح

الواعظ سیاسی منزل سے دور رہتا ہے اور اسکو عصر حاضر کی موجودہ سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر وہ ملت اسلامیہ کے فروغ اور مذہب و ملت کو مدد پہونچانے والی ہر صدا پر گوش بر آواز ہوکر خلوص سے ممدودعائیں دینا اپنا فرض سمجھتا ہے اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کا ہر وقت منتظر ہے زمانہ کے مادیت پسند دور میں مسلمانوں کی جو حالت نازک ہوگئی تھی اسکو دیکھتے ہوئے ڈر تھا کہ مبادا ایسا ہو کہ کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں برس کر حضرت ابراہیم خلیل کی کھیتی کو غرقاب کر دیں ملک کی مسلم جماعت کو آج سے بہت پہلے اس دن کی خبر تھی اور وہ مسلمانوں کو منظم کرنے میں منہمک تھی جسکو اندرونی و بیرونی مخالف حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کا اتحاد و افتراق سے مبدل کرنیکی سعی کیجاتی تھی کبھی وہابیت کے پردہ میں اسلامی برادری کو توڑا گیا کبھی مدح ثلاثہ کی آڑ میں سنی شیعہ یکجہتی کو فنا کیا جارہا تھا مگر ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے مسلمانوں میں اختلاف و انشقاق پیدا کرنے والی تدبیریں بھی ہوتی رہیں اور اسلام کے خادم اپنی تنظیم میں مصروف رہے اور ہمیشہ غیر مسلم طاقتیں میں انکو جذب ہونے سے انکو بچایا اور اپنے تئیں کسی غیر طاقت میں مدغم کرکے انفرادی حیثیت کا خاتمہ نہیں کیا۔

برادران وطن نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ مسلمانوں کا وطن ہندوستان نہیں ہے ان کو عرب کی طرف ہجرت کرجانا چاہیے ان آوازوں کا جو حقیقت اسلام سے بالکل ہی ناواقفیت پر مبنی تھیں ہم نے کبھی جواب دینے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور غیر اقوام کے استبداد سے سبق لیکر اپنی استعماریت پر تلے رہے تقسیم ہند کی تحریک اور پاکستان کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ ہمیں موجودہ فضا میں اطمینان کی سانس لینا دشوار تھا رب العزت نے اسلام کی بیکسی اور افراد ملت کی گریہ و زاری

پیروی کر کے قائداعظم کی پرخلوص کوشش کا پھل دیا اور گذشتہ ۱۵ اگست کی نہ بھولنے والی
تاریخ برٹش راج نے ملک پر سے اختیارات ہٹا کر پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جنگ
بدر میں مسلمانوں کو مشرکین قریش پر اسی برکت آفریں مہینہ کی سترہ کو فتح و نصرت عطا ہوئی تھی
اور آج چودھویں صدی میں اسلام کی فتح کا یہ دوسرا نظارہ ہے جسکے لئے ۲۷ ماہ رمضان
شب آدینہ قرار پائی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کا دور ختم ہونے اور سلطنت اودھ کے بعد
وقار اسلامی کے احیاء کا یہ سب سے بڑا مظاہرہ ہے جو مسلمانوں میں ہوا۔

سرمہاراجہ محمودآباد مرحوم اگر آج زندہ ہوتے تو اُن کو مسلم لیگ کی تربیت میں اپنی دولت
پانی کی طرح بہا کر جو دن دیکھنا تھا دیکھتے افسوس ہے کہ اس باغ کی بہار وہ نہ دیکھ سکے لہذا
یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ اُن کے خلف صالح اور چشم و چراغ سرکار راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب
بہادر بالقابہ والی ریاست محمودآباد کی خدمت میں بصد خلوص ہدیہ تبریک پیش کریں۔ سرکار
ممدوح کے دل میں بھی وہی تڑپ ہے جو مسلمانوں کو شاہراہ ترقی پر دیکھنا چاہتی ہے اور مسلمانوں
کے نشو و ارتقا میں آپ کا مبارک ہاتھ بھی ہے۔

لکھنؤ میں مرحوم شاہ اودھ کی یادگار

ملک کے اس سیاسی انقلاب میں جو جدید حکومت مرتب ہو رہی تھی اس کی تشکیل کے ساتھ
ہی ضرورت تھی کہ اودھ کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوا اور برٹش راج ختم ہو جانے کے بعد صوبائی حکومت
کی عنان پھر انھیں ہاتھوں میں جائے جو پشتہا پشت سے اودھ کے حکمران تھے رحمدل واجدعلیشاہ
نے جو انسانی خون کی قدر و قیمت کے سامنے اپنی معزولی کو آسان سمجھتے تھے برٹش افواج کا مقابلہ
کئے بغیر تخت و تاج چھوڑا نہ اپنی فوجی طاقت استعمال کی نہ اپنے حلقۂ اثر سے مدد طلب کی اُن کی یہ
قربانی و ایثار یقیناً اسی دن کے لیے تھا کہ اولاد کے حقوق باقی رہیں اور جب ہوا سازگار ہو تو ممکن ہے
کہ حق بحقدار رسید کی منزل آئے اُن کا اور اُن کی اولاد کا مشاہرہ اور وثیقہ اُن کے عدم مقاومت
کی دلیل ہے جو برسوں سے ملک کے سامنے ہے اور وہ عہد و میثاق جو برطانوی مدبرین اور ایسٹ انڈیا
کمپنی نے خاندان شاہی سے کیا اگر اب پورا نہ ہو تو اسکے ایفا کا کب وقت آئے گا آج سے بہت پہلے
شیعیان ہند میں یہ تحریک انجمن تنظیم المومنین لکھنؤ کے پلیٹ فارم سے ہو چکی ہے کہ سلطنت اودھ
شاہ مرحوم کے جانشین کو ملنا چاہیے اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کا بھی وقت تھا اور رعایا
کے جذبات کو دیکھکر اعلیحضرت مرحوم کے چشم و چراغ پرنس مرزا یوسف حسین صاحب بالقابہ نے

اپنے آبائی وطن کا رخ کیا اور شہر کے ہر طبقہ نے بلا قید مذہب و ملت اسٹیشن چار باغ پر وہ زبردست استقبال کیا جس کی نظیر گذشتہ ایک صدی میں نہیں ملتی سڑکوں کا ہزار ہا نفوس کا سمندر لہریں مار رہا تھا اور اپنے مرشد زادہ کو مرکز پر پہونچا کر تاج پہنا دیا کسی دوسرے صفحہ پر موصوف کا ایک بیان چھپ رہا ہے جو ناظرین الواعظ کو خاص طور پر پڑھنا چاہیئے۔

انتقال پُر ملال

افسوس ہے کہ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کی اہلیہ محترمہ اعلی اللہ مقامہا نے ۲۱ ماہ رمضان کی شب کو انتقال فرمایا جناب مرحومہ اپنی عبادت بزرگی اور ذاتی خصوصیات کی بنا پر خاندان بھر کی نظر میں خاص عظمت اور مرتبہ کی مالک تھیں اور ان کی وفات سے جناب کے خانوادہ ہی کو ایک ناقابل تلافی نقصان نہیں پہونچا بلکہ سرکار نجم الملۃ طاب ثراہ کے تمام مخلصین رنجیدہ ہیں خداوند عالم جناب معظمہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور سلب نعمت پر احفاد کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہم کو اس حادثہ میں جناب تاج العلماء مدظلہ العالی اور ان کے برادران عالیشان سے دلی ہمدردی ہے۔

ناظرین الواعظ جناب معظمہ کی روح پر فتوح کو سورہ فاتحہ کے ایصال ثواب سے شاد فرمائیں

رجسٹرڈ نمبر

يا ايها الرسول بلّغ ما انزل اليك من ربك

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی اعلیٰ حضرت سرکار راجہ سر محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلماء جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

(مطبوعہ الواعظ [illegible] پریس لکھنؤ)

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق وآداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات وہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ ونقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ وجدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام وازالۂ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ وحقایق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲۔ ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳۔ نمونہ کا پرچہ ۲؍ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵۔ اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط وکتابت طے ہوسکتی ہے۔
۶۔ علمی معاملات کے متعلق خط وکتابت وارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷۔ شرح قیمت روساء ووالیان ملک سے [illegible] فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ، غرباء و طلباء سے بشرط تصدیق ۶

پتہ: دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر وتبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ

الواعظ لکھنؤ

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ہندوستان اور مسلمان

ہندوستان کے متعلق کچھ عرصہ سے اخبارات میں یہ پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ اس سرزمین پر مسلمانوں کو حق آسائش نہیں ہے اور وہ تخلیہ مکان کے لیے تیار رہیں تقسیم کے بعد سے اس تحریک میں فطرتاً قوت پیدا ہو گئی اور مجبوراً مسلمان وطن سے نکلنے پر تیار ہو گئے اور ماحول اسقدر تاریک نظر آیا کہ گھر چھوڑنا ہی پڑا اور مبادلۂ آبادی کے بھوت نے ایک ایسی بھینٹ پھیلا دی جسکا نمونہ گذشتہ ایک صدی تو کیا ہندوستان کی تاریخ میں کسی بدنصیب نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔

ضرورت تھی کہ مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد اس بحث پر تاریخی لحاظ سے تیار ہو کر بتاتے کہ ہم ملک میں اجنبی نہیں ہیں اور نہ ہمارا وجود آج نیا ہے لیکن ہر طرف قتل و غارت عصمت دری کا بازار گرم ہو گیا اس پُر آشوب دور میں علی صدا کون سنتا ہے میری یاد جہانتک کام دیتی ہے سب سے پہلے نینی ضلع الہ آباد کے نہتے مزدوروں پر سفاکانہ حملہ ہوا پھر نواکھالی میں باہمی اختلاف کی آگ بھڑکی اور بدنصیب ہندوستان جو جنگ یورپ کے آتشیں حملہ سے بچ گیا تھا خانہ جنگی اور باہمی ظلم و استبداد کی نذر ہو گیا۔

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ؏ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

خدا برا کرے اُن فتنہ انگیز طاقتوں کا جنھوں نے ہندو مسلم اختلاف کی خلیج کو وسیع کیا اور وہ دو بھائی جو ایک مادر وطن کی گود میں پلے ایک طرح کی آب و ہوا میں جنکی نشو و نما ہوئی جو ہمیشہ ایک ہی ماحول میں رہے اب ایک دوسرے کو قہر آلود نگاہ سے دیکھنے لگا اور ملک کو وہ نقصان عظیم پہونچا جو غدر

میں بھی نہ ہوا تھا۔

ہمکو یقین ہے کہ ایک وہ وقت آنیوالا ہے جب بھولے ہندوستانیوں کو خود بخود اندازہ ہوگا کہ کشت وخون سے ملک کو کیا زبردست صدمہ پہونچا اور انسانی خون کی ارزانی نے مادر وطن کا کلیجہ چھلنی کردیا ہمیشہ جوش انتقام اور غضب کی شعلہ ور آگ میں ازدستحار بہ کو اچھے اور برے کی تمیز نہیں ہوتی اور غصہ فرد ہونے پر معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کا نتیجہ تباہ کن ہے اور حق کدھر ہے۔

جنگجو قوم کو صلح و آشتی کا پرزور مشورہ دینا ملک میں امن قائم رکھنے کے تدابیر کرنا تو ایک اڈیٹر کا فریضہ ہے لیکن ناظرین کرام کی واقفیت کے لیے ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود اور دیگر مذاہب کے دوش بدوش رہنا پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم کب آئے؟ اسی وقت سے جب نوع بشر دنیا میں پھیلنا شروع ہوئی اور حضرت آدم آسمان سے زمین پر آئے دنیا کا سب سے بڑا مورخ ابو جریر طبری رقمطراز ہے۔

حدثنا ابو ھمام قال حدثنی ابی قال حدثنی زیاد بن خیثمہ عن ابی یحییٰ بایع القت قال قال لی مجاھد لقد حدثنی عبد اللہ ابن عباس ان آدم علیہ السلام نزل حین نزل الھند ولقد حج منھا اربعین حجۃ علی رجلہ۔

(صـ۶۲ تاریخ الامم والملوک جلد اول مصر ۱۳۱۴ھ)

(بحذف اسناد) ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت آدمؑ ہندوستان ہی میں فلک سے اترے اور ارض ہند سے انھوں نے چالیس مرتبہ پیدل حج کا سفر کیا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان حضرت آدمؑ ہی کی مبارک نسل سے ہیں اور سب سے بڑے روحانی تاجدار حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

النّاس من جھۃ التمثال اکفاء ابوھم آدم والام حوّاء

تمام انسان پیکر تخلیق کے لحاظ سے ایک دوسرے کے کفو ہیں اُن کے باپ آدم اور ماں حوا ہیں قرآن حکیم نے بھی حضرت انسان کو اولاد آدمؑ تسلیم کیا ہے اور بالاعلان کہا ہے ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البرّ والبحر۔

یہ اسلام کی وسعت نظر ہے کہ وہ ہر سپید و سیاہ کو اپنا بھائی سمجھنے کے لیے تیار ہے خواہ وہ کسی مذہب وملت سے بھی متعلق کیوں نہ ہو۔ اور اس کے خلاق میں ہر پیدا ہونیوالا بچہ ایک مسلم تونہال ہے خواہ وہ کسی پست طبقہ میں پیدا ہوا ہو خواہ کسی ذی رفعت گھرانے میں یہ ضروری نہیں کہ اسکے ماں باپ

پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں رسول عربی نے باتفاق فریقین پکار کر کہدیا ہے کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام ہر نوزائیدہ بچہ مسلم ہے قرار پاکر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے ماں باپ اسکی اصلیت کو تبدیل کرتے ہیں اور اپنے مذاق کے موافق عیسائی یہودی بت پرست آتش کا پرستار یا مشرک بنالیتے ہیں اس نظریہ کی بنا پر دنیا کے چپہ چپہ میں جتنے انسان آباد ہیں وہ ایک مورث اعلیٰ پر پہنچکر اپنے نسب کو ختم کر دیتے ہیں۔

دنیا میں صرف مسلمان اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ کل نوع بشر کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں ورنہ کوئی قوم کسی دوسرے فرقہ کو اپنی برادری میں لینے کے لیے تیار نہیں ہے ہندوستان کی اکثریت آدم کو اپنا مورث اعلیٰ نہ سمجھے مگر ہم نے اور ہمارے ہر مذہبی پیشوا نے ان کو ایک درخت کا پھل قرار دیا ہے جن کی ماہیت واحد ہے اور وضع قطع ساخت قد و قامت میں ویسا ہی فرق ہے جو ایک بار آور پودے کے آثار میں ہوتا ہے۔

دشمن کے سرمایہ کی سب سے بڑی دلیل جو ہمارے خلاف کار فرما ہے یہ ہے کہ آدم کا وجود چھ سات ہزار برس سے پہلے نہ تھا یہ مسئلہ کسی اسلامی ذمہ دار شخص کا نہیں ہے چند حساب کرنیوالوں نے اپنے فہم و ادراک سے کچھ اعداد و شمار مقرر کر لیے اور ایک تعداد مقرر کر لی۔

ان کے جمع اور میزان کے خلاف قرآن مجید خود پکار کر کہہ رہا ہے ورسلا لم نقصصھم علیک کچھ مرسل ایسے بھی تھے جنکا قصہ پیغمبر خدا کی بارگاہ میں لسان قدرت سے بیان نہیں ہوا تو اب انکی تبلیغی جدوجہد کی مدت مقرر کرنا اور ایک کے بعد دوسرے کا میدان عمل میں آنا قوم کو دعوت یہ مدت کس حساب میں شمار ہوگی ہمیں تعجب ہے کہ چھ ہزار سال کی مدت پر عام نظریں جھکتی ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد جو وقت اسلام نے پیش کیا اس وقت اس سلسلہ کی احادیث پر نگاہ نہ پڑی اور پھر یہ بھی اپنے محل پر ثابت ہے کہ بعض انبیاء کے وصی ایک سے زیادہ تھے وصایت کی کڑیاں کئی کئی مقدس نفوس تک پہنچتی تھیں لہذا وصی بلا فصل تو بیشک ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے لیکن وصی کے وصی و جانشین اس سے زیادہ ہوئے جنکے لیے یقیناً چھ ہزار سال کی قلیل مدت ناکافی ہے لہذا ثابت ہوا کہ آدم کا وجود آج سے ہزارہا برس پہلے تھا اور نوع بشر کا انتساب انہیں کی طرف ہو سکتا ہے۔

زین الدین بن عمر وردی کا بیان

مورخ مذکور نے حضرت آدم کی جائے قیام کا بھی اپنی تاریخ میں پتہ دیا ہے :-

علیہ سراندیپ فیہا جبل الذی اہبط علیہ آدم ویسمی جبل الراھون
وعلیہ اثر اقدام علیہ السلام وعلی القدم نور لما یخطف البصر۔
(خریدۃ العجائب چھاپ مصر صفحہ ۸۶)

اس سرزمین پر سراندیپ بھی ہے اور وہاں وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت آدمؑ نازل ہوئے اسکو کوہ راہون کہتے ہیں اس پر حضرت آدمؑ کے قدم کا نشان بنا ہوا ہے اور اس سے ایک نور کا تڑکا نظر آتا ہے۔

سراندیپ کا نام امتداد زمانہ نے لنکا اور پھر سیلون کی صورت میں تبدیل کیا عہد ابن وردی تک یہ قدیم پتھر پر نمایاں تھا اور گرد و نواح کے لوگوں میں زیارت گاہ کی حیثیت تھا۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی رائے۔

فاضل مولف نے ہندوستان کے فضل و شرف میں پوری کتاب سپرد قلم کی ہے اور سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان نام رکھا ہے اس کتاب میں قبر حضرت آدم کا پتہ دیتے ہوئے مؤلف کے الفاظ یہ ہیں:-

وقال الطبری فی تاریخہ عند وفاۃ آدم علیہ السلام قال بعضھم قبرہ بالھند علی الجبل الذی نزل علیہ من السماء (سبحۃ المرجان صفحہ سطر ۲)

طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ بعض اہل تحقیق کی رائے ہے کہ قبر آدم اسی پہاڑ پر ہے۔

تاریخ کے مرقومۂ بالا حوالوں سے معلوم کہ ہندوستان کو حضرت آدم سے گہرا تعلق ہے اور ہندوستان کا بچہ بچہ توحید کی آواز سے بے خبر نہیں ہے جہاں آدم ہندوستان میں اُترے تھے۔

کیا ہندوستان کی تاسیس اولاد نوح کے ہاتھوں ہوئی۔

طوفان نوح میں دنیا کے بے عالمگیر تباہی کون نہیں جانتا بستیاں اجڑ گئیں شہر تہ آب ہوکر برباد ہوگئے اور صرف وہی نفوس بچے جو کشتی پر پناہ گزیں کی حیثیت میں حضرت نوح کے ساتھ تھی ویران دنیا پھر بسائی گئی اور یہ سہرا اولاد نوح کے سر رہا تاریخ میں ہے اولاد حام کے بارے میں۔

باری سبحانہ ادرا نہ پسر کرامت فرمود ہند و سند زنج نوبہ کنعان کوس قبط بربر حبش و از ذریت ایشاں سودان مغرب و سکان بلاد حبشہ و زنگبار و ہندوستان منشعب گشتہ اند ہر گروہے شہرے بنا نہاد۔ (روضۃ الصفا فارسی)

(ترجمہ) خدا نے حام کو نو فرزند عطا فرمائے۔ ہند سند زنج۔ نوبہ۔ کنعان۔ کوس۔ قبط۔ بربر۔ حبش

واز ذریت ایشاں سودان بغرب و سکان بلاد حبشہ و زنگبار و ہندوستان منشعب گشتہ اند ہر گروہے شہرے بنا نہاد۔ (روضۃ الصفا فارسی)

(ترجمہ) خدا نے حام کو نو فرزند عطا فرمائے۔ ہند۔ سند۔ زنج۔ نوبہ کنعان۔ کوس۔ قبط۔ بربر۔ حبش اور ان سب نے اطراف عالم میں منتشر ہو کر ایک ایک شہر آباد کیا۔

ہندوستان کو ہند بن حام بن نوح نے بسایا اور سندھ کو سند بن حام بن نوح نے آباد کیا۔ اور ہر بستی کا نام اس کے موسس کے نام پر قرار پایا۔ ہند و سند دو حقیقی بھائیوں کی نسل کی آبادی ہے جن میں موحد و بت پرستی برابر سے ہوتی رہی اور باہمی اتفاق نے یہ دن نہیں دکھا یا کہ اکثریت اقلیت کو جلا وطن یا خارج البلد کرے۔

ان تاریخی حقائق کے دیکھنے سے ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کا قیام ہندوستان میں جدید ہے یا کسی فتح و فیروزی کا نتیجہ اور وہ بزور شمشیر یہاں آباد ہوئے۔ مسلمان ہندوستان کی بنیاد قائم قائم ہونے سے پہلے آباد تھے اور ملک کی بنیاد ایک مرسل زادہ کے ہاتھ سے قائم ہوئی۔

ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ

زمانہ مادیت پسند ہے اور باطل کی طرف مزاج انسانیت میں عموماً زیادہ رجحان ہوتا ہے عوام نے توحید کا درس فراموش کیا اور مسلم ہادیان ملت کے دل و دماغ پر اس فتنۂ ارتداد کا اثر تھا انھیں کی ہر فرد چاہتی تھی کہ اس مشرک آبادی میں پھر اسلام کا پرچم لہراتا ہوا نظر آئے چنانچہ ۳۹ھ میں حرث بن مرہ عبدی سپہ سالار کی سرکردگی میں سندھ پر حملہ ہوا ابن اثیر مورخ رقمطراز ہے:

فیھا توجہ الحرث بن مرۃ العبدی الی بلاد السند غازیا منطوعا بامر امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب فغنم واصاب غنائم وسبیا کثیرا وقسم فی یوم واحد الف راس وبقی غازیًا الی ان قتل بارض القیقان ھو ومن معہ الا قلیلا سنۃ اثنتین واربعین ایام معٰویہ۔ (الجزء الثالث من تاریخ کامل لعلامہ ابن الاثیر الجذری صہ۱۵۲)

اس سنہ میں حضرت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب کے حکم سے حرث بن مرہ عبدی نے سندھ کے ملک کا قصد کیا اور جہاد کر کے بہت غنیمت حاصل کی اور بہت سے کفار کو قید کیا چنانچہ ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ایک مدت تک حرث بن مرہ وہاں مصروف جہاد رہے یہانتک کہ وہ اور ان کے ... ساتھی مقام قیقان شہید ہو کر دفن ہو گئے تھوڑے لوگ اس لشکر کے بچ گئے۔ یہ واقعہ ۴۲ھ حکومت معاویہ میں ہوا

یہ مزید ثبوت ہے سندھ میں مسلمانوں کی فتح کا جسکو ۱۳۲۴ھ سال گذر چکے ہیں تاریخ نے اور بھی واقعات مسلمانوں کے قیام پر پیش کیے ہیں جنکو ممکن ہے ہم آئندہ نذر قرطاس کریں ان حقائق تاریخی کے دیکھنے سے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ ملک میں مسلم آبادی بہت قدیم ہے۔

علمارامامیہ میں دو المناک حادثہ

عتبات عالیات سے یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی ہے کہ ۱۸ شوال کو علامہ مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی نے ایک طویل مرض کے بعد حائر سید الشہدا روحی فداہ میں انتقال کیا موصوف کی ذات شیعہ قوم خصوصاً پنجاب میں محتاج تعارف نہیں ہے ۴۰ سال تک آپ اپنی تحریر و تقریر سے مذہب حقہ کی حمایت میں جہاد کرتے رہے آپ عرصہ سے تنفس میں مبتلا تھے اور حب وطن میں صحت نہ ہوئی تو کربلائے معلی کیطرف ہجرت کی اور جوار مظلوم کربلا میں ہمیشہ کیلئے آرام فرمایا اگر افراد قوم جناب کی واحد یادگار رسالہ البرہان کو باقی رکھیں تو اس سے بہتر ایصال ثواب اور نام کے بقا کا ذریعہ نہیں ہے اس مجلۂ علمیہ نے ۴۰ برس قوم کی وہ زبردست خدمت کی ہے جو مرحوم کی زندگی کا کارنامہ ہے۔

دوسرا حادثہ جناب مولانا علامہ سید ظفر مہدی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی غم انگیز وفات ہے آپ کئی سال سے فالج میں مبتلا اور نشست و برخاست سے معذور تھے طاقت کلام بھی نہ تھی ریاست عالیہ محمود آباد نے آپ کا علاج بڑے اولوالعزمی سے کیا اور طبی مد پہونچانے میں ہزار ہا روپیہ پانی کیطرح بہائے مگر اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ و لا یستقدمون۔ حکم الہی ٹل نہیں سکتا آخر پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور قیصر باغ محمود آباد ہاؤس میں انتقال فرمایا۔

استاذ الواعظین حضرت شمس العلما مولانا السید سبط حسن صاحب قبلہ کے انتقال کے بعد افراد قوم اور جناب کے مخلصین نے مرحوم کے وجود کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا تھا مگر افسوس ہے کہ برادر بزرگ کے بعد اطمینان کی زندگی نہ بسر کر سکے اور گوناگون امراض کے پیہم حملے ہوئے جنہوں نے تبلیغی خدمات کو آگے بڑھنے نہ دیا مرحوم کے قلمی خدمات دنیائے تالیف و تصنیف میں یقیناً معرکہ آرا حیثیت رکھتے ہیں اور سہیل یمن ترجمہ نہج البلاغہ آسمان تحقیق کے مہروماہ ہیں جن کی روشنی تاابد رہے گی اگر نہج البلاغہ کا ترجمہ آپ ختم کرتے اور موت مہلت دیتی تو علمی دنیا میں ایک غیر فانی ادبی شاہکار رہجاتا آپ کی وفات سے مذہب و ملت کو جو زبردست صدمہ پہونچا اسکی تلافی نہیں ہو سکتی مرحوم سے قلمی خدمات میں نہایت مفید خدمت ہوتی اگر آپ جناب مولانا السید سبط حسن صاحب قبلہ کی سوانح حیات مرتب کرنے میں کامیاب ہوتے مجھے اچھی طرح علم ہے اس ضخیم کتاب کا تمام ذخیرہ آپ جمع کر چکے تھے اور بڑی تعداد میں بلاکس تیار کرتے تھے جنگ کی وجہ سے سامان طباعت کی گرانی نے اس عظیم الشان

تالیف کو مرتب ہونے نہ دیا اور مرحوم کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

جناب مرحوم کی وہ آخری قلمی خدمت بھی قوم میں یادگار حیثیت رکھتی ہے جو بسلسلہ عطش اخبار سرفراز لکھنؤ میں کئی نمبروں میں طبع ہوئی اور ساری قوم سے خراج تحسین و آفرین حاصل کیا کاش قوم ان جواہر ریزوں کو کتابی صورت میں شایع کرکے محفوظ کر دے بیکر جناب مرحوم کے برادر حقیقی جناب نبن صاحب کاتب مقیم ریاست رام پور سے اس صدمہ میں دلی ہمدردی ہے افسوس ہے کہ علامہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ یہ سنکر مسرت ہوئی کہ ریاست کیطرف سے جناب مرحوم کی بیوہ کے لئے سو روپیہ ماہوار تاحیات ملتا رہیگا۔

ہندستان کے فرقہ وارانہ قتل عام پر شیعہ مجتہد اعظم کا بیان

قائد اعظم کے نام برقیہ۔ قوموں سے اپیل

عالم شیعیت کے مقتدائے اعظم علامہ محمد حسین آل کاشف غطاء نے نجف اشرف میں ۱۴ ذیقعدہ کو حسب ذیل بیان دیا ہے۔

سکھ اور ہند و مفسدین جو کچھ ہندستان میں کر رہے ہیں اور ہندستان میں مسلمانوں کا جس بیدردی سے خون بہایا جا رہا ہے اپنے مسلمانوں کو حد سے زیادہ مغموم اور مضطرب ہونا ضروری ہے ہم ان مسلسل وحشیانہ حملوں پر دنیا کی قوموں کے سامنے احتجاج کرتے جو سلامتی کا طلبگار اور حفظ نظام انسانی کی آرزومند ہیں ایسے طلبگاران امن و نظام کا فریضہ ہے کہ ان ظالمانہ چیرہ دستیوں کو ختم کرائیں اور انسانی جانوں کی سلامتی کیلئے جلد سعی کریں۔

قائد اعظم کے نام تار

علامہ موصوف نے قائد اعظم کو جو تار روانہ کیا ہے اس کو بھی بغداد شریف کے اخبار "لواء الاستقلال" نے شایع کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بجناب رئیس مسلمین ہند محمد علی جناح (اللہ آپ کی تائید فرمائے)

ان دردناک اطلاعات نے جو ہمیں موصول ہوئی ہیں اس یورش عام کے متعلق جو بندگان رحمان پر شیطان نے کر رکھی ہے ہمیں سخت تکلیف پہونچائی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ لوگوں کی مدد فرمائے اور آپ کو ان بیش قیمتی جانوں اور عزیزوں کے خون کی حفاظت کے لئے قوت روح اور جوش عمل مرحمت فرمائے۔ والسلام

از طرف محمد حسین آل کاشف الغطاء ۱۳۶۵ ہجری
نجف اشرف ۱۳ ذیقعدہ

باب الاحادیث

باب فرض طاعة الائمہ

(عالیجناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)

(۱) عن ابی جعفرؑ قال ذروۃ الامر وسنامہ ومفتاحہ وباب الاشیاء ورضا الرحمٰن تبارک وتعالی الطاعۃ للامام بعد معرفتہ ثم قال ان اللہ تبارک وتعالی یقول من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیھم حفیظا۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں امر کی بلندی اور اسکی کنجی تمام اشیاء کا دروازہ اور خدا کی رضا خدا کی معرفت کے بعد امام کی طاعت ہے پھر امام نے فرمایا دیکھو خدا فرماتا ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو اس سے روگردانی کرے تو ہم نے ان کا نگراں تمھیں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

(۲) عن ابی الصباح قال اشھد انی سمعت ابا عبد اللہ یقول اشھد ان علیا امام فرض اللہ طاعتہ وان الحسن امام فرض اللہ طاعتہ وان الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان علی بن الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان محمد بن علی امام فرض اللہ طاعتہ،

ابو الصباح کہتے ہیں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے امام صادقؑ کو سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) علیؑ امام ہیں ان کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے اور (امام) حسنؑ امام ہیں ان کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے اور امام حسین اور علی بن الحسینؑ اور محمد بن علیؑ امام ہیں خدا نے ان کی اطاعت واجب کی ہے۔

(۳) عن ابی جعفر فی قول اللہ عزوجل واتیناھم ملکا عظیما قال الطاعۃ المفروضۃ۔

امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ خدا کے اس قول کہ انکو (آل محمد) کو ہم نے ملک عظیم دیا اس سے مراد ان کی اطاعت ہے جو لوگوں پر واجب کی گئی ہے۔

(۴) عن ابی الحسن العطار قال سمعت ابا عبد اللہ یقول اشرک بین الاوصیاء والرسل و الطاعۃ۔

ابو الحسن عطار کہتے ہیں میں نے امام صادق کو سنا کہ فرما رہے ہیں کہ خدا نے اوصیا اور تمام رسولوں کو طاعت میں شریک کیا ہے۔

(۵) قال ابو عبد اللہ نحن قوم فرض اللہ عزوجل طاعتنا لنا الانفال ولنا صفوا المال

ونحن الراسخون فی العلم ونحن المحسودون الذین قال الله ام یحسدون الناس علی ما اتاهم الله من فضله۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے ہمارے لیے انفال ہے ہمارے لیے پاکیزہ مال ہے ہم راسخون فی العلم ہیں ہم ہی وہ محسود ہیں جن کو خدا نے ام یحسدون الناس علی ما اتاہم اللہ من فضلہ میں مراد لیا ہے۔

(۶) عن ابی بصیر عن ابی عبد الله قال سالته عن الائمة هل یجرون فی الامر والطاعة مجری واحد قال نعم۔

ابوبصیر کہتے ہیں میں نے امام صادقؑ سے دریافت کیا کہ کیا تمام امام امر (حکم) اور طاعت میں برابر ہیں آپؑ فرمایا ہاں۔

(۷) عن محمد بن زید الطبری قال کنت قائماً علی راس الرضا بخراسان وعنده عدة من بنی هاشم وفیهم اسحاق بن موسی بن عیسی العباسی فقال یا اسحاق بلغنی ان الناس یقولون انا نزعم ان الناس عبید لنا لا وقرابتی من رسول الله ما قلته قط ولا سمعته من احد من آبائی قاله ولا بلغنی عن احد من آبائی قاله ولکنی اقول ان الناس عبید لنا فی الطاعة موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاهد الغائب۔

محمد بن زید طبری کہتے ہیں خراسان میں امام رضا کے سرِاقدس کے پاس کھڑا ہوا تھا اور آپ کے پاس چند بنی ہاشم موجود تھے اور ان میں اسحاق بن موسی بھی تھے امام نے فرمایا اے اسحاق مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تمام لوگ ہمارے غلام ہیں نہیں اور قرابت رسول کی قسم میں نے یہ کبھی نہیں کہا اور نہ اپنے آبا کرام کو فرماتے سنا ہے اور نہ ان سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے یہ فرمایا ہو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ لوگ طاعت میں ہمارے غلام ہیں اور دین کے معاملہ میں ہم کو دوست رکھتے ہیں لہذا جو لوگ یہ سن رہے ہیں غائب تک پہونچا دیں۔

انسانوں کے اعمال اور ان کی سزائیں

عالیجناب مولانا سید صابر حسین صاحب واعظ مدرسۃ الواعظین

یہ جناب سرور کائنات کی چند پیشین گوئیاں ہیں جن کو اگر موجودہ زمانہ کے حالات سے منطبق کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کس حد تک ان کا انطباق حالات سے ہو رہا ہے اور یہ جسقدر انسانوں کی پریشانیاں ہیں وہ سب اپنے کیے کی سزائیں کسی دوسرے پر الزام نہیں حالانکہ لوگ اس چیز کو سمجھتے نہیں اور اکثر ناجائز مشاغل میں مبتلا ہیں۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ وُجُوْهُهُمْ وُجُوْهُ الْاٰدَمِیِّیْنَ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّیَاطِیْنِ کَاَمْثَالِ الذِّئَابِ الضَّوَارِیْ سَفَّاکُوْنَ لِلدِّمَاءِ لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ اِنْ تَابَعْتَهُمْ اِرْتَابُوْكَ وَ اِنْ حَدَّثْتَهُمْ کَذَّبُوْكَ وَاِنْ تَوَارَیْتَ عَنْهُمْ اِغْتَابُوْكَ السُّنَّةُ فِیْهِمْ بِدْعَةٌ وَالْبِدْعَةُ فِیْهِمْ سُنَّةٌ وَالْحَلِیْمُ بَیْنَهُمْ غَادِرٌ وَالْغَادِرُ بَیْنَهُمْ حَلِیْمٌ وَالْمُؤْمِنُ فِیْمَا بَیْنَهُمْ مُسْتَضْعَفٌ وَالْفَاسِقُ فِیْمَا بَیْنَهُمْ مُشَرَّفٌ صِبْیَانُهُمْ عَارِمٌ وَنِسَاءُهُمْ شَاطِرٌ وَشَیْخُهُمْ لَا یَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا یَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کے چہرے آدمیوں کے سے ہوں گے لیکن دل شیطانوں کے دلوں کی طرح نافرمان اور شریر) ہوں گے وہ لوگ مثل تکلیف پہونچانے والے بھیڑیوں کے ہوں گے وہ لوگ قتل و غارت کرینگے اور خون بہائینگے کسی کو برے کاموں سے روکیں گے نہیں اگر تم ان کی پیروی بھی کرو گے تو وہ تم پر مخالفت کا شک کریں گے اور اگر ان سے کوئی حدیث بیان کرو گے تو وہ تم کو جھٹلائیں گے تم انکی نظروں سے اوجھل ہو گے تو وہ تمہاری غیبت کرینگے ان لوگوں کے نزدیک تمام سنت چیزیں بدعت قرار پائیں گی اور تمام وہ چیزیں جو بدعت ہیں سنت سمجھی جائینگی ان لوگوں کے درمیان بردبار انسان بیوفا اور بیوفا انسان بردبار سمجھا جائے گا مومن ان لوگوں کے درمیان ضعیف اور کمزور پایا جائیگا اور فاسق بزرگ اور برتر سمجھا جائیگا ان کے بچے نہایت شریر ہوں گے اور عورتیں مکارہ شوخ اور بیباک ہونگی ان لوگوں کے بزرگ اچھے کاموں کا حکم نہیں دینگے اور برے کاموں سے روکیں گے نہیں انکے سامنے کوئی خواہش پیش کرنا خواری رسوائی اور مصیبت میں مبتلا ہونا ہے اور عذر چاہنا ذلت و خواری ہے ان کے پاس کی کوئی چیز طلب کرنے میں انسان فقیر اور حقیر سمجھا جائے گا۔

لہ (السنۃ) لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح میں طریقۂ نبیؐ کو کہتے ہیں خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا تقریراً اصالۃً ہو یا نیۃً۔

لہ (البدعۃ) دین میں اپنی طرف سے کوئی نئی چیز ایجاد کر دینا جس میں رسول کی طرف سے نہ ہو جیسے حضرت عمر کا متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو حرام کر دینا وغیرہ ۔۱۲

الا لتجاءُ الیہم خزیٌ ولا اعتذارُ بہم ذلٌّ وطلبُ ما فی ایدیہم فقرٌ فعند ذٰلک یحرمہم اللّٰہ مطر السماءِ فی اوانہٖ وینزلہ فی غیر اوانہٖ ویسلطُ علیہم شرارہم فیسومونہم سوء العذاب ویذبحون ابناءہم ویستحیون نساءہم فیدعوا خیارہم فلا یستجابُ لہم

(ترجمہ) پس اس وقت پروردگار عالم بارش ہونے کے وقت پر اس سے محروم کردے گا اور جب وقت نہ برسنا چاہیے اس وقت برسائے گا اور شریر ترین انسان کو ان پر مسلط کردے گا اور وہ بہت برے برے عذاب میں مبتلا ہوں گے لڑکوں پر تو چھری پھیر دیں گے اور عورتوں کو (خدمت کے لیے) باقی رکھیں گے پس اس وقت میں وہ (اپنی مدد کے لیے) اچھے لوگوں کو پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور نہ ان کی کوئی مدد کریں گے۔

(۲) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یاتی علی الناس زمانٌ بطونُہم آلہتہم ونساؤہم قبلتہم ودنانیرہم دینہم وشرفہم متاعہم لا یبقی من الایمان الا اسمہٗ ولا من الاسلام الا رسمہٗ ولا من القرآن الا درسہٗ مساجدہم معمورۃٌ وقلوبہم خرابٌ من الہدیٰ علماؤہم اشرُّ خلق اللّٰہ علی وجہ الارض حینئذٍ ابتلاہم باربع خصالٍ جورٌ من السلطان وقحطٌ من الزمان وظلمٌ من الولاۃ والحکام فتعجب الصحابۃ فقالوا یا رسول اللّٰہ ایعبدون الاصنام قال نعم کلُّ درہمٍ عندہم صنمٌ

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنے شکموں کو اپنا خدا سمجھینگے (یعنی بجائے عبادت کے شکم پروری ہی کی ان کو فکر ہوگی عبادت خدا کو بھول جائینگے) انکی عورتیں انکا قبلہ ہونگی (انکے خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کرینگے) انکا روپیہ پیسہ انکا دین ہوگا اپنی پونجی میں عزت و بزرگی سمجھینگے ایمان کا فقط نام باقی رہجائیگا (کہ یہ مومن ہے ورنہ انمیں ایمان کا کوئی اثر نہ ہوگا) اور ان لوگوں میں اسلام صرف رسمی طریقہ پر باقی رہجائیگا (ورنہ حقیقتاً انمیں اسلام کی کوئی جھلک نہ ہوگی) قرآن صرف پڑھ لیا جایا کریگا (اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جائے گا) مسجدیں تو ان کی بنی ہوئی ہونگی مگر قلوب ہدایت سے (اس طرح) خالی ہونگے (کہ انکی کوئی عزت و حرمت نہ ہوگی نہ ان میں کوئی نماز پڑھنے والا ہوگا نہ عبادت کرنیوالا) روئے زمین پر (تمام) مخلوقات عالم میں شریرترین انسان ان کے علما ہونگے پس اسوقت میں پروردگار ان کو چار قسم کی مصیبتوں میں مبتلا کریگا (اول) بادشاہ ظلم و جور کرے گا (دوسرے) زمانہ کا قحط ہوگا (تیسرے اور چوتھے) افسر والی اور حکام (شدید) ظلم کرینگے (یہ سنکر) اصحاب رسول کو تعجب ہوا اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ لوگ بتوں کو پوجنا شروع کردیں گے حضرت نے فرمایا کہ ہاں انکے نزدیک ہر درہم ایک بت ہوگا (اور بجائے خدا کے وہ اس درہم کی پوجا کریں گے۔)

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ سَیَاْتِیْ زَمَانٌ عَلٰی اُمَّتِیْ یَفِرُّوْنَ مِنَ الْعُلَمَاءِ کَمَا یَفِرُّ الْغَنَمُ مِنَ الذِّئْبِ فَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ اِبْتَلَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِثَلَاثَةِ اَشْیَاءَ الْاَوَّلُ یَرْفَعُ الْبَرَکَةَ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَالثَّانِیْ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ سُلْطَانًا جَائِرًا وَالثَّالِثُ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الدُّنْیَا بِلَا اِیْمَانٍ۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ علماء سے اس طرح بھاگیں گے جیسے بھیڑیے سے بکریاں بھاگتی ہیں پس جب لوگوں کی (یہ دینی کی) حالت ہو جائے گی تو پروردگار عالم ان کو تین چیزوں میں مبتلا کردے گا اول یہ کہ ان مالوں میں سے برکت اٹھ جائے گی دوسرے یہ کہ پروردگار عالم ان پر ظالم بادشاہ کو مسلط کردے گا۔ تیسرے یہ کہ وہ دنیا سے بغیر ایمان کے اٹھیں گے۔

(باقی آئندہ)

تذکرۂ حسینیہ

ہندوؤں کی مشہور تیرتھ گاہ میں

(از جناب مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ حسینی مشنری بھاگلپور (بہار))

گزشتہ دنوں میں اپنے تبلیغی دورہ (حسینی مشن) کے سلسلے میں جاپور (فیض آباد) جاتا ہوا چند گھنٹہ کیلئے جودھیا اسٹیشن پر اتر گیا اسلیے کہ جاتریوں کی بڑی بھیڑ بھاڑ تھی۔ برادران ہندو اپنے اس مشہور تیرتھ گاہ میں تمام اطراف ہند سے اپنے مخصوص مذہبی تہوار میں آئے ہوئے تھے۔ ایک تعلیمیافتہ ہندو بھائی سے جو دلچسپ مکالمہ ہوا وہ درج ذیل ہے:۔

آر۔ پی سنہا:۔ (مجھسے مخاطب ہوکر) اجودھیا اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر جو آپ نے اس وقت تقریر فرمائی میں نے تمام و کمال سنی اور میں خوش ہوا کہ آپنے ہندی کی چندی کر کے مجمع کے مذاق و سمجھ کے موافق اپنے موضوع کو سمجھایا سب سے بڑھکر یہ کہ آپ کا نصب العین ہی یہ ہے کہ تمام دنیا کے سامنے دیوتا حسینؑ کی شخصیت انتخاب کے کارنامے بیان فرماتے۔ آپ کی یہ ہمت کی میں تعریف کرتا ہوں کہ آپ کوئی عار نہیں سمجھتے کہ انسانیت کے ہیرو دیوتا حسینؑ کے محیر العقول کارنامے ہر پلیٹ فارم پر بیان فرماتے۔ چاہے ریل کا پلیٹ فارم ہو یا جہاز کا۔ کیسا ہی اژدہام ہو۔ شہر ہو یا قصبات سڑکوں پر چہار اطراف، بہ مدنیوں تک بازار ہوا۔ غرضکہ ہر جگہ اپنے مشن کے کام میں سرگرم رہتے۔ آپ بیشک ایڈوکیٹ و واعظ ہیں۔

راحت: یہ جناب کی عزت افزائی ہے ورنہ میں کیا اور میرا بیان کیا۔

ہاں دیوتا حسینؑ کا نام لیوا ضرور ہوں۔

آر۔ پی سنہا:۔ میں اب تک یہ سمجھتا تھا کہ اس بزرگوار کا ذکر خیر صرف امام باڑوں مجلسوں ہی میں ہوا کرتا ہے عام گذرگاہوں اور دنیا کے ہر پلیٹ فارموں پر حسینیت پر بیان نہیں ہوتا حالانکہ اسکی سخت ضرورت ہے کہ اس بے مثل شجاع دلیر و بہادر انسان نے جو عزم و استقلال اٹھا صبر و رضا کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ہر طبقے کے لوگ عبرت حاصل کریں۔ (باقی)

از جناب ملا عبد الحسین صاحب اکمل منشی کامل شاہجہاں پوری رئیس المدرسین مدرسۂ نورانیہ راجکوٹ
تلمیذ حضرت تخبیر لکھنوی

اے فلک خاک درِ نیّرِ زہرؑا ہوں میں — جس کا خورشید میں پرتو ہے وہ ذرّہ ہوں میں

سیّدِ جنّتِ خلد کا شیدا ہوں میں — جس کا اعلیٰ سے علاقہ ہو وہ ادنیٰ ہوں میں

رن میں اعدا سے یہ کہتے تھے حسینؑ ابن علیؑ — جسکی اُمت میں ہو تم اُسکا نواسا ہوں میں

جس کے مشتاق تھے موسیٰؑ میں ہوں وہ جلوۂ حق — جسکے بیمار ہیں عیسیٰؑ وہ مسیحا ہوں میں

قطرے ہیں قلزمِ رحمت کے سبھی پیغمبرؑ — جس کا منبع ہیں محمدؐ وہی دریا ہوں میں

سب مرے بندۂ احساں ہیں ملک ہوں کہ بشر — جس پہ اللہ کو نازش ہے وہ بندہ ہوں میں

تم ستا کر مجھے آرام نہ پاؤ گے کبھی — کیونکہ آرامِ دلِ احمدؐ و زہرؑا ہوں میں

(ق)

حُر نے اعدا سے کہا جاتا ہوں سرور کی طرف — بڑھ کے دریا سے جو مل جائے وہ قطرہ ہوں میں

قدمِ سیّدِ کونین پہ رکھنے دو جبیں — پھر مجھے دیکھنا ادنیٰ ہوں کہ اعلیٰ ہوں میں

لے لوں مولا سے رضا جنگ کی پھر کہکے لڑوں — قبضۂ تیغ یداللہ کا ڈورا ہوں میں

مجھ پہ ہے سایہ فگن شیرِ خدا کا دامن — تم ہو روباہ اسدِ بیشۂ ہیجا ہوں میں

خشک ہونٹوں سے یہ بانا تھا کہ کہتے تھے حسینؑ — ظالمو تین شب و روز کا پیاسا ہوں میں

زہر سے ٹکڑے کلیجا ہوا بھائی کا مرے — جانِ احمدؐ جگرِ فاطمۂ زہرؑا ہوں میں

سب کے سب جانتے ہیں میرا حسب اور نسب — پھر یہ سوچو تو کہ مہمان تمھارا ہوں میں

حشر میں کیوں نہ خدا بخش دے مجکو اکملؔ
بندہ پرور ہیں علیؑ جس کے وہ بندہ ہوں میں

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات اہلیہ حضرت نجم العلماء دختر حضرت مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ طاب ثراہما

(از نتیجۂ فکر جناب سید ظفر حسین عرف وزن صاحب ظفر دام مجدہٗ نبیرۂ جناب مفتی صاحب طاب ثراہ)

ماہِ رمضان کی تھی وہ بست و یکم[۲۱] | روز قتلِ امامِ انس و جاں
وہ مرحومہ[۵۱] تھیں جن سے یاد تھے اسلاف | عالمہ۔ عابدہ ادیبِ زماں
بیٹا[۵۲] بھی حاضر تھا نزع کے ہنگام | کر رہا تھا تلاوتِ قرآں
چاروں پوتے بھی پاس حاضر تھے | بھائی[۵۳] بھی۔ یعنے مفتیٔ دوراں
ڈھلا منکا زوال ہوتے ہی | ہوئے آثار موت رخ پہ عیاں
آئے مشکلکشا مدد کے لیئے | سختیاں موت کی ہوئی آساں
زائرہ تھیں تو اپنی منزل میں | لیگئے ساتھ شاہِ تشنہ دہاں
روح یوں نکلی جیسے بوئے گل | پہونچی باغِ ارم میں سیر کناں

لکھ ظفر سال فوت ہجری میں
تربتِ عباس کا ہے خلد مکاں
۱۳۶۶ھ

---

[۵۱] جناب مرحومہ مصنف تاریخ کی حقیقی خالہ تھیں۔

[۵۲] یعنی حضرت تاج العلماء مولانا سید محمد زکی صاحب قبلہ و جناب عماد العلماء مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ۔ و جناب مولانا سید محمد صادق صاحب و جناب مولانا سید محمد محسن صاحب۔

[۵۳] یعنی جناب مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مدظلہٗ۔

راحت :- آپ نے اس بزرگوار کی تمام وکمال لائف دیکھ کر اور شہادت کے واقعات سن کر کیا سبق لیا ہے؟ بڑی مہربانی ہوگی اگر اسے بیان فرما کر بلا پس وپیش ظاہر فرما دیں۔

پی سنہا :- ۲۲ برس کی عمر تک مجھے واقعہ کربلا کے متعلق کوئی خاص اطلاع نہ تھی۔ طالبعلمی کا زمانہ پڑھنے لکھنے کی مشغولیت سے بالکل وقت نہ تھا کہ محرم کی چیزوں سے دلچسپی لوں۔ ایک دن کا ذکر ہے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ الہ آباد گیا سنٹرل میور کالج میں کسی پروفیسر سے اپنی تعلیم کے بابت کچھ مشورہ لینا تھا۔

وہاں پتہ چلا کہ پروفیسر ناصری ایم-اے۔ کا کلچر ہندی منڈی میں لکچر ہے جسکا موضوع ہے واقعہ کربلا کا اغراض واخلاق ہے۔ محرم کی غالباً پہلی یا دوسری تاریخ تھی۔ کالج کا تقریباً تمام اسٹاف اس جلسہ میں گیا ہوا تھا۔ ہم لوگ بھی وہاں پہونچے نہایت شرح وبسط کے ساتھ موصوف نے سب سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ واقعہ کربلا کیوں ہوا؟ اور واقعہ کربلا کا اغراض واخلاق پر کیا ہے؟ تین گھنٹے کامل ناصری صاحب کی مسلسل تقریر جاری رہی۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے پہلے پہل اس حادثہ عظمیٰ کے متعلق تفصیلی واقعات بیک وقت معلوم ہوئے یورپ کے مورخین نے جو کچھ اسکی بابت لکھا ہے (جسے بڑے شد ومد کے ساتھ فاضل لکچرار نے بیان کیا) اس سے مجھے اور کرویدگی ہوئی۔ اور میں نے پھر وقت نکال کر ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ گاہے گاہے مجلسوں میں بھی شرکت ہونے لگی شیعہ دوستوں سے اس سبجکٹ پر تبادلہ خیال بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایک دن تنہائی میں (دہ محرم کو جبکہ تعزیہ وعلم اور تابوت کی سڑکوں پر زیارت ہوئی دکی یا پانی پت میں مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے) قیام گاہ پر پہنچکر میں نے حسینیت پر غور کیا وہیان گیان سے کام لیا دیوتا حسینؑ کی زبردست شخصیت آنجناب کی مظلومیت پر پرچار کیا اور ننگ انسانیت یزید کی شرارتوں بدمعاشیوں کا جائزہ لیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ یزید سے بڑھ کر سنسار میں کوئی ظالم نہ ملے گا۔ اور دیوتا حسینؑ سا صابر ثابت قدم۔ عزم واستقلال کا پہاڑ نہ پیدا ہوگا۔ میرے کانشنس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر حسینؑ کو ایشور پر پورے طور پر بھروسا نہ ہوتا اور اپنے ارادہ میں پختہ نہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اس غیر معمولی امتحان کے لیے تیار نہ ہوتے۔ حسینؑ کے طرز عمل نے بتا دیا کہ پرماتما ہے اور زندہ ہے اور عاجز ومظلوم بندہ کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ نیک وبد کی جزا وسزا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ بس باقی ہوس حسینؑ بیشک حق پر ہے اور اپنے کو سچا سمجھتے تھے اور ان کو پورا بھروسا تھا کہ اللہ ہے اور ضرور ہے وہی ہمارے اور یزید کے درمیان صحیح طریقہ سے فیصلہ کرنے والا ہے۔ راستباز انسان اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے والا انسان خدا ہی پر توکل کرتا جس کے صلہ میں وہ کامیاب ہو کر منزل مقصود پر پہنچ جاتا۔ بعد واقعہ کربلا حسینؑ زندۂ جاوید ہیں اور حسینیت کو فروغ ہے۔ دنیا دیوتا حسینؑ کا دم بھرتی۔ اور یزید کے کرتوت ایسے ہیں کہ دنیا اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ یزیدیت سے انسانیت کو نفرت ہے۔

مولانا یقیناً یہی سبب ہے کہ باوجود عدیم الفرصت ہونے کے میں نے آپ کو حسینیت کا شیدا پاکر ملاقات کی اور آپ کے تمام وکمال لکچر کو غور وخوض سے سنا۔

راحت :- جو سمجھدار انسان ہوگا وہ انسانیت کے ہیرو حسینؑ مظلوم کا سچا فدائی ہو جائے گا۔

پی سنہا :- میں آپ کے پرنسپل کا صدق دل سے احترام کرتا ہوں کہ آپ نے واقعہ کربلا کی اشاعت کا نیا عنوان قائم کیا ہے اور فی صدی ننانوے آدمی جو حسینؑ کو صحیح معنوں میں نہ جانتے تھے ان کی واقفیت کے لیے اپنی زندگی وقف فرما دی۔

عبد ذلیل ابو الخلیل راحت حسین الرضوی عفی عنہ
حسینی مشنری۔ از کھجوہ علی نگر

حساب آمدنی مدرسہ بذریعہ حضرات واعظین

منیجر صاحب کی طویل بیماری کی وجہ سے یہ حساب بجائے ۱۹۴۶ء میں شایع ہونے کے اب چھپ رہا ہے ناظرین اس فروگذاشت پر توجہ نفرمائیں انشاءاللہ اسی سلسلہ کے بعد ہی حضرات معطیان (جنہوں نے ۱۹۴۶ء میں چندہ عطا فرمایا ہے) کے اسما بکمال تشکریہ شایع کئے جائیں گے۔ اڈیٹر

(بذریعہ جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ)

جنوری ۱۹۴۶ء۔

۱۔ جناب سید محمد عقیل صاحب منجھیڑا ضلع مظفرگڑھ مکراہ

فروری ۱۹۴۶ء۔

۱۔ جناب سید محمد حسن شاہ صاحب ڈیرہ غازیخاں بکرایہ

۲۔ ،، اللہ ڈیوایا خانصاحب بلوچ نمبردار سوار والا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں

۳۔ ،، زوار حسین خانصاحب چنیوٹ ضلع جھنگ

۴۔ ماسٹر غلام حسین صاحب جعفری ڈھاری ضلع جھنگ

مارچ ۱۹۴۶ء۔

۱۔ جناب فقیر احمد بخش صاحب دائرہ دین پناہ شرقی ضلع مظفرگڑھ

۲۔ ،، سید زوار حسین صاحب منجھیڑہ ضلع مظفرگڑھ

۳۔ مومنین ڈیرہ اسمٰعیل خاں

اپریل ۴۶ء۔

۱۔ از انجمن پراونشل شیعہ کانفرنس پشاور بعد کرایہ

مئی ۱۹۴۶ء۔ کچھ نہیں۔

جون ۱۹۴۶ء

۱۔ جناب مولوی غلام محمد صاحب پنڈی بھٹیاں از اولو تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ

۲۔ جناب مولانا امیر محمد صاحب تونسوی۔ وا و تحصیل ملسی ضلع ملتان

۳۔ جناب امیر خانصاحب بلوچ سوار والا ڈاکخانہ … ضلع میانوالی

۴۔ انجمن عزاداران حسینی کمالیہ ضلع لائل پور

جولائی ۱۹۴۶ء

۱۔ از مومنین چکر کوٹ ضلع کوہاٹ

۲۔ جناب سید محمد سبطین صاحب استرزئی پایاں ضلع کوہاٹ

اگست ۱۹۴۶ء۔ کچھ نہیں۔

ذریعہ جناب مولانا سید ممتاز حسین صاحب واعظ

جنوری ۱۹۴۶ء۔

۱۔ ذریعہ عقد خوانی

۲۔ جناب سید ناظم حسین صاحب (پتہ نہیں پڑھا گیا)

۳۔ ،، ،، زوار حسین صاحب ،،

فروری ۱۹۴۶ء

۱۔ جناب قاضی سید نور الحسن صاحب باڑی ضلع دھولپور

۲۔ از جانب یک مومنہ … ضلع متھرا

مارچ ۱۹۴۶ء

۱- جناب اشرف علی صاحب دھولپور اسٹیٹ ۔۔ عہ/
۲ ،، خان بہادر سید مظفر حسین صاحب پنشنر سپرنٹنڈنٹ دھولپور اسٹیٹ ۔۔ صہ/
۳- ،، سید رضی صاحب گارڈ ،، عہ/
۴- ،، ،، ذاکر حسین صاحب تھانہ دار ،، عہ/
۵- ،، ،، علی اعظم صاحب ،، ،، سہ/
۶- ،، ،، انتظار حسین صاحب ،، عہ/
۷- ،، ،، عبدالحسین صاحب ،، عہ/
۸- ،، ،، مسعود حسن صاحب وکیل قصبہ باڑی ،، عہ/
۹- ،، ،، حکیم سید محمود حسین صاحب باڑہ کمیدان ،، عہ/
۱۰- ،، ،، یوسف حسین صاحب تھانہ دار ،، عہ/
۱۱- ،، ،، وجاہت حسین صاحب ،، ،، عہ/
۱۲- ،، ،، وزیر حسن صاحب رانیو باڑہ کمیدان صولپور اسٹیٹ عہ/
۱۳- ،، ،، رضا حید صاحب ،، ،، عہ/
۱۴- ،، ،، ابوالحسن صاحب ،، ،، عہ/
۱۵ ،، ،، محمد حسین صاحب کپتان ،، ،، عہ/
۱۶ ،، ،، سردار محمد حسن صاحب ،، ،، عہ/
۱۷ ،، ،، بندہ حسن صاحب ،، ،، عہ/
۱۸- ،، ،، آل محمد صاحب وکیل ،، ،، عہ/
۱۹- ،، ،، منظور حسین صاحب جاگیردار ،، ،، عہ/
۲۰ ،، ،، اہلیہ سید شوکت حسین صاحب ،، ،، ۴/
۲۱- ،، ،، وصیت علی صاحب ،، ،، ۴/
۲۲- ،، ،، والدہ سید حسن احمد صاحب ،، ،، ۲/
۲۳- ،، سید آل عبا صاحب ،، ،، ۴/
۲۴- جناب سید جعفر حسین صاحب ریاست کمیدان دھولپور اسٹیٹ ۲/
۲۵- ،، ،، ،، عابد حسین صاحب ،، ،، ۲/

اپریل ۱۹۴۶ء - کچھ نہیں

مئی و جون ۱۹۴۶ء

۱- عالیجناب سید مظفر حسن صاحب بہادر پور ریاست لور صہ
۲ ،، ،، سرفراز حسین صاحب ،، صہ/
۳- ،، ،، آغا حسن صاحب پنشنر نفنٹ ،، ،، ۵/
۴- ،، ،، محمد حسنین صاحب ،، عہ/
۵- ،، ،، فدا حسین صاحب ترمذی ،، عہ/
۶- ،، ،، عابد علی صاحب ،، عہ/
۷- ،، ،، عباس علی صاحب ،، عہ/
۸- ،، ،، تصدق حسین صاحب ،، عہ/
۹- ،، فیاض خاں صاحب حنفی المذہب ،، عہ/
۱۰ ،، سید مصطفیٰ حسین صاحب ہیڈ کانسٹیبل ،، عہ/
۱۱- ،، ،، علی حسین صاحب نمبردار ،، عہ
۱۲- ،، ،، محمد ہادی صاحب ،، عہ/
۱۳- ،، ،، شریف حسین صاحب ،، عہ
۱۴- ،، ،، امداد حسین صاحب نمبردار ،، عہ
۱۵- ،، ،، مصطفیٰ علی صاحب ،، عہ/
۱۶- ،، ،، حسن عباس صاحب ہیڈ کانسٹیبل ،، عہ
۱۷- ،، ،، ابن حسن صاحب ،، عہ/
۱۸- ،، ،، حکیم ذاکر حسین صاحب ،، عہ/
۱۹- ،، ،، تصدق حسین صاحب محلہ پالکی ،، عہ/
۲۰- ،، ،، مظفر حسن صاحب ،، عہ/

۱- جناب سید گل ولی شاہ صاحب جمعدار پنشنر موسی خیل کچھی ضلع کوہاٹ (برائے ایصال ثواب والدہ خود) عـــہ ۵

۲- سیکرٹری صاحب پراونشل شیعہ کانفرنس پشاور زاد راہ ســہ ۵/

۳- اعانت ماہانہ مستقل از جناب صدر صاحب انجمن شباب الشیعہ ہنگو ســہ ۵

مئی ۴۶ء

۱- مومنین گوڑھی سیوان معرفت سید اکبر حسین صاحب علاقہ سپایہ (زاد) ســہ ۵

۲- " گوڑھی مرزا حسین علی امیر " عـــہ ۵

۳- " گوڑھی عبد المحسن حافظ نجف علی " عـــہ ۵

۴- " کلہ امیر شاہ و محمد جعفر " ســہ ۵

۵- " گوڑھی ملک مظفر و سرور " عـــہ ۵

۶- " انجمن شباب الشیعہ معرفت جناب صدر صاحب ہنگو ۵

جون ۴۶ء

۱- جناب ملک روشن علی صاحب سپایہ علاقہ ازاد عـــہ ۵

۲- جناب غلام نقی و نجف علی صاحبان جمعدار سپایہ علاقہ آزاد لعہ ۵

۳- " سید مرزا حسین صاحب لالپور " " عـــہ ۵

۴- " سید محمد شاہ و سبد گل امام " " عـــہ ۵

۵- " احمد جان صاحب پنشنر صوبیدار " " عـــہ ۵

۶- " ملک وزیر علی و برادران " " عـــہ ۵

۷- شیعہ ڈسٹرکٹ کانفرنس کوہاٹ استرزئی پایان معرفت قاسم رضا صاحب سالار ســہ ۵/

۸- مولوی سید احمد شاہ صاحب عرف طوطی میاں استرزئی پایان کوہاٹ صـہ/

۹- مومنین علیزئی معرفت سید اصغر میاں رضا صاحب جمعدار عـــہ ۵

۱۰- " جکرکوٹ " خادم علی صاحب " و مرزا حسن کربلائی لعہ ۵

۱۱- انجمن شباب الشیعہ ســہ ۵

جولائی ۴۶ء

۱- جناب سید عبد اللطیف صاحب صدر انجمن اثنا عشری ایبٹ آباد (زاد سفر) عـــہ ۱۵

۲- جناب آغا مولوی سید احمد شاہ صاحب عرف طوطی میاں استرزئی پایان برائے ایصال ثواب پسر مرحوم خود عـــہ ۵/

۳- جناب سید جان حسین صاحب پنشنر صوبیدار آف محمورہ کورم ایجنسی (زاد سفر) عـــہ ۵

۴- جناب صدر صاحب انجمن شباب الشیعہ ہنگو ضلع کوہاٹ (مستقل ماہانہ) ســہ ۵/

اگست میں کچھ نہیں۔

ستمبر۔

۱- جناب آغا سید مہدی شاہ صاحب صدر انجمن سکردو زاد راہ برکت علیسی ماعہ ۵

۲- " " " نذرانہ و سفر خرچ صـار

۳- " جناب صدر صاحب انجمن شباب الشیعہ ہنگو اعانت ماہانہ مستقل ماعہ ۵

اکتوبر۔

۱- جناب صدر صاحب انجمن شباب الشیعہ سکردو ســہ ۵

۲- جناب علی نبی صاحب موسی خیل تحصیل ہنگو ضلع کوہاٹ برائے ایصال ثواب والد مرحوم خود صـہ ۵/

۳- سردار علی صاحب اکبر ہنگو محلہ سیدان ازار صـہ/

نومبر۔

۱- صدر صاحب انجمن شباب الشیعہ ہنگو ضلع کوہاٹ ســہ ۵

۲- جناب محمد جان صاحب جکرکوٹ ضلع کوہاٹ (برائے ایصال ثواب خوشدامن خود) عـــہ ۵

امام ضامن ثامنؑ کی مظلومانہ زندگی

۲۳ ذیقعدہ کا یوم غم

مذہب اسلام کی کشتی کو جن متبرک ہاتھوں نے گرداب فنا سے بچایا ان میں امام رضا علیہ السلام کی ذات وہ مقدس ذات تھی جس پر دین و ملت جتنا بھی فخر کرے کم ہے ماہ ذیقعدہ یعنی سال کا گیارہواں قمری مہینہ اس امام برحق کی تاریخ ولادت و وفات کے دو متضاد اثر رکھنے والی تاریخیں پیش کر رہا ہے تاکہ خاندان نبوت کے حلقہ بگوش افراد میں آپ کی یاد تازہ رہے اور سیرت رضویہ پر نگاہ کرنے والے اچھی طرح سمجھ جائیں کہ وہ ایک مجسمہ علم و کمال تھے جب ہی تو اپنے خاندانی تدبر سے دنیا میں اس طرح زندگی بسر کی کہ دوست تو دوست دشمن بھی ان کو پیکر صبر و رضا مانتے ہیں ان کا طرز زندگی نرالا نہ تھا بلکہ اپنے بزرگوں کے قدم بقدم زندگی بسر کی اور انقلاب زمانہ کے تغیرات سے کبھی آپ کے طرز زندگی اور معاشرت میں فرق نہ آیا اگر سچے دل سے مسلمانان عالم سیرت رضویہ پر نگاہ کریں تو آپ کے سوانح حیات اسقدر سبق آموز اور بنی نوع انسان کی بہبودی و اصلاح کے مفید طریقوں سے لبریز نظر آئیں گے کہ آپ کے عہد کے لوگوں میں اسکی کوئی مثال نہ ملے گی اگر امام کی سوانح عمری کے تمام اخلاقی پہلوؤں سے قطع نظر کی جائے تو آپ کی خاموش زندگی اس بات پر گواہ ہے کہ خاندان رسالت کے افراد امن و امان کے سچے حامی اور فتنہ و فساد کے قطعی دشمن تھے اور انتہائی مجبوریوں کے بعد میدان جہاد میں قدم رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر عربی کے بارہ وصیوں میں صرف دو بزرگ ہستیوں نے تلوار کھینچی اور ۶۱ھ کے بعد پھر کسی ہادی ملت نے دفاع کی ضرورت تلوار کے ذریعہ محسوس نہ کی۔

یوں تو ہر معصوم کی نشو و نما ظلم و ستم کی تیز و تند آندھیوں میں ہوئی مگر ان میں غریب الغربا وہ مقتدر ہستی ہیں جو آوارہ وطنی کی زحمت اٹھا کر مدینہ رسولؐ سے سرزمین طوس پر وارد ہوئے اور دوست دشمنوں کے دست تعدی سے نجات حاصل نہ کر کے صبح قیامت تک کے لئے اسی پاک سرزمین پر آرام کیا ہے

قبر امام ہشتم سلطان دیں رضا (حافظ) از جان بوس و بر در آں بارگاہ باش

مخالفت زمانہ کی تیز و تند ہوائیں ہمیشہ انھیں نفوس سے متصادم ہوتی ہیں جن کا کوئی شغل بجز بارگاہ خدا میں عبدیت کا اعتراف کرنے کے ہوتا ہی نہیں ان کی جبین نیاز عقیدت و بندگی کے پرخلوص سجدہ

میں رہکر اپنی غرض تخلیق کو پورا کرتی ہے اور فرزندان توحید کے دلوں میں خود بخود آتش حسد بھڑکتی ہے وہ لوگ جنھیں ملک گیری کی ہمیشہ ہوس جو ارباب ثروت کے عیش و عشرت میں اپنی خاموش زندگی سے خلل انداز ہوں، جن کے دلوں میں جاہ طلبی کا ارمان نہ ہو، جو دنیا سے کنارہ کشی اپنا فریضہ اولیں سمجھتے ہوں، اُن کو کس جرم میں زہر ہلاہل پلاکر اپنی بزم سے ہمیشہ کے لئے اٹھایا جاتا ہے،

امام رضا علیہ السلام کی زندگی بھی عجیب صحیفہ عبرت تھی ۱۱ر ذیقعدہ ۱۵۳ھ کو پیدا ہوئے باپ کے سایۂ عاطفت میں کچھ زمانہ تک پرورش پائی تھی کہ نسیم فراق نے پدر کی شفقتوں سے محروم کر دیا آنکھ کھول کر یہی سنا کہ حضرت موسیٰ بن جعفر وطن سے دور سندی بن شاہک کے قیدخانہ میں پا بزنجیر عمر کی گھڑیاں طاعت الٰہی میں ختم کر رہے ہیں ۵ ار رجب ۱۸۳ھ کو ایک طویل مدت کے بعد والد بزرگوار کی رہائی کی آس بھی ٹوٹ گئی۔ اور باپ کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد صرف ۳۰ برس کی عمر میں عین عنفوان شباب میں مسند امامت پر جلوہ نما ہوئے عام طور پر یہ وقت وہ ہوا کرتا ہے کہ نوجوان دنیا کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہوتے ان کے قول و فعل سے ناتجربہ کاری ظاہر ہوتی ہے۔

مگر امام رضا نے خاص درسگاہ قدرت میں تعلیم پاکر امامت کے بلند درجوں تک ترقی کی تھی دنیا کی کوئی طاقت اُن کے خیالات کو تبدیل نہ کر سکتی تھی نہایت ثبات و استقلال کے ساتھ دینی خدمتیں انجام دینا شروع کر دیں اور کچھ ہی دنوں میں عالم تعارف میں رسول عربی کی خاموش زندگی کی تصویر کھنچ گئی طلب جاہ کے فلسفہ پر جس شخص نے کچھ بھی غور کیا ہے وہ اس مطلب تک پہونچ سکتا ہے کہ انسان جس قدر حصول دنیا میں سرگرم رہتا ہے اُسی قدر دنیا اپنا دامن سرکاتی ہے اور وہ لوگ جنھوں نے دنیا کی فریب کاریوں پر کبھی اعتنا نہیں کی اُن کی طرف دنیا بڑھتی ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ وہ فریفتہ نہ ہو کر اُسے ٹھکرا دیں امام رضا علیہ السلام نے ولیعہدی کے منصب کی تفویض پر جس سختی کے ساتھ اپنے طرز عمل کو باقی رکھا وہ دنیا کے کسی انسان کی زندگی میں نظر نہ آئے گا ملاحظہ ہو امام وقت کی سیر چشمی اور مامون رشید کا دنیاوی طمع دلانا۔

مامون رشید قد علمت فضلك وعلمك وزهدك وورعك وعبادتك واراك احق بالخلافة منى (ماحصل مضمون) فرزند رسول؟ آپ کا علم و فضل، زہد و ورع، عبادت دیکھتے ہوئے میری رائے یہ ہے کہ آپ کو مجھ سے زائد خلافت کا حق ہے۔

و امام یہ سن کر بولے بالعبودية لله افتخر و بالزهد فى الدنيا ارجو النجاة (ماحصل مضمون) میں تو خدا کی بندگی پر فخر کرتا ہوں اور ترک دنیا میں نجات سمجھتا ہوں۔

مامون رشید انی قد رائیت ان اعزل نفسی عن الخلافۃ و اجعلھا لک میں اپنی حالت یہ دیکھتا ہوں کہ رعنتریب سلطنت سے سبکدوش ہوکر انتظام مملکت آپ کے حوالہ کردوں۔

امام فکانت ھذہ الخلافۃ لک واللہ قد جعلھا لک فلا یجوز ان تخلع لباسہ البسہ اللہ تعالیٰ و تجعلہ لغیرک وان کانت الخلافۃ لیست لک فلا یجوز ان تجعل لی مالیس لک۔ اگر یہ خلافت تیرے ہی لئے تھی اور خدا نے اس عہدہ پر تجھکو متمکن کیا تو تیرے لیے یہ کب زیبا ہے کہ جو لباس تجھے خدا نے پہنایا ہے اسکو اپنے غیر کو دیدے اور اگر خلافت تیرا حق نہ تھا تو یہ جائز نہیں ہے کہ جو چیز تیری نہیں ہے وہ تو مجھے دے۔

اس گفتگو میں امام کونین نے خلافت کے مسئلہ کو بے نقاب کر دیا ہے اور صاف طور پر بتایا ہے کہ خدا کا دیا ہوا منصب خود بھی کسی کو دیدینے کا اختیار نہیں ہوتا اور جو خود ساختہ حکومت ہو اس کو دنیا ہی کے بندے قبول کر سکتے ہیں ارباب آخرت کے لئے ضرورت نہیں یہ وہ جواب با صواب تھا جسکے بعد

مامون حضرات تقریر بدلتا ہے اور اس کی وہ تھی باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر امام کو خلافت کا حقدار حق دل سے سمجھتا تھا تو تقریر یا کے بعد اپنی خلافت کو غلط اصول پر مان لیتا۔

مامون ان لم تقبل الخلافۃ فکن لی ولی عھدی لتکون الخلافۃ لک من بعدی اگر آپ خلافت قبول نہیں کرتے تو ولی عہدی کا منصب لیجئے تاکہ خلافت میرے بعد آپ کا حق ہو۔

امام انی اخرج من الدنیا قبلک مقتولاً بالسم تبکی علیہ ملائکۃ السماء۔ میں تیرے پہلے دنیا چھوڑوں گا در آنحالیکہ زہر دیکر قتل کیا جاؤں گا مجھپر آسمان کے فرشتے روئیں گے

مامون (آبدیدہ ہوکر) من الذی یقتلک وانا حی آپ کو کون قتل کر سکتا ہے میری موجودگی میں۔

امام اما انی لو اشآء ان اقول لقلت من الذی یقتلنی اگر میں چاہوں تو کہدوں کہ مجھے کون قتل کرے گا۔

مامون باللہ اقسم لان قبلت ولایۃ العھدی والا اجبرتک علی ذالک فان فعلت والا ضربت عنقک خدا کی قسم ولی عہدی قبول نہ کیجئے گا تو میں جبر کروں گا اور اگر آپنے عمل کیا تو خیر ورنہ آپ کی گردن مار دوں گا۔

اس سخت کلامی کے بعد مامون رشید کی تمام ظاہرداریوں پر پانی پھر گیا اب بھی کوئی شخص یہ کہے گا کہ مامون آپ کو دل سے دوست رکھتا تھا اس تشدد کے بعد امام کے لئے کوئی چارہ نہ تھا کہ منصب کو قبول نہ کرتے۔

امام (مجبور ہوکر) قد نھانی اللہ ان القی بیدی الی التھلکۃ فان کان الامر علی ھذا فانا اقبل علی ان لا اولی احدا ولا اعزل احدا ولا انقض رسما ولا سنۃ

میرے خدا نے مجھ کو اس بات سے روکا ہے کہ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالوں لہذا یہ معاملہ اس حد تک پہونچ چکا تو مجھے قبول کرنے میں عذر نہیں مگر اس شرط پر کہ نہ کسی کو حاکم مقرر کروں گا اور نہ کسی فرمانروا کو معزول کروں گا اور نہ کسی رسم کو توڑوں گا اور نہ کسی سنت میں داخل ہوں گا۔
یہ تھی مامون کی دوستی اور امام رضا علیہ السلام کی بیعت کا اصلی نقشہ جس پر تنظر کرنے کے بعد اچھی طرح ثابت ہے کہ معمولی معمولی بات پر وہ قتل کا ارادہ کر لیا کرتا تھا اور حضرت جانتے تھے کہ میرا قاتل یہی ہے مگر جرم سے پہلے پاداش پر توجہ عقلا کا کام نہیں ہے۔
جب عنان قلم یہاں تک پہونچی تو قارئین کرام کی توسیع معلومات کے لئے یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ مامون نے اس عہدہ کے لئے آپ کا انتخاب کس نظریہ کی بنا پر کیا۔

ولیعہدی کا سبب

اس امر پر اہل تاریخ کا تقریباً اتفاق ہے کہ ولیعہدی کے انتخاب میں امام کا کامل علم اور زہد و تقویٰ میں ممتاز ہونا سبب ہوا کہ آپ کو مسند حکومت پر جگہ دیجائے، ابن اثیر اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے:۔

ذالک انہ نظر فی بنی العباس و بنی علی فلم یجد احداً افضل ولا اورع ولا اعلم منہ انہ سماہ الرضا من آل محمد و امر بطرح السواد و لبس الخضرۃ و ذالک لیلتین من شہر رمضان سنۃ احدی و مائتین۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ازعلامہ ابن اثیر جزری صلاا)

(حاصل مضمون) وجہ انتخاب یہ تھی کہ اولاد علی و عباس میں مامون نے نظر کی تو ان حضرت سے کسی کو بھی افضل اور اعلم اور اورع نہ پایا اور مامون ہی نے آل محمد میں آپ کا نام رضا رکھا اور حکم دیا کہ لوگ اپنے جسموں سے سیاہ لباس اتار کر سبز پوشاک پہنیں یہ واقعہ ۲ ماہ رمضان ۲۰۱ھ میں ہوا۔

اس ولیعہدی کے پورے ایک سال بعد مامون نے اپنی دختر ام حبیب کا عقد بھی امام کے ساتھ کر دیا اور امام کا رشتہ قرابت سببی خلیفۂ وقت سے منسلک ہوکر کم از کم اسلامی دنیا میں تو اسکی شہرت ہو گئی کہ امام رضا نے مامون کی دامادی قبول کی یہ سیرت بھی آپ کی نہ تھی بلکہ پیغمبر کا اسوۂ حسنہ تھا

مگران گہرے تعلقات سے نہ تو کبھی آپ کو اپنی جان کا کھٹکا گیا نہ اور نہ آپ بے خوف ہو کر زندگی بسر کرنے لگے اور نتیجہ میں تمام تعلقات ظاہرداری ثابت ہو کر مامون کے ہاتھ سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔ مورخ مذکور ۲۰۳ھ کے واقعات میں لکھتا ہے:۔

وقیل ان المامون سمه فی العنب وکان علی یحب العنب (تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۱۱۹)
اور کہا جاتا ہے مامون نے انگوروں میں زہر دیا چونکہ آنحضرت کو انگور بہت بھاتے تھے۔

بعد اسکے کہ ہم معاملہ ولیعہدی کی سخت ترین گفتگو میں دعوٰی درج کر چکے اسکی تحقیق ضروری نہیں کہ آپ کا قاتل کون تھا رضوی واقعات دیکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کے قتل میں مامون کی سازش تھی اور ابن اثیر کے الفاظ قیل ان المامون سمہ۔ واقعۂ شہادت کو مشکوک نہیں کر سکتے اصل میں مامون کی گردن سے معصوم و بے گناہ کے قتل کا الزام ہٹانے کے لئے یہ روش اختیار کی گئی ہے جس سے ضعف سند کی بو پیدا ہوتی ہے اور مطلوب یہ مزید وثوق ڈالنے کے لئے ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کان المامون شدید المیل الی العلویین والاحسان الیھم۔ مامون کو اولاد علی اور ان پر احسان کرنے کی طرف بہت زیادہ میلان تھا یہ اجتہاد بھی مورخ کی ذاتی رائے ہے کوئی حاکم دیگر مذاہب کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ان کا سچا دوست صحیح معنوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا اور سیاسی روش اختیار کرنے والوں کی چالاکیاں حق پوشی و بیجا ہمدردی کے پردوں سے چھن کر رہتی ہیں۔ مامون کی صفائی کا دم بھرنا ہٹ دھرمی اور کھلی ہوئی جنبہ داری ہے جسپر تمام اہل عقل نفرین کرنے کو تیار ہیں مجھے ابن اثیر سے پوچھنا ہے کہ مامون رشید اسی متمرد و سرکش کا چشم و چراغ تھا نہ جس نے امام موسیٰ کاظم کی پاک زندگی قیدخانہ میں ختم کر دی باپ کے قاتل کی ذریت سے کسی بیٹے کو بھی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوالاسود دؤلی

از عالیجناب شاہ عبدالحسین صاحب اکمل منشی کامل شاہجہانپوری ملک الشعراء ریاست گوالیار مدرس اعلیٰ مدرسۂ سیفیہ شہر بھوپال

اُٹھا سکے نہ بکھر کر مصلیٰ بے غنچۂ نرگس نے کل سے ۔۔۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں گل کی

حضرت ابوالاسود دؤلی تابعین کے طبقۂ اعلیٰ میں ایک روشن چراغ تھے۔ امیرالمومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید، تلمیذ خاص اور صحابی با وفا تھے۔ جنگ صفین میں آپ نے دشمنوں سے برسرپیکار ہو کر خوب داد شجاعت دی۔ آپ ایک عاقل و فرزانہ زیرک و دانا بزرگ تھے۔

آپ نے باب مدینۃ العلم کے حسب ہدایت علم نحو کو ترتیب دیا۔ آپ آسمان شاعری کے کوکب درخشاں تھے حاضر جوابی میں لاجواب تھے فقیہ کامل اور محدث بےنظیر تھے۔ آپ نے حسب ارشاد حضرت قرآن کریم پر نقطے اور اعراب لگائے۔ آپ میدان جنگ و تازمیں ایک جانباز دست سوار تھے عزت و شرافت میں نامور تھے دولت و ثروت سے مالامال تھے آپ کفایت شعار تھے اس لئے لوگ رشک و حسد سے آپکو بخیل کہتے تھے بعض دشمنوں نے جھوٹے واقعات بھی اس قسم کے بیان کئے ہیں جس سے آپ کا بخیل ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ سب قصے پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔

آپ کی ولادت رسول اکرم صلعم کی بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی تھی۔ جب رسول خدا صلعم نے وفات پائی اُسوقت آپکی عمر ۲۸ سال کی تھی آپ کی کنیت ابوالاسود تھی سلسلۂ نسب گیارھویں پشت پر حضرت جد پدر رسول اللہ صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد قریش کہلاتی ہے آپ ذیل بنت بکر بن عبد مناف بن کنانہ کی نسل میں ہیں اس لئے آپ کا قبیلہ دؤلی کہلاتا ہے۔

رسول خدا صلعم کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ مدینہ میں تشریف لائے اور امیرالمومنین علیہ السلام کی صحبت بابرکت سے فیوض و برکات حاصل کرنے لگے یہانتک کہ آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گئے اور رفتہ رفتہ دنیوی اور دینی مراتب میں اس درجہ ترقی حاصل کی کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے تو امیرالمومنین علیہ السلام نے آپکو کاتب (جو نائب کے برابر ایک اعلیٰ منصب تھا) بنا دیا۔

آپ نہایت دیانتدار اور امین تھے۔ امیرالمومنین کے بیحد قدردان تھے۔ عہدۂ مذکورہ ملنے کے بعد آپ کو حکومت [illegible] کے کارندوں میں جو نقائص نظر آتے تھے۔ وہ آپ عنا امیرالمومنین کی خدمت بابرکت میں لکھ بھیجتے

اس کے جواب میں ابوالاسود کو راسخ الاعتقاد اور مغز فلس کے القاب سے یاد فرماتے۔

جب عبداللہ بن عباس بصرہ کی عمالت سے علیحدہ ہوگئے اسوقت امیرالمومنین نے بصرہ کی زمام حکومت آپ کے سپرد فرمائی۔ اُدھر زیاد بصرہ کا حاکم ہوا یہ زیاد اس عبیداللہ کا باپ ہے جو یزید کے حکم سے کوفہ کا عامل ہوا تھا اور جس کے حکم سے مولانا حسین علیہ السلام معہ اعزا اور اصحاب شہید کئے گئے) زیاد نے ابوالاسود کی شکایتیں دربار علوی میں لکھ بھیجیں مگران جھوٹی تہمتوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی جب ابوالاسود کو معلوم ہوا کہ زیاد نے خدمت حضرت علویہ میں میری چغلیاں لکھی ہیں تو آپ نے اُس کی مذمت میں چند اشعار کہے جو ابتک مشہور ہیں۔

حضرت ابوالاسود نہایت منصف مزاج تھے چنانچہ مذکور ہے کہ آپ کا ایک دوست مالک بن احرام تمیمی تھا۔ اس میں سے اور انکے چچا زاد بھائی کے درمیان ایک مکان کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوگیا آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے مقدمہ کی روداد اور اسکے ہر پہلو پر کامل غور کر کے حق انصاف ادا کیا اور اپنے دوست کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جس سے مالک نے غصہ میں آکر آپ سے کہا کہ "واہ! آپ نے حق دوستی خوب ادا کیا" اُسوقت آپ خاموش ہوگئے مگر پھر اشعار میں اس طنز کا معقول جواب دیا۔ آپکے والی بصرہ ہونے کو ایک سال گذر چکا تھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ابن ملجم کی زہر آشام تلوار سے شہادت پائی جب آپ کو اس غمناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپنے اعیان مملکت اور ارکان شہر کو جامع مسجد میں بلا یا اور ان کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اے بندگان خدا ایک ظالم نے امیرالمومنین علیہ السلام کو جب آپ مسجد کوفہ میں مصروف عبادت تھے تیغ بے دریغ سے شہید کر دیا آپ کے انتقال سے دنیا تاریک ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون رحمت وسلام ہو آپ پر کہ آپ روز محشر خدا کے حضور کھڑے ہونگے۔ اتنا کہکر آپ زار زار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ آپ نے اپنے فرزند سبط رسول امام حسن علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے لوگو تم مولانا حسن علیہ السلام کے لئے بیعت کرو۔ چنانچہ بجز چند غداروں کے سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ایک سال کے بعد امام حسن علیہ السلام نے جب امیر معاویہ سے صلح کر لی تو آپ بھی عمالت سے علیحدہ ہوگئے اور معاویہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر والی مقرر ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی آپ بصرہ ہی میں مقیم رہے کہ بصرہ آپ کا وطن عزیز تھا۔

آپ نے حکومت سے علیحدہ ہونے کے بعد کسی اور جگہ ملازمت کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ اگرچہ احباب آپ کو اس طرف متوجہ کرتے رہے لیکن آپ نے محبت اہلبیت میں سب کچھ چھوڑ دیا۔ البتہ

آپ ہر روز صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے۔ شہر کی سیر کر کے پھر اپنے مکان واپس آجاتے۔ یہ معمول آپ کی آخر عمر تک باقی رہا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ کو اس سے بھی منع کیا کہ پیرانہ سالی میں آپ گھر سے باہر نہ نکلا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ سواری سے جسمانی ورزش ہو جاتی ہے۔ تازہ ہوا سے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ دوستوں سے ملنے جلنے کا موقع نکل آتا ہے تم ہی بتاؤ گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ سوائے اس کے کہ میرے ہاتھ پاؤں سست و بیکار ہو جائیں۔

جب زیاد بصرہ کا حاکم ہوا اُس وقت بعض وجوہ سے مجبور ہو کر آپ اُسکے بیٹے کو تعلیم دینے لگے۔ کیا انقلاب زمانہ ہے کہ حاکم بصرہ اپنے ماتحت کے لڑکوں کی معلمی کرے اور ان کا ایک شاگرد (عبیداللہ بن زیاد) ایک روز امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

علم و ادب پر آپکے احسانات

جلال الدین سیوطی جیسا متعصب مورخ اپنی تصنیف تاریخ الخلفا میں رقمطراز ہے کہ خود ابوالاسود روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ فرق مبارک جھکائے ہوئے خاموش تشریف فرما ہیں میں نے بصد ادب دریافت کیا کہ یا امیر المومنین! کونسا اہم مسئلہ زیر غور ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شہر کے لوگ عربی زبان بولتے ہوئے اکثر غلطیاں کیا کرتے ہیں۔ اس لئے میرا ارادہ ایک کتاب ترتیب دینے کا ہے۔ جس میں عربی زباندانی کے تمام قاعدے محفوظ کر دیئے جائیں میں نے عرض کیا کہ اس مبارک کام کی تکمیل سے عربی زبان زندگی جاوید حاصل کرلے گی پھر میں تین روز کے بعد خدمت حضرت علویہ میں حاضر ہوا آپ نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اسم وہ ہے کہ اپنے مسمٰی کی خبر دے۔ حرف وہ ہے کہ ایسے معنی کی خبر دے جو نہ اسم ہو نہ فعل۔ فعل وہ ہے کہ اپنے مسمٰی کی حرکت کی خبر دے۔ اے ابوالاسود! تم ان اصول کے ماتحت جو کچھ مناسب سمجھو اس میں بڑھاؤ۔ اے ابوالاسود دنیا کی تمام چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں ایک ظاہر ایک مضمر ایک وہ جو نہ ظاہر ہے نہ مضمر ہے۔

ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے مذکورۂ بالا ارشادات عالیہ کو علم نحو کا اصول قرار دیا ان کی روشنی میں بہت سے ابواب و فصول قائم کئے۔ اور ان میں حروف ناصبہ کا بھی بیان کیا۔ انّ۔ انّ۔ لیت۔ لعلّ۔ کانّ کا ذکر کیا مگر لکنّ کو چھوڑ دیا۔ کاغذات کو لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے دیکھکر ارشاد کیا کہ لکنّ کو بھی حروف ناصبہ میں شامل کر دو۔

وضع کرنے کے لیے کہا تھا نحو کے معنی طریقہ کے ہیں اس لیے اس کا نام نحو رکھا گیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد تک قرآن کریم کے نسخوں میں حرف پر نہ اعراب لگائے جاتے تھے نہ نقاط اہل عرب تو قرآن کریم کو دیکھکر صحت کے ساتھ تلاوت کر لیتے تھے مگر غیر عرب تلاوت کے وقت فاش غلطیاں کرتے تھے۔ بعض وقت تو ایسی سخت غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے کہ توبہ ہی بھلی۔ چنانچہ ایک روز ابوالاسود نے ایک فارسی کو یہ آیہ کریمہ "ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ" میں بجائے "رسولُہ" کے "رسولِہ" پڑھتے ہوئے سُنا۔ اصل آیہ مبارکہ کا ترجمہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں مگر اعراب کی غلطی سے آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ معاذاللہ۔ اللہ مشرکین اور اس کے رسول سے بری ہے۔ ابوالاسود آیۂ مذکور کو غلط پڑھتے ہوئے سُن کر نہایت برافروختہ ہوئے۔ اس سے پہلے زیاد حاکم بصرہ نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ کوئی ایسا علم مدوّن فرمائیے جس سے لوگ کلام اللہ کی صحت کیساتھ تلاوت کر سکیں اس وقت آپنے اس خیال سے کہ صحابہ کرام کے عہد کی چیزوں میں اصلاح کی ضرورت نہیں انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب آپ نے قاری مذکور کو اپنے کانوں سے غلط پڑھتے ہوئے سُنا تو فوراً مصمم ارادہ کر لیا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جائیں اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے آپ زیاد کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ اب وہ کام کرنے کو تیار ہوں مجھے ایک ہوشیار کاتب بتایا جائے۔ قبیلہ عبدالقیس کا کاتب حاضر کیا گیا جسے آپنے ناپسند کیا۔ پھر دوسرا کاتب حاضر ہوا۔ اُسے گھر لے گئے اور کہا کہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں جب مجھے دیکھو کہ میں نے کسی حرف کی ادائیگی کے وقت منھ کھول دیا ہے تو اُس حرف کے اوپر نقطہ لگا دو۔ اور اگر منھ کو بند کر دوں تو ایک نقطہ اس حرف کے سامنے لگا دینا اور اگر منھ کو ادھر ادھر پھیروں تو ایک نقطہ اُس حرف کے نیچے لگا دینا۔ کاتب نے آپ کے ارشاد کے بموجب تعمیل کی۔ یہ نقطے بجائے زیر زبر پیش کے لگائے گئے۔ رفتہ رفتہ ان اعراب میں ترقی ہوتی گئی اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ فن کتابت معراج کمال پر پہونچ گیا۔

۸

علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے اپنا چشم دید واقعہ مجھسے بیان کیا کہ بغداد جدید میں ایک شخص محمد بن حسین نامی رہتا تھا اُسے کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ میں نے اس سے دوستی پیدا کی جب اسکو مجھ پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا تو ایک روز مجھے اپنے کتب خانہ میں لے گیا۔ اور سب کتابیں دکھلائیں۔ اُن میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں۔ از اں جملہ چینی پتھروں کے چار ورق تھے۔ جن پر لکھا تھا کہ "بحث فاعل و مفعول از ابوالاسود دؤلی" یہ تحریر یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ یحییٰ ابوالاسود کے شاگرد تھے اس تحریر کے نیچے علان نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط

اس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتب خانہ تلف ہوگیا۔ سوائے قرآن مجید کے نسخوں کے اور کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ الغرض ابوالاسود نے اسلامی علم ادب پر دو بڑے احسان کئے ایک تو یہ کہ آپ نے علم نحو کی تدوین فرمائی اور دوسرا احسان عظیم یہ فرمایا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جس سے مخلوق خدا نہایت آسانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتی ہے۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ آپ کا ایک مکان بصرہ میں تھا۔ آپ کا پڑوسی ہمیشہ آپ کو ایذائیں پہونچایا کرتا تھا۔ ایک اور روایت کے بموجب رات ہوتی تو پتھر پھینکا کرتا، ابوالاسود نے قبیلہ والوں سے اپنے شریر پڑوسی کی شکایت کی لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ اپنے قبیلہ کے بزرگ کو ستانا اچھا نہیں تو اُس نے کہا کہ میں پتھر نہیں پھینکتا بلکہ خداوند عالم اُن کے گھر پر سنگباری کرتا ہے، جب ابوالاسود کو یہ معلوم ہوا تو آپنے وہ مکان فروخت کر ڈالا اور بنی ہذیل کے محلہ میں دوسرا مکان خرید لیا۔ اس واقعہ کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپنے اپنا مکان فروخت کر ڈالا آپ نے فرمایا کہ، بل بعت جاری (بلکہ میں نے اپنے پڑوسی کو بیچ ڈالا) آپ کا یہ جواب اسقدر پسند کیا گیا کہ عربی میں ضرب المثل بن گیا۔

ایک دن آپ عبداللہ بن ابی بکرہ نفیع بن الحرث بن کلدہ ثقفی کے پاس گئے انھوں نے دیکھا کہ ابوالاسود ایک پھٹا سا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ اے ابوالاسود کیا تمہاری طبیعت اس پرانے جبہ سے نہیں اکتاتی تو فرمایا کیا کیا جائے اکثر چیزیں ناگوار تو ہوتی ہیں مگر اُن کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے پھر آپ اپنے مکان پر چلے آئے تو عبداللہ نے سو جوڑے کپڑے کے آپکے پاس ارسال کر دیے آپ نے اُسی وقت یہ اشعار فرمائے

کسانی ولم استکسه فحمدته — اخ لك يعطيك الجزيل وناصر

وان أحق الناس ان كنت شاكرا — بشكرك من أعطاك والعرض وافر

(ترجمہ) مجھے لباس پہنایا حالانکہ میں نے مانگا نہ تھا میں نے اُنکی تعریف کی۔ تیرا بھائی عطایا ئے کثیر عنایت کرتا ہے اور تیرا حامی و ناصر ہے۔ لوگوں میں مستحق شکریہ اگر تم شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو تو وہ ہے کہ جو تم کو دے اور تمہاری عزت بھی باقی رہے، یعنی بے طلب دینے والا قابل شکریہ ہے، آپ کے اشعار واقعات اور سچے جذبات سے پر ہوتے تھے آپنے اپنے اشعار میں اپنی زندگی کے اکثر واقعات کو نظم کیا ہے آپ کا کلام دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا جو ابتک موجود ہے۔

آپ ایک قناعت پسند بزرگ تھے آپکے اخلاق کا اثر آپکے فرزند ابوالحرب پر بھی پڑا جو نہ تجارت کرتے تھے نہ ملازمت آپنے انھیں نصیحت فرمائی تھی کہ طلب معاش میں سعی ضرور کرنی چاہیئے اور حسب ذیل

شعر سے استدلال کیا۔

وما طلب المعیشة بالتمنی ولکن الق دلوک فی الدلاء

(ترجمہ) رزق خواہش سے نہیں ملتا مگر تم اپنا ڈول اور لوگوں کے ڈول کے ساتھ کنویں میں ڈال دو۔

تجئ بملئها طورا وطورا تجئ بحمأة وقلیل ماء

(ترجمہ) تو وہ ڈول کبھی تو پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور کبھی تھوڑا پانی اور باقی کیچڑ ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالاسود خلافت دوم کے آخری عہد میں مفلوج ہو گئے تھے اس لئے جب آپ بازار سے پیدل گذرتے تو آپ کا ایک پاؤں گھسٹتا ہوا جاتا تھا آپ کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں تھیں کسی نے آپ سے کہا کہ آپ بازار آنے جانے اور سودا سلف لانے کی بذات خود کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی غلام کو حکم فرما دیا کیجئے وہ آپ کے حکم کی تعمیل کیا کرے گا۔ آپ نے جواب دیا کہ ابھی تو یہ حالت ہے کہ جب میں بازار سے مکان جاتا ہوں تو میرے فرزند اور غلام خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر میں خانہ نشین ہو جاؤں تو مجھے کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں حرف ظا کی فصل میں آپ کا حال نہایت اجمال سے لکھا ہے اور ایک حدیث کو بیان کر کے کہ یہ آپ سے مروی ہے لکھا ہے۔ کیونکہ آپ صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے اور امیرالمومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے اور پھر آپ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ شعر خوب کہتے تھے۔ حاضر جواب تھے آپ کا کلام حکمت آموز ہوتا اس درجہ کہ ضرب المثل بن جاتا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی بے مثل تصنیف مجالس المومنین میں بھی آپ کا احوال لکھا ہے اُسکا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

جب جنگ صفین کے ختم ہونے کے بعد شرائط صلح طے کرنے کے لیے طرفین سے حکم مقرر کرنے کا موقعہ آیا تو آپ نے امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ابوموسیٰ اشعری کو حکم نہ بنائیے میں اُن کو بار بار آزما چکا ہوں۔ البتہ مجھے حکم بنائیے میں فریق مخالف سے خوب نپٹ لوں گا۔ لیکن اگر وہ یہ حیلہ کریں کہ یہ غلام صحابی رسول نہیں ہے تو مجھے ابوموسیٰ کا معاون بنا دیجئے میں اُن کے اقوال و احوال کی اچھی طرح نگرانی کرتا رہوں گا۔ مگر فریق مخالف نے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس کے حکم بنائے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح ابوالاسود کا حکم بننا بھی منظور نہ کیا۔

ابوالاسود نے بنی قشیر کے محلہ میں سکونت اختیار کی چونکہ آپ امیرالمومنین علیہ السلام سے بہت زیادہ

محبت رکھتے تھے اس لیے یہ لوگ رات کے وقت آپ کے مکان پر سنگ باری کیا کرتے تھے۔ آپ نے ایک روز صبح کو ان لوگوں سے شکایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ پتھر ہم نہیں پھینکتے بلکہ خدائے قہار خود آپ کے مکان پر پتھر برساتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ خدائے تعالیٰ پر تہمت نہ تراشو اگر وہ میرے گھر پر پتھر پھینکتا تو اس کا نشانہ ہرگز خالی نہ جاتا، ان لوگوں نے کہا۔ اے ابو الاسود! تم کب تک امیر المومنین اور ان کے اہلبیت کی مدح سرائی کرتے رہوگے۔ آپ نے جواب میں چند اشعار ارشاد فرمائے۔

یقولون الارذلون بنو قشیر طوال الدهر لا تنسی علیا

(ترجمہ) بنی قشیر کے ارذال کہتے ہیں کہ تو علیؑ کو کبھی نہیں بھولتا

فان یک حبهم رشدا اصبه ولم یک مخطیا ان کان غیا

اگر ان کی محبت کوئی خوبی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی اگر وہ غلطی بھی ہو تو میں خطا وار نہیں ہو سکتا
اس آخری شعر کو سنکر بنی قشیر کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ کے اس شعر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو محبت اہلبیت کی فضیلت میں رشک و شبہہ ہے۔ آپ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا کہ کیا تمہیں قرآن مجید یاد نہیں۔ اللہ جل شانہ ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے وانا وایاکم لعلی ھدی او فی ضلال مبین

ہم اور تم دونوں یا تو ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں)

ایک روز ابو الاسود نے قبیلۂ بنی قشیر کے بعض شخصوں سے فرمایا کہ ملک عرب میں تم سے زیادہ طول بقا کسی اور قبیلہ کا مجھے پتہ نہیں، انھوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اسلیے تم لوگ جو کرتے ہو وہ محض ضلالت ہوتا ہے میں ان افعال سے اجتناب کرتا رہتا ہوں اور جن کاموں سے تم بچتے ہو وہ رشد و ہدایت ہوتا ہے میں ان پر کاربند ہوتا ہوں۔

ایک روز دشمن اہلبیت عبید اللہ بن زیاد نے آپ سے کہا کہ اگر آپ بوڑھا اور ضعیف نہ ہو گئے ہوتے تو آپ سے بعض امور میں استعانت طلب کرتا آپ نے فرمایا کہ اے عبید اللہ! تو مجھے کشتی لڑنے کو کہے تو یہ ناممکن ہے اور اگر خلق و رائے کا طالب ہوتا تو یہ دونوں چیزیں مجھ میں پیشتر سے زائد موجود ہیں۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے کہا کہ حقیقتاً آپ کا ظرف علم و حلم بہت بڑا ہے مگر آپ میں ایک عیب ضرور ہے کہ آپ بخیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظرف کی خوبی یہی ہے کہ اس میں جو شئے ڈالی جائے اس کو محفوظ رکھے۔ جس برتن سے پانی یا کوئی مائع چیز ٹپکتی ہے وہ عیب دار ہے۔

ایک دفعہ عبید اللہ کے باپ زیاد نے پوچھا کہ امیر المومنینؑ کی محبت سے آپ کو کیا ملتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ آپ کی محبت سے استغنا اور حظ وافر حاصل ہوتا ہے۔ اے زیاد! ہم امیر المومنینؑ کی دوستی

سے آخرت کا طالب ہوں اور تو اپنے امیر کی دوستی سے دنیا اور زینت دنیا کا خواہاں ہے۔ میری اور تیری مثال عمرو بن معدی کرب کے اشعار سے ظاہر ہے ۔

روزانہ سیر و تفریح کی وجہ سے آپ کی صحت اچھی رہتی تھی آپ نے آخری عمر میں ایران کے سفر کا ارادہ کیا۔ سردی کا موسم تھا۔ بیٹی نے روکنا چاہا کہ جاڑے کے ایام گذر جائیں پھر تشریف لے جائیے گا مگر آپ نے فرمایا کہ بیٹی موت کا ایک دن مقرر ہے۔ انسان کو قضا و قدر پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ الغرض آپ نے ایران کی سیاحت کی اور وہاں سے وطن مالوف بصرہ میں تشریف لائے کچھ دنوں کے بعد فالج میں مبتلا ہوئے اس پر بھی آپ روزانہ شہر کی گشت کو ضرور جاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے بمقام بصرہ ۶۹ھ میں مرض طاعون میں رحلت فرمائی اسوقت آپ کا سن ۸۵ سال کا تھا ایک اور روایت کے مطابق آپ نے طاعون پھیلنے سے پہلے مرض فالج میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیسری روایت یوں ہے کہ آپ نے عمر بن عبدالعزیز کے ایام حکومت میں رجب ۱۰۱ھ میں بمقام دیر سمعان انتقال فرمایا۔ موت کے وقت آپ سے کہا گیا کہ مغفرت کی بشارت آپ کو مبارک ہو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اعمال سے نادم ہوں جن کی وجہ سے مغفرت کی حاجت ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کے اقوال جو تاریخوں میں درج ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر مال کے بارہ میں فقیروں کی طاعت کریں تو ہمارا حال ان گداگروں سے بھی بدتر ہو جائے۔

(۲) بخیل کے ہاتھ پھیلانے سے بخیل رہنا بہتر ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے حکیمانہ اقوال آپ کے دیوان سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کو خدائے تعالیٰ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا ابو الحرب نامی عنایت کیا تھا ممکن ہے کہ اور اولاد ہو مگر ان تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں ہے ہمارا ارادہ تھا کہ آپ کے دیوان سے کچھ چیدہ اشعار نقل کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے لیکن چونکہ مضمون طولانی ہو گیا اس لئے اسکو یہیں ختم کرتے ہیں۔

حکم قرار دیے جانے دیوالیہ

بعدالت جناب سید قدیر حسن صاحب بہادر جج خفیفہ لکھنؤ

دفعہ ۲۷ ایکٹ ۵ سنہ ۱۹۲۰ء

دیوالیہ سنہ ۲۹ سنہ ۱۹۴۷ء فیصلہ ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مقدمہ قرار دیے جانے دیوالیہ مسمی شیخ وزیر علی بعمر تخمیناً ۳۵ سال ولد شیخ محمد حسین ساکن محلہ
دال منڈی رکاب گنج تھانہ چوک لکھنؤ

کی درخواست دیوالیہ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پڑھنے اور فریقین کے بیانات کو سننے کے بعد
یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مدیون مذکور دیوالیہ قرار دیا گیا اور وہ اپنی بریت کی درخواست اندر چھ ماہ
گذرانے کے وقت ترضہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء

آج تاریخ ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

الواعظ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

زیر سرپرستی امیر الامرا سرکار سر راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر آف محمود آباد

زیر نگرانی حضرت تاج العلما جناب مولانا سید محمد ذکی صاحب قبلہ مجتہد العصر

زیر ادارت سید آغا مہدی رضوی

۱۳۶۶ھ

مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ

مقاصد

(۱) مذہب اسلام کا اکمل الادیان ہونا۔
(۲) پیغمبر اسلام کا افضل الخلائق ہونا۔
(۳) اسلامی شریعت کی حکمت اور اسکی جامعیت۔
(۴) اسلامی اخلاق و آداب کی افضلیت۔
(۵) اسلامی تمدن کی فوقیت۔
(۶) اسلامی احکام اور قوانین شریعت
(۷) ائمہ طاہرین کے کمالات و ہدایات۔
(۸) سلف صالحین کے تاریخی حالات -
(۹) قرآن مجید کا افضل الکتب ہونا
(۱۰) اثبات اصول اسلام بدلائل عقلیہ و نقلیہ
(۱۱) فلسفہ قدیمہ وجدیدہ اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں حمایت اسلام وازالہ شبہات
(۱۲) اکتشافات جدیدہ وحقایق اسلام
(۱۳) اخبار علمیہ۔

قواعد

۱- یہ رسالہ بالفعل ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوگا۔
۲- ہر خریدار کو کم از کم ایک سال کے لئے رسالہ خریدنا ہوگا۔
۳- نمونہ کا پرچہ ۴ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوسکتا ہے۔
۴- جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیئے۔
۵- اشتہارات کی اجرت بذریعہ خط و کتابت طے ہوسکتی ہے۔
۶- علمی معاملات کے متعلق خط و کتابت وارسال مضامین بنام مدیر اور دیگر امور کے متعلق بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۷- شرح قیمت روساء و والیان ملک سے جو ہمت فرمائیں۔ عام خریداروں سے للعہ ر غرباء و طلباء سے بشرط تصدیق ۶

پتہ:- دفتر الواعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

ہدایات

(۱) مقاصد رسالہ کا لحاظ رکھکر مضمون لکھا جائے ورنہ درج نہ ہوسکے گا۔
(۲) مضامین عموماً مختصر ہونا چاہیئے۔ اڈیٹر کو تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا
(۳) عبارت حتی الامکان سلیس اور عام فہم ہو حاشیہ پر جگہ رہے۔
(۴) مضامین صاف خط میں تحریر کئے جائیں اور عبارات عربیہ پر اعراب لگائے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا دوسرے کالم میں ترجمہ ہونا چاہیئے
(۵) حتی الامکان کتب منقول عنہا کا حوالہ دیا جائے۔
(۶) ناقابل اشاعت مضمون واپس نہ ہوگا اگر ضرورت ہو تو صاحب مضمون کو ٹکٹ بھیجنا چاہیئے۔

الواعظ لکھنؤ

جلد ۲۸ | بابت ماہ نومبر و دسمبر مطابق ذالحجہ و محرم سنہ ۱۳۶۷ھ | نمبر ۱۱ و ۱۲

سلیمان کربلا کی لاش پر جانوران صحرا کا ہجوم

سیہ پوش پرند کا شہید جفا کے خون میں لوٹنا

بھیڑیئے نے اپنی فطرت چھوڑ کر بے سر جسموں کا طواف کیا

سُن لیجئے فرصت ہو پھر کیا ہو خدا جانے
(اڈیٹر یل) کب سے ہیں میرے دل میں بیتاب کچھ افسانے (جوش)

زیارت ناحیہ مقدسہ میں امام عصر حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہ نے شہدائے کربلا کی یاد میں یوں غائبانہ سلام کیا ہے السلام علی الاجسام العاریۃ فی الغلوات تنہشہا الذئاب العادیات اس دلدوز سلام میں جنگل میں بے کفن لاشوں کے ساتھہ صحرائی گرگ کا ذکر ہے اور کلام کا ظاہر تشنہ تبصرہ ہے حقیقت امر کے انکشاف سے پہلے قارئین کرام کو یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات قرآنی لب ولہجہ میں اور فصاحت و بلاغت کے تمام محاسن پر فائز اسکے سمجھنے کے لئے کمال عقل و دانش ہی کی ضرورت نہیں بلکہ امر ناصعب مستصعب کی حقیقت افروز آوازنے تدبر کی فرمائش کی ہے اور باعلان کہدیا ہے کہ ہمارے معاملات بہت دشوار گذار اور سخت ہیں اس کا تحمل یا تو ملائکہ مقربین کو ہو سکتا ہے یا اس مومن میں برداشت کی قوت ہے جس کے دل کا امتحان ہو چکا۔ احادیث ائمہ سمجھنے کے لئے قوت یقین سے لبریز دل و دماغ کی ضرورت ہے اور قرآنی اسرار و غوامض جو سمجھ سکتا ہو اس کے دل نشین اہلبیت کے ملفوظات بھی ہو سکتے ہیں۔

الفاظ کا وزن معانی کی اہمیت ترتیب کلام کا فائدہ مقصد کا شکوہ معمولی عقل دریافت نہیں کر سکتی انسان کی وجہ خلقت اسکو منزل امتحان پر لاتا ہے انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ اور ان ھذا الھو البلاء المبین کے قید و بند میں اسیر ہے اس کے سامنے۔ بشر حضرت آدم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے تو عصیٰ آدم ربہ فغوی کہکر لسان قدرت

سے وہ لفظیں استعمال ہوتی ہیں جن کا صحیح حل اہلبیت طاہرین کے در پر پہونچ کر ہوتا ہے خود حضرت ختمی مرتبت صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی شان میں لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر محتاج تاویل ہے قول کے ساتھ قدرت کا عمل بھی یہی ہے اصحاب سبت کو جس دن شکار کی ممانعت ہوئی اسدن دریا میں مچھلیوں کی فراوانی اور شکار کے دن ماہیان دریا کا فقدان و یوم لا یسبتون لا تاتیھم (نصف پ ۹) مذاق قدرت کی ایک کھلی ہوئی تصویر ہے اور واضح ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں اسلئے آیا ہے کہ ہر قدم پر معرض امتحان میں رہے زیارت ناحیہ میں امام زمانؑ کا مرقومہ بالا تخاطب اسی نظریہ کا ایک نمونہ ہے۔

جو لفظ کسی معنے کیلئے وضع کی گئی ہو جب کان تک پہونچتی ہے تو دل و دماغ فوراً ان معانی کیطرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ معنی سامنے آجاتے ہیں اسکے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کلام کرنے والے نے بھی وہی معنی مراد لئے ہوں لفظ کے سننے کے بعد جب معنی کا خطور دل میں ہو تو یہ دلالت تصوریہ ہے اُس پر کوئی حکم ایجابی یا سلبی نہیں لگایا جاتا لہذا تصور ہے تصدیق سے کوئی لگاؤ نہیں ہے

ہم مجبور ہیں کہ جب قرینہ اوس مفہوم کے خلاف ہو تو پہلے معنے سے اس لفظ کو ہٹا کر دوسرے معانی کا جامہ پہناتے ہیں اور اسکو تصرف نہیں کہتے بلکہ اس کا نام ہے ادائے مطلب اور یہ اہل علم میں برابر جاری ہے وہ جب مسلمات سے کسی بیان کو متصادم دیکھتے ہیں تو تاویل کرتے ہیں ایمان میں کمزور نفوس تخیل کی مدد سے فاسد صورتیں تجویز کرتے رہیں اور حق سے دور ہوکر باطل کے قریب پہنچ جائیں مگر تو یہ اہل حق کو الفاظ کا ظاہر صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتا وہ دوسرے لوگ ہیں جنھوں نے دشمن شیعیت مولف اخبار الطوال کے اجتہادات کو سراہا اور بیدھڑک نشر و اشاعت کی سے

لے جوش الجھتا ہی کیوں شیخ بک بک سر سہ ~~ یہ عشق کو کیا سمجھے۔ یہ حسن کو کیا جانے

لا یبقی من الایمان الا اسمہ کا منحوس زمانہ آگیا ہے باطل سے دلچسپی تجدد سے لطف مغربیت سے حسن ظن کے یہ نتائج ہیں جو ہمارے سامنے ہیں دور ماضی میں ارباب تہذیب کی ذاکری کو دیکھو خبر غیب لکم عربی فارسی اردو نظم و نثر مقاتل میں موجود ہے مگر اہل قلم نے حفظ مراتب اور تہذیب سخن کا یہ خیال کیا کہ خلاصۃ المصائب بحر المصائب وغیرہ میں عربی لفظ کا ترجمہ ظاہر کیا زلغ مذھن میں باعتبار خلقت تھوڑا ہی فرق ہے روایت کو بار بار قند مکرر کی طرح سننے کے بعد بھی ذاکر و سامع ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ مظلوم کربلا کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وحشی پرندہ بال و پر خون سے رنگین کرتا ہے لہذ

مجسم نامہ بر ہوکر مدینہ میں سنانی سنائے ؎

نَعَبَ الغُرَابُ فَقُلْتُ مَنْ تَنْعَاہُ وَیْلَکَ یَا غُرَابُ

توضیح مرام من قرآن حکیم سے مدد

معلی بن خنیس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے حضرت نے فرمایا ما من امر یختلف

فیہ اثنان الا ولہ اصل فی کتاب اللہ ولکن لا تبلغہ عقول الرجال (الصافی)

کوئی ایسا نہیں جس میں دو شخصوں میں اختلاف ہو مگر یہ کہ اسکی اصل خدا کی کتاب میں ہے لیکن لوگوں کی عقلیں وہاں تک نہیں پہونچتیں ۔

قرآن حکیم کی سیر سے ہم کو دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) (الف) خدا کے محترم بندوں کی لاشوں پر جانور واقعہ کربلا سے پہلے بھی آ سے ہیں ابو البشر حضرت آدم خلیفۃ اللہ کا نونہال ظالم بھائی کے ہاتھ سے ذبح ہوگیا تو چونکہ دنیا میں یہ پہلا قتل تھا اور بدبخت قاتل لاش کے سپرد خاک کرنے کا طریقہ نہ جانتا تھا قدرت کی طرف سے زخمی جسد کے زیر زمین کرنے کی تعلیم ہوئی فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض خدا نے کوے کو بھیجا وہ زمین کریدنے لگا (پ ۶ رکوع ۹) قابیل کی لاش پر غراب آنے کی صحیح غرض یہ تھی کہ دفن کرنے کا طریقہ بتائے اور مظلوم کربلا کی نعش پر آنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ مدینہ رسول میں خبر شہادت پہونچی ۔

(ب) اصحاب کہف اگرچہ زندہ ہیں مگر وہ مرنے والوں کی طرح میٹھی نیند سو رہے ہیں اور دنیا سے منہ موڑے ہیں تو انکی جسموں کے حفاظت کیلئے بھی جانور ہی ہے کلبھم باسط ذراعیہ بالوصید غراب اور کلب دونوں مردار خوار جانور ہیں مگر توحید پرستوں کے بالین پر جب وہ محافظ بنکر پہونچتے ہیں تو اپنی فطرت بھول جاتے ہیں اور جو خدا نے خدمت ان کے سپرد کی ہے وہ انجام دیکر فریضہ سے سبکدوش ہوتے ہیں اور کسی کے دل و دماغ میں یہ وہم بھی پیدا نہیں ہوتا کہ العیاذ باللہ یہ جانور کسی اور غرض سے آئے تھے جو لوگ وہاں ملت پر ایمان لاچکے ہیں اون کے قلوب شہادت کی تخم ریزی سے پاک ہیں ۔

(۲) بھیڑیا انبیاء اور اولاد انبیا کا گوشت ہرگز نہیں کھا سکتا ۔ قرآن مجید میں فرزندان یعقوب کی غلط بیانی پر تبصرہ ہوا ہے کہ برادران یوسف نے کہا ترکنا یوسف عند متاعنا فاکلہ الذئب ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا اون کو بھیڑیا کھا گیا فخر الدین رازی نے قول حضرت

یعقوب" مین رہتا ہون کہ کہین یوسف کو بھیڑیا نہ کہا جائے" کی تحت مین کہتا ہے الزجر عن التہاون فی حفظہ وان کان یعلم ان الذئب لا یصل الیہ قول یعقوب زجر و توبیخ پر مبنی تھا وہ تحفظ تام چاہتے تھے اگرچہ ان کو معلوم تھا کہ بھیڑیا یوسف تک نہین پہونچ سکتا۔ تفسیر مین یہ بھی ہے کہ جب یعقوب نے بدکردار بیٹون کو اپنے بیان پر قائم دیکھا تو طاقت نبوت سے کام لیکر بھیڑیے کو صدا دی اور جنگل کے تمام گرگ جمع ہوگئے اور بارگاہ عصمت و طہارت مین یہ جواب دیا ان لحوم الانبیاء محرمۃ علینا ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے (روضۃ الاصفیا فی ذکر انبیاء چھاپہ نولکشور صفحہ ۲۲)

اہلبیت طاہرین کے ارشادات

حضرت یعقوب کی زندگی مین یہ مسئلہ صاف ہوا کہ اولاد انبیاء کا گوشت درندون پر حرام ہے حضرت دانیال کو اونکی ماں نے خوف دشمن سے مجبور ہوکر شیرون کے بیشہ مین چھوڑ دیا اور جنگل کے درندے اُن کی حفاظت کا باعث ہوئے امام محمد باقرؑ سے ایک بھیڑیے نے یہ خواہش کی فادع اللہ ان لا یسلط شیئاً من نسلی علی احد من شیعتکم (مناقب آل ابی طالب) دعا فرما دیجئے کہ میری نسل مین کوئی درندہ آپ کے شیعون کو ضرر نہ پہونچائے" اس آرزو سے جانور کی کمال عقیدت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ اہلبیت کے کسی حلقہ بگوش کو بھی تکلیف پہونچانا نہین چاہتا اور حافظ رجب برسی علیہ الرحمہ نے اس روایت کے ترجمہ مین یا لکھا ہے کہ بھیڑیے نے کہا وان یرزقنی اللہ ولداً لا یؤذی احداً من شیعتک (مشارق الانوار) مجھے ایسی اولاد خدا دے جو آپکے شیعون کے مویشی کو ضرر نہ پہونچائے۔

عہد امام علی نقی علیہ السلام مین ایک عورت کا زینب بنت فاطمہ ہونے کا جھوٹا دعوی اور امام کی طرف سے یہ معیار مقرر ہونا ان فی ولد علی علامۃ قال وما ھی قال لا تعرض لہم السباع (مناقب ال ابی طالب جلد ۲ چھاپ بمبئی) اولاد علی کی شناخت یہ ہے کہ اون پر کوئی درندہ حملہ نہین کرسکتا ابھی تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ انبیاء و اوصیاء اس عظمت کے حامل ہین مگر اب یہ معلوم ہوا کہ مطلق اولاد علی مثلاً حضرت محمد حنفیہ حضرت عون وغیرہ محترم ہین درندون کی نگاہ مین لہذا عقل قبول نہین کرتی کہ جو مطلب وقتاً فوقتاً گیارہ معصومین دنیا کے سامنے پیش کرچکے ہون اُسکو اس نسل کی آخری فرد پاش پاش کردے۔

تاریخی ثبوت اور کتب سیر سے تائید

اگر ہم تاریخ عالم پر نظر کرتے ہین تو واقعات کے لحاظ سے بھی ایسے امواث ہین دنیا مین جنکی حفاظت کا

درندون پر خاندان رسالت کا گوشت حرام ہے

بندۂ خدا کی لاش کا محافظ سانپ

متعلق جانوروں سے ہوا ہے مشرم نامی ایک عابد حوالی شام مین گذرا ہے جو حضرت عیسیٰ کے اوصیار کی ایک گوشہ نشین فرد تھا اس نے بارگاہ حمدیت مین دعا کی کہ پالنے والے اپنے اولیار اور مقربین مین سے کسی شخص کی زیارت کا شرف عطا فرما حضرت ابو طالب سے ملاقات ہوئی اور مشرم نے ولادت امیرالمومنین کی پیشنگوئی کی اور کہا کہ جب وہ فرزند پیدا ہو تو مجھے خبر کرنا بعد ولادت امیرالمومنین ابوطالب عابد سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اور ۲ دن مکہ سے غائب رہے جب مرکز پر آئے تو معلوم ہوا کہ مشرم نے انتقال کیا ہے اور دامن کوہ مین کفن پہنے ہوئے رو بقبلہ آرام کر تا ہے ابوطالب نے دیکھا کہ دو سانپ حفاظت کر رہے ہین انکے قریب پہنچ کہا السلام علیک یا ولی اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ مشرم اسیوقت زندہ ہو گیا اور شہادتین کا اقرار کیا ابو طالب نے ولادت علی مرتضےٰ سے خبر دی مشرم نے سجدۂ شکر کیا اور پھر کفن مین منہ چھپا کے آرام کیا اور وہ دونون سانپ پھر حفاظت کے لئے آگئے ابوطالب کے استفسار پر سانپون نے بیان کیا کہ ہم قیامت تک مشرم کی لاش کی حفاظت کرین گے (روضۃ الواعظین)

سر مسلم کی حفاظت زنبوروں نے کی

(۲) غزوہ احد و خندق کے درمیان مین اہل اسلام کو کچھ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں درپیش ہوئین اور خداوند عالم نے انھین بھی مسلمانون کو کامیاب کیا ازانجملہ غزوہ رجیع ہے اس جنگ مین لشکر اسلام کے مجاہد عاصم بن ثابت کو دشمن نے قتل کیا اور چاہتے تھے کہ سر کاٹ لین خداوند عالم نے زنبور کو مقرر کیا جس نے حفاظت کی اور کوئی مشرک سر کے قریب آنے نہین پایا زنبور نے حفاظت کی اور پروانہ وار خدمت انجام دیکر لاش کو بچایا۔ (نفحۃ الریاحین فی احوال سید المرسلین صـ ۱۲۳)

معلوم ہوا کہ خدا کی راہ مین قربانی کرنے والون کی لاش کا محفوظ رکھنا قدرت کا فعل ہے اور وہ کبھی کلب کو محافظ بنا کر کبھی سانپ مقرر کر کے کبھی زنبور کا پہرہ بٹھا کر جسمون کی حفاظت کرتا ہے تو اگر فرزند رسول الثقلین حضرت ابی عبداللہ الحسین روحی فداہ کی نعش پر درندے محافظ بنکر پہرہ دین تو کوئی بات نہین ہے زیارت ناحیہ مین غیر مبہم الفاظ مین اسکو امام عصر نے بیان فرمایا ہے تختلف الیھا السباع الضاریات خونخوار درندے ان کے گرد پھرتے تھے ممکن ہے کہ بجدل اور سجدل ملعون کے مظالم کے بعد فوج شام کے درندہ صفت سپاہیون نے اور ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا ہو جس کا قدرت نے یہ انتظام کیا۔

امام حسین علیہ السلام کی حفاظت اژدہا

خود مظلوم کربلا کی شخصیت وہ تھی کہ عالم طفولیت مین اونکی اور اُن کے بھائی کی حفاظت

اژدھے کے ذریعہ سے ہوئی اوسوقت جب دونون شاہزادہ تلاش کرنے پر بیت الشرف مین نہ ملے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیقہ بنی نجار مین آئے تو دیکھا۔

مارے عظیم کہ تنش از موہائے درشت نیتانی می نمود اور او دو بال بود یکے را بر فراز سر حسن وان دیگر برابر فراز سر حسین گسترده میداشت رسول خدا چون این بدید تنحنحی فرمود آن مار بجانب دیگر سوئی شد وھی تقول اللّٰھم انی اشھدک واشھد ملائکتک ان ھذان شبلا نبیک قد حفظتھما علیہ ودفعتھما الیہ سالمین صحیحین آن مار بزبان آمد عرض کرد اے خدائے من ہمانا ترا شاہد میگیرد و فرشتگان شہادت میخواہم کہ شیر بچگان پیغمبر ترا حفظ و حراست نمودم و ایشان را صحیح و سالم با پیغمبر تو سپردم (ناسخ التواریخ جلد ششم از کتاب دوم چاپ بمبئی)

مسئلہ کا حل

گذشتہ بیان مین جب یہ ثابت ہو چکا کہ جانوروں سے حفاظت کا کام لیا جانا کارخانہ الوھیت کی قدیم رسم ہے۔ تو اب ہم حل مسئلہ کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرتے ہین اور بتاتے ہین کہ زیارت کا فقرہ السلام علی الاجسام العاریۃ فی الفلوات تنھشھا الذئاب العادیات کا مقصد یہ ہے کہ جنگل کے گرگ نما انسان ان برہنہ لاشون کو اذیت پہونچا رہے تھے ذئاب حقیقت نہین مجاز ہے اور چونکہ خونخوار دشمن کو ذئاب سے تعبیر کرنا تھا اس لئے "نھش" کی لفظ استعمال ہوئی جو کلام عرب کی ایک خصوصیت ہے اس نظریہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جہان حقیقی درندون کا ذکر ہے وہان "تختلف اسباع" فرمایا ہے اور تختلف کے معنی وہی ہین جو ہم نے اوپر لکھے ہین اس لفظ کو معصوم نے دوسرے محل پر یون استعمال کیا ہے کہ "ما بین قبر الحسین الی السماء السابعہ مختلف الملائکہ" حائر سید الشھداء اور آسمان ہفتم کے مابین ملائکہ کی گذرگاہ ہے

دعوی کی دلیل

جس طرح بہادر آدمی کو شیر سے تشبیہ دیتے ہین "زید کالاسد" زید شیر کیطرح جیالا ہے اور ظالم انسان کو گرگ صفت کہا جاتا ہے بقول سعدی؎

ہمہ آدم نزاد بودند لیکن چو گرگان بخونخواری تیز چنگ

اسیطرح مرد نبرد آزما کو شیر اور ظالم کو بھیڑیا بھی کہا گیا ہے۔ واقعہ کربلا ہی شاہد ہے کہ حسینی فوج کے ایک دلیر سپاہی عابس کو ربیع بن تمیم شامی نے ھذا اسد الاسود کہا ہے یہ شیرون کا شیر ہے۔ صفحہ ۲۸۱ ناسخ التواریخ

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آخر زمانے کے بدسرشت انسانوں کو بھیڑیا کہا ہے جامع الاخبار فصل فی الملاحم ہے،

مساجدھم معمورۃ بالاذان وقلوبھم خالیۃ من الایمان	مسجدیں صدائے اذان سے معمور تو ہونگی مگر دل ایمان سے
بما استخفوا بالقران وبلغ المؤمن عنھم کل ھوان فعند	خالی ہونگی قرآنکو سبک سمجھا جائیگا پس اسوقت تم اونکے چہرے
ذلک ترى وجوھھم وجوہ الادمیین وقلوبھم قلوب الشیاطین	آدمیونکے دیکھو گے لیکن دل شیاطین کے ہونگے انکی بات چیت سب سے
کلامھم احلى من العسل وقلوبھم امر من الحنظل فھم ذئاب	زیادہ میٹھی اور دل حنظل سے زیادہ کڑوے ہونگے وہ
فعلیھم ثیاب الخ	درحقیقت بھیڑیے ہونگے لباس انسانیت میں چھپے ہوئے۔

معلوم ہوا کہ امام عصر کا کلام نبوی اصطلاح سے ماخوذ ہے اور انہوں نے اسی لب ولہجہ میں گفتگو کی ہے

زیارت کا دوسرا فقرہ

اب رہا یہ امر کہ زیارت میں دوسرا فقرہ فتقطعھا عسلان الفلوات بھی موجود ہے اور عسل گرگ صحرائی کو کہتے ہیں مرقومہ بالا بیان اس فقرہ کے حل میں کافی ہے مگر اس موقع پر ذرا حقیقت امر کھلا دیتے ہوں اسکو واضح کرنا بھی ہمارا فرض ہے امام زمان کا یہ فقرہ ماخوذ ہے خود امام حسین کے اس خطبہ سے جو مکہ سے روانگی کے وقت آپنے پڑھا تھا اور فرمایا کانی باوصالی تتخطعھا عسلان الفلوات یہ خطبہ ایک ادبی شاہکار ہے جونکہ آپ صدر کلام میں اپنے تئیں یعقوب نبی سے تشبیہ دے چکے تھے ارشاد فرمایا اولھنی الی سلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف مجھے اپنے بزرگوں کی ملاقات کا ایسا ہی ذوق ہے جیسے یعقوب یوسف کیلئے ترستے تھے یعقوب کا نام لینے کے بعد وہ لفظ استعمال کرنا کہ عین رفعت وبلندی ہے جسمیں گرگ کے معنے پیدا ہوں سپہر کاشانی مورخ جو زمرہ علماء و محققین میں نہیں مگر بحیثیت شیعہ حفظ مراتب کا اتنا خیال ہے کہ حسب ذیل ترجمہ کیا۔ کانہ مفاصل خود را در زمین نینوا بدست گرگہائے بیابان کردیعنی لشکر کوفہ پارہ پارہ می بینم۔ (ناسخ التواریخ) جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے اوس خطبہ میں جو کوفہ کی راہ میں پڑھکر دشمنوں سے کہلوا دیا کہ باپ کی زبان میں یہ خطبہ ہے) یہی معانی کے اس جملہ کو اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا ہے تلک الجثث الطواھر الزواکی تنتابھا العواسل اون پاکیزہ اور مقدس لاشونکو عواسل دیکھو بھال رہے تھے عسل اور عواسل کے معنے شبنم کے بھی ہیں اور بظاہر اس جزو زیارت میں یہ مطلب ادا کیا گیا ہے کہ زخمی لاشونکو گرد و غبار اور دھوپ سے جو تکالیف دن کو پہونچی اونکو رات میں شبنم کی ٹھنڈک نے نقصان پہونچا کر اسے پارہ پارہ کر دیا اس معنے کو علامہ حکیم غلام حسنین صاحب کنتوری نے قاتلین میں اختیار کر کے ترجمہ کیا ہے۔ جنگل کی شبنم اون کے جوڑ بند ڈھیلے کر کے جدا کئے دیتی تھی مقاتل کے صفحات میں یہ ترجمہ موجود ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ **نتیجہ کلام** ما۔ یہ ہے کہ وہ احادیث جسمیں چاندوں پر ملاء دانبیاء کا گوشت حرام بتایا گیا ہے زیارت ناحیہ میں متصادم نہیں ہیں اور جو درندوں نے سیدالشہداء اور دیگر شہداء کے ماتم میں سوگواری

الواعظ

بابت ماہ نومبر و دسمبر

فلسفۂ مذہب شیعہ فلاسفۂ مسیحین کے نزدیک

عالی جناب مولانا سید کاظم رضا صاحب نقوی متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

یون تو بڑے بڑے محققین یورپ کی کتابین اسلامی لٹریچر پر پائی جاتی ہین لیکن جرمنی کے مشہور و معروف محقق "میسو ماربین" کی کتاب "فلسفہ اسلام" کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ اس محقق کو کسقدر کثیر تاریخی معلومات اسلام کی بابت حاصل ہین اپنی نادر تحقیقات سے تاریخ مین ایک نیا اضافہ کیا ہے اس نے اپنی کتاب مین ایک فصل "انقلاب کبیر" کے عنوان سے قائم کی ہے جس مین مذہب شیعہ کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین بن علیؑ ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف حضرت محمد کے نواسہ اور آپ کی دختر جناب فاطمہ کے فرزند تھے آپ پاکیزہ اخلاق اور تمام اچھی اچھی صفتون کے مالک تھے آپ کی شجاعت باپ سے ورثہ مین آئی تھی آپ اپنے نانا کے مذہب اور اس کے احکام کو سب سے زیادہ سمجھنے اور جاننے والے تھے سخاوت مین بھی درجہ کمال حاصل تھا فصاحت و بلاغت مین آپ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ تمام مسلمانون کو آپ سے بڑی عقیدت ہے مسلمانون کا وہ گروہ جو آپ کے پدر بزرگوار اور برادر نامدار سے ہمیشہ مخالف رہا یعنی خوارج وہ بھی آپ کی مدح سرائی کرتا ہے ان کی کتابین بھی آج آپ کی مدح سے پر نظر آتی ہین۔ آپ بڑے غیور اور صادق القول تھے۔ ہم بغیر اعتراض کا خوف کیے ہوئے یہ لکھدینا چاہتے ہین کہ پیروان علی یعنی شیعہ نصاریٰ کے مقابلہ مین جو کہ مسیح کے معتقد ہین کہین زائد تسکین کے

بارے مین اعتقاد رکھتے ہین جس طرح ہم قائل ہین کہ حضرت مسیح نے اس لئے مصیتین و سختین جھیلین تاکہ گناہون سے سب کو چھٹکارا ہو جائے بالکل اسیطرح گروہ شیعہ بھی قیامت مین حسین کو شافع مطلق جانتا ہے۔

ص۱ ہمارے اور نصاریٰ کے نظریہ مین بہت فرق ہے گروہ شیعہ اس کا قائل نہین کہ امام حسین کے مصائب ساری امت مرحومہ کے گناہون کا کفارہ نبگئے بلکہ عذاب و ثواب مترتب صرف اعمال پر ہوگا ہم امام حسین کو ہر اس مومن کا شفیع مانتے ہین جس نے دنیا مین کچھہ اعمال بھی کئے ہون اور احکام مذہب کا پابند رہا ہو اس صورت مین اگر کوئی خامی اعمال مین پائی جاتی ہوگی تو اسے آپ بیشک شفاعت فرما کر اس عذاب سے بچالین گے۔ ۱۲ کاظم رضا

اس سے کوئی نہین انکار کرسکتا کہ آپ اپنے عصر مین سیاست کی حیثیت سے سب سے بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار علی بن ابیطالب گو حکیم اسلام تھے اور آپ کی حکمتین اور کلمات حکماء عالم سے کم مرتبہ نہین رکھتین باوجود اسکے جیسی سیاست حسین سے ظاہر ہوئی آپ کے ظہور مین نہین آئی اس نکتہ کی توضیح کے لئے ہم ذرا تاریخ عرب پر کچھہ تبصرہ کرنا چاہتے ہین۔ قبل اسلام بنی ہاشم اور بنی امیہ مین قرابت قریبہ تھی یعنے دونون آپس مین چچا کی اولاد تھے امیہ اور ہاشم یہ دونون عبد مناف کے بیٹے تھے (مؤلف کو چوک ہوئی بجائے عبد شمس کے عبد مناف لکھدیا) انمین آپسمین قبل اسلام ہی سخت دشمنی تھی ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا قریش چونکہ عرب مین سب سے زیادہ عزت والے تھے اسلئے سرداری کا عہدہ منتقل ہو کر بنی ہاشم اور بنی امیہ کیطرف آیا بنی ہاشم کو ورثہ مین قریش سے علم و روحانیت کا درجہ ملا اور بنی امیہ کو ریاست و ثروت حاصل ہوئی ریاست روحانی مین ایک کعبہ کی حفاظت و کلید برداری بھی تھی جو ابتک انھین مین پائی جاتی ہے بنی ہاشم کے سوا سردار و شریف کہ کوئی کبھی نہین کہلایا یہ چیز ایسی تھی جو بنی امیہ کی دشمنی مین اور اضافہ کر رہی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر گو قریش اور بنی امیہ نے بظاہر رسول کی اطاعت قبول کرلی تھی مگر دل سے ساتھہ نہ تھے کیونکہ بنی ہاشم اس وقت روحانی جسمانی ریاست کے مالک ہوگئے بنی امیہ اس کا انتظار ہی کر رہے تھے کہ کسی طرح اپنے دل کے کینہ کو ظاہر اور حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرین کہ حضرت محمدؐ کا انتقال ہوگیا اب تو راستہ صاف تھا اپنے مقصد کے پورا کرنیکی کوشش

شروع کر دین۔ پہلی کوشش یہ ہوئی کہ خلافت و لی عہد کو نہ حاصل ہو بنابرین کثرت رائے پر یہ چیز مبنی ہوئی۔

ملہ یہ چیز خود اختلافی ہے کہ امیہ جناب عبد شمس کیطرف کیونکر منسوب ہو گیا گروہ شیعہ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ امیہ صلب عبد شمس سے نہ تھا جیسا کہ علامہ نور اللہ شوستری شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب احقاق الحق مین تحریر فرمایا ہے انہ کان عبد الرومیا یہ غلام رومی تھا یہ اسیطرح عبد شمس کی طرف منسوب ہو گیا جس طرح عرب مین اکثر غلام آقا کیطرف منسوب ہو جایا کرتے تھے مزید تائید اس امر کی امیر المومنین کے اس خط سے ہوئی جو آپ نے جواب میں امیر معاویہ کو لکھا ہے جبکہ اس نے برابری کا اظہار کیا آپ کے جواب کا فقرہ ہے۔ لیس المہاجر کالطلیق ولیس الصریح کاللصیق جس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت والے اور ترک ہجرت کرنیوالونکی کوئی برابری نہین صحیح النسب اور ایک چیپک جانیوالے کا کیا جوڑ ہے۔ کاظم رضا

اموبین کے تیسرے خلیفہ عثمان کے وقت مین بنی امیہ کو ہر امر مین دخل ہو گیا تھا جیسا چاہتے تھے ویسا کرتے تھے۔ اظہار تو ہمیشہ خلوص عقیدہ و صدق نیت کا اسلام کیطرف سے کرتے تھے مگر در پردہ بنی ہاشم سے عداوت تھی اس لئے وہ ایسے نبی کے لائے ہوئے دین کو جو بنی ہاشم ہی مین سے تھا ناپسند کرتے تھے کھل کر مخالفت کا اظہار تو نہیں کیا ہمیشہ اپنے کو پیرو رسول کہتے رہے لیکن قوت حاصل ہونے پر احکام اسلامی سے کنارہ کشی اور دین رسول سے سرکشی پر آمادہ ہو گئے یہان تک نوبت پہونچی کہ اسلام کا مذاق اڑانے لگے (مولف کی مراد دور یزیدی ہے) جب بنی ہاشم پر بنی امیہ کا حال کھلا اور وہ ان کے منصوبون سے واقف ہوئے تو انھون نے بھی خلیفہ ثالث کی زیادتیون کو منظر عام پر لانا شروع کیا وہ سب خامیان جو اسلام مین رونما ہو رہی تھین انھین لوگون کے سامنے پیش کر دیا جس کے نتیجہ مین خلیفہ وقت سے برگشتہ ہو گئے اور قتل واقع ہوا اس قتل مین بڑے بڑے رئیس سردار اور مسلمانون کے شریک تھے بعد مین کثرت رائے سے حضرت علی کی خدمت تسلیم کر لی گئی۔ بنی امیہ کو خیال ہوا کہ بنی ہاشم کی سرداری رسول کے وقت کی طرح اب پھر ہمارے سر پر مسلط ہو گئی۔ اسلئے معاویہ جو خلفاء سابقین کے عہد مین امیر شام رہ چکا تھا آدمی ہوشیار انجام سے باخبر تھا علم بغاوت لیکر اٹھ کھڑا ہوا اور یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ قتل عثمان کا باعث علی ہین۔ معاویہ کو اگرچہ علی پر غلبہ نہین حاصل ہو سکا مگر کامیاب بھی نہ ہوا اسی

واسطے امویین کی خلافت کا ابتدائی زمانہ زیادہ طول نہ پکڑ سکا آخر علی کو شہید کر دیا گیا اب پورا پورا غلبہ معاویہ کو بنی ہاشم پر حاصل ہو گیا امام حسن کی صلح سے اور قوت مین اضافہ ہوا جتنا اقتدار امیہ کا بڑھتا گیا اسی قدر بنی ہاشم مین اضمحلال آتا گیا۔ امام حسین اگرچہ اپنے بھائی کے پابند و مطیع تھے لیکن بنی امیہ کی اطاعت کو ناپسند فرماتے تھے ساتھہ ہی ساتھ ان سے مخالفت بھی نہین چاہتے تھے آپ بالاعلان یہ کہتے رہے کہ مین حق کی راہ مین قتل کیا جاؤن گا مین کبھی باطل کے ہاتھہ مین اپنا ہاتھہ نہ دون گا یہ چیز وہ تھی کہ جس سے بنی امیہ کو آپ کی طرف خوف لاحق تھا جبکہ امام حسین اور امیر معاویہ کا دور ختم ہو گیا اور یزید معاویہ کی جگہ پر آیا یہ حق یزید کو کثرت رائے کے اصول کی بنا پر نہین بلکہ ولی عہدی کے طور پر حاصل ہوا تھا کیونکہ کثرت رائے کا اصول حضرت علی تک تمام ہو چکا تھا۔ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی حسین کی مخالفت شروع کر دی اور آپ کی مخالفت کو اپنے لئے واجب کر لیا حسین نے بھی مقاصد دین کی بقا کیلئے اپنا مظلوم قتل ہونا گوارا کر لیا یزید نے اپنی بیعت پر حسین کو مجبور کیا۔ ہر وہ شخص جو وجدان سلیم رکھتا ہے اگر ذرا دقت نظر سے کام لے تو یہ چیز خود بخود اس پر واضح ہو جائے گی کہ بنی امیہ کی طاقت اس وقت کیا تھی تمام مسلمانون پر چھائے ہوئے تھے جس سے عمارت اسلام مین ایک زلزلہ سا پیدا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حسین نے شہید ہو کر اپنے جد کے دین کو بچا لیا اور ہمیشہ کیلئے اسلام کو زندہ کر دیا اگر یہ واقعہ ہائلہ دنیا مین نہ پیش آتا تو اسلام کا نام صفحہ عالم سے مٹ کر رہ جاتا۔ حسین اپنے عالی مقصد کی ترویج کا باپ کے بعد ہی سے مصمم ارادہ کر چکے تھے یزید کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ سب سے بڑے اسلامی مرکز مکہ و عراق کی طرف روانہ ہو گئے جن جن مقامات سے آپ کا گذر ہوا بنی امیہ کیطرف سے عام مسلمانون مین نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی گا یزید ان دقیق نکتون سے ناواقف تھا اس لئے اس نے سمجھا کہ اگر حسین نے مخالفت کی تو چونکہ مسلمانونکی ہمدردی آپ کے ساتھہ ہے بنی امیہ کیطرف سے دل انکے پھرے ہوئے ہین سب حسین کے ساتھہ ہو جائین گے اور تمام ممالک اسلامیہ مین ایک انقلاب پیدا ہو گا جس سے سلطنت بنی امیہ ہمیشہ کیلئے ناپید ہو جائے گی اس خیال کے ماتحت تخت پر بیٹھتے ہی حسین کے قتل کا ارادہ کر لیا یہ وہ سب سے بڑی سیاسی غلطی امویین کی تھی جو ظہور مین آئی جس سے دنیا مین آج ان کا نام و نشان مفقود ہو گیا۔ [illegible] بڑی دلیل اسکی کہ حسین کا ارادہ مقتل کی تلاش کے سوا اور کچھ نہ تھا آپ کو ملک گیری کی ہوس

نہ تھی یہ ہے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ بنی امیہ سے لڑنا کیسا ہے آپ کے پیش نظر اپنے بھائی کے
واقعات تھے اور امویں نے جو برتاؤ ان بزرگواروں سے روا رکھا معلوم تھا اسی وجہ سے باپ
کے مرنے کے بعد برابر یہی کہتے رہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا مدینہ سے نکلتے وقت صاف صاف
اس چیز کی تصریح فرمادی قال انی امضی لا قتل و لا جل انها عراقیه میں قتل ہونے
جا رہا ہوں اور اتمام حجت کیلئے گھر سے نکلا ہوں آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ وہ جاہ طلبی
میں یا اور کسی غنیمت کے حاصل ہونے کی طمع میں میرے ساتھ ہوں اگر کوئی اور مقصد اسکے
علاوہ حسین کا ہوتا تو آپ اپنی مظلومانہ شہادت کو گوارا نہ کرتے اور جاننے کے باوجود اس
سنگین موقع پر اپنے آپ کو تنہا پیش نہ کرتے بلکہ اس کی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ
لوگ آپ کے ہمراہ رکاب رہیں بڑے سے بڑا لشکر لے کر یزید سے مقابلہ کیا جائے برخلاف اس کے
آپ کا شروع سے یہ رویہ رہا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہو بھی جاتے تھے انھیں ہر منزل پر
علیحدہ کر دیا کرتے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپکا مقصد قتل ہونیکے سوا اور کچھ نہ تھا
جس سے بہت سے مفید نتائج بعد میں حاصل ہونے والے تھے اس لئے اپنی تنہائی
گوارا کی تاکہ مصائب کی تاثیر بڑھے اور دل زیادہ سے زیادہ متاثر ہو سکیں یہ چیز صاحبان
نظر سے مخفی نہیں کہ حسین سے جو محبت و خلوص مسلمانوں کو تھا اگر چاہتے تو یزید سے کہیں
زائد لشکر جمع کر لیتے مگر اس صورت سے قتل ہونے میں یہ بات کہنے میں آتی کہ آپ جنگ و سیاست
میں شہید ہوئے مظلومیت نہ ثابت ہو سکتی لہذا آپ نے انھیں لوگوں کے ساتھ رکھا
کہ جو کسی طرح آپ سے جدا نہ ہونے والے تھے جیسے بیٹے بھتیجے بھانجے بھائی چچا کی اولاد
اور چند خاص اصحاب ان لوگوں سے بھی آپ نے پلٹ جانے کو فرمایا لیکن انہوں نے خود
اس چیز کو قبول نہ کیا ہر ایک انھیں سے مسلمانوں کی مقدس و پاکیزہ نذر تھی آج جن کے قتل
ہونے سے واقعہ کربلا کی عظمت دوبالا ہو گئی حسین اپنے علم اور سیاست سے انجام کار
کو جانتے تھے معلوم تھا کہ قتل ہونے کے بعد عورتوں اور بچوں کو اسیر اور مقید کر کے تشہیر
کیا جائے گا یہ ایسا واقعہ ہو گا جس کی تاثیر مسلمانوں کے تصور سے مافوق ہو گی جس سے بنی امیہ
کی سفاکی دنیا پر ظاہر ہو گی۔ حسین نے اپنے بعض دوستوں کو جو سفر سے مانع ہو رہے تھے
جواب دیا کہ میں قتل ہونے جا رہا ہوں جب یہ کہا گیا تو ان عورتوں بچوں کو کہاں لئے

ساتھ لئے جا رہے ہین فرمایا خدا ان کو اسیر و مقید دیکھنا چاہتا ہے یہ تمام چیزین بتاتی ہین کہ
آپ سلطنت و ریاست کی طمع مین نہین اٹھے تھے یہ خیال غلط ہے کہ آپ کو ناعاقبت اندیشی کی
بنا پر یہ مہلکہ پیش آیا جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ قبل واقعہ قتال
کا تذکرہ ہوتا رہا اور حسین لوگون سے تسلی بخش کلمات فرماتے رہے آپ نے فرمایا کہ خدا ہمارے
قتل ہو جانیکے بعد ایسے گروہ کو خلق کرے گا کہ جو ہم پر گریہ کرے گا ہمارے دشمنون سے انتقام
لیگا ہماری قبرون کی زیارت ہو آئے گا جسے حق و باطل مین تمیز ہو گی خدا اپنے دین کے
اس گروہ کے ذریعہ مضبوط فرمائے گا اور اسی سے نانا کی شریعت مستحکم ہو گی مین اس گروہ
کو دوست رکھتا ہون یہ جماعت قیامت مین ہمارے ساتھ محشور ہو گی اس بیان سے
صاف ظاہر ہے کہ آپ انجام سے واقف اور باخبر تھے یہ حسین کی ایک عجیب سیاست تھی جس سے
آپ کے قوت قلب کا اندازہ ہوتا ہے کہ آخر لمحۂ حیات تک اپنے مقصد کو پیش فرماتے رہے
دودھ پیتے بچے کا نشانہ تیر ہو جانا آج جس سے فلاسفہ کی عقلین دنگ ہین کہ وہ شخص جس کا
بدن زخمون سے چور چور ہو پیاس کی شدت مین فکرون کی زیادتی کے وقت بھی اپنے مقصد
کو فراموش نہ کرے حسین نے اپنے دودھ پیتے بچے کو ہاتھون پر بلند کر کے پانی کا سوال
کیا جس کا جواب تیر سے ملا یہ صرف اس لئے حسین نے کیا تاکہ بنی امیہ کی سفاکی اور بے رحمی
دنیا پر ظاہر ہو جائے یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے دلون مین بنی ہاشم کے ایک شیر خوار بچے
کی طرف سے بھی رحم نہین کبھی حسین نے یہ نہین کہا کہ مین بادشاہ ہون اور حکومت و سلطنت
کی خواہش رکھتا ہون ہمیشہ بنی امیہ کے برے کردار کو پیش کرتے رہے جن کے بدولت اسلام
مین رخنہ پڑا تھا البتہ اسکی خبر دیتے رہے کہ مین مظلوم بے گناہ قتل ہون گا۔ یزید نے جس وقت
ہر چہار جانب سے آپ کا محاصرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے چھوڑ دیا جائے تو اپنے عیال کو
لیکر سلطنت یزید سے باہر دوسرے ممالک اسلامیہ مین چلا جاؤن گا اس سے صاف پتہ چلتا ہے
کہ آپ کو سلطنت کی طمع نہ تھی۔

حسین سے قبل بہت سے رؤسا روحانی مظلوم قتل ہوئے لوگون نے انتقام لیا اور انقلابات
دنیا مین رونما ہوئے جیسا کہ بنی اسرائیل کے عہد مین ایسے واقعات ملتے ہین جناب یحییٰ کا قتل ہونا
حضرت مسیح کے مصائب یہ چیز تاریخ مین ڈھونڈھنے سے کہین نہین ملتی کہ کسی رئیس روحانی نے

مقاصد عالیہ کے ماتحت جانتے ہوتے اپنے نفس کو شہادت کے موقع پر پیش کر دیا ہو۔ جو بھی قتل ہوا اعلیٰ مین قتل ہوا اسی لئے حسین کا واقعہ شہادت چونکہ اپنی نوعیت مین سب سے بڑھا ہوا تھا انقلاب بھی گذشتہ انقلابات سے بڑھکر ظاہر ہوا اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست روحانی پھر بنی ہاشم کو حاصل ہو گئی خصوصاً اولاد حسین مین (مراد مؤلف کی ائمہ اطہار علیہم السلام ہین) تھوڑا عرصہ نہ گذرا کہ یزید کا سارا اقتدار ختم ہو گیا اور سلطنت بنی امیہ کا تختہ الٹ گیا ابھی اہلبیت حسین اسیر ہو کر یزید کے دربار تک نہ پہونچے تھے کہ یزید کے خلاف علم بغاوت بلند ہو گئے خود یزید کے گھر مین یزید کی ملامت و شماتت ہونے لگی ایسے وقت مین یزید سے اسکے سوا اور کچھ نہ بن پڑا کہ وہ اپنے حکام و اعمال اور ارکان دولت کو اس واقعہ کا ذمہ دار بنائے اور اس بہانے سے اپنی جان بچائے جس وقت سلطنت کی عنان حسین کے چچا کی اولاد کے ہاتھ آئی اور اولاد حسین کنارہ کش ہو گئی اس لئے کہ ریاست روحانی بھی منتقل ہو کر بنی عباس مین چلی گئی تھی جس وقت بنی عباس کو سلطنت ملی انھون نے حسین کے شیعون کو اس خوف کے ماتحت کہ کہین سلطنت منتقل ہو کر انمین نہ چلی جائے اور اولاد حسین تخت و تاج کے مالک نہ ہو جائیں ستانا شروع کیا اور ان کا گلا گھونٹنا شروع کیا حالانکہ سلطنت اسی انقلاب کے بدولت حاصل ہوئی تھی بنی امیہ کے بعد بظاہر فتنہ خاموش ہو گیا تھا لیکن باطن مین اس نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی تھی چونکہ حسین کے واقعات اس زمانہ مین زیادہ دوہرائے جانے لگے تھے عباسیون نے انجام کو سوچتے ہوئے بڑھ چڑھ کر مظالم شروع کئے اب انہون نے وہ کیا جو بنی امیہ سے بھی ظہور مین نہین آیا تھا اولاد حسین کو قتل کیا سولی پر لٹکایا زندہ دیوار و نمین چنوا دیا باوجود ان کوششون کے آئے ہوئے ذہنی انقلاب کی روک تھام نہ کر سکے اور شیعون کے حکمت عملی کی رد نہ ہو سکی جتنی سختی بڑھتی گئی شیعون کی طاقت زور پکڑتی گئی آخر یہی تدبیر کارگر ہوئی اور عباسیون کا منحوس دور ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا شیعون نے سلطنت عباسیہ کا چراغ گل کر دیا (مؤلف کی مراد خواجہ نصیر الدین طوسی کی ذات گرامی ہے) آخر وہ دن آہی گیا کہ سلطنت اولاد حسین مین منتقل ہو کر آئی یعنی (فاطمین کا دور آیا) انہون نے اقامت عزا کو مذہب کا سب سے بڑا جز قرار دیا یہ وہ سیاسی نکتہ تھا کہ جس سے مذہب شیعہ نے روز افزون ترقی کی جس قدر حسین کا تذکرہ بڑھتا گیا مذہب شیعہ کی نشو و نما ہوتی گئی زمانے کو دیکھتے ہوئے عزاداری کے عنوان

مین تبدیلیان ہوئین بہت سی چیزون کا اضافہ ہوا تدریجاً یہ چیز مسلمانون سے تمام اقوام عالم مین پھیل گئی۔ ہندوستان اور چین مین عزاداری ہونے لگی ہندوستان مین ایک قرن سے زائد عزاداری کو ہوتے ہوئے نہین گذرا ہے گذشتہ مین یہ چیز پھیل گئی بعض ہمارے مورخین جن کو صحیح طور پر اطلاع نہین عنوان عزا کو دیکھکر مجنونانہ حرکت خیال کرتے ہین کاش وہ وقت نظر سے کام لیتے تو انھین معلوم ہوتا کہ اس چیز کے بدولت اس مذہب نے کتنی ترقی کی۔ سو سال قبل ہندوستان مین شیعہ انگلیون پر شمار کرنے کی تعداد مین تھے۔ آج اسی چیز کے بدولت تیسری حیثیت و پوزیشن ملک مین حاصل ہے عیسائی مشن جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اور تبلیغ مذہب کے سلسلہ مین کافی خرچ ہوتا ہے دسوان حصہ بھی اس مذہب کے مقابلہ مین ترقی نہ کرسکا حالانکہ پادری حضرات مسیح کے مصائب کا نہایت شد و مد سے تذکرہ کرتے ہین۔ ایسا نہین کہ اس کا لوگون پر اثر نہین ہوتا ہو اثر بھی ہوتا ہے مگر جو کیفیت قلوب کی مصائب حسین علیہ السلام سن کر ہوتی ہے مصائب مسیح مین وہ بات نہین پائی جاتی یہی کہا جائے گا کہ جو تاثیر مصیبت حسین مین ہے مسیح کی مصیبت مین نہین ہے فطری طور پر حسین کے واقعات سے دل دردناک ہوتے ہین۔ (ذخیرۃ الدین تالیف سید عبدالمجید طبع مطبوعہ مرتضوی نجف اشرف سے ترجمہ کرکے پیش کیا گیا)

رباعی

حضرت جاوید مرحوم لکھنوی

ہوتا ہے وطن چھوڑنیکا سب کو ملال
آنکھون سے تڑپتے ہیں آنسو نکلے
وہ پھول ہیں جس پھول سے خوشبو نکلے
سو درد کے سو رنج کے پہلو نکلے

دیگر

برچھی دل اکبر مین ہے کیسی پیوست
حضرت کے کلیجہ مین کھٹک ہوتی ہے
ہے شاہ کو غم [illegible] جو زین روتی ہے
[illegible] بیٹے کی طرح سوتی ہے

جناب دبیر صاحب کے مشہور مرثیے کے چند بند

سرِ حسین کو خولی لئے تھا نیزہ پر — ادھر سے لے چلے اہلِ حرم کو باغی شر
شہیدوں کے تن بے سر پڑے ہوئے تھے ادھر — سر اپنا پیٹ کے کہتی تھی زینب مضطر
اسیر ہو کے ہمراہی محسن مر جائے
جو دیکھے بھائی کا یہ حال وہ بہن مر جائے

مدد کو آئیے نانا پھرا ہے ہم سے فلک — کوئی نہیں جو بلا میں کرے ہماری مدد
نماز آپ کی میت پہ پڑھنے آئے ملک — پڑا ہے آپ کا شبیر بے کفن اب تک
جو وقت ذبح بھی سجدہ سے سر جدا نہ کرے
اسی کی لاش پہ کوئی نماز ادا نہ کرے

یہ گھر لٹا ہے یہ رہتی ہے گرم گرم ہوا — اڑا رہی ہے زمین فرطِ غم سے خاکِ عزا
عزیز آپ کے قیدی بنے ہیں اے نانا — حسین سب کا پرستار تھا وہی نہ رہا
حضور ساتھ رہیں اب جہاں جہاں لے جائیں
یہ بے حیا ہمیں کیا جانیے کہاں لے جائیں

یہ بین کر رہی تھی آہ شاہ کی ہمشیر — ہے دو دستوں کا تو کیا ذکر رو دیئے بے پیر
بن زیاد کے دربار میں جو پہنچے اسیر — حیا سے کانپتی تھی عترتِ جنابِ امیر
دریدہ درزوں سے تھا یوں تو پیرہن سب کا
زیادہ سب سے پھٹا تھا لباس زینب کا

امیر کوفہ تھا کرسی پہ محو جام و سبو — دھرا تھا طشت میں فرقِ امامِ مشکبو
کٹا تھا کند چھری سے سر شہِ خوشخو — یہی سبب تھا جو ہموار تھی نہ جلد گلو
ہزار حیف ترشوایا اس کو خود سر نے
جفا کی حلق بریدہ پہ پھر ستمگر نے

کربلا ←——→ بی مصری

عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ

یہ کربلا مصاحب گنج برف خانہ کے قریب واقع ہے۔ بی مصری نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں مشہور عورت تھیں سفر و حضر میں حاضر باش رہتی تھیں نواب موصوف نے تخمیناً بارہ بیگہ آراضی عطا کی تھی جس میں موصوف نے پیسہ لگا کر ایک مسجد اور سکونتی مکان بنوایا تھا۔

دونوں عمارتوں کے درمیان میں ایک معمولی سا امامباڑہ بھی تھا مسجد نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے مگر استرکاری کے لباس سے آراستہ نہ ہو سکی تھی۔ امتداد زمانہ سے اسکے داخلہ کا پھاٹک اور بعض بیرونی درجے جو پھاٹک کی بغل میں بنے ہوئے تھے منہدم ہو چکے ہیں مگر صحن و دالان مسجد اچھی حالات میں ہے۔ امامبازہ مختصر سا کمرہ کی وضع کا ہے جس میں ایک خوشنما مگر شکستہ چوبی ضریح رکھی ہوئی ہے سکونتی مکان کے اب صرف کھنڈرات باقی ہیں امامباڑہ کے باہر ایک درخت کے نیچے گیارہ چھوٹی چھوٹی تربتیں بنی ہیں بقیہ میں تعزیے اور سینیں بھی دفن ہوتی ہیں۔

بی مصری پہلے کٹرہ ابو تراب خان میں رہتی تھیں مابعد اپنی بغیہ میں مکان تعمیر کرا کے وہیں منتقل ہو گئیں اسی کی آراضی پر حضرت واجد علی شاہ کے زمانہ حکومت میں مصاحب الدولہ نے روضہ حضرت عباس علیہ السلام تعمیر کرایا۔ پہلے اس بغیہ میں کثرت سے تعزیے دفن ہوتے تھے مخلوق کا بڑا ہجوم ہوتا تھا عشرہ کے دن بازار لگتا تھا۔ اس کربلا کے جانب شمال ایک کربلا بوقی بیگم صاحبہ کی تھی مگر اب وہ قائم نہیں ہے بی مصری کی دو لڑکیاں بی مریم اور بی مصاحبہ نامی تھیں بی مریم میر عنایت علی کو اور بی مصاحب میر رجب علی کو منسوب ہوئیں۔ میر عنایت علی کے بیٹے میر امداد حسین تھے جن کے بیٹے میر محمد تقی بقید حیات ہیں بغیہ کی آراضی پر ایک مہاجن کا کچھ بار ہو گیا تھا جس کی ادائی پہلے بحکم منصف صاحب جنوبی نیلام پر چڑھا دیگئی تھی۔ اہل محلہ نے نواب باقر علی خان صاحب رئیس شیش محل کو اسکے واگذار کرنیکے لئے توجہ دلائی۔ موصوف کے تعزیے اسی کربلا میں جاتے تھے۔ انھوں نے موقع ملاحظہ کیا اور زر مطالبہ جو تخمیناً الکہزار روپیہ یا کچھ زائد تھا اپنی جیب خاص سے ادا کر کے حسب قرار داد اس کا بیعنامہ میر محمد تقی سے

جناب مولوی آقا حسن صاحب مجتہد کے حق میں تحریر کرا دیا جس کو تخمیناً چالیس سال کا عرصہ گذرا بعد تکمیل بیعنامہ نواب صاحب موصوف نے بقعہ میں ایک مجلس منعقد کی جس میں وہ خود اور مجتہد صاحب بھی شریک ہوئے۔ کربلا کے موجودہ متولی مجتہد صاحب مرحوم کے فرزند ہیں جن کی اجازت سے شیعہ حضرات کی اموات بھی بقعہ میں دفن ہوتی ہیں بشیش محل کے تعزیہ اسی کربلا میں جاتے ہیں۔

سید جالب مرحوم مدیر "ہمدم" نے اخبار مذکورہ کی ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں بہت تجسس و تحقیق کے بعد لکھا تھا کہ "مصری بگی بقعہ جو نواب آصف الدولہ کی معشوقہ کے نام سے منسوب ہے لکھنؤ کا بہت پرانا قبرستان ہے۔ طبقہ امراء و شرفاء کے اکثر ارکان وہاں دائمی خواب راحت میں آسودہ ہیں مثنوی سحر البیان کے جادو نگار مصنف میر حسن مرحوم یعنی میر انیس کے جد امجد اسی گورستان میں مدفون ہیں۔ بعض معمر بزرگوں کی زبانی جو اب تہ خاک موت کی میٹھی نیند سو رہے ہیں یہ بھی سنے میں آیا کہ تاج الشعراء میر تقی میر کا مرقد بھی اسی بقعہ میں تھا مگر اب کوئی یہ بتانے والا بھی نہیں رہا کہ میر حسن کی قبر کونسی ہے اور میر تقی کا مزار کونسا ہے یا دونوں باکمال لوگوں کے مرقد برقرار بھی ہیں یا دستبرد زمانہ سے ناپید ہوگئے۔

جناب امام حسین علیہ السلام کی جنگ کا ایک رُخ

(حضرت موحد سرسوی)

مد آئے قلب میں لشکر کے یوں امام انام — کہ جیسے ابر کے گھونگھٹ میں شب کو ماہ تمام
سنانیں چمکیں فضا میں جو ہو کے گرم خرام — ہوا یہ شور کہ چھٹکے ستارے ہو گئی شام

نہ دیکھے ہوں گے کسی نے کہیں یہ نظارے
فلک کے بدلے زمیں پر ہیں ابر میں تارے

چمک رہی تھی فضا میں جو نیزہ دم سوفار — لگی ہے آگ فلک پر یہ ہر طرف ہے پکار
تڑپ رہی تھی ادھر تیغ شاہ عرش وقار — غلاف چھوڑ کے نکلی تو غل ہوا اک بار

ہوئے فنا جو گرے آسمان زمیں الٹی
وہ دیکھو تیغ دو پیکر نے آستیں الٹی

قدم بڑھانے ادھر سے جو ہر قطار چلی — ہوا کے دوش پہ ہمراہ گیر و دار چلی
اجل سروں پہ بغیظ و غضب سوار چلی — قریب شیر نہ آئے کہ ذوالفقار چلی

دکھا کے تیزی پری رن میں یوں گزرتی تھی
قدم پہ گرتے تھے سر یہ نظر نہ کرتی تھی

جو گرز اٹھائے مقابل تھے سرکش و خودسر — اڑا لے گرز کے بدلے انھیں کے کاسۂ سر
صفائی ایسی غضب کی تو اس غضب کی نظر — کٹی ہے کب یہ کمر کو بھی ہو سکی نہ خبر

نہ تھے جو سینہ و سر استوار گھوڑے پر
قدم سے تا بہ کمر تھے سوار گھوڑے پر

جو لیکے ایسے سواروں کو بھاگتے تھے فرس — پیادے پھرتے تھے حیران ادھر ادھر بے بس
تماشہ دیکھنا کیسا کہ ہر کس و ناکس — سمجھ رہا تھا کہ ٹوٹے ہیں مرغ جاں کے قفس

یہ اس کا سایہ ہے یا سر سے دھوپ ڈھلتی ہے
ہوائے تند ہے یا ذوالفقار چلتی ہے

ہوا تیز آنچ ہے اس کی وہ گرم ہوا کی لپٹ — پناہ مانگتی ہے دھوپ پاتی ہی آہٹ
بدل بدل کے سر و مہر کرب میں کروٹ — تلاش میں ہیں کہ مل جائے ابر کا گھونگٹ
ہے ایک شور کہ خلقت عذاب سہتی ہے
بجائے آب کے دریا میں آگ بہتی ہے

تڑپ رہا تھا ہر اک مثل شعلۂ بیکل — چراغ پا تھے فرس اس کا دیکھ کر آنچل
شرار شمع فروزاں ادھر ادھر پیدل — جلے تو غول بیابان کا بن گئے کاجل
سلگتی تھیں قفس تن کی تیلیاں رن میں
ستی کی طرح سے جلتی تھیں پتلیاں رن میں

بلند ہو کے جو پستی کی سمت چلنے لگی — یہ سمجھے سب کہ ہوا سایہ دھوپ ڈھلنے لگی
لہو جو ٹپکے ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی — دہان زخم کے سینہ پہ مونگ دلنے لگی
قوام زیست لعینوں کے جب بگڑنے لگے
نکل نکل کے سینوں سے دل ایڑیاں رگڑنے لگے

جری تھے جتنے وہ کٹ کٹ کے شہسوار گرے — جو سر اٹھائے تھے ہو کر ذلیل و خوار گرے
لئے جو ہاتھوں میں نیزوں کو نیزہ دار گرے — تو ایک ایک کا ہو کر وہ سب شکار گرے
سنانیں قلب و جگر کو جو توڑ جاتی تھیں
تو روحیں قالب خاکی کو چھوڑ جاتی تھیں

لکھا ہے سات وہ حملہ کئے خلاف قیاس — کہ جس سے زور امامت کا ہو انھیں احساس
یہ غم یہ بھوک یہ گرمی یہ تیغ روز کی پیاس — پھر اوس پہ قتل کئے اک ہزار نو سو پچاس
فرار ہو کے جو اظلم نہ پھر ادھر پہنچے
زمیں پہ گاڑ کے نیزہ فرات پر پہنچے

ہوئے جو نہر میں داخل مظفر و منصور — پکارے اوس پسر سعد مرتد و مقہور
کہاں ہے نور ج وہ جس پہ تھا اسقدر مغرور — سمجھ رہا تھا علی کے پسر کو تو مجبور
لے دیکھ ادھر جو بصارت تری خراب نہیں
کیا تھا بند جسے کیا وہی یہ آب نہیں

آفتابِ غم

ذاکر فتح پوری

تیرے "غم" میں چشمِ دینِ حق ہے پرنم اے حسین
زینتِ بزمِ دو عالم" ——— تیرا ماتم اے حسین
"قوتِ بازوے شبر" ——— نورِ عینِ مرتضٰے
روحِ زہرا" ——— نفسِ سرکارِ دو عالم اے حسین

تیری ہی "تخئیل" سے انسان ہے جنت بہ دوش
ہے امیرِ کاروانِ غم ——— ترا غم" اے حسین
حاملِ صبر و رضا" ——— اے پیکرِ "عزم و عمل"
پہلوے اوقات میں ہے دردِ پیہم" اے حسین

تیرے "غم" میں غرق گلشن، غنچہ و گل سینہ زن
موتی ——— اور موتی کیوں نہ "شبنم" اے حسین
سینۂ اکبر سے برچھی کھینچ ——— اللہ رے صبر
"ضدِ ایوب" تھا، بے شک ترا دم" اے حسین

حق کے ارمانوں کا غنچہ، ہاتھوں پر مرجھا گیا
پر نہ آیا ——— پائے "عزم و صبر" میں خم" اے حسین
کفر کی آنکھوں میں بھی ہے تیرے رنج و غم کا "نور"
جھک نہیں سکتا کبھی اب "حق" کا پرچم اے حسین

اس سے بڑھکر اور کیا ہو ——— بےگناہی کا ثبوت
تیرے غم میں ظلم کی آنکھیں ہیں پرنم اے حسین
تیرے بجز غم میں دنیا ہی نہیں ڈوبی ہوئی
پہلوئے قدرت میں بھی ہے نشترِ غم اے حسین
قلبِ ذاکر غم سے تیرے کر چکا ہے کسبِ نور

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اہلِ عالم واشیاءِ عالم پر اثر

(عالیجناب مولانا اختر حسین صاحب صدر الافاضل دام فضلہ متعلم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)

سورۂ دخان میں آیۂ فما بکت علیھم السّماء والارض وما کانوا منظرین فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دریائے نیل میں ڈوبنے کے متعلق ہے کہ وہ بڑے ظاہری شوکت والے بڑے دولت باغات چشموں کے مالک تھے مگر جب نیل میں غرق کیے گئے تو نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین اور نہ اُن کو مہلت دی گئی۔ لیکن دنیا میں کچھ افراد ایسے گذرے ہیں جنکی موت عالم پر ایسی اثر انداز ثابت ہوئی کہ اہل عالم کو چھوڑیے زمین وآسمان تک اُس سے متاثر ہوئے چنانچہ تفسیر قمی میں ہے امیرالمومنینؑ کے پاس سے ایک دشمن خدا و رسول گذرا اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ وہ ہیں جن پر نہ آسمان روئے گا نہ زمین اسکے بعد امام حسین علیہ السلام گذرے تو آپ نے فرمایا لیکن یہ وہ ہے جس پر آسمان وزمین گریہ کریں گے فرمایا آسمان اور زمین کسی پر نہیں روئے سوائے یحیٰی ابن زکریا اور حسینؑ ابن علیؑ کے تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں آسمان یحیٰی بن زکریا اور حسینؑ بن علیؑ پر چالیسؑ روز تک روتا رہا کسی نے پوچھا آسمان کے رونے سے کیا مراد ہے فرمایا آفتاب سرخ طالع ہوتا تھا اور سرخ غروب ہوتا تھا۔ مناقب میں ہے امام جعفر صادق نے فرمایا امام حسینؑ پر آسمان چالیس روز خون کے آنسو روتا رہا۔

یہ روایتیں صرف شیعی روایات تک محدود نہیں ہیں جن کو اعتقادی چیز کہکر ٹال دیا جائے بلکہ کتب اہل سنت میں کثرت سے روایات موجود ہیں جن سے آسمان وزمین کا گریہ کرنا بلکہ خدا کا اظہار غیظ وغضب ظاہر ہوتا ہے۔

آسمان سے خون کی بارش

بنصرت ازدیہ کا بیان ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو آسمان سے خون کی اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگوں کے گھڑے اور مٹکے خون سے بھر گئے ثعلبی نے بیان کیا حسینؑ کی شہادت پر آسمان رویا اور رونے سے مراد اس کا سرخ ہو جانا ہے دوسری روایت میں ہے افق آسمان چھ[۱] مہینے تک سرخ رہا اور پھر وہ سرخی باقی رہ گئی

---

[۱] شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی المتوفی ۶۹۱ھ جن کی سیرت پر خواجہ الطاف حسین حالی نے مکمل کتاب لکھی ہے کا یہ شعر مؤید مطلوب ہے ؎ آسمان را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ＊ بر زوال ملک مستعصم امیرالمومنیں۔ اگر ظالم بادشاہ پر آسمان کو خون کے آنسو بہانے کا حق ہے تو حسین پیکر عصمت پر بدرجہ اولیٰ خونیں بارش ہونا چاہیے۔ حالی نے اس شعر کو خصوصیت سے حیات سعدی میں لکھا ہے۔ الواعظ۔

شفق کا سرخ ہونا

ابن سیرین کہتے ہیں کہ شفق کی جو سرخی موجود ہے یہ امام حسینؑ کی شہادت کے قبل نہ تھی ابن سعد نے بھی ذکر کیا ہے کہ شفق کی سرخی امام کی شہادت کے پہلے نہ تھی۔

خدا کا اظہار غضب

ابن جوزی کہتے ہیں شفق کی سرخی کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو غصہ آتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے مگر خدا چونکہ جسم سے منزہ ہے لہذا اُسنے اپنے غصہ کا اثر یہ ظاہر کیا کہ افق سماء سرخ ہوگئے اسکے قبل کسی نبی یا ولی کے قتل کے وقت قدرت کو اتنا غصہ نہ آیا لیکن حسینؑ کی شہادت ایسی غیر معمولی تھی کہ قدرت نے بھی اپنے غیظ و غضب کا اظہار شفق کی سرخی سے فرما دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام پر ظلم کرنے والوں پر خدا کا اتنا غضب ہوا کہ آثار غضب آسمان پر ظاہر ہوئے۔

دنیا میں تاریکی دن میں ستاروں کا دکھائی دینا

جس روز امام حسینؑ شہید کیے گئے آسمان سخت تیرہ و تاریک ہوگیا اور ستارے دن میں نظر آنے لگے۔
ابن سیرین کا کہنا ہے کہ امام کی شہادت کے بعد تین روز تک مسلسل دنیا میں تاریکی پھیلی رہی جب تاریکی دور ہوئی تو آسمان پر سرخی ظاہر ہوئی۔
امام کی شہادت سے آسمان سرخ ہوگیا آفتاب کو گہن لگ گیا یہاں تک کہ ستارے دوپہر میں نظر آنے لگے اور لوگوں نے خیال کیا کہ قیامت آگئی۔ اور شام میں کوئی پتھر اٹھایا نہ جاتا تھا مگر اس کے نیچے خون تازہ جوش مارتا دکھائی دیتا تھا۔

مکان کی دیواروں سے خون کا جاری ہونا

ابونعیم سے روایت ہے کہ امام کی شہادت کے بعد اتنا خون برسا کہ ہمارے گھڑے اور مٹکے خون سے بھر گئے دوسری روایت میں ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ یہ بارش خون ایک جگہ ہوئی ہو بلکہ خراسان شام کوفہ کی دیواریں اور مکانات خون سے رنگین تھے جب امام مظلوم کا سر اقدس ابن زیاد ملعون کے دربار میں لایا گیا دربار کی دیواروں سے خون کی دھاریں بہنے لگیں۔

عثمان بن ابی شیبہ سے روایت ہے قتل امام کے بعد سات روز تک آسمان اسقدر سرخ رہا کہ معلوم ہوتا تھا کہ دیواروں پر سرخ چادریں ڈالدی گئی ہیں اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے

پتھروں کے نیچے خون کا نکلنا

ابوسعید نے بیان کیا روز شہادت امام دنیا میں کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تھا لیکن یہ کہ اسکے

نیچے خون تازہ جوش مارتا نظر آتا تھا اور آسمان سے خون برسا اور کپڑوں پر اس کا اثر باقی رہا جبتک کہ وہ نہ پھٹ گئے۔

دوسری روایت میں ہے جس روز امام شہید ہوئے اُس روز جو پتھر اُٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا۔ صواعق محرقہ صـ ۱۱۶ ینابیع المودۃ صـ ۳۲۱

ایک درخت کا بعد شہادت امام خشک ہوجانا

ہند بنت حرث سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ میری خالہ ام معبد کے خیمہ میں تشریف لائے اور آرام فرمایا جب بیدار ہوئے پانی طلب کیا پانی آیا حضرت نے دست مبارک دھوئے کلی فرمائی اور اس کا پانی درخت عوسج کی جڑ میں جو خیمہ کی ایک طرف تھا ڈال دیا دوسرے روز دیکھا تو وہ نہایت ہرابھرا شاخیں پھیلی ہوئی ہیں اور اسمیں بڑے بڑے پھل لگے جس کا رنگ زعفران کا خوشبو عنبر کی مزہ شہد کا تھا جس نے بھی کوئی پھل کھایا سیر ہوگیا پیاسے نے کھایا سیراب ہوگیا بیمار نے کھایا اچھا ہوگیا جس بکری نے اسکا پتہ کھایا اس کا دودھ بڑھ گیا ہم اس درخت کو مبارک کہا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ اسکے پھل گرگئے پتے زرد ہوگئے یہ دیکھ کر ہم لوگ خوف زدہ ہوئے معلوم ہوا کہ وفات رسول کا یہ اثر ہے پھر تیس سال کے بعد دیکھا کہ اسمیں جڑ سے ٹہنی تک کانٹے لگے ہوئے ہیں سارے پھل گرگئے ہیں اسکی بہار جاتی رہی معلوم ہوا کہ یہ امیرالمومنین کی شہادت کا اثر تھا اسکے بعد پھر اسمیں پھل نہ آئے اور ہم صرف اسکے پتے سے فائدہ اٹھاتے رہے ایک روز دیکھا کہ اسکی جڑ سے تازہ خون جاری ہے پتے بہت زیادہ خشک ہوگئے ہیں ابھی ہم ڈرے ہوئے مغموم مغموم بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر آئی اسکے بعد درخت خشک ہوگیا اور ختم ہوگیا۔
منتخب طریحی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵۔

آسمان، زمین، اشجار، دریا، طیور، ملائکہ کا گریہ

بشیر بن حذلم بیان کرتا ہے جب یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا امام نے مجھے حکم دیا کہ مدینہ میں جا کر ہمارے آنے کی اطلاع کردو میں مدینہ میں داخل ہوا کہا اے مسلمانو امام علی بن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں کے ساتھ آتے ہیں یہ سننا تھا کہ تمام پردہ نشین بی بیاں اپنے مُنہ پر طمانچے مارتی مُنہ نوچتی ہوئی نکل آئیں اور کہتی تھیں ہائے کیسی مصیبت نازل ہوئی۔ میں نے اس سے زیادہ رونے والے مرد اور عورتیں نہیں دیکھیں۔ امام خیمہ سے برآمد ہوئے اس شان سے کہ ہاتھ میں رومال تھا آنسو پونچھتے جاتے تھے ایک کرسی پر بیٹھے اور خطبہ شروع فرمایا اے لوگو خدا کے لیے حمد و شکر ہے خدا کی راہ میں ہم پر بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں جن سے دیوار اسلام میں رخنہ پڑ گیا لوگوں کے لیے بڑی مصیبت ہم پر ہے ابا عبداللہ الحسین قتل کیے گئے آپ کے ساتھ آپ کی عترت اور انصار

بھی قتل ہوئے ان کی ذریت قید کی گئی ان کا سر نیزہ پر بلند کر کے تمام شہروں میں پھرایا گیا یہ وہ مصیبت ہے جو تمام مصائب سے بڑی ہے میرے باپ پر ساتوں آسمان روئے دریا نے اپنی موجوں سمیت زمین نے اپنے حصوں کے ساتھ درخت نے اپنی شاخوں کے ساتھ طیور لے مع اپنے آشیانوں کے مچھلیوں نے دریا کی موجوں میں جانوروں نے میدانوں میں ملائکہ مقربین اور تمام آسمان اور زمینوں نے گریہ کیا اے حاضرین کونسا دل ہے جو امام کے قتل کے مصائب سنکر شق نہ ہوجائے اور کون سا دل ہے جو محزون نہ ہوا ے سامعین ہم کو قید کر کے شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے پھرایا گیا نہ تو ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ اسلام میں کوئی تبدیلی کی تھی نہ (معاذ اللہ) کوئی برا کام کیا تھا خدا کی قسم اگر نبی ہماری قتل کی وصیت کرتے جب بھی یہ اتنا ظلم نہ کرتے جتنا ہم پر کیا انا للہ وانا الیہ راجعون

جب عالم میں یہ انقلاب تھا تو کیا وہ رسول جو حسینؑ کے رونے کی آواز سُن نہ سکتے تھے اگر حسینؑ کرتے کے دامن میں اُلجھ کر گر پڑتے تو رسول خطبہ چھوڑ کر منبر سے اُتر پڑتے اور آ کر حسینؑ کو آغوش میں لے لیتے تھے کیا جنت میں آرام سے رہے ہونگے نہیں ہرگز نہیں وہ بھی حسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ انصار کی ایک عورت سلمی بیان کرتی ہیں میں ام سلمہ کے پاس گئی دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں میں نے پوچھا آپ کیوں گریہ کر رہی ہیں کہا میں نے رسول کو خواب میں دیکھا کہ سر پر اور ڈاڑھی پر خاک پڑی ہوئی ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ آپ کا کیا حال ہے فرمایا ابھی مقتل سے آرہا ہوں۔

اسی طرح ابن عباس نے بھی دوپہر کے وقت خواب میں رسول کو دیکھا پریشان حال غبار آلود ہیں ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیا ہے فرمایا یہ حسینؑ اور اصحاب حسین کا خون ہے۔

ینابیع المودہ صفحہ ۳۲۰ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۶

جنوں کا نوحہ

جناب ام سلمہ بیان فرماتی ہیں جب رسول کا انتقال ہوا تھا میں نے کبھی جنوں کو نوحہ کرتے نہیں سنا لیکن گیارھویں محرم کی رات میں میں نے سُنا کہ کوئی جن یہ نوحہ کر رہا ہے اے حسینؑ کو نادانی سے قتل کرنیوالو عذاب خدا اور ذلت کے لیئے آمادہ رہو تم پر جناب داؤد اور موسیٰ عیسیٰ نے لعنت کی ہے۔ دوسرے جن کو سنا جو یہ نوحہ کر رہا تھا۔

اے آنکھ خوب گریہ کر اس لیے کہ شہیدوں پر اُن کے بعد کوئی رونے والا نہ ہوگا۔ اُس گروہ پر گریہ کر جس کو موت اس جابر و ظالم کی طرف لے جا رہی ہے جس کا کوئی صحیح نسب نہیں ہے۔

ام سلمہ کا گریہ

ابن سعد نے ذکر کیا ہے جب ام سلمہ کو قتل حسینؑ کی خبر ملی تو کہا خدا ظالمین و قاتلین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے پھر اتنا روئیں کہ غش آ گیا۔

ایک شاعر کا گریہ

سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے ابن ہبار بہ شاعر کربلا سے گذرا تو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت کی مصیبت پر گریہ کیا اور کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے اے حسین آپ کے نانا ہدایت کے ساتھ مبعوث ہوئے خدا و مدعالم یقیناً لوگوں سے اس کا سوال کرے گا۔ اگر میں کربلا میں آپ کے ساتھ موجود ہوتا تو اپنی جان آپ پر قربان کرتا جس طرح ایک محبت کرنے والے کو کرنا چاہئے اشعار پڑھ کر شاعر سو گیا خواب میں رسالت مآب کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو مبارک ہو خدا نے تم کو ان لوگوں میں قرار دیا ہے جنھوں نے میرے حسین کے ساتھ جہاد کیا ہے۔

ینابیع المودۃ ص ۳۳۲

معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کی شہادت اپنے خصوصیات کے لحاظ سے تمام شہداء کی شہادت سے ایسی ممتاز تھی کہ جس کا اثر خاص طور سے کائنات عالم پر پڑا اور امام مظلوم پر آسمان زمین جن و انس سبھی نے گریہ کیا۔ یہ تو بعد کے واقعات تھے لیکن یہ شہادت ایسی خاص تھی جس پر قبل وقوع رسالتمآبؐ و امیرالمومنینؑ و جناب سیدہؑ نے گریہ فرمایا ہے۔

رسول اللہ اور امیرالمومنین کا گریہ حضرت علیؑ صفین جاتے ہوئے کربلا سے گذرے جب نینوا کے پاس پہنچے تو فرمایا اس زمین کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا کربلا یہ سنکر آپ گریہ فرمانے لگے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر آپ نے فرمایا میں ایک مرتبہ رسول کے پاس گیا دیکھا کہ رو رہے ہیں میں نے سبب گریہ پوچھا تو آپ نے فرمایا ابھی ابھی جبرئیل میرے پاس تھے اور مجھے خبر دے گئے ہیں کہ میرا فرزند حسینؑ فرات کے کنارے کربلا میں قتل کیا جائے گا اور جبرئیل نے ایک مٹھی مٹی مجھے سنگھائی تو بیساختہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے حضرت علیؑ امام حسینؑ کی شہادت کی جگہ سے گذرے تو فرمایا یہاں انکے خیمے برپا ہونگے اور یہاں انکا خون بہایا جائے گا آل محمدؐ کے کچھ جوان یہاں قتل کیے جائیں گے جن پر آسمان و زمین روئیں گے۔ صواعق ص ۱۱۵

جناب سیدہ کا گریہ جب نبی نے جناب سیدہ کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی اور واقعات شہادت و مظلومیت کے ذکر فرمایا تو جناب سیدہ بہت روئیں فاطمہؑ نے پوچھا بابا یہ واقعہ کب ہوگا رسول نے فرمایا اسوقت جب میں ہونگا نہ تم اور نہ علیؑ ہوں گے یہ سنکر آپ اور روئیں عرض کیا بابا پھر کون حسینؑ پر روئیگا اور کون عزائے حسینؑ قائم کریگا نبی نے فرمایا میری اُمت کی عورتیں میرے اہلبیت کی عورتوں پر اور میری امت کے مرد میرے اہلبیت کے مردوں پر روئینگے اور ہر سال برابر عزا کو قائم کرینگے جب قیامت ہوگی تم عورتوں کی شفاعت کرنا میں مردوں کی اور جو میرے حسینؑ پر رویا ہوگا ہم اوسکو بہشت میں ہاتھ پکڑ کر داخل کریں گے اے فاطمہ تمام آنکھیں قیامت کے دن روتی ہونگی سوائے ان آنکھوں کے جو مصیبت حسین پر رو چکی ہوں گی وہ قیامت میں نعیم جنت دیکھکر خوش و مسرور ہوں گی۔ بحارالانوار جلد ۱۰

نوحہ

(از ایم اے۔ اکمل منشی کامل شاہجہاں پوری شاگرد جناب خبیر لکھنوی)

لاشے پہ سکینہؑ یہی کہتی ہوئی آئی ۔ عباسؑ چچا جان
پانی کے لیے تم نے اذیت یہ اٹھائی ۔ عباسؑ چچا جان

بازو بھی ہوئے دونوں جدا کٹ کے بدن سے ۔ تن ہو گیا ٹکڑے
یہ کیسی تری شکل لعینوں نے بنائی ۔ عباسؑ چچا جان

پانی کے لئے ہائے تجھے جان سے مارا ۔ دریا کے کنارے
کچھ ساقیِ کوثر سے انھیں شرم نہ آئی ۔ عباسؑ چچا جان

گر جانتی میں تم کو وہاں قتل کریں گے ۔ تو جانے نہ دیتی
سقائی مری ہائے تمھیں راس نہ آئی ۔ عباسؑ چچا جان

اب کس سے کہوں گی کہ میں پیاسی ہوں غضب کی ۔ لا دو مجھے پانی
دل سوز کوئی ایسا نہیں دیتا دکھائی ۔ عباسؑ چچا جان

افسوس بنایا تجھے تیروں کا نشانہ ۔ اور جان سے مارا
یہ چاند سی صورت تری اعدا نے مٹائی ۔ عباسؑ چچا جان

دریا سے نہ لانے دیا اک پانی کا قطرہ ۔ ہیہات کسی نے
میں پیاسی رہی جان یہاں تم نے گنوائی ۔ عباسؑ چچا جان

بازو نہیں تیرے یہ کٹے تیغ ستم سے ۔ اے بازوئے شبیرؑ
یہ دست ید اللہ پہ ضربت ہے لگائی ۔ عباسؑ چچا جان

قتل آپ ہوئے رہ گئی میں پیاسی کی پیاسی ۔ پانی کو ترستی
جان آپ نے جا کر لب کوثر پہ گنوائی ۔ عباسؑ چچا جان

اکمل میں بیاں کیا کروں دل ہوتا ہے ٹکڑے ۔ با حسرت و درد
جس طرح سے وہ کہتی ہے شبیرؑ کی جائی ۔ عباسؑ چچا جان

علمائے کرام اور ذاکری

(از جناب مولوی سید محمد ہادی صاحب متعلم مدرسۃ سلطان المدارس)

یا من ذکرہ شرف للذاکرین یہ حقیقت آگین فقرہ دعا کا ہے جسکے معنی یہ ہیں اے وہ ذات جس کا ذکر فخر ہے ذاکرین کے لیے "خالق کا ذکر مخلوق کے لیے اور معبود کا تذکرہ عبد کے منھ سے مولا کی یاد بندہ کی زبان سے بیشک وہ شرف ہے جس سے عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے اعترافِ احسان عقلی شیوہ ہے انسان کا ذکر میں بندہ کا تشکر و امتنان بھی ضمنی حیثیت ہوجاتا ہے اسلیئے شکر منعم سے انکار نہیں کیا جاتا اور در حقیقت یہ بندہ کے لئے ایک خاص عزت ہے جو زبان کو ذکر الٰہی سے آشنا کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

ذکر یاد کو کہتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں دل کو مرکز بنانا کسی کی یاد کا شاعر کا مقولہ ہے۔

اذا نطقت فانت اول منطقی　　　　واذا سکت فانت حاصل مضمری

دوسری زبان پر ذکر اور کیا کہنا اُس مخلص ذاکر کا جو دل و زبان دونوں کو ذکر محبوب میں وقف کر دے قلب کی یاد اگر اسی حد میں ہے تو اس کی بھی منزل ہے۔ قرآن مجید میں یکجا ہیں اور اگر زبان پر ہے تو اسکی شان دعوت نوح ہے۔ رب انی دعوت قومی لیلاً و نهاراً فلم یزدهم دعائی الا فرارا وہ شبانہ روز محو تبلیغ تھے اس سے بہتر یاد الٰہی نہ ہوگی کہ اُسکی طرف دعوت دینے میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا راحت و آسائش کی لمحات کو قربان کر دیا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ذکر خدا اللہ اللہ کی تسبیح ہی کا نام ہے بلکہ انبیاء کرام کی ہر وہ کوشش ذکر خدا تھی جو اسکے دین کے سنوارنے میں ان حضرات نے اختیار کی اور اگر کوئی بندہ ایسا ہو جسکی یاد ذکر خدا پر منجر ہوتی ہو تو اُسکا نام لینا بھی ذکر خدا ہے بایں معنی کہ اگر اُس نے اپنے تمام عملیات سے توحید کا درس دیا اور اُسکی نقل و حرکت میں کوئی فعل توحید کے منافی نہیں ہے تو اُس ذکر کو ذکر خدا کہا جاسکتا ہے یہی فلسفہ رسول عربی کے زیر نظر تھا اور آپ کو ضرورت تھی کہ اس مطلب کو دنیا کے سامنے لائیں اسلیے اعلان کیا کہ ——— ذکر علی عبادۃ علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور وجہ بھی ارشاد ہوئی (چونکہ وہ نفس نبی ہیں لہٰذا) اُنکا ذکر رسول کا ذکر ہے اور عبد و معبود میں وہ اتحاد ہے کہ ذکر رسول کو ذکر خدا کہنا پڑتا ہے اور ذکر خدا کو عبادت کہے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ذکر خدا عبادت ہے اسی دلیل سے ائمہ اہلبیت کا ذکر بھی حدود عبادت میں داخل ہے اور جب وہ طاعت الٰہی ہے تو پھر اس نقطہ پر عوام سے زیادہ خواص کو کھینا چاہیے اور اس ضرورت کا

احساس اہل علم کو سب سے پہلے ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام میں کوئی ایک فرد بھی ایسی نہ ہوگی جو ذکر حسینؑ کو اپنی روح حیات نہ سمجھتی ہو اور مجتہدین کا یہ رویہ سلف سے آجتک ہے کہ وہ مصائب الشہداء روحی فداہ بیان کرنا اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں کتنے علماء اعلام ایسے گذرے ہیں جو وعظ میں ذکر حسینؑ پر اپنے بیان کو ختم کرتے تھے اور بعض ایسی محترم فردیں گذری ہیں جنھوں نے ایام عزا میں مجلس درس کو مجلس حسینؑ کا لباس پہنایا اور وہ عشرے کے دنوں میں طلباء اور سامعین کے روبرو واقعہ شہادت بیان کرتے تھے اور ایک گروہ اکابر علماء کا وہ ہے جس نے ذاکری کے مخصوص فریضہ کو اپنے کاندھوں پر اُٹھایا اور اس خدمت دین میں اپنی عمر وقف کردی جناب علامہ شیخ جعفر شوستری جو متاخرین میں ایک زبردست عالم گذرے ہیں اور فقہ و اصول میں اُن کے شاہکار نمایاں حیثیت رکھتے ہیں زبان اور قلم سے ذاکری کو فروغ دینے میں مصروف رہے اور وہ غیر فانی نقوش قائم کیے جس کا نمونہ دور ماضی میں نہیں ملتا آپ اپنی مشہور کتاب خصائص حسینیہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ۔

پس جبکہ علامات تشیع اور ولا کے اپنے میں نہ پائے میں نے بہ سبب خوف کے کانپ گیا میں تو دیکھا میں نے کہ جو وسائل خامس آل عبا سے ہیں وہ بہت ہیں اور آسان تر ہیں اور شرائط کم ہیں اور نفع عام ہے ۔ (ترجمہ اردو خصائص حسینیہ)

یہ ضمیر محرک ہوا کہ علامہ زبان اور قلم سے ذکر حسینؑ کے فروغ میں مصروف ہوں اُن کا زور کلام قوت بیان اعجاز بیان سحر بیانی کا اندازہ وہی نفوس کر سکتے ہیں جنھوں نے اس تخت لسیب جمیتا رسالت کو منبر پر چمکتے ہوئے دیکھا اور سنا ہمارے سامنے اُن کی تقریروں کے مجامیع فوائد المشاہد مجالس المواعظ و البکاء کی صورت میں موجود ہیں جس سے کلام کی رفعت تخلیات کی بلندی وقت نظر جذبۂ تبلیغ انداز سخن طریق خطابت اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ آقائے دربندی بھی اسی میدان کے مجاہد ہیں جن کا دور علامہ شوستری سے پہلے تھا اُنھوں نے بھی اس خدمت دین کو ترقی دی اور وہ غیر معمولی شغف تھا کہ صنف علماء میں سب پر سبقت لے گئے احسن الودیعہ کے فاضل مؤلف آقا دربندی کے حال میں لکھتے ہیں ۔ انہ کان فی عشرۃ عاشورا یرقی المنبر و فی اثناء عزاء امامنا الحسین علیہ السلام یخرج عن حالۃ الاختیار فیرمی بنفسہ علی الارض و ینزع العمامہ عن راسہ و یلطم علی وجہہ و راسہ و یبکی بکاء الفاقد الحزین حیث یتذکر ما جری یوم العاشور بالایام الغور فیبکی الناس لبکائہ (احسن الودیعہ چھاپ نجف اشرف صفحہ ۶۱)

علامہ دربندی عشرہ کی مجلسوں میں جب منبر پر جاتے تھے اور ذکر حسینؑ شروع فرماتے تھے تو بے قابو ہو جاتے تھے اور اپنے تئیں منبر سے نیچے پھینک دیتے تھے اور عمامہ اُتارتے اور سر و رخسار پر طمانچہ لگاتے اور اس طرح روتے تھے جیسے کسی کا عزیز مر جائے اور ان کے اس جوش کا حاضرین پر اثر پڑتا تھا اور سامعین میں شور گریہ و زاری بلند ہوتا تھا

جد امجد جناب سلطان العلماء رضوان مآب طاب ثراہ روز عاشور وقت عصر سر و پا برہنہ منبر پر تشریف لیجاتے تھے اور ذاکری میں اُن کو عذر نہ تھا جناب کی ایک ایک لفظ کا حاضرین پر جو اثر ہوتا تھا اُسکی نقشہ کشی الفاظ میں ممکن نہیں جناب تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ اپنے موعظہ میں اس ذاکری پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں۔

" الہامی کلاموں کا تو کیا ذکر کہ وہ معجزہ تھے اپنے ہم چشموں کا حال اور کلام میں غور کرو جس کلام میں یہ اثر ہوتا ہے وہ دل پر گذرتا ہے دیکھو میاں سکندر مرحوم کا یہ مرثیہ ہے روایت شتر سوار کسی کا تھا رسول کہ اس نے کیا کیا اثر ظاہر ہوئے ہیں وہاں یہ کہ لوگوں نے جان دیدی حالانکہ بہت سے مرثیے اس سے بڑھ کے تراش خراش نازک خیالی وغیرہ میں تصنیف ہوئے پس یہ اثر اس حالت کا ہے جو خود متکلم پر کلام کرتے وقت طاری تھی اور یہی گر تھا جناب رضوان مآب کے ذکر مصائب مختصر میں معمولی طور سے اور مصائب خوانوں کے بدرجہا زیادہ اثر ہونے کا کہ وہ جذبۂ خداداد طبیعت سے رُلاتے تھے نہ ذاکرانہ کاریگری سے (موعظہ عظیم آباد صفحہ ۲۶ مطبوعہ شعبان سنہ ۱۳۱۲ھ اثنا عشری پریس لکھنؤ۔ جناب رضوان مآب کو عزائے حسین میں جو شغف تھا وہ ایک مستقل موضوع ہے اسپر قلم اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں واقعہ نگار جناب کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

روزے آنجناب با احباب و اصحاب فرمود کہ اگر روز قیامت ملائکہ سوال کنند کہ خواہش شما چیست ہر کس حسب مطلوب خود از حور و قصور و نعمتہائے بہشت اظہار نمود اگر از من پرسند گویم کہ معرکہ کربلا قائم شود و من شریک آنحضرت شوم۔ (ذوائب جلد دوم)

جناب سلطان العلماء رہ نے ایک دن اپنے اصحاب اور مخلصین کے سامنے فرمایا کہ قیامت کے دن ملائکہ مومنین سے پوچھیں گے کہ تمھاری کیا آرزو ہے اور وہ حور دان بہشتی سر بلند قصر اور نعمت ایزدی کا سوال کرینگے اور اگر مجھ سے پوچھا جائے گا تو میں کہوں گا کہ معرکہ کربلا قائم ہو اور میں مظلوم کربلا کی نصرت میں شریک ہوں۔

جناب نے اپنے قلم اور زبان سے جو نصرت دین فرمائی ہے یقیناً سید الشہداء ارواحی فداہ کی آواز پر لبیک کہنے اور عمل میں جذبِ شہادت کی جھلک پیدا کرنے کا سبب ہے اور اُن بلند درجات تک اس تمنا نے انکو ضرور پہنچایا۔

علماء اہلسنت بھی ذاکری کو اپنا سبب عزت اور تحصیل اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھتے رہے فخر الدین بن طریح نجفی تحریر فرماتے ہیں ـــ

ذکر اہل التاریخ ان سبط ابن الجوزی کان یعظ علی الکرسی بجامع دمشق فطلب منہ اہل المجلس ان یذکر شیئاً فی مصرع الحسین بن علی فصعد وانشا یقول ـ ویل لمن شفعاءہ خصماءہ والصور فی نشر الخلائق ینفخ ؂ لابد ان ترد القیامۃ فاطمۃ ؂ وقمیصہا بدم الحسین ملطخ ؂ ثم

انه وضع المنديل عن راسه واستعبر طويلا ونزل عن الكرسي وبذلك ختم مجلسه۔
(منتخب فی المراثی والخطب چھاپ مبئی ص۱۱)

مورخین کا بیان ہے کہ سبط ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ کرسی پر وعظ فرما رہے تھے دمشق کی بڑی مسجد میں حاضرین مجلس نے ان سے خواہش کی کہ کچھ واقعہ کربلا پر اظہار خیال کریں علامہ نے برجستہ یہ شعر پڑھے وائے ہو اُس گروہ پر جس کی مخاصمت پر خود اُسکی شفاعت کرنے والے تیار ہو جائیں، یہ وہ ہولناک دن ہوگا جب صور پھونکا جائے گا خلائق محشور کرنے کے لیے اور اس دن ضروری ہے کہ فاطمہؑ زہرا (خاتون جناں) مظلوم کربلا کا خود آلود پیراہن لائیں گے یہ کہکر ابن جوزی نے پگڑی اپنی اُتاری اور ننگے سر ہوکر بڑی دیر تک آبدیدہ رہے اور کرسی سے اُتر آئے اور مجلس ختم کی۔

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ ذاکر کا عمامہ اُتارنا سبط ابن جوزی کی ایجاد ہے اور اُن کو حق بھی تھا اس عمل کا اس لیے کہ رسول ام سلمہ کے خواب میں سر برہنہ آئے۔

مدح حضرت عباسؑ

مندرجہ ذیل اشعار جناب حجۃ الاسلام مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد جونپور کے اُنکے صاحبزادہ نے بغرض اشاعت مرحمت فرمائے ہیں مویصد شکریہ یہ سچ ہے افسوس ہے کہ جناب کا کلام کسی نے جمع نہیں کیا ورنہ پھر یہ آرادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔

وہ کیا خطرے میں لائے کثرت فوج ستمگر کو
علیؑ کی جس نے دیکھی آنکھ دنیائے شجاعت میں

جگر میں زور حمزہ ہاتھ میں زور ید اللٰہی
سکت بازو میں دل قابو میں کس تیغ صلابت میں

اُلٹ دیتے زمین کربلا کو ایک ضربت میں
اگر شامل نہ ہوتی صبر کی قوت شجاعت میں

زہیر آئے ہیں کہنے کو حدیث مرتضیٰ شاید
یہ مطلب ہے کمی واقع نہ ہو آقا کی نصرت میں

مرے مولا یہی ہنگام جرأت آزمائی ہے
ذرا اک تن کے انگڑائی تو لو جوش شجاعت میں

شانِ وفا

(از نتیجہ فکر سید علی نصرت - قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ)

اے علمدار سپاہ خسرو اقلیم دیں
سر سے پا تک تو ہے تصویر امیر المومنین

موجزن ہے ہر رگ و ریشے زور حیدری
ملتی جلتی ہے علیؑ سے تیری شان صفدری

جیسے حامی رسالت ہے شہ جن و بشر
کربلا میں ہوگیا تو بھی امامت کا سپر

شیر حق نے کردی مستحکم رسالت کی بنا
تکملہ کار امامت کا ترے دم سے ہوا

آج تک بجتا ہے ڈنکا گر علیؑ کے نام کا
دہر میں نقش وفا تیرا بھی جم کر رہ گیا

سبط پیغمبر کی تو آغوش شفقت میں پلا
فرق اقدس پر ترے سایہ امامت کا رہا

تھے ازل ہی سے امام دیں حسینؑ ابن علیؑ
تجھ کو حصہ میں امامت کے علمداری ملی

آئینہ دار وفا تھا تیرا پاکیزہ لہو
جان دے کر تو رکھ لی دین حق کی آبرو

دیکھ کر جیتا تھا تجھ کو بادشاہ کربلا
درحقیقت تو حسینؑ ابن علیؑ کی جان تھا

کہنے کو سوتیلا بھائی تھا علمدار جری
بھائی کے خاطر مگر برباد کردی زندگی

کربلا میں قتل جب سفیر دلاور ہوگیا
غل ہوا صدقے برادر پر برادر ہوگیا

بن گئی افسانہ عباس دلاور کی وفا
اٹھ گیا دنیا سے لیکن نام باقی رہ گیا

جان سی شئے صدقے سوتیلا برادر کر گیا
دے گیا عالم کو عباسؑ جری درس وفا

قوم کا ہر فرد ہے قومی صحیفہ کا ورق
قوم کے نوخیز و عباسؑ جری سے لو سبق

ہم کو اپنے بھائیوں کے کام آنا چاہیے
قوم کی بگڑی ہوئی قسمت بنانا چاہیے

مجھ پہ پڑ جائے نگاہ لطف اے مولا اگر
ہو زیارت سے مشرف نصرت خستہ جگر

محاسبۂ نفس

کیا سید الشہداء ہم سے خوش ہیں

اسلام دراصل عمل کا نام ہے

(از جناب مولانا ابوالخلیل سید راحت حسین صاحب رضوی حسینی مشنری بھیک پور)

محرم کا زمانہ قریب ہے اوقات مخصوصہ میں کتب مقاتل کا مطالعہ کر رہا ہوں کہ دفعتہً کربلا کا ایک دردناک منظر پیش نظر ہے۔ دل پر چوٹ لگتی ہے اور بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ معاً خیال ہوا کہ کیا یہ آنسو ہماری نجات کے لئے کافی ہے؟ ہاں کافی ہے بشرطیکہ معرفت کے آنسو ہوں۔ صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔ اوامر و نواہی پر کاربند۔

مگر ہم تو دینیات کی طرف متوجہ نہیں برائے بیت مذہب کا نام زبان پر ہے مختلف علوم و فنون کی جانب انہماک ہے۔ فلسفہ۔ سائنس۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ریاضی۔ ہندسہ۔ لٹریچر۔ تجارت۔ زراعت۔ صنعت و حرفت ان چیزوں سے کمال شغف۔

لیکن نماز گنڈے دار۔ روزہ سے تعلق نہ حج سے کوئی سروکار نہ زکوٰۃ سے واسطہ نہ خمس سے دلچسپی۔

حد یہ ہو گئی کہ قرآن تک نہ پڑھا۔ اصول دین۔ فروع دین۔ اسمائے گرامی چہاردہ معصومین ؑ سے نابلد۔

شادی و شراب سے رغبت، نماز بازاری سے محبت۔ روزمرہ کا مشغلہ شکوہ و شکایت اور غیبت۔ افیون۔ چانڈو۔ مدک گانجہ سے الفت۔ تاش۔ شطرنج۔ گنجیفہ۔ چوسر اسباب راحت سمجھ لیا گیا ہے۔ مسائل شرعیہ سے تو واقفیت نہیں بمسئلہ تقلید لاعلم محض۔ طہارت۔ نجاست۔ حلال حرام کا

علم حاصل کرنا حماقت رپوٹر ایجنسی کے تاروں خبروں کا مطالعہ تو اوجب واجبات سے ہے اخبارات ورسائل پہ نظر ضروری ہے۔
رہے حقائق ومعارف اسلام اسے دور ہی سے سلام۔

تو سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت سید الشہدا روحی لہ الفدا ہمارے ان حرکات سکنات سے خوش ہوں گے یا ناراض؟

خوش ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں جبکہ ننگ انسانیت یزید پلید کا طرز عمل دین مبین کے خلاف تھا۔ اس ملعون کی چال ڈھال سے امام علیہ السلام کو ملال تھا اور اس درجہ اُس شقی ازلی بدبخت سے حضرت کبیدہ خاطر تھے کہ دنیا بھر کی مصیبتوں کو اختیار فرمایا اُس شیطان کے خلاف جہاد کا حکم نافذ فرمایا۔ اور اپنی تمام کائنات راہ خدا میں قربان فرمادی۔ دین اسلام کے تحفظ اور بقا کے لئے اپنے چھ مہینے کے لال تک کو نثار کردیا۔ تو پھر وہی رنگ ڈھنگ (زید۔ بکر۔ خالد۔ عمرو کا ہو (کم وبیش) بنائے محض آنسو کیسے کافی ہیں؟ فافہم وتدبر۔

عزاداری پر علماء اہلسنت کا فتویٰ

ذیل کے دو سوال وجواب الفقیہ امرتسر مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئے تھے ناظرین اواعظ کی ضیافت طبع کے لیے ہم درج کرتے ہیں۔ اڈیٹر

سوال :- وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کے نزدیک شربت محرم وکھچڑا ایصال ثواب جو کہ ہم اہلسنت والجماعت کرتے ہیں ناجائز ہے اور وہ بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں۔ آیا جس طرح سے کہ ہم فاتحہ بغرض ایصال ثواب کرتے ہیں درست ہے یا نہیں۔

الجواب :- بلاشبہ جائز ودرست ہے ناجائز کہنا بلا دلیل ہے۔

سوال :- ماہ محرم میں ہم لوگ مجالس ومحافل سید الشہداء نام مبارک پر کرتے ہیں اسمیں جو کہ آدمی روتے وہ غلط ہے یا صحیح اور جائز ہے یا کہ ناجائز۔

الجواب : بالکل صحیح ہے یہ محبت کی نشانی ہے اور واقعات کو سن کر آنسو بہانا بھی محبت کی نشانی ہے اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔

المجیب عبدہ المسکین محمد عبد المتین بہاری

سلام

(از مداح امام مظلوم جناب منشی حکیم عطا علی صاحب مستؔ ساکن اچھورام ضلع گوداوری صوبۂ مدراس)

مجرائی شاہ روتے ہیں اکبرؑ کے واسطے
بانو کے لخت دل علی اصغرؑ کے واسطے

ہیہات ہاتھ کٹ گئے غازی کے نہر پہ
شبیرؑ رو رہے ہیں برادر کے واسطے

دولھا شہید ہوگیا کھا کر سنان ظلم
روتی دولھن ہے قاسمؑ مضطر کے واسطے

اکبرؑ نے دی صدا کہ لبوں پر ہے میری جاں
نکلے حسینؑ ڈھونڈھتے دلبر کے واسطے

پیاسے لب فرات پہ آقا ہوئے شہید
جن و ملک میں شور ہے سرورؑ کے واسطے

جلتی زمیں پہ لاش پڑی ہے حسینؑ کی
نکلے رسولؐ قبر سے سرور کے واسطے

بالی سکینہؑ شاہ کے نازوں کی تھی پلی
مارے طمانچے شمر نے گوہر کے واسطے

ہے ہے اسیر کر کے حرم کو عدو دیں
در در لئے پھرے طمع زر کے واسطے

رکھا گیا تنور میں سر شہ کا ہے غضب
جنت سے آئیں فاطمہؑ دلبر کے واسطے

اے مستؔ ہند سے چلو پھر سوئے کربلا
جی بھر کے رو لو دلبر حیدرؑ کے واسطے

سلام

(از مداح امام مظلوم جناب منشی حکیم عطا علی صاحب مست ساکن راجھوارم ضلع گوداوری صوبہ مدراس)

سلامی اشک غم شہ میں جو بہاتے ہیں — وہ دفن ہوتے ہی خلد بریں کو جاتے ہیں

کٹا ہے بازو ترائی میں شیر سہتا ہے — حسینؑ نہر پہ پکڑے کمر کو جاتے ہیں

ملی نہ رخصت میداں تو قاسمؑ ابن حسنؑ — چچا کو کھول کے بازو سے خط دکھاتے ہیں

بنا جو شب کو تھا دولہا وہ صبح قتل ہوا — حسینؑ لاشۂ داماد رن سے لاتے ہیں

لگی جو برچھی تو اکبرؑ نے دی صدا شہ کو — شتاب آئیے اب ہم جہاں سے جاتے ہیں

کمر خمیدہ ہے اور ہاتھ پاؤں ہیں لرزاں — حسینؑ پیری میں لاش جواں اٹھاتے ہیں

جگر میں کھا کے سناں مر گئے علی اکبرؑ — حسینؑ خیمے میں بیٹے کی لاش لاتے ہیں

چھدی ہے تیر سہ شعبہ سے گردن اصغرؑ — حسینؑ بانو کو زخم گلو دکھاتے ہیں

عریضہ ہاتھ میں لے کر مریض دختر کا — حسینؑ رن میں ہر اک لاش کو سناتے ہیں

حسینؑ جھومتے ہیں صدر زین پر ہے ہے — سنان و تیغ و تبر اشقیا لگاتے ہیں

یہ کیا شقاوت قلبی ہے بعد قتل حسینؑ — کہ لاش روندنے ہے ہے سوار آتے ہیں

شہید ہو گئے وارث تو ہائے رانڈوں کو — اسیر کر کے عدو در بدر پھراتے ہیں

کہیں جو ہوتی ہے چلنے میں دیر عابدؑ کو — تو کوڑا بغض سے بیمار کے لگاتے ہیں

بروز حشر نہ روئے گی مست آنکھ ان کی
جہاں میں اشک غم شہ میں جو بہاتے ہیں

حضرتِ اُمید لکھنوی طاب ثراہ

اشک باری میں جو دردِ جگری آ جائے — شجرِ خشک میں مژگاں کی تری آ جائے
طالبِ اوج نہ ہو مثلِ فلک او منعم — کہیں تجھ میں بھی نہ بیدادگری آ جائے

زمینِ کربلا زبانِ حال سے

(از جناب مولوی عبدالخالق صاحب حشر دنیا نگری سنی المذہب)

غیر سے شکوہ نہیں اپنوں سے ہے میرا گلا — کہہ رہی ہے آجتک ہم کو زمین کربلا
میری مٹی میں ملا ہے ان شہیدوں کا لہو — جن کا سر تھا زیرِ خنجر اور لب پر لا الٰہ
کتنا جذبہ تیز ہوتا ہے خدا کے عشق میں — شوق سے دیتے ہیں سر مردانِ تسلیم و رضا

چشمِ بینا! نعرۂ تکبیر کی تاثیر دیکھ
ذرہ ذرہ ہے مرا قرآن کی تفسیر دیکھ

اشہبِ شہ سے ملاتا ہے یہ اپنی رفتار — ٹھوکروں میں نہ کہیں کبک دری آ جائے
یادِ صبحِ رخِ سرور میں جو کھینچوں آہیں — ٹھنڈی سانسوں سے نسیمِ سحری آ جائے
کہتی ہیں دیکھ کے دلدل کے طرارے پریاں — ہم میں کس طرح سے یہ تیز پری آ جائے

روضۂ سید مظلوم ہے وہ رشکِ جناں
حور بن جائے جو سائے میں پری آ جائے

منیغم پنجاب جناب مولانا یوسف حسین صاحب واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

سیدالشہداء دنیا کے ان مشہور القاب میں سے ہے جس سے دنیائے اسلام کی کوئی فرد نہیں جو آشنا نہ ہو ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ تمام القاب صرف سن لیے جاتے ہیں۔ لیکن جب سیدالشہداء کا نام کسی کی زبان پر آتا ہے تو دل ہل جاتے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور دست و پا میں رعشہ کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے ایک ایسے ہولناک میدان کی تصویر پھر جاتی ہے جس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے بہادروں کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

دنیا میں بڑے سے بڑے عہدوں کا حاصل ہو جانا ممکن ہے لیکن سید و سردار قرار پانا بہت دشوار ہے۔ انبیاء و مرسلین میں سے ہر نبی و مرسل اسی قوم کا سید و سردار ضرور تھا جنکی طرف وہ مبعوث ہوا تھا بلکہ دوسرے انبیاء کی امتوں پر بھی ہر نبی و مرسل کو سید و سردار کی طرح فوقیت حاصل تھی۔ مگر نہ کسی نبی کو سیدالانبیاء کا لقب مل سکا اور نہ کسی وصی کو سیدالاوصیاء کا خطاب حاصل ہو سکا بلکہ قدرت نے سیادت کے خطابات رسول اسلام اور ان کے مقدس خاندان کے ساتھ مخصوص رکھے سرور کائنات کو سیدالانبیاء والمرسلین کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور حضرت امیرالمومنین کو سیدالاوصیاء کا خطاب عنایت ہوا۔ اور ان حضرت کی پارۂ جگر حضرت فاطمۂ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہا کو سیدۂ نساء اہل جنت کا خطاب مرحمت ہوا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔

انبیاء کا سردار سرور کائنات اور اوصیاء کے سردار حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور جنت کے پردہ داروں کی سردار حضرت سیدۂ عالم۔ اب جنت کے جوانوں کی سرداری باقی تھی۔ اسکے لئے آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے

الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنہ وابوهما افضل منهما ۔ دونو شہزادے جنت کے جوانوں کے سردار اور انکے پدر بزرگوار ان کے بھی سردار ہیں یعنی جنت کے جوانوں کے سردار اعلیٰ حضرت امیرالمومنین اور پردہ داروں کی سردار حضرت خاتون جنت۔ ظاہر ہے کہ جنت میں انبیاء و مرسلین بھی ہونگے۔ لہٰذا سردار دو عالم کے سوا تمام انبیاء و مرسلین پر بھی دونوں شاہزادوں کو

سرداری کا درجہ حاصل ہے۔

دونوں شہزادوں کی سرداری اس قدر رفیع اور بلند ہے کہ انبیاء و مرسلین کی منزل حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس مرتبہ تک نہیں پہونچ سکی۔ لیکن سرداری کا ایک درجہ ایسا تھا جو آنحضرت اور اُن کے معزز اور پاک خاندان سے بھی محفوظ رکھا گیا اور وہ اس گھر کی ایک ایسی فرد سے مختص ہے جو بلحاظ عمر و رشتہ سب سے چھوٹا ہے۔ مگر اس خورد ترین فرد نے اپنے عدیم المثال عمل سے وہ درجہ حاصل کر لیا جہاں اس کے بزرگ بھی اس کے سہیم اور شریک نہیں ہیں اس امتیاز پر اس فرد کو نازش ہو یا نہ ہو۔ لیکن ان کے بزرگوں کو ناز ہے اور رہے گا۔ وہ ممتاز عہدہ "سیدالشہداء" ہے جو صرف امام حسین علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔

حالانکہ اس خاندان کے خورد و بزرگ قریب قریب سب درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ سرورکائنات شہادت سے محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر یہودیہ کے زہر کے اثر سے شہادت واقع ہوئی۔ حضرت سیدۂ عالم علیہا السلام کا قاتلوں کے روحانی مظالم اور زخم پہلو سے شہید ہونا معلوم ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ۱۹ رمضان المبارک نماز صبح کی حالت میں نماز جماعت میں مسجد کوفہ کے اندر ابن ملجم کی تیغ زہر آلود سے شہید ہونا متفق علیہ ہے حضرت امام حسن علیہ السلام معاویہ کی سازش اور ایما سے زہر ہلاہل نوش فرما کر شہید ہونا کتب فریقین سے ثابت ہے لہذا خمسۂ نجباء میں ہر ایک شہید تھا لیکن ان کا شمار باوجود بزرگ اور مربی اور محسن ہونے کے شہداء میں ہے لیکن سیدالشہداء کا لقب حضرت امام حسین علیہ السلام کے پایۂ نام ہے۔

کیا یہ امتیاز اس لئے ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلحاظ منصب و عہدہ کے اپنے پدر بزرگوار پر تفوق حاصل تھا۔ یا آپ کو اپنے پدر بزرگوار پر کوئی شرف دیا جا سکتا ہے یا آپ کو اپنی مادر گرامی حضرت خاتون جنت پر کوئی بزرگی حاصل تھی۔ نہیں اس لئے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں وہ عدیم المثال قربانی پیش کی جس کی مثال نہ اب تک مل سکی ہے اور نہ قیامت تک مل سکتی ہے۔

انبیاء ما سلف کے متعلق تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ شہید ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو سیدالشہداء کا لقب نہیں ملا۔ مگر چونکہ انھیں خلعت انبیاء پر کسی اور لحاظ سے بھی سرداری حاصل نہیں تھی اسلئے اگر وہ سیدالشہداء نہیں قرار پا سکے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

البتہ یہ گھر جس کی ہر فرد سید و سردار تھی۔ کوئی انبیاء کا سردار کوئی اوصیاء کا سردار کوئی عورات جنت کا سردار کوئی جوانان جنت کا سردار جس کی ہر فرد شہید تھی تو پھر بھی سید الشہداء نہ قرار پا سکے یہ حیرت انگیز ضرور ہے۔ حد یہ ہے کہ وہ رسول اسلام جس کا ہر ارشاد وحی ربانی کا ترجمان تھا جس کے گھر سے سید الشہداء کے لقب تقسیم ہوتے تھے۔ وہ بھی اس لقب سے ملقب نہیں ہے اور نہ انکی کسی حدیث سے ثابت ہے کہ ان کا لقب سید الشہداء ہے حالانکہ ان میں کوئی ایسا نہیں جو مظلوم نہو ستم رسیدہ نہو۔

سرور کائنات جن کا اسم گرامی عام طور سے مظلوموں کی فہرست میں نہیں لیا جاتا۔ ان کی مکہ معظمہ کی زندگی یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ انسان جو ایک ایسے عہد میں پیدا ہوتا ہے جب عیسوی رسالت کو گذرے ہوئے بھی تقریباً چھ سو سال گذر چکے ہیں کفر اور ظلم کے بادل ہر طرف چھائے ہوئے ہیں ضلالت اور گمراہی کے سیلاب میں ہر شخص غرق ہے نہ علم ہے نہ معلم نہ انصاف ہے نہ تدین کہیں آگ کی پرستش ہے کہیں آب و گیاہ کی پوجا ہے۔ حد یہ ہے کہ خدا کے مخصوص گھر میں پتھر کے تین سو پینسٹھ بت خدائی کر رہے ہیں کائنات عالم خود ساختہ خداؤں کے آگے سر جھکا رہی ہے۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جا رہی ہیں۔ خون ناحق سے زمین عرب لالہ زار ہے۔ عرب کے باہر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں بھی کہیں دینداری کا نام و نشان نہیں کرۂ ارض کفرستان بنا ہوا ہے۔ ظلم کو انصاف اور انصاف کو ظلم کہا جاتا ہے خود ساختہ خداؤں کی پرستش عبادت اور خدائے وحدہٗ لا شریک کا نام لینا جرم عظیم ہے۔ نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ نہ ناصر ہے نہ غمگسار۔ نہ باپ کا سایہ ہے نہ دادا کا شانۂ عافیت نہ دعائیں مانگنے والی ماں زندہ ہے نہ کوئی قوت بازو بھائی جیسے فطری درد ہو اس عالم میں عرب ایسے کفرستان میں جاہل ترین قوم میں رہ کر مکہ کی سنگلاخ زمین اور بت پرستی کے مرکز پر کھڑے ہو کر یکایک یہ آواز بلند کرنا کہ قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ یہ آسان کام نہ تھا۔ یہ ہمت یا اس رسول کے دل میں تھی جس نے اس عظیم ترین بار کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور یا اس طفل نوخیز کا کام تھا جس نے ۱۰ سال کی عمر میں کسی خورد و بزرگ یا اہل خاندان کی پرواہ نہ کر کے سب سے پہلے شہادت اور گواہی دی اور بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ یا اس پردہ دار کی ہمت تھی جس نے عورت ہو کر نصرت دین کر کے بے شمار مردوں سے سبقت کا شرف حاصل کر لیا اور آخرام المومنین کے لقب سے سب سے پہلے ملقب ہوئیں اور یا اس مقدس انداز میں اور محسن اسلام چچا کا کام تھا جس نے نصرت حق سے ہمت بھی نہیں ہاری اور نبوت اور دین الٰہی کی حمایت اور حفاظت بھی اس طرح کی کہ یادگار رہیگی اور کافروں کو یہ موقع بھی نہیں دیا کہ وہ بھتیجے کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راہ میں کانٹوں کے فرش بچھنے لگے۔ پتھروں کے مینھ برسنے لگے خس و خاشاک پھینکے

جانے لگے۔ برا بھلا تو بجائے خود ساحر و مجنوں کے خطاب ملنے لگے۔ سارا خاندان اور ساری قوم دشمن ہوگئی اپنے بیگانے ہو گئے۔ رشتہ داروں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نہ ہمسائیگی کی محبت رہی نہ دوستوں میں مروت رہی نہ رشتہ داری کے خون میں حرارت رہی۔ نہ قومی غیرت رہی۔ نہ خاندانی حمیت رہی۔ بس اکیلے رسول یگانہ اور چند جاں نثار۔ آخر خون کی پیاسی قوم نے سر لینے کی ٹھان لی مالک و مختار عالم سردار دو جہاں کو رات کے وقت چھپ کر نکلنا پڑا غار میں پناہ لینا پڑی دشمنوں سے چھپنا پڑا تقیہ کرنا پڑا یہ سب کچھ کیا تب جان بچی اسلام کی جان میں جان آئی ایمان کے درخت لگے۔ معرفت کے پھول کھلے۔ امامت کے پھل پک کر تیار ہوئے۔ یہ مصیبت صرف ایک داستان نہیں بلکہ ارباب معرفت کے لئے سرمۂ چشم بصیرت اور اہل درد کے لیے ایک ایسا کوہ الم ہے جسکا بار اٹھانے کے قابل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے صرف ایک کو سمجھا گیا تو وہ بار اس کے حوالے کیا گیا اگر تمام حالات زندگی اور کارنامۂ حیات کو چھوڑ کر صرف آنحضرت کی ان قربانیوں کو پیش نظر رکھا جائے تو صرف اس لحاظ سے بھی آپ سردار انبیاء اور اشرف المرسلین کہے جانے کے مستحق ہیں۔

وطن چھوٹا۔ دوست احباب چھوٹے۔ رشتہ دار چھوٹے۔ گھر بار چھوٹا مال و متاع چھوٹا اب نیا وطن ہے نیا گھر نئے ساز و سامان نئے انتظام نئے لوگ اعداء میں رہ کر نیا کام کرنا اور نیا پیغام سنانا ہے۔ جو جاہلوں کی نظر میں ازل سے کبھی نہیں ہوا۔ یعنی اسلام اور تعلیم اسلام۔

یہ ان حضرت کی نبوت کی زندگی کے ابتدائی مراحل تھے اس کے بعد جس قدر نبوت کی عمر بڑھتی گئی اسی قدر مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک دو نہیں ۸۰ غزوات اور سریات کی نوبت آئی ایک طرف قریش کا مقابلہ دوسری طرف غطفان کا مقابلہ تیسری طرف نصاریٰ کا مقابلہ چوتھی طرف یہودیوں کا مقابلہ پھر کسی طرف سے امداد کی امید نہیں کمک کی توقع نہیں ایران میں آتش پرستی ہو رہی ہے۔ روم میں تثلیث کا دور دورہ ہے افریقہ کفر و جہالت کا مرکز بنا ہوا ہے، ہندوستان بدھ اور جین اور قدامت پرستی کا مرکز ہے۔ نہ کہیں آواز پہونچائی جا سکتی ہے نہ کوئی کسی کی سنتا ہے۔ ہر ملک اور قوم سے دشمنی کے سوا دوستی اور ہمدردی کی امید نہیں پھر نبوت کی مختصر سی زندگی میں ہر طرف حق کی آواز بھی پہونچانا ہے۔ یہ عہد رسول اسلام نے جن مصائب و آلام میں گذارا اس کی مثال صرف سیرت نبی ہے۔

ان مشکلات کے بعد سب سے زیادہ اپنوں سے امید ہو سکتی ہے اور ہونا بھی چاہئے تھی۔ وہ بھی آخر وقت ساتھ چھوڑ گئے اور کچھ ایسی ناخوشگوار صورتیں پیش آئیں کہ ان حضرت کو تنگ آکر ان کی صحبت اور پاس بیٹھنا بھی گوارہ نہ ہو سکا اور ابدی فراق سے پہلے فراق کی نوبت آگئی اور اس فراق کی ذہنیت نے

اسقدر طول کھینچا کہ جنازہ سے بھی فراق ہی رہا آخر وقت یہ جانکاہ صدمہ ہی رسول اسلام کے قتل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اسلئے کہ شکایت غیروں سے نہیں اپنوں سے ہوتی ہے اسکے باوجود ان حضرت کو سیدالشہداء نہیں کہا جاتا

حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام جو دونوں شاہزادوں کے پدر بزرگوار تھے۔ ہر لحاظ سے دونوں سے ہر امر میں بہتر و فضل ہیں۔ جو رسول اسلام کے بعد دوسرے درجہ پر کمالات آلہیہ کے مظہر ہیں جنھوں نے ۱۳ برس کی عمر سے چھتیس ۳۶ برس کی عمر تک آنحضرت کے ساتھ رہ کر کبھی جہاد اصغر اور کبھی جہاد اکبر میں عمر گذاری۔ اور اس قربانی میں خاتم النبیین کے سہیم و شریک رہے جو آنحضرت نے بارگاہ آلہی میں پیش کی۔ آنحضرت کے بعد ۲۵ برس تک ہر قسم کے کمالات اور اقتدار کے ہوتے ہوئے صبر و تحمل ظلم و ستم اور تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ جب بظاہر تخت خلافت پر جلوہ فگن ہوئے تو ما لبقی مسلمانوں کی اسلام دشمنی کے مقابلہ میں گذاری آخر خدا کے گھر میں خدا کے ذکر میں نمازیوں کے مجمع میں ایک مدعی اسلام کی شمشیر آبدار ازہر آلود سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس جلیل القدر شخصیت اس مقدس اور مظلومانہ سیرت اور اس عبرتناک شہادت کے بعد بھی وہ سیدالشہداء کے لقب سے ملقب نہیں ہوئے۔

جناب سیدۂ عالم کی ساری زندگی مصائب و آلام اور خطرات میں گذری باپ کے مصائب شوہر کی ہر جھگڑے میں پیشقدمیاں بچوں کے مسلسل فاقے کبھی چکی پیسنا کبھی چرخہ کاتنا۔ گھر کے تمام فرائض خانہ داری خود انجام دینا۔ کبھی جو کی روٹیاں کھانا اور اکثر فاقہ سے سو رہنا۔ اس کے باوجود ہر وقت ذکر خالق اور شکر خدا میں مصروف رہنا اور اپنی مختصر عمر میں تمام عالم کی عورتوں کے لئے عمل کے وہ نمونے چھوڑنا جو قیامت تک کے لئے شمع راہ بنکر رہیں۔ آنحضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد مصائب کے پہاڑوں کا ٹوٹ پڑنا۔ غم اور غیر متناہی اندوہ کے سیلابوں کا امنڈ امنڈ کر آنا۔ افکار اور خطرات کے گردابوں میں گرفتار ہو جانا۔ شوہر اور بچوں کو گرفتار مصائب دیکھکر دن رات حزن و غم کے قید خانہ میں اسیر رہنا۔ وہم و خیال کے خلاف مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہدف مصائب بنجانا۔ دل کے ساتھ ساتھ پہلو کا زخمی ہونا۔ اور اس تکلیف کے ساتھ زخمی پہلو لئے ہوئے رسول اسلام پر ماتم کرتے کرتے اس جہان سے رخصت ہو جانا۔ یہ وہ مصائب ہیں کہ اگر پہاڑوں پر پڑیں تو پارہ پارہ ہو جائیں۔ اور اگر روشن دنوں پر پڑیں تو سیاہ رات کے مانند ہو جائیں۔ پھر بھی آپ کو تمام شہداء پر سیادت کا درجہ حاصل نہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام چند سال نانا کی گود میں پلنے کے بعد نانا سے ابدی فراق کا زخم کھا کر باپ باپ کی ہر مصیبت میں شریک رہ کر جوان ہوئے ہیں باپ کی تاحیات ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے جو باپ کو درپیش ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ناساز گار حالات زمانہ دیکھکر صلح کر لیتے ہیں پھر بھی قرار نہیں ملتا۔ بار بار زہر استعمال کرایا جاتا ہے۔ آخر سم قاتل کا قدحہ نوش کر کے ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں رنگ سبز اور دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ جنازہ پر تیروں کا مینھ برستا ہے۔ روضۂ رسول میں دفن ہونے کی اجازت نہیں ملتی اس شہادت کے باوجود انھیں سید الشہدا کا لقب نہیں ملتا۔ جوانان جنت کی سرداری میں وہ اپنے بھائی کے شریک اور حصہ دار ضرور ہیں لیکن سید الشہدا کے لقب میں اپنے چھوٹے بھائی کے حصہ دار نہیں ہو سکتے۔

کیوں؟ اس لیے کہ نانا کہ سردار دو عالم نے اپنی ساری عمر میں دشمنوں کے ہاتھوں قسم قسم کی تکلیفیں اٹھائیں۔ پتھروں کے مینھ برسے۔ قتل کی تیاریاں ہوئیں۔ وطن چھوڑنا پڑا۔ مگر حضرت ابو طالب اور جناب خدیجہ تاحیات ناصر و مددگار رہے۔ حضرت امیر المومنین ہر وقت ہر مصیبت میں شریک و حصہ دار تھے۔ اور آخری سانس تک ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب اہل وطن نے ساتھ چھوڑا تو مدینہ والے ہر خدمت و نصرت کے لیے تیار ہو گئے۔ اپنی قوم نے تکلیف پہونچائی تو انصار جان نثار کرنے لگے۔ لڑنے تیار ہو گئے۔ اگر آج وطن چھوٹا تو پھر وطن میں تشریف لائے۔ چھپ کر نکلے تھے علانیہ واپس آئے تنہا روانہ ہوئے تھے فوجوں کے جھرمٹ میں واپس ہوئے۔ بظاہر مغلوب ہو کر نکلے تھے فتحیاب ہو کر واپس ہوئے جب وطن سے نکلے تھے تو اپنی ذات کی فکر کے سوا نہ پردہ دار ساتھ تھے نہ بچے ہمراہ تھے نہ کوئی اور فکر تھی بھائی وطن میں موجود تھا جو ہر امر کا ضامن تھا۔

مدینہ پہونچنے کے بعد جب کوئی مصیبت آئی تو مسلمانوں کی فوجیں سینہ سپر ہو گئیں جب ساتھیوں نے ساتھ چھوڑا تو ابن عم ہر وقت سینہ سپر رہا کافروں نے حملہ کیا تو مسلمان سینہ سپر تھے۔ مسلمانوں نے ساتھ چھوڑا تو بھائی نے آخری دم تک ساتھ دیا۔ اپنے گھر میں بیٹی کی آغوش میں سر تھا۔ جب طائر روح نے گلشن جنت کی طرف پرواز کی۔

کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی تیرہ برس کی عمر سے تاحیات مصائب والآلام میں گذری کافروں اور اس کے بعد مسلمانوں کے مظالم برداشت کرنے میں گذری۔ اسلام غزوات اور خطرناک جھگڑوں میں گذری ناقابل برداشت مشکلات اور ناسازگار زمانہ معرکوں میں گذری۔ کبھی تلوار چلانا پڑی۔ کبھی صبر و سکوت سے کام لینا پڑا۔

زوجہ کی حق تلفی دیکھی، مسلمانوں کی بے رخی دیکھی اپنی کس مپرسی دیکھی۔ وہ دروازہ جس پر سرورکائنات روزانہ تشریف لاکر سلام کرتے تھے۔ اس پر لکڑیوں کے انبار دیکھے آگ کے شعلے دیکھے قتل کی دھمکیاں دیکھیں جوروا ستبداد دیکھا۔ جبر و تشدد دیکھا غلط کاریاں دیکھیں سفاکیاں دیکھیں اور جب سریر آرائے حکومت ہوئے تو چلتی ہوئی تلواریں دیکھیں۔ مسلمانوں کے کٹے ہوئے گلے اور اڑتے ہوئے سر دیکھے بہتے ہوئے خون کے دریا دیکھے آخر خانۂ خدا میں ذکر الٰہی میں ایک مدعی اسلام کی شمشیر زہر آلود سے درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

یہ سب کچھ ہوا مگر ابتدائی دور میں رسول اسلام ایسا پشت پناہ اور سرپرست ہر وقت ساتھ ساتھ تھا۔ آنحضرت کے بعد جب تمام ذمہ داریاں اپنے اوپر آگئیں تو قدم قدم پر نہ صرف دونوں شاہزادے بلکہ اٹھارہ فرزند ہر قسم کی اعانت اور مدد کے لیے ساتھ ساتھ تھے کچھ نہ کچھ اعوان وانصار ہر وقت دم قدم کے ساتھ رہے۔ بہی خواہوں کی اتنی تعداد بہر حال ساتھ رہے جنھوں نے خلافت سوم کے بعد عالم اسلامی کو یہ منوا دیا کہ خلافت الٰہیہ کے حقیقی حقدار علی مرتضیٰ علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد جب تلوار چلی تو مالک اشتر عمار یاسر محمد بن ابی بکر ابن عباس جیسے انصار جاں نثار موجود تھے اور آخر تک اس طرح سینہ سپر رہے کہ آخری دم تک دشمن کی مجال نہ تھی کہ نظر اٹھا کر دیکھ سکیں۔

جب درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تو دونوں شاہزادے موجود تھے جاں نثار موجود تھے۔ قدردان موجود تھے۔ دل بھر کے ماتم ہوا شان شوکت سے جنازہ اٹھا۔ اطمینان سے دفن وکفن کے فرائض انجام پائے بیٹے اور بیٹیاں اور دوستدار تا دیر فرائض عزا ادا کرتے رہے

کوئی شک نہیں کہ سیدۂ عالم کی زندگی مجسم مصائب تھی خاصکر ان حضرت کی وفات کے بعد دنیا اندھیر تھی شفیق باپ کا فراق مسلمانوں کا تشدد۔ اعوان وانصار کی بے رخی مصیبتوں کے انبار۔ افکار کا ہجوم دل شکن اور جاں فرسا صدمات کچھ اتنے تھے کہ پچھتر دن سے زیادہ حیات مستعار نہ رہ سکی۔ مگر آپ کی ہر مصیبت غم میں آپ کے شوہر آپ کے فرزند آپ کے شریک تھے۔ تسلیاں دینے والے سرپرستی کرنے والے خدمت کرنے والے موجود تھے۔ جب وفات پائی تو شوہر نے فرائض کفن و دفن انجام دیے بیٹوں نے صف ماتم بچھائی بیٹیوں نے گریباں چاک کیے اولاد اور خاص الخاص اصحاب نے عزت واحترام کے ساتھ خاص قسم کا تابوت بنا کر جنازہ اٹھایا ، سے دفن کیا۔ امیرالمومنین قبر پر مدتوں قرآن مجید پڑھتے رہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی کا ابتدائی حصہ نانا کے بعد باپ کے ساتھ مصائب اور مشکلات میں گذرا جب ذمہ داریاں اپنے اوپر آئیں تو قوم نے ساتھ نہیں دیا آخر کوفہ کے مرکز کو چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کی وہاں بھی سازشیں ہوتی رہیں زہر دیے جاتے رہے آخر زہر کا قدحہ نوش فرما کر راہی جنت ہو گئے دل کے بہتر ٹکڑے طشت میں نکلے جنازہ پر تیر لگے اور نانا کے روضہ میں نہ دفن ہونے پائے۔ مگر امام حسن اور امام حسین کی عمر میں صرف چھ ماہ کا فرق تھا اسلیے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام بچپن سے آخر تک بڑے بھائی کی ہر مصیبت میں شریک اور حصہ دار رہے۔ جب زہر ملا تو بھائی خدمت کے لئے موجود تھا۔ اطمینان سے وصیتیں کیں بھائی کے زیر اہتمام جنازہ اٹھا اٹھا رہ بھائی گریبان چاک جنازہ کے ہمراہ تھے اگر روضۂ رسول میں دفن نہ ہو سکے تو اپنی مادر گرامی کے پہلو میں جنۃ البقیع میں دفن کیے گئے فرائض غم اور مراسم عزا ملی کھول کر ادا کیے گئے کسی کی مجال نہ تھی کہ کسی رونے والے کو روک ٹوک سکے یا امام حسن پر رونے کی آواز بلند نہ ہو سکتی۔

ان تمام شہدا کے اگر تمام مصائب کو جمع کر لیا جائے اور اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر سرسری نظر ڈالی جائے تو امام حسینؑ کے مصائب کے مقابلہ میں وہ سب ایک ذرہ سے زیادہ نہیں قرار پاتے وہ تمام سہولتیں جو بزرگوں کے لیے ممکن ہو سکیں وہ سب کربلا میں مفقود تھیں۔ اور وہ تمام مصائب جو عالم تصور میں بھی نہیں آ سکتے تھے وہ سب بیک وقت جمع ہیں۔ نہ وطن ہے نہ وطن والے نہ گھر ہے نہ سب گھر والے جو ہیں ان سے فراق کی گھڑی نزدیک ہے جو احباب ہیں انھیں جدا ہو جانا ہے جو اہل خاندان یاد دلا دیں ہیں انکے مصائب دیکھکر دل پر چوٹ لگنا اور آخر انھیں بھی داغ فراق دیکر رخصت ہو جانا ہے جو احباب یا اہل خاندان یاد دلا دیں ہمراہ ہیں وہ بھی صرف دوپہر تک کے مہمان ہیں۔ زوال کے بعد کربلا کا چٹیل اور بے آب و گیاہ میدان ہے اور بے بسی اور بے کسی ہے اور ہجوم اعدا ہے اور مظالم کی بارش ہے جس سے تحفظ اور پناہ کا کوئی امکان نہیں۔ سب نانا کے کلمہ گو ہیں۔ مگر کوئی اپنا نہیں۔ سب مسلمان کہلاتے ہیں مگر ہر ایک خون کا پیاسا ہے بہنیں اور بیٹیاں ہیں مگر سب اس مصیبت میں گرفتار پھر لاوارث ہونے کے بعد ان پر جو کچھ گذرنے والی ہے اس کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ کبھی خیموں میں اہل حرم کے بجائے آگ کے شعلے نظر آتے ہیں کبھی کھنچتی ہوئی چادریں اور لٹے ہوئے زیور دکھائی دیتے ہیں کبھی بازار کوفہ اور بازار دمشق کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی ہے کبھی ابن زیاد اور یزید کے دربار کا جانکاہ منظر سامنے آجاتے ہیں کبھی سجن شام کا طویل قیام دل کو ہلا دیتا ہے۔

کیا حسینؑ کی ذات محتاجِ تعارف ہے

(عالی جناب سید حسین علی شاہ صاحب نقوی دکن)

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ ‏ ‏ دین ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید ‏ ‏ حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

احتیاج تعارف حسینؑ کی نسبت بظاہر اہل اسلام تو درکنار دنیا کے اکثر مذاہب کے با فہم لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ "حاشا و کلا" یعنی نہیں اور ہرگز نہیں کیونکہ مظلوم نینوا نے جو کار ہائے نمایاں کئے اُن کی شہرت کے مد نظر حسینؑ کو تمام لوگ جان اور پہچان چکے ہیں کہ یہ شہید اعظم اہل اسلام کے رسولؐ کا نواسہ۔ علیؑ مرتضیٰ کا لخت جگر اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی آنکھوں کا نور۔ خود امام۔ باپ امام۔ امام کا باپ اور امام کا بھائی تھا۔

لیکن اگر کسی قدر نظر غائر سے دیکھا جائے تو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا ارتسامانہ قطعہ کے ہر مصرع بالخصوص چوتھے سے تو بظاہر "حاشا و کلا" کے بجائے "اِی واللہ" (یعنی بخدا قسم واقعی حسینؑ کی ذات محتاج تعارف ہے) ہی کہنا پڑتا ہے۔ اس قطعہ کے الفاظ پر اگر کچھ عرض کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی مگر بخوف طوالت ہم اس میں پڑنا نہیں چاہتے مگر اس کے ساتھ ہی ہم کسی قدر مجبور ہیں کہ قطعہ ہذا پر نہایت اختصار کے ساتھ بحث کرکے بارگاہِ حسینی میں مثل ہر سال چند گل ہائے عقیدت عاجزانہ بطور نذر حقیر پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوں (گر قبول اُفتد زہے عزّو شرف)

قبل اس کے کہ ہم اپنی بحث کو آغاز کریں نامناسب نہ ہوگا کہ اولاً اس قطعہ سے جناب سید الشہدا علیہ الآف تحیۃ و الثنا کی جلیل قدر و منزلت۔ قیام دین اور بالآخر حد درجہ ایثار کو جو منتج بر اسلام حقیقی (یعنی لا الہ الا اللہ) ہو سکتا ہے منظر عالم پر لائیں اور پھر اسی شہید راہِ خدا کے غلاموں کی ارادت پر کتمانِ حق نہ کرتے ہوئے بفحوائے "و اذا قلتم فاعدلوا و لو کان ذا قربیٰ" (اگر بات کہو تو درست کہو اگرچہ جس کے خلاف کہو وہ تمہارا عزیز قریب ہی کیوں نہ ہو) بالآخر "اِی واللہ" کو ثابت کریں۔

شاہ اور بادشاہ بالعموم دنیا کے لوگ عرفِ عام میں بادشاہوں کو ظل اللہ بجا طور پر کہتے وجہ ظاہر کہ یہ بزرگی اُن کو کس نے دی؟ خود خدائے پاک نے بفحوائے "وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ" اور یہ امر تو بدیہی اور ظاہر ہے کہ جس کو حکیم علی الاطلاق خدائے رحمٰن نے عزت دی اُس کو اُس کی شایانِ شان اور کما حقہ ہر وقت برقرار رکھنے کی صلاحیت سے بھی سرفراز کرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر کہ یہ سب کچھ سوجھ اور سمجھ کے بعد ہی مصدر جلالت سے ظہور میں آیا۔ لہذا بادشاہ کی

عزت اور اُن کے جائز احکام کو نہ صرف قابلِ تعظیم ہی خیال کرنا رعایا کا بہترین خوشگوار فریضہ ہونا چاہیئے بلکہ اُسے قابلِ تعمیل بھی تصور کرنا ملک اور مالک کی فلاح و بہبود اور امن و امان کے قیام کی خاطر از حد ضروری ہوتا ہو اور پھر بادشاہ ذی جاہ بھی اپنی رعایا کی وفاداری کی اپنی شاہانہ شایانِ شان قدر کرتے ہوئے ان کی ہر طرح کی خوشحالی اور پُر امن زندگی بسر کرانے کے لئے حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور پھر اس قسم کی باہمی نظر التفات و فائشعاری ہمیشہ اس امر کی مقتضی رہتی ہے کہ باوفا رعایا آڑے وقتوں میں حق نمک ادا کرنے کے خیال سے اپنے خون کو پسینہ کی طرح بہانے کو اپنا باعث صد گونہ فخر اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے قدیم جاں نثاران شاہی کے زمرہ میں داخل ہونے کا افتخار بھی دیتے ہیں۔ یہ تو ایسا صاف و صریح اور مملو بصداقت معاملہ ہے کہ جس سے تمام دنیا کے مہذب لوگ مشاہدات عالم کی بناء پر بخوبی واقف بھی ہیں۔ ہمارے خیال میں اس ضمن میں اربابِ فکر و دانش کے نزدیک بادشاہوں اور اُن کی رعایا کی باہمی خوشحالی اور اُس کے حصول کے ذرائع یا اسباب اخذ مطلب کے لئے کافی ہوں گے۔ یہ تو ہوئی دنیوی بادشاہوں کے مراتب جلیلہ اور اُن کی وفادار رعایا کی جاں نثاری کی سچی تصویر۔ اب ہم اسی مسلمہ نظریہ کے تحت بلا تشبیہ اُس مقدس ہستی کی بادشاہت کا ذکر کرتے ہیں (جن کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی اُن کی حد درجہ علو مرتبت و عصمت کے یک شمہ پیشِ نظر بلا وضو لینا ہمارے نزدیک سوءِ ادبی ہے)، جو اہلِ اسلام کے رسولؐ کا نواسہ خدا کا پیارا اور جس نے عالمِ ذر میں محضر نامۂ شہادت کو بطیبِ خاطر قبول کر کے ۶۱ سنہ ہجری میں اس کو بوجہ احسن انجام دے کر اقوامِ عالم سے انسان ساز اور محسنِ انسانیت کا خطاب حاصل کیا (چنانچہ مسٹر گاندھی کا قول ہو کہ میں نے اہنسہ کا سبق حسینؑ سے سیکھا اور ریاست گوالیار میں قدیم زمانہ سے عشرۂ محرم تک منایا جاتا ہے اور ہم نے سنہ ۱۹۰۶ء میں حسنِ اتفاق سے لشکر میں بزمانہ محرم عشرہ کی شب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ علاوہ ریاست کے بڑے تعزیہ کے مہاراجہ صاحب کے بھائی برادران کے تعزیے بھی نکالے جاتے تھے اور تمام امراء و درباری سبز پگڑیاں باندھے تھے) اعنی جناب ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام روحی و ارواح العالمین لہُ الفداء۔

اکثر پیغمبران علیہم السلام کا امتحان لیا گیا تھا مثلاً جناب ابراہیم خلیل اللہ نمرود کے ایماء سے آگ میں ڈالے گئے جبرئیل امینؑ بحکم خدا مدد کو حاضر ہوتے ہیں مگر حضرت خلیل اللہ نے صرف خدائے دو جہاں سے استعانت چاہی تو فوراً مصدرِ جلالت سے حکم ہوتا ہو "یا نارُ کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم"۔ فوراً آگ گلزار ہو جاتی ہے اور جناب ابراہیم بچ جاتے ہیں۔ جناب ایوبؑ ابتلاء میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا مال و متاع بھی ضائع ہو جاتا ہو جب ناموس کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو پھر بارگاہِ صمدیت میں یوں استغاثہ کرتے ہیں " رَبِّ اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنتَ اَرحَمُ الرَّاحِمِین" تو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر ایڑی مارو جب ایسا کرتے ہیں تو ایک صاف شفاف

چشمہ برآمد ہوتا ہے اُس میں غسل کرتے ہیں تو تمام تکالیف دور ہو جاتی ہیں اور مال و متاع بھی دوبارہ مل جاتا ہے اسی طرح سے جناب یونس۔ یعقوب۔ یوسف اور موسیٰ علیہم السلام بھی امتحانوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور بالآخر یہ تمام برگزیدہ بندگانِ خدا محفوظ رہتے ہیں۔ ان تمام واقعات بالا سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر کسی دیگر معصوم ہستی پر بیک وقت تمام دنیا کے مصائب پڑے اور پھر وہ آخر میں بھی جانبر نہ ہو سکی تو وہ صرف فرد وحید ذاتِ حسینؑ ہی تھی۔ کیا حسینؑ نے بھی روز عاشورہ اپنی بے شمار مصائب کے دفعیہ کی دعا کی تھی نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ بجائے اس کے ان تمام پر صابر و شاکر رہنے کی دعا تو ضرور کی تھی حسینؑ مظلوم کے استغاثہ مطلقہ پر جن و ملک وغیرہ تک دشت کربلا میں آموجود ہوئے تھے مگر واہ رے حقیقی عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے حسینؑ تو نے تو سب کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مجھے تمہاری مدد درکار نہیں بچپن کا جھولا جھلانے والا علیؑ مرتضیٰ کا شاگرد (پیر مکتب خانۂ ابداع یعنی جبرئیل۔ باہمان ذہن وزکا طفل دبستان شما است) روح الامین نے بھی تو چاہا تھا کہ اپنے اُستاد زادہ کے سر پر اپنے پر و بال کا سایہ کرے تاکہ تمازت آفتاب کم ہو جائے۔ اہل دل و معرفت حضرات اس سچے عاشق خدا کے جواب کو بزبان میر انیسؔ مرحوم سن کر یقیناً وجد کریں گے:۔ "ہٹ جاؤ جبرئیل یہ وقت امتحان کا ہے" غالباً حسینؑ نے تمام جنوں۔ ملائکہ اور پیغمبران کی نصرت کی خواہش پر "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" بھی فرما کر تمام دنیا پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا تھا کہ صرف خدائے واحد ہی ایک ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں انسانوں کی قسمت کی باگ ڈور ہے اور وہی اکیلا صاحب توفیقات کل اور حلاّل مشکلات ہے جس کو قرآنی الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے "وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہِ العلی العظیم"۔ جب تمام اعزا و انصار جام شہادت نوش کر کے راہئ خلد بریں ہو جاتے ہیں تو مصدر جلالت سے اپنے عاشقِ حقیقی کو حکم ہوتا ہے کہ اے حسینؑ اگر تو چاہے تو ہم تم کو بچا لیتے ہیں اور اس پر تمہارے مرتبہ میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا تو حسینؑ عرض کرتے ہیں کہ بارالٰہا مجھے تو تیرے بقاہی کی ضرورت ہے زندگی نہیں چاہیئے اور چاہتے بھی کیسے جبکہ وقت عصر نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں کہ تمام عزیز و انصار خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں۔ بقول:۔

"نہ مونس نہ رفیقے نہ کثرت اناّ سے   نہ قاسم نہ علی اکبر سے نہ عباس سے"

ہم تو کہیں گے کہ یہ حسین ہی کی باطنی توجہ تھی کہ جس نے علامہ سر اقبال مرحوم کی زبان سے معرفت بھرا اور راضی برضاء الٰہی رہ کر خدا کو اپنا بنا لینے والا شعر کہلوایا تھا:۔

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے   خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"

معزز دوستو! عشق اسے کہتے ہیں واقعی عشقِ خدا ایک کٹھن منزل ہے ہر کس و ناکس کو کہاں یہ دولت سرمدی نصیب ہو سکتی ہے بقول سے "سہل ہے عشق بشر عشقِ خدا مشکل ہے" جناب ایوبؑ کے استغاثۂ بالا اور حسینؑ مظلوم کے آخری جواب بہ رب العزۃ کو اہل دل مسلم خود موازنہ کر کے ان دونوں میں امتیاز کا پتہ لگا سکیں گے۔ ہم تو اپنی بے بضاعتی

کے ساتھ اس ضمن میں کچھ عرض نہ کریں گے البتہ اس امتیاز کے متعلق کسی مرثیہ کا صرف ایک ہی مصرعہ درج کرنے کے بعد یہ تو بارگاہِ جلیلی میں ضرور عرض کریں گے کہ "واللہ کہ حسینؑ کا رہے کر دیا"۔

اب مصرعہ ملاحظہ ہو:۔ "صبر ایوبؑ کی شمشیر کا جوہر ہو حسینؑ"

(مشرح) جوہر پر تو ہم جیسا بے بضاعت و بے سواد شخص بھی دنیا کی جیتی مثالوں سے بفضلہٖ اچھی خاصی بحث کر سکتا ہے بخوفِ طوالت ہم اپنا قلم روک کر اتنا تو ضرور عرض کریں گے کہ جوہر کوئی معمولی سی چیز نہیں ہے (اونک بمب کا ترجمہ جوہری کا بمب کیا گیا ہے) ہر کس و ناکس اس کی کیا قدر کرے گا بقول سہ قدر جوہر جوہری۔ اگر ہمارا خیال غلط نہ ہو تو ہم عرض کریں گے کہ جوہری سے ہماری مراد یہ ہوسکتی ہے کہ سب سے اوّل بلا تشبیہ جوہری خود خلاق عالم اور پھر اس کے برگزیدہ پیغمبران اور باقی سب ہیچ ۔

تکمیل ایمان کا سبق | یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کا خود عامل نہ ہو اُس کی نصیحت کارگر نہیں ہوسکتی بقول "العالم بلا عمل کشجرۃٍ بلا ثمر" چونکہ حسینؑ ہمارے حقیقی اور دینی بادشاہ اور مفترض الطاعۃ امام ہیں اُن پر اسی نظریہ بالا کے تحت لازم تھا کہ خود عمل کرکے بتا دیتے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے تمام عمر کے ضروری اعمال حسنہ کے بعد آخر وقت بھی اپنی غلام نوازی کے تحت اپنے قلبی جذبات ایمانیہ کے اظہار میں دریغ نہیں فرمایا۔ اب اس جذبۂ ایمانی سے ضروری ضیا کا حاصل کرنا ہم تمام کا حد درجہ خوشگوار فریضہ محض اپنی ہی فلاح دارین کے لئے ہوجاتا ہے (فافہم وتدبر) خدائے رحمن میر انیسؔ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ جنھوں نے حسینؑ کے آخری قلبی جذبات کی کیسی اچھی تصویر اپنے مرثیہ کے بندہائے ذیل میں کھینچی ہے:۔

"ٹکڑے ہوا جبیں سے کمر تک تن امام — گھبرا گیا فرس تو یہ بولے شہِ انام"

"اے ذوالجناح ٹھہر کہ جانا ہے ایک گام — جانا قریب ہو سوئے دربارِ ذوالجلال"

"یہ فکر ہے کہ دیکھئے ہوتا ہے کیا مآل — مرسل بھی تھرتھراتے ہیں اُس بارگاہ میں"

"کیا نذر لیکے جاؤں جنابِ اِلٰہ میں — . . . ."

"ہاتھوں پہ اپنے لیکے اگر جاؤں سر تو کیا — ہاں ایک اُس اُمید پہ دل مستقیم ہے"

"بندہ ہوں جس کا میں وہ غفور الرحیم ہے"

کیا اس سے انتہائی درجہ خوفِ خدا کا مظاہرہ نہیں ہوتا اس مظاہرہ بیم کے بعد حسینؑ (جو بموجب نص صریح یعنی آیۂ تطہیر خلعت عصمت سے سرفراز) اور پھر اس قدر خوف ایسی صورت میں تو غیر معلوم بندگان خدا خود اپنے لئے بھی ایک نہ ایک حد تک تو محض اپنے ایمان کو مکمل کرنے کے لئے خوف کے مظاہرہ کا اندازہ اچھی طرح کر سکیں گے) (رجا کا دامن تھام کر ۲ و ۳ میں خدا کی غفور الرحیمی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اب اہل دل و معرفت حضرات خود اندازہ فرمالیں کہ

آیا اُن کو اس قسم کے قلبی جذبات کے اظہار کے بغیر حسینؑ کی ذات بابرکات کے تعارف کی احتیاج نہیں باقی رہتی؟ ہم تو اپنی بے بضاعتی کے ساتھ عرض کریں گے کہ "ای واللہ" رہتی ہے اور مادام الحیات بھی ضرور رہے گی۔

تقابل معاندین پیغمبران بہ مخالفین حسینؑ

پیغمبران مذکورہ بالا کو کن کے ہاتھوں سے صدمات پہونچے؟ سب کہہ دیں گے کہ مشرکین کے۔ اب حسینؑ کے مقابل کو بھی غور سے دیکھا جائے کہ کیا وہ بھی مشرک یا غیر مسلم تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ نہیں بلکہ یہ تمام لوگ حسینؑ ہی کے نانا رسول خدا کے کلمہ گو۔ نماز روزہ کے بھی پابند اور بعض تو اُن میں ایسے بھی تھے جو پیغمبرؐ کی زیارت سے بھی مشرف ہو کر اُن کی زبان وحی ترجمان سے یہ اقوال ذیل اپنے گوش دل سے سُن بھی چکے تھے:۔ (۱) "حسنینؑ جوانان بہشت کے سردار ہوں گے (۲) "حسینٌ منّی وانَا مِنَ الحسین"۔ کیا حسینؑ نے ۶۱ھ کے آخری حملہ "اَنَا مِنَ الحسینؑ" کی کما حقہٗ لاج رکھتے ہوئے دین محمدی کو پھر سے قائم نہ کر دیا تھا بقول "تباہی میں سفینہ آچکا تھا اُمتِ جد کا یہ کشتی بحرِ خوں میں ڈوب کر شہ نے نکالی ہے" ان واقعات کے بیان کے بعد عقل کام نہیں کرتی کہ ان لوگوں نے کیسے دیدہ و دانستہ خون پاک حسینؑ کو اپنے زعم ناقص میں مباح خیال کر لیا تھا؟ اس مادّی دنیا کا یہ مسلمہ اور مقبولہ مسئلہ ہے کہ کوئی بھی فعل بغیر کسی خاص علت کے نہیں ہوا کرتا۔ تبھی تو اس دنیا کو عالم اسباب بھی کہا جاتا ہے۔ اب دریافتِ مطلب یعنی حسینؑ کے معاندین کے منحوس اقدام کے سبب کی بھی تلاش ضروری ہو جاتی ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں ہر خشک و تر کا مذکور ہے۔ اس پاک کتاب کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے یوم الست ہی تمام روحوں سے ایک عہد لیا تھا وہ یہ کہ دیکھو روح میرا امر ہے اور اسی کے باعث انسان کو میں نے اپنی اٹھارہ ہزار مخلوق سے اشرف بنایا ہے لہٰذا دنیا میں جا کر اس کو ملوث نہ کرنا بلکہ پاک و پاکیزہ حالت میں رکھ کر ہمارے حضور میں پلٹنا۔ بمصداق "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربّکِ راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔ شیطان راندۂ درگاہ باری ہونے کے بعد ایک وقت معلوم تک عمر کی خواستگاری کرتا ہے۔ سخی کے دربار میں بخل کہاں! عمر دی جاتی ہے تو شیطان خدا کے عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں تیرے تمام بندوں کو بجز نیکوں کے اغواء کروں گا۔ اس پر مصدر جلالت سے قہر آمیز ارشاد ہوتا ہے کہ ہم بھی تجھے اور تیرے تمام پیرواں کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ حدیث قدسی ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے عز و جل اپنے بندوں سے نہ صرف بے لوث محبت کرتا ہے بلکہ اُن سے چاہتا ہے کہ وہ بھی تو اُس سے محبت کریں:۔

"یا ابن آدم انا وحقی علیک محبّاً فبحقی کن لی محباً"۔ اور پھر اسی محبت کے تحت انسان کو بغرض اتمام حجت حکم بھی دیتا ہے کہ خبردار اپنے دشمن شیطان کی پیروی نہ کرنا جس نے تمہارے باپ آدم کو بہشت عنبر سرشت سے باہر نکلوا دیا تھا۔ اس دنیا میں عمل خیر کرنے کے لئے خدا نے بنی آدم کو چند نفس بھی دیئے ہیں یعنی نفس اَمّارہ، نفس لوّامہ و نفس مطمئنہ اور مقصود الٰہی یہ ہے کہ نفس امارہ کو نفس لوامہ سے سرمہ کی طرح پیس کر بالآخر نفس مطمئنہ بنا کر باشتیاق

آیۂ مذکورہ بالا میری طرف پلٹیں۔ نفس امّارہ کی مذمت میں متعدد آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک ہی آیت کا ذکر کرتے ہیں " وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی اِنَّ رَبِّی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" حدیث قدسی میں بھی یوں ارشاد ربانی ہوتا ہے " جو میری خوشنودی چاہتا ہے اُس کو چاہیئے کہ مخالفتِ نفس میں ڈھونڈے مگر لوگ ہیں کہ اُس کو موافقت نفس میں تلاش کرتے ہیں پس کیسے پائیں گے "۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ موافقت نفس (اتباع نفس) کر کے انسان خود کو خدا سے ناراض کر لیتا ہے اور پھر ایسا انسان عبد اللہ کی بجائے عبد النفس (نفس کا بندہ یا غلام) بن کر اپنی چند روزہ زندگی میں اُن تمام امور کو اختیار کر لیتا ہو کہ جن کا اُس کا نفس اُس کو حکم دے اور پھر ایسے انسان پر خدائے دو جہاں اپنی تمام ہدایت کی راہیں بھی بند کر دیتا کہ جس کے باعث وہ نیک و بد کی تمیز سے بھی قاصر رہتا ہو۔ مخالفین حسینؑ کے منحوس اقدام کا بھی فقدان تمیز نیک و بد ہی اصل سبب تھا یعنی وہ لوگ چونکہ اچھی طرح (اپنی شامتِ اعمال کے باعث) سے شیطان ملعون کے ہتھے چڑھ گئے تھے اُس نے اُن لوگوں کے اعمال کو اُن کی کوتاہ نظروں میں بھلا کر کے دکھایا تھا پس ان تمام وجوہ کی بنا پر اپنے نجس ہاتھوں کو خون طیب و طاہر حسینؑ سے رنگنے کے لئے مجبور ہو گئے تھے۔ واقعی قرآن " تبیانٌ لکلِّ شیٔ " ہے ہم تو یہاں تک بھی بفضلہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کو اگر کسی قدر نظر تدبر و تفکر سے (جیسا کہ حکم بھی ہے) پڑھا جائے تو ہر قاریٔ قرآن اُس کو ہادی مطلق پا کر ایک نہ ایک حد تک تو گمراہی سے بچ سکتا ہو۔ ہم تو جب کبھی قرآن میں آیات ذیل پڑھتے ہیں یعنی " کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منک انی اخاف رب العالمین " (منافق کی مثال شیطان کی سی ہو کہ جب وہ انسان کو کفر کی ترغیب دیکر ارتکاب معاصی کراتا ہے تو (معاً) کہہ دیتا ہو کہ میں تو تم سے بیزار ہوں اور میں دونوں جہانوں کے خدا سے ڈرتا ہوں) تو ہمارے قلب ضعیف پر تو قرآن کے " ہادی مطلق " ہونے کا نقش کالحجر ہو جاتا ہے۔ اگر اہل دل و معرفت شیطان ملعون کے مفصلہ بالا دو اقوال پر کسی قدر ٹھنڈے دل سے نظر ڈالیں گے تو اُن پر بآسانی یہ امر روز روشن کی طرح منکشف ہو جائے گا کہ جب دشمن خدا (شیطان) خدا سے ڈرتا ہے تو کیا ہم پر (جو بموجب حدیث قدسی بالا خدا کے دوست ہیں) بدرجہا زیادہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ ہم بھی تو خدا سے ڈریں۔ شیطان کے ان اقوال سے تو " عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد " کی بدرجۂ اتم تصدیق بھی ہو جاتی ہو۔ کاش کہ مخالفین حسینؑ جن میں حافظ قرآن بھی تھے ان ہر دو اقوال ہی کا اتباع کرتے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنے افعال بد کے ارتکاب کی جرأت نہ کرتے۔ حضرات ایک دیہاتی مثل ہے کہ " اگر جھوٹا کھائے تو میٹھے کے میں " یعنی اگر کبھی کوئی انسان کوئی کام کرنے پر مجبور ہو تو وہ اُس کے انجام پر قبل از قبل خیال کر لے۔ تاریخ عالم اس امر کا پتہ دیتی ہے کہ زمانہ سابق میں جن لوگوں نے اتباع خواہش نفس کی عاقبت حد عذاب الیم کو چھوڑتے ہوئے دنیا میں بھی وہ چین سے زندگی بسر نہ کر سکے بلکہ ایک نہ ایک عذاب میں مبتلا ہو کر سب کے سب ہلاک ہو گئے یہی حال قاتلان حسینؑ کا بھی ہوا اور ان کو چھوڑتے ہوئے صرف یزید کے متعلق منقول ہے کہ ہندہ زوجہ یزید اُس کو کہتی

تھی کہ تم سوتے کیوں نہیں وہ یہ جواب میں کہتا تھا کہ میں سوؤں کیسے، کیونکہ رسولخدا خواب میں آتے ہیں بہر طور ان لوگوں کا دنیا میں انجام بد ہی ہوا حسینؑ کے اس المناک واقعہ سے نہ ہر ذی فہم مسلم اچھا خاصہ سبق مخالفت نفس کی سرکوبی کا حاصل کر سکتا ہے۔

حضرات یہ ہم تمام کی خوش بختی ہے کہ خلاق عالم نے محض اپنے فضل و کرم سے ہیں دولتِ غلامئ حسینؑ سے بہرہ اندوز فرمایا ہے جس کے لئے ہم تمام کو مادام الحیات اس انعام ایزدی کے لئے سجدۂ شکر بجالانا چاہیئے اور پھر اپنی غلامی کو چار چاند لگانے کے خیال سے ہمیشہ ایسے اعمالِ زشت سے جن کو معاندین حسینؑ نے اپنی سیاہ بختی اور شامتِ اعمال کے باعث اختیار کیا تھا حتی الوسع اجتناب کرنا چاہیئے اور اگر کبھی کسی سے ان اعمال کا ایک شمہ (اتباع خواہشِ نفس) ظاہر ہوا تو اصولاً لازم ہو جائے گا کہ اُس کا فوری تدارک کیا جائے بقول سہ سر چشمہ باید گرفتن زبیل۔ چوں پُر شد نشاید گذشتن زفیل؟ ورنہ ادعائے غلامی بمصداق "اذا فات الشرط فات المشروط" تحصیل حاصل۔ اس ضمن کے برمحل ہیں اسوقت ایک متبحر عالم باعمل مولانا صاحب طاب ثراہ کا حد درجہ عبرت خیز و پند آمیز ارشاد یاد آگیا جس کو اُنھوں نے نیک و بد پر بحث فرماتے ہوئے اثناء وعظ فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ حضرت مرحوم فرمائے کہ میں اپنے بچے کا نام شمر یا یزید رکھنا چاہتا ہوں جمیع سامعین نے ادباً عرض کیا کہ قبلہ و کعبہ کیا فرما رہے ہیں اس پر مرحوم علامہ فرمائے کہ بھائیو تم شمر یا یزید کو کیوں بُرا کہتے ہو۔ سب نے عرض کیا کہ اُن کے اعمال بد یا اتباع نفس کے باعث۔ جناب نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرا بچہ بھی اس قسم کے اعمال کرے تو وہ بھی قابل نفرین ہو سکتا ہے۔ پھر مرحوم علامہ پسر نوحؑ اور دیگر برگزیدہ بندگان خدا کے قریبی اعزا کے گمراہ ہونے کے اسباب پر موعظہ فرماتے ہوئے اُن کی فوری روک تھام کی طرف بحوالہ اقوال آئمۃ الطاہرین علیہم السلام بطور خاص سامعین کو متوجہ فرمایا اور فرمایا کہ کبھی کسی گناہ کو حقیقت نہ سمجھو ورنہ وہ بڑھتے بڑھتے گناہ کبیرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے ماحول کے تحت اس قسم کے مواعظ کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اور جناب صاحب الامر عجل اللہ ظہورہ نے بھی اپنی فرمان عصمت میں یوں دعا کی ہے "اعنی" "وتفضل علی علمائنا بالزھد والنصیحۃ" اور سامعین کی نسبت بھی اسی فرمان میں دعا کرتے ہیں "وعلی المستمعین بالاتباع الموعظۃ" یہ ہی غلام نوازی ہمارے موجودہ بادشاہ دینی کی۔ خدائے پاک ہم تمام کو بحق محمدؐ و آل محمدؐ نیک توفیقات سے موفق فرمائے (آمین)

دنیوی بادشاہوں کے متعلق ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ آڑے وقتوں میں اُن کو بھی اپنی باوفا رعایا کی امداد کی ضرورت یا بالفاظ دیگر احتیاج ہوتی ہے اب ہم کو دیکھنا ہوگا کہ اگر ہم لوگ بھی احکام خدا اور رسول (جو عین تاسیٔ امام کہلا سکتے ہیں) کو ہر وقت مثل رعایاء دنیا بجا لائیں تو کیا حسینؑ (ہمارے دینی بادشاہ) کی ذات بابرکات کو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے یا کسی قسم کی احتیاج ہے۔ اجی نہیں اور ہرگز نہیں کیونکہ حسینؑ کی ذات تو بفحوائے "وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَن

یشاء واللہ "مشیت خداوندی کا ایک ظرف ہو جس کا مطلب یہی ہوا کہ اُس کو تو سوائے ذات احدیت کے کسی سے کسی بھی قسم کی احتیاج نہیں بلکہ وہ وہاں (خدا) سے لیتا ہے اور مخلوق خدا کو دیتا ہے۔ دنیا تو درکنار وہ تو ایسی مقدس ہستی ہو کر بوجہ محبوب ربانی نہیں چاہتا کہ دنیا میں کوئی بھی شخص معصیت کردگار نہ کرے اور چونکہ اُس کو یہ قدرت خداوندی پورے عالم پر کلی تصرف ہو کہ جس کے باعث وہ ہم لوگوں کو بلا کسی قسم کے حجاب کے دیکھتا ہے اور جب کسی بندۂ خدا سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو چونکہ ایسا گناہ اُس کے سامنے ہوا ہے اُس کو اپنا گناہ تصور کرتے ہوئے درگاہ احدیت میں توبہ و استغفار بھی کرتا ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا غلام نوازی ہو سکتی ہو۔

تعارف حسینی | اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں۔ تعارف کوئی بچوں کا کھیل تماشہ نہیں ہے بلکہ بعید مشکل اور کٹھن منزل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حدیث نبوی صلعم ہم تمام کو اس کی حد درجہ اہمیت بتا کر اس کے حصول یا احتیاج کی طرف بطور خاص متوجہ بھی کرتی ہو جس کے یہی معنی ہوں گے کہ مثل دیگر واجبات کے یہ بھی بدرجۂ اتم واجب۔ ملاحظہ ہو ترجمہ حدیث "جو مر گیا اور اُس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ مرا جاہلیت کی موت" یعنی مشرک و منافق۔ یزیدی لوگ حسب بیان بالا نماز روزہ کے پابند تھے مگر چونکہ اُن کو امام زمانہ (حسین علیہ السلام) کی معرفت نہ تھی اُن کے تمام اعمال اکارت۔ تعارف حسینی سے عوام الناس کو کماحقہٗ روشناس کرانے کے لئے تو حضرات علماء کرام رضوان اللہ علیہم ہی بحیثیت وارثان علم نبوی ہو سکتے ہیں جو اس اہم فرض کو ادا کر سکیں۔ مگر تاہم محض بغرض حصول ثواب ہم اپنی بے بضاعتی کے ساتھ عرض کریں گے کہ چونکہ دنیوی بادشاہوں کا تعارف ان کی شایان شان حاصل کرنا ہر ذی فہم رعایا کے لئے ازحد ضروری ہوتا ہے اسی لحاظ سے ہمارے دینی بادشاہ حسینؑ کے تعارف کے لئے اُمور ذیل ازحد ضروری یا دوسرے الفاظ "جزو لاینفک"

(۱) خدا سے طرفہ حد تک لو لگانا۔ لو تو ایسا جامع اور حد درجہ شیریں لفظ ہو کہ جس پر بہت کچھ دنیا کی حتی المقدور سے لکھا جا سکتا ہو۔ جس کا ملخص صرف یہ ہے کہ خدا کے ہر حکم کے آگے ہر وقت بطیب خاطر سر تسلیم خم کر کے اُس کو عملی جامہ پہنا کر درگاہ احدیت میں سجدۂ شکر بجا لانا کیونکہ عبدیت اسی امر کی مقتضی ہے۔

(۲) حق و باطل میں کماحقہٗ تمیز کر کے حتی الامکان حق کو اختیار کرنا۔

(۳) نماز کو رجوع قلب سے حتی الوسع ادا کرنا تاکہ حدیث قدسی ذیل کا اطلاق ہو سکے:۔ "اے ابن آدم تو میرے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا کہ ذلیل بندہ جلیل بادشاہ کے روبرو کھڑا ہوتا ہے اور تو ایسا ہو جا کہ گویا مجھے دیکھ رہا ہے بتحقیق میں تو تجھ کو دیکھتا ہوں یعنی ہماری قلبی کیفیت کو ملاحظہ کرتا ہو بقول ع "ما درون را بنگریم و حال را"۔ اگر اس قسم کے دیکھنے کا ایک شمہ بھی تصور انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو پھر وہ اصولاً ایسے ہی اعمال کرے گا جو عند اللہ محبوب ہوں اور پھر انسان کی نماز بھی " ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر" کے اتباع میں معراج

نبکر رہ

سکھوں کی نظر میں امام حسین علیہ السلام

(سید محمد اکبر صاحب رضوی سیتاپوری مولف حسینی دنیا)

واقعہ کربلا اور حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی شخصیت ایک عالمگیر افادیت رکھتی ہے چنانچہ ہر مذہب و ملت و قوم کے لوگ اس سے متاثر ہیں اور اس واقعہ نے کچھ ایسے نقوش دلوں پر پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ ہمارے امام اور ہادی کے کارنامے کو فراموش نہیں کر سکے اور حسب معرفت کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ سکھ حضرات نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اگر جذباتی عصبیت کو واقعہ کربلا اور حسین علیہ السلام سے دور رکھا جائے تو میرا خیال ہے کہ وہ کشیدگیاں جن کا اندیشہ ہے امام حسین کے معاملہ میں قطعی نظر انداز کر دی گئی ہیں اور ایام محرم صبر و سکون کے ساتھ گذر جائینگے لہذا ان لیڈران کے ارشادات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ہز ہائینس مہاراجہ دھیرج مہندر بہادر سکھ (مہاراجہ آف پٹیالہ) حضرت امام حسین نے انسانیت کی خدمت بہادری سے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خدمت کا طریقہ بتا دیا ہے۔ اسی لئے لاکھوں روپئے خرچ کرکے ہر قوم کے لوگ آپ کی یادگار ہر سال مناتے ہیں۔"

مہاراجہ جگجیت سنگھ بہادر والی کپورتھلہ اسٹیٹ انسانی تاریخ میں شہیدوں کا مرتبہ بہت بلند ہے اور سچے چاہے وہ کسی ملک و قوم کے ہوں ہر مذہب و ملت کیلئے قابل عزت ہیں کوئی پابند اصول انسان ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ شہید صرف کسی خاص قوم یا زمانہ کیلئے رہنما ہیں بلکہ شہیدوں کی روشنی مثال ہر فرد و بشر کیلئے سبق آموز ہے اور اسی نقطہ نظر سے حضرت امام حسین کی شہادت کے واقعات ساری دنیا کیلئے قابل مطالعہ ہیں مجھے یقین ہے کہ حضرت امام حسین کی شجاعت کی یاد تازہ رکھنے کی کوشش میں سکھ، ہندو عیسائی دل سے شامل ہوں گے۔ میرا یہ پیغام معمولی رسمی پیغام نہیں ہے بلکہ میرے خیالات کا عکس ہے۔

مہاراجہ جسونت سنگھ جودھانہ ۱۸۶۸ء تڑپتے جو دیکھی ہیں لاشیں تو دل اب بظاہر مسلمان تڑپ کو جو کربلا جاتا ہے

مسٹر سردار کرتار سنگھ ایڈوکیٹ پٹیالہ ہائی کورٹ

بظاہر مسلمان ادعاً سب سے زیادہ غریب ہے لیکن مسلمان سب سے زیادہ امیر ہے جبکہ حسین علیہ السلام ایسی شخصیت اسے ورثہ میں ملی ہے۔۔ حسین نے دنیا والوں کو خندہ پیشانی سے مرنا سکھایا۔۔ حسین نے جس قلعہ کو تیار کیا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا یہ قلعہ پتھر اور چونے سے نہیں بلکہ انسانی زندگی اور خون سے تیار کیا گیا ہے حسین علیہ السلام زمانہ کی سیاسی باتوں کے نبض شناس تھے حسین پریم (محبت) اور قربانی کا دیوتا ہیں۔

مسٹر تیجا سنگھ سکھ لیڈر

ہم فضولیات میں تو اپنا وقت برباد کرتے ہیں مگر اس کام کیلئے جس سے انسان بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے ہم کوئی وقت نہیں نکالتے ہیں امام حسین کی صحیح یاد ہم اسی طرح منا سکتے ہیں جبکہ ان کے پیش کردہ اصولوں پر عمل کریں

مسٹر جگندھر سنگھ سکھ لیڈر

پانی کی روک تھام دور کرنے اور تمام انسانوں کو بھائی بھائی بنا دینے کی کوشش میں اپنی گردن کٹا کر شہید ہو گئے اور ایسی تعلیم دے گئے جس سے ہم اب غلام نہیں رہ سکتے اور نہ ہمکو کوئی ذلیل کر سکتا ہے۔

حضرت زاہد فتح پوری

اکھڑی اکھڑی سی سانس باطل کی
زخموں سے چور چور "حق" کا تن!

بجھا بجھا سا دل جلوں کا من
اجڑا اجڑا سا کربلا کا بن

ننھی ننھی کلائیوں میں تری
شاہ خیبر شکن کی قوت ہے

[illegible] تیری اک قیامت ہے
تو بھی اک "محسن امامت" ہے

وفدینہ بذبح عظیم

اور فدیہ قرار دیا اوں کا ذبح عظیم سے

عالی جناب سید افتخار حسین صاحب سیاّرہ چنج غازی پور

حضرات شیعہ کے یہان کی روایات، یہ ہین کہ ذبح عظیم سے مراد امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ہے جو سنہ ۶۱ھ مین واقع ہوئی۔ موجودہ دور مین بعض حضرات بہت سی مذہبی روایات پر بہ لحاظ خیالات جدید تعلیم یافتہ حضرات معترض ہوا کرتے ہین۔ ان اعتراضات مین کچھ ایسے ہوتے ہین جو اون کے خیالات و اعتراضات ہین اور کچھ ایسے جو معترض صاحب کے ذہن مین اپنے غور مزید کرنے سے خود پیدا ہوئے۔ گذشتہ دور مین علماء ملت نے جو لوگون نے اعتراضات کئے اوس کے جوابات دیئے جو کتب مبسوطہ مین موجود ہین اور دیکھے جا سکتے ہین موجودہ دور کے اعتراضات کے جوابات دینے سے علماء ایک حد تک قاصر ہین اس وجہ سے کہ جن باتون پر یہ اعتراضات ہین وہ اکثر غیر زبانون مین ہین جن سے اکثر علماء ناواقف ہین لہذا ان اعتراضات کے جوابات محض علماء پر چھوڑ دینا مناسب نہین بلکہ ہر شخص کو جو ان باتون سے واقفیت کلی یا جزی رکھتا ہو جواب کی کوشش کرنا چاہیئے۔

حال مین ایک صاحب نے چند کتابین میرے پاس بھیجدین جن مین سے ایک بلنیات ہے اس مین صفحہ ۶۱ سے آیت مذکورہ بالا کے بابتہ اعتراضات شروع ہوتے ہین جن مین سے چند یہ ہین

۱۔ امتحان مین حضرت ابراہیم پورے اترتے نظر آئے تو خدا نے ایک موٹا تازہ ذبیحہ فدیہ دیکر بے وقت موت سے فرزند ابراہیم کی جان بچائی

۲۔ زمانہ ماضی مین فدیہ دیا جا چکا رد بلا ہو چکی غلو پسندون کا اعتقاد ہے کہ فرزند ابراہیم کے قربانی دربار عزت مین نامقبول ہوئی اور یہ ذبح شہادت امام حسین کے لئے ہزار ہا برس بعد پر اٹھا رکھی گئی جس کی بشارت اور پیشینگوئی مکاشفات انجیل مین ذبح کئے ہوئے برہ اور

خرگان مین ذبح عظیم فرمائی گئی ہے۔

۳۔ قرآن مین سورہ صفت آیت ۱۰۲ تا ۱۱۲ سے واضح ہے کہ فدیہ جو دیا گیا ہے وہ اسحٰق کا ہو سکتا ہے۔ اسمٰعیل کا ذکر بھی یہان نہین ہے فبشرنہ بغلام۔ آیت ۱۰۱ فبشرانہ باسحاق آیت ۱۱۲۔ توریت بھی اسحٰق کو بتاتی ہے آیت مین معنی ماضی ہین نہ مستقبل۔ فدیہ دیا ہم نے نہ کہ فدیہ دین گے ہم ان اعتراضات کی بنا پر غور طلب امور حسب ذیل ہین

۱۔ آیا فدیہ دیا جا چکا یا دیا جانے کو تھا۔

۲۔ توریت و انجیل مین کیا ہے اور اس پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے

۳۔ فدیہ حضرت اسمٰعیل کا تھا یا حضرت اسحٰق کا۔

اول بحث یہ ہے کہ فدیہ دیا جا چکا یا دیا جانیکو تھا۔ قرآن مین لفظ فدینہ ہے آیا اس کے معنی یہ ہین کہ فدیہ دیدیا یا یہ معنے ہین کہ فدیہ قرار دیا بظاہر اس عربی لفظ کے دونون معنے ہو سکتے ہین۔ اگر معنے یہ ہین کہ فدیہ دیدیا تو اعتراض کی گنجائش ہے فدیہ ہو چکا اور اس سے امام حسین علیہ السلام کا قتل جو مدت دراز کے بعد واقع ہوا مراد نہین ہو سکتا۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ فدیہ قرار دیا۔ تو اعتراض کی کوئی وقعت نہین ہے۔ فدیہ قرار دینے کا فعل جو تھا وہ زمانۂ ماضی مین واقع ہو چکا۔ مگر اس سے یہ لازم نہین آتا کہ فدیہ بھی دیدیا گیا۔ وہ جب دیا جائے چند منٹ کے بعد یا چند سال کے بعد یا چند صدیون کے بعد یہ روزمرہ کا محاورہ ہے کہ ہم نے یہ قرار دیا اس کے یہ معنے تو نہین ہوئے کہ جو قرار دیا وہ ابھی د توع مین آئے گا۔ یہ معنے لینے مین کہ فدیہ دیدیا لفظ عظیم جو ذبح کے بعد ہے مانع ہے حضرت اسمٰعیل کی جو جان اس وقت بچی وہ دنبہ کے ذبح سے۔ لفظ عظیم تو بتاتا ہے کہ جو فدیہ قرار دیا گیا وہ عظیم المرتبت شے تھی۔ تو کیا دربار عزت مین حضرت اسمٰعیل کی جان کی وقعت، دنبہ کی جان کے برابر تھی۔ وہ دنبہ کتنا ہی عظیم الجثہ کیون نہو۔ اگر اس کا جواب اثبات مین ہے تو مین صرف عرض کرونگا کہ خدا کی قدر شناسی کے قربان۔ پس اتنے ہی سے لئے تو نے آدم بن اپنی مملوک روح پھونکی اور ملائکہ سے سجدہ کرایا تھا۔ سجدہ کرانا تو کہتا ہے کہ اس روح کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات تھا۔ وہ اشرفیت بھی اسقدر تھی لفظ عظیم سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ کی جان کی وقعت حضرت اسماعیل کی جان سے زیادہ تھی

اور زیادہ نہیں تو اوتنی ضرور رکھی۔ ورنہ عظیم کا لفظ نہ آتا۔ اس بنا پر فدینہ کے یہ معنی نہیں ہے کہ فدیہ دیدیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ فدیہ قرار دیا۔ اور اس معنے سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اوپر عرض کیا۔ اوسوقت حضرت اسمعیل کے جان ضرور اس ذبیحہ کے ذبح ہونے سے بچ گئی لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ ہی اون کا فدیہ تھا اور کچھ نہیں اور وہ فدیہ ہو گیا اور آیت ہونے کو نہ تھا میں تو الفاظ آیت قرآنی سے یہ سمجھا ہوں جو عرض کیا اور حضرات بھی غور فرمائیں کہ جو عرض کرتا ہوں قابل قبول و قرین عقل ہے یا نہیں۔

اب میں توریت و انجیل پر آتا ہوں۔

"کاظم صاحب مصنف بینات صفحہ ۲۷ پر فرماتے ہیں" قرآن جو آپ کے لئے سورہ عنکبوت آئت نشانی مانا گیا ہے زیادہ تر وہ توریت ہے کا اعادہ ہے جو لاتعداد مدت سے آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کے معجزات (جیند کا تذکرہ مصنف نے اوپر کیا ہے) اور بھی ہیں جو انجیل شریف میں ہیں جیسے ضیافت میں پانی کو شراب بنادینا ..... بلکہ یہ انجیل میں عجیب و غریب معجزے جو قرآن میں کہیں پائے بھی نہیں گئے جیسے بطن مادر ہی سے پیغمبر پیدا ہوئے ......"

میں نے شروع ہی میں دکھایا ہے کہ مصنف بینات یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جس بچہ کو حضرت ابراہیم خوشنودی خدا کے لئے ذبح کرنا چاہتے تھے وہ حضرت اسحٰق تھے نہ کہ حضرت اسمٰعیل اور اس کی تصدیق توریت سے بھی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس بنا پر یہ ماننا چاہیئے کہ حضرت اسحٰق کو ذبح کیا چاہتے تھے نہ کہ حضرت اسمعیل کو۔

اب ذرا انجیل و توریت کو غور کیجئے۔

حضرت عیسیٰ کے بعد متعدد اناجیل رائج تھیں جن میں اختلافات تھے دوسری صدی عیسوی کے آخر میں یا تیسرے صدی میں علماء عیسوی کی اس طرف توجہ ہوئی۔ ایک کونسل یہ طے کرنے کے لئے مقرر ہوئی کہ کس انجیل کو صحیح مانیں۔ اس کونسل کا نام Council of Nicea (کونسل آف نائس) تھا۔ علماء جمع ہوئے۔ عرصہ تک بحث و مباحثہ رہا۔ یہ طے نہیں کرسکے کہ کس کو صحیح مانیں۔ تب یہ قرار پایا کہ چار کو صحیح مانو اور بقیہ کو رد کر دو یہ بھی طے نہیں ہو سکا کہ کون سے چار مانیں۔ تب یہ قرار پایا کہ اسے بذریعہ قرعہ اندازی طے کرو۔ جتنی اناجیل

تھیں او تنے ہی پرچے لکھے گئے۔ چار پر صحیح لکھا اور بقیہ پر غیر صحیح۔ سب نے بند کر دعا مانگی

کیں اور پرچہ ڈالا گیا۔ جن چار پر پرچہ صحیح کا نکلا وہ لے لیا اور بقیہ کو رد کر دیا۔ وہ رد کردہ

اناجیل ابتک موجود ہیں۔ اور ان کا نام اپاکریفل نیو ٹسٹمنٹ (Apocryphal New Testament) ہے۔ اور یہی حضرت عیسیٰ کے وہ معجزے جو قرآن میں ہیں اور

انجیل موجودہ میں نہیں ملتے پائے جاتے ہیں لہذا یہ قرآنی معجزات عجیب و غریب ناقابل اعتبار

نہیں ہیں بلکہ اناجیل میں تھے میں یہ کہنے کو تیار نہیں ہوں کہ قرعہ اندازی کے وقت دعائیں

بیکار تھیں مگر جب پرچوں کی تعداد صحیح و غیر صحیح کی ملا کر اتنی ہی تھی جتنی اناجیل کی تو

چار کے لئے تو صحیح کا لفظ آتا ہے۔ اس میں کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ لہذا ہم موجودہ اناجیل

کے لئے یہ نہیں کہ سکتے کہ یہ صحیح ہیں ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بہ نسبت دوسروں کے

انہیں صحت زیادہ ہے۔ مگر یہ نہیں کہ سکتے کہ انہیں اسقدر صحیح ہے اور اسقدر غیر صحیح اور

رد کردہ اناجیل میں سب غیر صحیح ہے اون کا جزو بھی صحیح ہو سکتا ہے۔

اس بنا پر اس وجہ سے کہ یہ بات اناجیل مروجہ میں نہیں ہے۔ لہذا صحیح نہیں ہے نہیں کہا جا سکتا۔

توریت کو لیجئے یہود میں خود اختلاف ہے کہ توریت کی کون کون سی کتاب قابل وثوق ہے

توریت میں حضرت لوط کی بابتہ موجود ہے کہ وہ اپنی امت کو چھوڑ کر مع اپنی دو بیٹیوں کے پہاڑ

پر چلے گئے۔ امت تباہ ہو گئی۔ وہاں پہاڑ پر ان کی بیٹیوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ نسل حضرت لوط

کی کیونکر قائم رہے لہذا انھوں نے معاذ اللہ حضرت لوط کو شراب پلائی جب وہ نشہ میں چور ہوئے

تو اپنی بیٹیوں سے ہم بستر ہوئے اُن سے اولاد نرینہ پیدا ہوئی اور سلسلہ قائم ہوا۔ اولاد کے نام

دیئے ہوئے ہیں۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگر یہ قصہ صحیح ہے اور توریت میں تحریف نہیں کی گئی ہے تو ایسے نبی

کو دور سے سلام نبی کا مرتبہ بلند ہے ایسے حرکات تو معمولی آدمی بھی نہیں کرتا توریت میں کتاب

[illegible] میں موجود ہے کہ اپنی لڑکی سے ہم بستر نہ ہو۔ جب نبی صاحب نے خود اس کے

خلاف کیا تو ان کو کسی سے کہنے کا کیا حق تھا کہ تم ایسا نہ کرو۔

توریت میں خود موجود ہے کہ حضرت سلیمان آخر عمر میں بت پرستی کی طرف مائل تھے ارے سبحان اللہ

مردہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔

ظاہر ہے کہ توریت مین تحریف ہے۔ تو اب اُسپر کیا اعتبار ہے کرین اب اسپر آجائے کہ قرآن مین جو قصہ حضرت ابراہیم کی بابتہ درج ہے سو آپ حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنا چاہتے تھے یا حضرت اسحٰق ہمارے لائق دوست کاظم صاحب کا خیال ہے کہ حضرت اسحٰق کو ذبح کرنا چاہتے تھے۔ یہ قرآن سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور اس کی تصدیق توریت سے بھی ہوتی ہے۔ آیت ۱۰۰ سورہ صفت مین ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی۔ رب ھب لی من الصلحین۔ اے میرے پروردگار مجھے اولاد صالح عطا کر۔ آیت ۱۰۱ مین ہے فبشرنہ بغلم حلیم یعنے ہم نے اوس کو ابراہیم کو ایک بڑے نرم دل لڑکے کی بشارت دی یہان بشارت دینے کے یہی معنی نہین ہے کہ خوشخبری سنائی بلکہ ایسا لڑکا عطا کیا یا اسقدر محذوف ہے کہ خوشخبری کے بعد عطا کیا۔ پھر اسکے بعد ہے کہ پھر جب وہ لڑکا بڑا ہوا اور باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے لگا۔ اسکے بعد خواب کا قصہ ہے اور ذبح کے ارادہ کا قصہ ہے۔ اس واقعہ کے بعد ہے آیت ۱۰۵ مین انا کذالک نجزی المحسنین ہم نیکی کرنے والے کو یون جزائے خیر دیتے ہین۔ اسکے بعد ہے وفدینہ بذبح عظیم دو آیتین اور ہین پھر کذالک نجزی المحسنین ہے اس کے بعد ایک اور آیت ہے اسکے بعد ہے وبشرنہ باسحاق نبیًا من الصالحین۔ چونکہ حضرت اسمٰعیل کا نام نہین آیا اور اس آیت مین اسحٰق کا نام دیا ہے لہذا کاظم صاحب کا خیال ہے کہ فبشرنہ بغلم حلیم سے مراد حضرت اسحاق سے ہے۔ خصوصًا اس لئے کہ توریت مین یہ قصہ حضرت اسحٰق کی بابتہ دیا ہوا ہے۔ اب ذرا غور فرمایئے قرآن کو اس سورہ مین اس قصہ کے قبل اور قصہ بھی دیا ہوا ہے اور اسکے بعد بھی اور جب قصہ ختم ہوا ہے تو انا کذالک نجزی المحسنین آیا ہے اور اسکے دوسرا قصہ یا واقعہ شروع ہوا ہے اسی بنا پر وہ خیال ہے بلکہ حتمی رائے کہ فبشرنہ بغلام حلیم سے جو قصہ شروع ہوا تھا وہ کذالک نجزی المحسنین سے ختم ہو گیا۔ اوسکے بعد دوسرا قصہ شروع ہوا چونکہ حضرت اسحٰق کا نام اسکے بعد آیا ہے لہذا یہ دوسرا قصہ ہے اور کسی طور سے یہ نہین کہا جا سکتا کہ غلام حلیم سے مراد حضرت اسحٰق سے ہے لگے ہاتھون توریت کے تصدیق کو ملاحظہ فرمایئے توریت مین جو یہ قصہ دیا ہوا ہے تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ اپنے لڑکے کو ذبح کر دو قربانی

اردو میں جو توریت ہے اسمین ان الفاظ کا ترجمہ دیا ہوا ہے "اپنے اکلوتے" سے ادا ہوا یا نہین مطلب یہ تھا کہ تمہارے جو ایک لڑکا ہے اور کوئی دوسرا نہین ہے اس لڑکے کو خدا کی راہ مین ذبح کرو۔ آیا یہی مفہوم اکلوتے کا ہے جو لفظ Only انگریزی ترجمہ عبرانی کا تھا مین تو سمجھتا ہون کہ نہین اور اگر ہے تو فہوالمراد اب لیجئے توریت کہتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس یا کچھ زائد کے ہوئی تو حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اور جب سو برس یا اوسکے قریب عمر ہوئی تب حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ حضرت اسحٰق کی پیدائش کے بعد تو حضرت اسحٰق کو اور نہ حضرت اسمٰعیل کو کسی کی بابت یہ نہین کہا جا سکتا تھا کہ THY ONLY SON حضرت اسمٰعیل کی بابت البتہ قبل حضرت اسحٰق کی پیدائش کے یہ کہا جا سکتا تھا پس چونکہ الفاظ THY ONLY SON کے آئے ہین لہذا توریت مین یہ حکم حضرت اسمٰعیل کی بابت تھا نہ کہ حضرت اسحٰق کی بابت پھر توریت مین ان الفاظ کے بعد اسحٰق کا لفظ کیسے آگیا۔ موجودہ توریت مین الفاظ ہین اپنے اکلوتے لڑکے اسحٰق کو ذبح کرو بات یہ تھی کہ توریت مین اوس لڑکے کی اولاد کیلئے کچھ وعدے تھے پس توریت بن یا انجیل لفظ موجود رہتا اسے کاتب یا ان طرفت نے اسحٰق لکھدیا یا کوئی نام تھا اسحٰق اضافہ کر دیا تا کہ وہ کل وعدے پیشنگوئی کی اولاد اسحٰق مین سمجھے جائین اور اولاد اسمٰعیل مین کچھ بھی نہ سمجھا جاسکے اس زمانہ مین صرف چند نسخہ توریت کے تھے عوام سے پڑھتے تھے۔ لہذا کچھ اضافہ کر دینا یا نکال دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ یہ حالت توریت کی تصدیق کی ہے جسپر کاظم صاحب کو ناز اس کل کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم ذبح کرنا چاہتے تھے نہ کہ حضرت اسحٰق کو اور اسکی تکذیب قرآن یا توریت کسی سے نہین ہوتی۔ اور یہ فدیہ اسیوقت ہو نہین گیا بلکہ بعد کو ہونے کو تھا اور وہ امام حسین کی شہادت سے ہوا اسلئے کہ اور کسی کی شہادت ایسی معلوم نہین ہوتی جسکا رتبہ حضرت اسمٰعیل کا سا رہا ہو یا ان سے زائد رہا ہو کہ لفظ عظیم کی تصدیق ہوتی۔

اسقدر میں نے خود سمجھا جو عرض کیا اور جو اعتراضات ہین یا ہو سکتے ہین ادیبان علما و دیگر صاحبان علم دکر سکتے ہین میرا خیال ہوا کہ چند باتین جو عرض کی ہین اسپر اور صاحبون کی توجہ نہ ہوتی اسلئے مینے عرض کیں۔

الواعظ کاظم صاحب کسا ہو کہے عقائد ضروریات مذہب سے انکار کم از کم لکھنو کے اہل علم تو اچھی طرح جانتے ہین الواعظ نے اپنے اس دور مین جبکہ وہ ہفتہ وار تھا اصحاب کہف کے وجود پر موصوف سے ایک مستقل بحث کی تھی جس کا جواب کوئی نہین ملا۔